الانوار المحمدیہ

تالیف: علامہ امام یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

جناب پروفیسر غلام ربانی عزیز، ایم اے

مکتبہ نبویہ ○ گنج بخش روڈ لاہور

مختصّاتِ کتاب

نام کتاب :۔ ——— انوارِ محمدیہ

تصنیف :۔ ——— علامہ امام یوسف بن اسماعیل نبہانی قدس سرہٗ

ترجمہ :۔ ——— پروفیسر غلام ربانی عزیز۔ ایم اے

موضوع :۔ ——— سیرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

سائز :۔ ——— ۱۸×۲۲/۸

صفحات :۔ ——— ۷۵۲

تعداد :۔ ——— ۱۱۰۰

کتابت :۔ ——— حافظ منظور احمد سندھو

طابع :۔ ——— مسعود پرنٹرز۔ لاہور

ناشر :۔ ——— مکتبہ نبویہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور

سالِ طباعت ترجمہ :۔ ——— ۱۹۸۲ء

قیمت مجلد :۔ ——— 48/ روپے

موضوعات ومضامین کتاب

پیشِ لفظ

حسب تصریح علامہ نبہانی ، انوارِ محمدیہ، علامہ شیخ احمد شہاب الدین القسطلانی کی شہرۂ آفاق تصنیف المواہب اللدنیہ، کی تلخیص ہے، جسے سیرت کی کتابوں میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ چونکہ مواہب اللدنیہ میں ضمناً، بعض ایسے مسائل بھی زیرِ بحث آ گئے تھے، جن سے ایک عام قاری کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی، اس لئے علامہ، نبہانی نے اس ضخیم تصنیف کو مختصر کر کے، کتاب تک عوام اہلِ زبان کی رسائی کو آسان بنا دیا، اور ساتھ ہی اس امر کا خیال رکھا، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا کوئی گوشہ قاری کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اس لحاظ سے یہ تلخیص اتنی جامع ہے، کہ اس حجم کی کوئی اور کتاب، بربنائے جامعیت اسکی سہیم نہیں ہو سکتی۔

جب مکتبہ نبویہ نے انوارِ محمدیہ کے عربی متن کو اُردو زبان میں منتقل کرنے کا اعزاز مجھے بخشا، تو ہر چند میں نے اس کام کو فوراً شروع کر دیا، لیکن میں اس کی افادیت کا اس وقت ہی پورے طور پر قائل ہو سکا، جب سال بھر کی شبانہ روز محنت کے بعد، میں ترجمۂ کتاب سے فارغ ہوا، ہر چند اُردو میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ پر کثیر التعداد کتابیں لکھی جا چکی ہیں، لیکن متوسط الحجم کتابوں میں، کوئی ایسی کتاب موجود نہیں، جو اتنی جامع ہو۔ دعا ہے کہ مکتبۂ نبویہ کی یہ کوشش، دربارِ رسالت میں خلعت قبولیت سے نوازی جائے، اور خواص و عوام اس کے دل نشین مطالب سے مستفیض ہوں۔

مؤلف کے حالاتِ زندگی

علامہ نبہانی کا تعلق عرب کے ایک بادیہ نشین قبیلے، بنو نبہان سے تھا، یہ لوگ فلسطین کے ایک شمالی گاؤں میں، جس کا نام

اجزم ہے، سکونت پذیر تھے۔ اس قبیلے کے ایک بزرگ (جن کا نام اسماعیل بن یوسف تھا) کے یہاں ایک بچے نے ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۹ء میں جنم لیا۔ باپ نے یوسف نام رکھا۔ پڑھنے لکھنے کی عمر کو پہنچا، تو شیخ نے حسبِ دستورِ عہد، ہونہار بیٹے کو قرآن شریف پڑھایا۔ ادھر سے فراغت ہوئی تو ابتدائی درسی کتابیں پڑھیں۔ اٹھارہ برس کے تھے، کہ جامعۂ ازہر میں آگئے۔ اور ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء سے ۱۲۸۹ھ/۱۸۹۲ء تک اکتسابِ علوم میں مصروف رہے ہر چند جامعۂ ازہر کی بہار اجڑ چکی تھی لیکن اس گئے گزرے وقت میں بھی اس کے سٹاف میں ایسے ایسے جلیل القدر علما موجود تھے، کہ جن کے حلقۂ درس میں شمولیت کو بہت بڑا امتیاز سمجھا جاتا تھا۔ ان میں سے چند فضلا کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔

۱۔ علامہ سید محمد دمنہوری
۲۔ علامہ شیخ ابراہیم الزرو الخلیلی
۳۔ علامہ شیخ احمد الاجہوری نابینا
۴۔ علامہ شیخ حسن العدوی
۵۔ علامہ شیخ سید عبدالہادی
۶۔ علامہ شیخ شمس الدین محمد الانبابی
۷۔ علامہ شیخ عبدالرحمان الشربینی
۸۔ علامہ شیخ عبدالقادر الرافعی
۹۔ علامہ شیخ یوسف برقاوی
۱۰۔ علامہ شیخ ابراہیم السقا

جب علامہ نبہانی اس عظیم درسگاہ سے فارغ ہوئے، تو اپنے اساتذہ کے جائزے کے مطابق، جامعۂ ازہر کے ان باصلاحیت طلبہ میں سے تھے جن کے علم و فضل پر جامعہ بجا طور پر ناز کر سکتی تھی چنانچہ شیخ ابراہیم السقا نے اپنے ہونہار شاگرد کو جو سرٹیفکیٹ عطا کیا، اس میں بربنائے قدردانی و شفقت علامہ نبہانی کو اَلْاِمَامُ الْفَاضِلُ وَالْهُمَامُ الْكَامِلُ: اَللَّوْذَعِیُّ الْاَرِیْبُ وَالْاَلْمَعِیُّ الْاَدِیْبُ کے القاب سے یاد فرمایا۔

زیادہ عرصہ نہیں گزرنے پایا تھا، کہ ان کے علم و فضل کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا، اور بیروت میں محکمۃ الحقوق العلماء کے رئیس مقرر کر دیئے گئے۔ اور کافی عرصہ تک یہ خدمات سرانجام دیتے رہے یہ وہ زمانہ ہے، جب یہ سارے علاقے بابِ عالی (حکومتِ عثمانیہ) کے ماتحت

تھے، اور سلطان عبدالحمید سیاہ و سفید کے مالک تھے، ہر چند یورپ کا مرد بیمار آخری دموں پر تھا لیکن پھر بھی اس کے بازوؤں میں اتنا کس بل ضرور تھا، کہ کوئی مغربی طاقت یکہ و تنہا سلطان کے خلاف میدانِ مبارزت میں اتر سکتی تھی۔ چنانچہ اقوام یورپ نے اپنی ساری توجہ، اندرونی محاذ پر مبذول کر رکھی تھی۔ مشرقِ وسطیٰ میں بیروت ان غیر صالح سرگرمیوں کا مرکز تھا، یہ لوگ مسلمانوں کو ان کے مذہب سے بدگمان کرنے کے لئے تحقیق و تدقیق کا ڈھونگ رچا کر اسلام کے خلاف شوشے چھوڑتے رہتے، اور ان کی زبان درازیوں کے زہر میں بجھے ہوئے تیر مسلمانوں کے دلوں میں پیوست ہوتے رہتے تھے۔

قیام بیروت کے دوران میں ایسے کئی ناگوار موقعے پیش ہوئے۔ اگرچہ علمائے اسلام نے معاندین کے بے سروپا اعتراضات کے جواب میں کبھی تساہل سے کام نہیں لیا، بلکہ سلیقے طریقے سے ہر اعتراض کو عقل اور منطق کی کسوٹی پر پرکھا اور مخالفین کے خبث باطن کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ لیکن چونکہ یہ سب کچھ ایک خاص مقصد کے حصول کے لئے کیا جا رہا تھا۔ اس لئے یہ لوگ، مسلمانوں کے احتجاج اور غوغا آرائی سے کوئی تاثر نہیں لیتے تھے۔

علامہ نبہانی بھی پادریوں کی ہرزہ سرائی سے سخت آزردہ خاطر تھے، چنانچہ انہوں نے سات سو پچاس اشعار پر مشتمل قصیدہ الرائیۃ الکبریٰ لکھا، جس میں دین اسلام کا ادیان عالم سے تقابلی جائزہ پیش کیا، بالخصوص عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث (ایک میں تین اور تین میں ایک) کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیئے۔ اس کے بعد ایک اور قصیدہ الرائیۃ الصغریٰ، جو ساڑھے پانچسو اشعار پر مشتمل تھا، تصنیف کیا۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت، دین اسلام کی برکات، سنت محمدیہ کے اتباع کی اہمیت اور بدعات کے رد پر خاص زور دیا تھا۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، کہ یہ وہ زمانہ تھا، کہ خلافتِ عثمانیہ کی باگ ڈور سلطان عبدالحمید کے ہاتھ میں تھی اور نوجوان ترکوں کی معتد بہ تعداد سلطان کے استبداد کے خلاف زیر زمین مصروف عمل تھی، چنانچہ خفیہ پولیس ہمیشہ ان کے تعاقب میں رہتی۔ سلطان اس

باب میں اتنا حساس ہوگیا تھا، کہ ذرا سے کھٹکے سے چونک اٹھتا، چونکہ قصیدۂ رائیۃ الصغریٰ میں علامہ جمال الدین افغانی اور ان کے شاگرد علامہ محمد عبدہ پر لے دے کی گئی تھی۔ اور اس عہد میں یہ لوگ دنیائے عرب میں مقبول تھے، بدخواہوں نے موقعہ پاکر علامہ نبہانی کیخلاف سلطان کے کان بھرے، کہ یہ قصیدہ لکھ کر سلطان کی رعایا میں انتشار اور تشتت کو ہوا دی گئی ہے، تاکہ امن وامان کی صورتِ حال خراب ہو، اور رافراتفری پھیلے۔ سلطان نوجوان ترکوں کی زیر زمین سرگرمیوں سے خائف تو تھا ہی، حاسدوں کی لگائی بجھائی سے بدک گیا اور ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں جب علامہ نبہانی وارد مدینہ ہوئے، حکم دیا، کہ مفاد عامہ کی خاطر علامہ موصوف کو نظر بند کر دیا جائے۔

مدینہ منورہ کا گورنر بصری پاشا علامہ نبہانی کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کا گرویدہ تھا وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور بہ صد اعزاز واحترام انہیں گورنر ہاؤس میں لے گیا، علامہ کہنے کو تو نظر بند تھے، مگر فی الحقیقت حاکم صوبہ کے معزز مہمان تھے۔ ہر وقت ان کے پاس معتقدین کا جمگھٹا رہتا، آنے جانے والوں پر کوئی پابندی نہ تھی۔ دوست احباب جب چاہتے آتے اور جب تک چاہتے، بیٹھے رہتے۔

چونکہ علامہ نبہانی اپنے علم وفضل کی وجہ سے خاص مقام کے حامل تھے اور مقبولِ خاص و عام تھے اس لئے ان کی نظر بندی کی ناخوشگوار خبر آناً فاناً پھیل گئی، اور حکومت کے اس ناعاقبت اندیشانہ اقدام کے خلاف کھسر پھسر شروع ہوگئی۔ علامہ سے عقیدت مندوں نے گزارش کی، کہ اگر آپ اجازت دیں۔ تو سلطان کی خدمت میں محضر نامہ پیش کر کے آپ کی رہائی کی درخواست کی جائے اگر اسے درخور اعتنا نہ سمجھا گیا، تو پھر غور کر لیا جائیگا، کہ اگلا اقدام کیا ہونا چاہیئے۔ لیکن علامہ اس تجویز سے متفق نہ تھے۔ انہوں نے کہا، بجائے اس کے کہ سلطان کی خدمت میں محضر نامہ پیش کر کے اپنی درخواست کو رسوا کریں۔ آپ سلطان الکونین رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالیہ میں اپنا استغاثہ پیش کر کے طالب امداد ہوں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل درود شریف کا ورد صرف تین دن

ہی کرنے پائے تھے، کہ بابِ عالی سے علامہ کی رہائی کے احکام موصول ہو گئے۔

قصہ کوتاہ گشت ، ورنہ درد سر بسیار بود

(صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃً وَسَلَامًا عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِقَلَّتْ حِیْلَتِیْ، اَنْتَ وَسِیْلَتِیْ ، اَدْرِکْنِیْ یَاسَیِّدِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ)

علامہ نبہانی کی تصنیفات کی فہرست کافی طویل ہے جس میں کم وبیش باون کتابیں مذکور ہیں۔ جن میں سے بعض تین تین چار چار جلدوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ فہرست کتب پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ علامہ کو اسلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے کتنا عشق تھا۔ انہوں نے اپنے اوقات کا ہر لمحہ اور زندگی کا ہر سانس دین مبین کی خدمت میں صرف کر دیا۔ انہیں حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا دلی لگاؤ تھا، کہ غیر مذاہب کے لوگ تو رہے ایک طرف، اگر کسی مسلمان عالم کی تحریر میں کوئی ایسا جملہ ان کے سامنے آجاتا جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر سوئے ادب (العیاذ باللہ) کی پرچھائیاں پڑتی دکھائی دیتیں، تو علامہ اس شخص کی جلالتِ قدر کا لحاظ کئے بغیر جھپٹ پڑتے، اور جب تک اس کا پورا تعاقب نہ کر لیتے، اس کا پیچھا نہ چھوڑتے۔

علامہ نبہانی نے $\frac{\text{۱۳۵۰ھ}}{\text{۱۹۳۲ء}}$ میں بیروت میں وفات پائی۔ اللہ تعالٰی انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

راقم

غلام ربانی عزیز

ایم۔ اے

۱۰-۱۲-۸۱ اٹک (کیمبل پور)

مُقدّمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعریف ہے اس خدا کی جس نے حضرت آدم، حضرت نوح، آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو اہلِ عالم میں سے پسند فرمایا اور ان میں سے عربوں کو اور ان سے قریش کو اور ان سے بنو ہاشم کو اور ان سے اپنے حبیب حضرت محمد کو جو سیّد المرسلین ہیں، فضیلت دی۔ پس وہ (محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تمام منتخب اور پسندیدہ تر افراد سے برگزیدہ تر ہیں، نیز منتخب شدہ لوگوں میں سے منتخب اور پسندیدہ انسانوں سے پسندیدہ تر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کامل اور دائمی رحمت، جس میں ازل و ابد شریک ہوں۔ ان پر نازل ہو، اور اللہ کی مخلوق سے اور کوئی اس باب میں ان کا شریک نہ ہو۔ وہ رحمت جس کا کسی کو علم نہ ہو، تاکہ وہ اندازہ کر سکے۔ کسی کو اندازہ نہ ہو، تاکہ شمار کر سکے۔ وہ رحمت جو مقربین درگاہِ خداوندی کا اعلیٰ تریں درجہ ہے، جس کی ازلی ابتدا تک بھی وہ نہیں پہنچ سکتے اور جس کی کوئی ابتدا ہے ہی نہیں، اور جو ہر لمحہ ترقی کرتی ہے اور ہمیشہ کرتی رہے گی اور اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اور ان کی مقرب اولاد، امہات المؤمنین اور صحابہؓ پر جو راستہ ڈھونڈنے والوں کے ستارے اور حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے باعث سنگساری ہیں، اور ان لوگوں پر جو قیامت تک ان کی پیروی کرتے رہیں گے

امّا بعد، یہ فقیر گناہ گار یوسف بن اسماعیل نبہانی، خدا اس کے قصور معاف کرے اور اس کے اعمال

قبول فرمائے، اور دونوں جہانوں میں اُس کی بہترین امیدیں پوری کرے، عرض کرتا ہے، یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں کہ ہمارے سردار، آقا اور نبی ابوالقاسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر خوبی میں افضل الانبیاء والمرسلین اور ملائکہ مقربین اور خدا کے نیک بندوں اور تمام مخلوق سے انفرادی اور اجتماعی لحاظ سے بہتر ہیں، یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ہر فرد سے انفرادی طور پر اور ان تمام سے اجتماعی طور پر افضل ہیں۔ بایں معنی کہ اگر ان تمام لوگوں کے فضائل، ترازو کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل دوسرے پلڑے میں، تو آپ کے فضائل کا پلڑا بھاری ہوگا۔ اور کیا خوب ہے جو میں نے اپنے دوسرے قصیدے کی ابتدا میں کہا ہے جو ان سات قصائد میں سے ایک ہے، جو میں نے اپنی کتاب "افضل الصلوات علیٰ سید السادات" کے آخر میں درج کیے ہیں۔ اور جو مندرجہ ذیل اسلوب میں سب کی سب بہ انداز مخمس ہیں :۔

سَیِّدُ الرُّسُلِ قَدْرُہٗ مَعْلُوْمٌ — اَیْنَ مِنْہُ الْمَسِیْحُ اَیْنَ الْکَلِیْمُ
آپ پیغمبروں کے سردار ہیں اور آپکا مقام لوگوں کو معلوم ہے — مسیح اور کلیم کا ان سے کیا مقابلہ ہے
اَیْنَ نُوْحٌ وَ اَیْنَ اِبْرَاھِیْمُ — کُلُّھُمْ عَنْ مَقَامِہٖ مَفْطُوْمٌ
کہاں نوح اور کہاں ابراہیم — یہ سب لوگ آپ کے مقام تک پہنچنے سے قاصر ہیں

فَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمُ
آپ پر صلواۃ و سلام ہو

اَیْنَ جِبْرِیْلُ اَیْنَ اِسْرَافِیْل — اَیْنَ مِیْکَالُ اَیْنَ عِزْرَائِیْلُ
کہاں جبریل کہاں اسرافیل — کہاں میکائیل اور کہاں عزرائیل
فَعَلَیْھِمْ طُرًّا لَہُ التفضیل — وَبِمِعْرَاجِہٖ دَلِیْلٌ قَوِیْم
ان سب پر آپ کو فضیلت حاصل ہے — اور آپ کا معراج اس کی مضبوط دلیل ہے

فَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْم
آپ پر صلواۃ وسلام ہو

اَیْنَ کُلُّ الْعَوَالِمِ الْعَلْوِیَّہ اَیْنَ کُلُّ الْعَوَالِمِ السُّفْلِیَّہ
کہاں ہیں تمام آسمانی دنیائیں اور کہاں ہیں نچلی دنیائیں
اَیْنَ کُلُّ الْوَرٰی بِکُلِّ مَزِیَّہ اِنَّمَا فَوْقَہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ
نیز کہاں ہیں تمام اہلِ عالم اپنی تمام خوبیوں سمیت آپ سے بلند تر تو صرف خدائے اعلیٰ و برتر ہے

فَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْم
آپ پر صلواۃ وسلام ہو

جب تمہیں یہ بات معلوم ہو گئی ہے تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ حضورِ اکرم کی خوبیوں اور فضائل کا مکمل علم (خواہ آپ کے بغیر تمام لوگ اکٹھے ہو جائیں) حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اور فضائل کا علم خدا کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ اور ماہر علما آپ کے طوفانی سمندروں کی موجوں میں ہمیشہ غوطہ زن رہے ہیں، اور ان کی تہہ سے تابدار موتی اور عجیب و غریب جواہر نکال لائے ہیں۔ ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایسے ہار پروئے، جو زمانے کی گردن کی زینت ہیں۔ اور بعض وہ لوگ ہیں، جنہوں نے فرشِ زمین پر وہ موتی بکھیر دیئے، اور اہلِ معرفت و ایمان نے جھولیاں بھر لیں۔ انہوں نے کتابیں اور دیوان مدون کیے، اور ہر سچے اور دیانت دار آدمی سے روایات اکٹھی کیں بعض نے اختصار سے کام لیا اور خوب کیا، بعض نے اطناب سے کام لیا، اور لوگوں کو اس سے مسرت ہوئی اور فائدہ اٹھایا بعض نے میانہ روی اختیار کی اور ان کا مسلک اعتدال کی خوبی کو اپنانا تھا۔ مختصر نویسوں میں سے ایک امام فاضل قاضی عیاض ہیں۔ اس کے ثبوت میں ان کی کتاب الشفا کافی ہے، جو

دنیا بھر میں مشہور ہے اور جس کی مقبولیت پر سب متفق ہیں۔ مطولین میں سے امام ہمام حسن بن عبدالرحمان انصاری ہیں۔ مَیں نے ان کی کتاب نہیں دیکھی لیکن نفخ الطیب کے آخر میں، مَیں نے وہ عبارت در بارۂ اوصافِ نبوی لکھی دیکھی، جسے مَیں نے منتہی السئول فی مدح الرسول، کی پچیسویں جلد سے (جسے علامہ حسن بن عبدالرحمان بن عبدالرحیم بن عذرۃ المغربی الانصاری نے تالیف کیا تھا) نقل کیا۔ اعتدال پسندوں میں سے امام علامہ شیخ شہاب الدین احمد قسطلانی ہیں، جنہوں نے ایک کتاب المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ تصنیف کی جو دو ضخیم جلدوں میں ہے جنہیں شتر سوار اپنے اپنے ملکوں کو لے اڑے۔ اور اس کتاب سے جامع تر و نافع تر کسی کتاب کا نام نہیں سنا گیا۔ ہاں مگر اس کتاب کے مؤلف نے (اس پر خدا کی رحمت ہو اور ہمیں اس کتاب سے انتفاع کا موقعہ دے) اس میں زیادہ تر اصولی دلائل، فروعی مسائل، مذہبی نزاع اور اختلافی مسائل کو شامل کیا ہے۔ اور اسے ایسے قیمتی موتیوں سے، جو دور دراز کے مقامات سے ملتے تھے، اور ان لذیذ میووں سے جو بے وقت پیدا ہوئے تھے، سجایا ہے۔ چنانچہ مصنف رحمہ اللہ نے مقصد ہفتم کی تیسری فصل میں جہاں وہ اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم کا ذکر کرتا ہے اس کی تصریح کرتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں، کہ مَیں نے تفصیل سے کام لیا۔ اور مجھے اس امر پر اس واقعہ نے (امام حسن کو حضرت صدیقِ اکبر نے اٹھا کر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر رکھا) اس اطناب پر اکسایا۔ پھر چند سطور کے بعد وہ لکھتے ہیں، کہ اس کتاب میں مجھے اکثر و بیشتر یہی صورت پیش آئی لیکن یہ عمدہ فوائد سے خالی نہیں، بایں ہمہ یہ مجموعہ کثیر معلومات پر مشتمل ہے، اور اس کا حجم بہت زیادہ ہے، چنانچہ اہلِ علم کے نزدیک اس کتاب کا حصول مشکل ہو گیا، اور اس کا فائدہ کم ہو گیا۔

ترتیب مضامین کتاب ہذا

المقصد الاول میں اس احترام کا ذکر ہے، جو خدا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ازل میں نبوت دے کر عطا کیا، نیز آپ کے پاکیزہ نسب، دورانِ حمل کی علامات، ولادت، رضاعت، تربیت، بعثت، ہجرت، غزوات، سرایا، لشکر کشی، سیرت وغیرہ بیان کی جو ترتیب وار پیدائش سے وفات تک کے عرصے پر مشتمل ہے۔

المقصد الثانی میں آپ کے مقدس ناموں، آپ کی پاکیزہ اولاد، ازواج مطہرات، چچاؤں، پھوپھیوں، رضاعی بہنوں، دادیوں، خدام، غلاموں، حفاظت کرنے والے چوکیداروں، کاتبوں اور بادشاہانِ عالم کو خطوط، مؤذنوں، حضور کے خطیبوں، حدی خوانوں، شاعروں، آلات حرب، سواریوں اور وفود کا ذکر ہے۔ یہ باب دس فصلوں پر مشتمل ہے۔

المقصد الثالث میں ان فضائل کا ذکر ہے، جو خدائے تعالیٰ نے آپ کو کمال خلقت، جمالِ صورت، اخلاقِ پسندیدہ، اوصافِ عالیہ کے رنگ میں عطا کیں۔ اس باب میں آپ کے تمام اخلاق شریفہ کا ذکر ہے اور تین فصلیں ہیں۔

المقصد الرابع میں آپ کے ان معجزات کا ذکر ہے، جو آپ کی نبوت کے ثبوت اور صداقت پر دلالت کرتے ہیں اور ان خصوصی علامات اور عجیب و غریب کرامات کا بھی ذکر ہے، جو آپ سے مخصوص تھیں اور اس میں دو فصلیں ہیں۔

المقصد الخامس میں آپ کی تخصیص بالمعراج والاسرا کا ذکر ہے، نیز جناب باری میں آپ کے اس اعزاز کا ذکر ہے، جو آپ کو خدا کے حضور میں شرف تکلم اور مشاہدہ عظمیٰ کی وجہ سے حاصل ہوا۔

المقصد السادس میں آپ کی اس عظمت قدر اور رفع ذکر کا بیان ہے، جو قرآن کی آیات میں بیان ہوا ہے۔ نیز آپ کی نبوت کی صداقت پر خدائے تعالیٰ کی قسموں، آپ کے منصب کی بلندی، آپ کی پیروی کے وجوب، سنت کے اتباع، اور تمام انبیا

اور معانی کے سورج بادلوں کے نیچے سے نکل آئے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے فضائل اور حالات اس خلاصے میں جمع کر دیئے ہیں، جو اس حجم کی کتاب میں کہیں نہیں ملتے۔ اور اسے بہ آسانی سمجھنے اور فائدہ حاصل کرنے میں عوام، علما، اور طلبا شریک ہو گئے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے جو عرش عظیم کا مالک ہے، درخواست کرتا ہوں کہ وہ اسے اپنی محبت اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا وسیلہ بنائے، اور وہ مجھے اور مسلمانوں کو اس سے اسی طرح نفع حاصل کرنے کا موقع دے۔ جیسا کہ اصل کتاب سے انتفاع کا موقعہ دیا تھا۔ اور وہ میری اس کوشش کو قبول فرمالے، اور میری تقصیرات کو معاف کر دے، وہ مجھے کافی ہے اور بہترین وسیلہ ہے۔ مگر بایں ہمہ اصل کتاب "المواہب اللدنیہ" سے استغنا ممکن نہیں اگرچہ میں نے خلاصے میں اصل کتاب سے بڑھ کر مختلف علوم دینیہ کو جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ علمائے عظام میں سے کوئی بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ان کا تو کیا ذکر جو ان سے کمتر درجے کے ہیں، میں نے اس خلاصے میں تمام ذرائع سے اجازت لے کر روایات بیان کی ہیں۔ ان میں میرے استاد علامہ امام الشیخ ابراہیم سقا مصری کا طریقہ بھی ہے، جس نے مختلف شیوخ سے، جن میں شیخ ثعیلب بھی شامل ہے جو اپنے شیخ احمد الملَوی اور احمد الجواہری سے اور وہ دونوں عبداللہ بن سالم البصری سے اور وہ شیخ منصور الطوخی سے اور وہ شیخ سلطان المزاجی سے وہ شیخ نورالدین زیادی اور وہ قطب الوجود ابوالحسن البکری سے روایت کرتا ہے، جو کتاب کے مؤلف شیخ شہاب الدین القسطلانی سے راوی ہے، یہ سب لوگ شافعی علما ہیں، اور ماسوائے عبداللہ بن سالم کے سب کے سب مصری ہیں۔ ان پر خدا کی رحمت ہو اور ہمیں ان سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ دے۔ اور میں نے اس خلاصے کی ترتیب اصل کے مطابق رکھی ہے جو دس مقاصد پر مشتمل ہے۔

ضرورتِ اختصار: باوجودیکہ جلیل القدر علماء میں یہ کتاب کثرت سے متداول تھی اور اس کے اختصار کی ضرورت خاص و عام کے فائدے کے پیشِ نظر، واضح ہوگئی تھی۔ میری نظر سے کوئی مختصر نسخہ نہیں گزرا اور نہ مَیں نے اس کے بارے میں کسی سے سنا۔ حالانکہ مَیں نے بے شمار کتابوں کے نام سن رکھے تھے۔ ہاں جب مَیں نے اس کا خلاصہ کرنا شروع کیا۔ تو مَیں نے علامہ الشیخ احمد الوارثی کے ذکر میں پڑھا، کہ اس نے اس کا خلاصہ شروع کیا تھا لیکن وہ اس کی تکمیل سے پہلے فوت ہوگیا۔ بہرحال خدا نے مجھے اس کی توفیق عطا کی، چنانچہ مَیں نے غیر ضروری مباحث کو حذف کر دیا۔ مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و فوائد سے پورا پورا انصاف کیا۔ مَیں نے اس کے اختصار میں عرق نکال کر رکھ دیا۔ اور اس کی صیقل شدہ تلوار کو نیام سے نکال لیا۔ نیز اس کے خوبصورت چہرے سے نقاب الٹ دی۔ اور اس کے بدرِ منیر سے بادل کا پردہ اٹھا دیا۔ چنانچہ اس بنا پر کہ اس میں حُسن کی تمام خوبیاں موجود تھیں، اور سب اسباب جمع تھے، یہ خلاصہ کافی و شافی ثابت ہُوا بحمدہ کتاب کا حجم مع معلومات ضروریہ نصف رہ گیا۔ نیز کتاب سہل الحصول اور عام فہم ہوگئی۔ کیونکہ مَیں نے مختلف معلومات اس میں جمع کر دیں۔ اور اسے ایسی صورت میں مرتب کیا کہ کسی مومن کو بھی اس سے بے خبر رہنے کی کوئی معقول وجہ نہیں رہتی۔ بایں ہمہ مَیں نے کوشش کی، کہ علامہ موصوف کی تحریر کو تا بحدِ امکان نہ بدلا جائے، بسا اوقات مَیں نے تھوڑی بہت تقویم و تاخیر اور تکمیل و تبدیل سے بھی کام لیا۔ اور بعض اوقات اس کے شارح کی کسی تشریح یا نہایۃ ابن الاثیر سے کسی تفسیر کا اضافہ کیا۔ اور جن مشکل الفاظ کو بلا تشریح چھوڑ دیا تھا، ان کے معانی بیان کیے۔ جب یہ خلاصہ تیار ہوگیا اور کرنیں چمکنے لگیں تو مَیں نے اس کا نام "الانوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ" رکھا (اے قاری) تم اس خلاصے کو لے لو، چونکہ اصل کتاب نہایت عمدہ ہے، اس لیے خلاصہ بھی عمدہ ہے

سے اس بات کا میثاق کہ اگر انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، تو وہ آپ کی امداد کریں گے، اور نیز ادیانِ سابقہ کی کتب توراۃ اور انجیل میں آپ کی نبوت کا ذکر ہے۔ اس میں دس فصلیں ہیں۔

المقصد السابع میں آپ کی محبت کا وجوب، سنت کا اتباع اور آپ کی ہدایت کی پیروی کرنا۔ نیز آپ کی اولاد اور اصحاب سے محبت کرنا اور آپ پر صلوٰۃ وسلام کا ذکر ہے، اور اس میں تین فصلیں ہیں۔

المقصد الثامن میں مریضوں اور بیماروں کے لیے آپ کی طب، خوابوں کی تعبیرات اور غیب کی باتوں کا ذکر ہے اور اس میں تین فصلیں ہیں۔

المقصد التاسع میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات کے دلچسپ حقائق بیان ہوئے ہیں۔

المقصد العاشر میں خدا کی ان نعمتوں کا ذکر ہے، جو آپ کی وفات کی صورت میں اور نیز آپ کے وصال سے آپ کو عطا کی گئیں۔ اسی طرح حضور کے مقدس روضے اور متبرک مسجد کی زیارت، اور آخرت میں اعلیٰ فضائل اور تمام انبیاء کے سامنے قربِ خداوندی کی خصوصیّت اور نیز اولین و آخرین کے مجمعے میں شفاعتِ عظمیٰ اور مقامِ محمود کی تخصیص اور جنت میں اعلیٰ درجات پر فائز ہونے کا ذکر ہے۔

المقصد الاوّل

معلوم ہونا چاہیئے، جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا، تو اس نے اپنے انوار سے حقیقتِ محمّدیہ کو پیدا کیا، پھر اس سے علوی اور سفلی دنیائیں پیدا کیں بعدۂ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا اعلان فرمایا، اور حضرت آدم حسبِ فرمودۂ رسولِ کریم روح اور جسم کی درمیانی حالت میں تھے، اس کے بعد حضورِ اکرم کی حقیقت سے روحوں کے چشمے پھوٹ پڑے۔ اس لحاظ سے آپ تمام اجناسِ خلق سے بہتر جنس ہیں اور تمام موجودات کے جدِّ اعلیٰ ہیں، جب وہ زمانہ جس میں حضور اکرم کا نام مخفی چلا آرہا تھا، آپ کے جسم کے وقوع پذیر ہونے اور اس سے ارتباطِ روح تک آپہنچا، تو زمانے کی حکومت ظاہری نام کو منتقل کر دی گئی، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جسم و روح لیے مکمل طور پر ظاہر ہوئے۔ حضورِ اکرم سے صحیح مسلم میں روایت ہے کہ خدا نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پیشتر مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا اور جو کچھ اس نے ام الکتاب (ذکر) میں تحریر فرمایا، وہ یہ تھا کہ خاتم النبییّن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ عرباض بن ساریہ، حضور اکرم سے راوی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب کہ آدم ابھی تک کیچڑ میں نفخِ روح سے پہلے لیٹے ہوئے تھے۔ میسرۃ الضبی راوی ہیں، مَیں نے دریافت کیا، یارسول اللہ! آپ کو کب نبوّت عطا ہوئی، فرمایا، جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھا۔ سہیل بن صالح الہمدانی سے روایت ہے، کہ مَیں نے ابوجعفر محمد بن علی سے پوچھا کہ

حضور اکرم، انبیا کے سردار کیسے بن گئے، حالانکہ وہ سب سے بعد میں آئے ہیں، فرمایا، جب خدا نے بنی آدم کی پشتوں میں سے اس کی اولاد کو ظاہر کر کے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں شہادت طلب کی تو سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، بلیٰ! اسی بنا پر وہ سب سے آخر میں آکر بھی انبیا کے سردار قرار پائے۔ یہ شیخ تقی الدین السبکی راوی ہیں، بلاشبہ یہ روایت ہے، کہ خدا نے روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کیا اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے (كُنْتُ نَبِيًّا) مراد آپ کی مقدس روح یا حقیقت ہے۔ اور ہماری عقلیں حقائق کو سمجھنے سے قاصر ہیں، انہیں صرف خدا جان سکتا ہے، یا وہ شخص جسے خدائی نور کی امداد میسر ہو۔ پس حقیقتِ محمدیہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے آپ کو پیشتر از خلقِ آدم وصفِ نبوت سے سرفراز فرمایا۔ جب آپ کی تخلیق ہوئی تو آپ اس وصف کے لیے تیار کھڑے تھے۔ چنانچہ اسی وقت یہ خلعت آپ کو پہنا دیا گیا۔ آپ پیغمبر ہو گئے اور آپ کا نام عرش پر لکھ دیا گیا اور آپ کی رسالت کا اعلان فرما دیا گیا تاکہ ملائکہ اور باقی مخلوق کو، اللہ کے دربار میں آپ کی قدر و منزلت کا پتہ چل جائے۔ اسی بنا پر حقیقتِ محمدیہ اس وقت سے موجود ہے، اگرچہ آپ کا جسم مبارک بعد میں پیدا ہوا۔ شعبی راوی ہیں، ایک شخص نے دریافت کیا، یا رسول اللہ! آپ کو نبوت کب ملی؟ فرمایا، جب مجھ سے میثاق لیا گیا۔ تو آدم علیہ السلام ابھی تک روح اور جسم کے درمیان تھے، چنانچہ آپ تخلیق میں اول اور بعثت میں آخر الانبیا ہیں۔ بعض علما کا قول ہے، کہ نفخِ روح سے پیشتر ہی آپ کو بالخصوص آدم کی پشت سے نکالا گیا۔ کیونکہ نوعِ انسانی کی تخلیق سے مقصود آپ ہی کی ذات تھی۔ آپ ہی انسانیت کی آنکھ، اس کا جوہر اور مرکزی نقطہ ہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خدا نے آدم اور ان کے بعد سب پیغمبر کو بھی بھیجا۔ اس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں

یہ عہد لیا، کہ اگر آپ کی بعثت اس کی زندگی میں ہوئی تو وہ آپ پر ایمان لائے گا آپ کی مدد کرے گا، اور اپنی قوم سے بھی اس امر کا وعدہ لے گا۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے بھی یہ روایت بیان کی ہے، نیز یہ مذکور ہے، کہ جب خدا نے ہمارے پیغمبر علیہ التحیۃ والتسلیم کے نور کو پیدا کیا، تو اسے حکم دیا کہ باقی انبیا علیہم السلام کے انوار پر ایک نظر ڈال لے، چنانچہ وہ حیران رہ گئے اور پکار اٹھے، یا اللہ! یہ کس کا نور ہے جسے دیکھ کر ہم چکرا گئے ہیں، فرمایا یہ محمّد بن عبداللہ کا نور ہے۔ اگر تم آپ پر ایمان لے آؤ، تو میں تم سب کو نبی بنا دوں گا۔ کہنے لگے، ہم آپ پر اور آپ کی نبوّت پر ایمان لاتے ہیں فرمایا، میں اس کا گواہ ہوں، کہنے لگے ہاں یا اللہ۔ چنانچہ یہ ہے وہ شہادت جو مندرجۂ ذیل میں مذکور ہے:۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ، ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ تا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۔ عمران: ۸۱

شیخ تقی الدین السبکی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضورِ اکرم کی نبوت اور عظمت شان بالکل واضح ہے، مزید بر آں اس آیت میں یہ بھی مذکور ہے، کہ اگر آپ ان انبیا کے عہد میں ظہور فرماتے، تو گویا آپ ان کے لیے مبعوث ہوتے اور یوں آپ کی نبوّت اور رسالت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک عامۃ الخلق کے لیے قرار پاتی، اور تمام انبیاء اپنی امتوں سمیت آپ کی امت میں شمار ہوتے۔ اور حضور سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیم کا یہ قول کہ میں تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔ ان لوگوں سے جو آپ کے زمانے سے قیامت تک پیدا ہوں گے مخصوص نہیں ہوگا، بلکہ اس سے پیشتر کے زمانے پر بھی حاوی ہوگا۔ اس سے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اس قول کی (کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ) وضاحت ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر رسولِ اکرم نبی الانبیا ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے، کہ قیامت کے

دن تمام انبیا آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے، اور اسی طرح دنیا میں آپ نے معراج کی رات کو انبیا کی امامت کی۔ اگر حضرات آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰ علیہم السلام کے عہد میں حضور کی بعثت متحقق ہوتی، تو انبیا اور ان کی امتوں پر فرض ہوتا، کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی امداد کریں۔ کیونکہ خدا نے اسی بات کا ان سے عہد لیا تھا۔ حضرت کعب الاحبار راوی ہیں، کہ جب اللہ نے رسولِ اکرم کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا، تو جبرئیلؑ کو حکم دیا، کہ دنیا سے وہ مٹی اٹھا لائے، جسے زمین کا دل، اس کی رونق اور اس کا نور کہنا چاہیئے، پس جبرئیل جنت اور ملائے اعلیٰ کے فرشتوں کی معیت میں زمین پر اترے، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے مقام سے مٹی کی مٹھی اٹھائی، جو سفید اور چمکیلی تھی۔ اور نہر تسنیم کے رواں پانی سے گوندھا۔ جو سفید موتی کی طرح بن گئی جس سے زبردست شعاع نکل رہی تھی۔ پھر فرشتوں نے اس مٹی کو لے کر عرش اور کرسی کا طواف کیا، اور نیز اسے لیے آسمانوں، زمین، پہاڑوں اور سمندروں میں گھومے، چنانچہ تمام فرشتوں اور ساری مخلوق کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اوصاف کا علم ہو گیا، قبل اس کے آدم علیہ السلام کو اس کا پتہ چلتا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی مکے میں زمین کے مرکز سے اٹھائی گئی اور کعبے کے مقام پر زمین کو کھودا گیا۔ یوں آپ کائنات کی اصل اور کائنات آپ کی فرع قرار پائی۔ عوارف المعارف کے مصنف راوی ہیں کہ جب پانی سے طوفانی حالت میں لہریں اٹھیں، تو اس نے جھاگ کو مختلف اطراف میں پھینک دیا۔ چنانچہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جوہر اس مقام پر گرا، جہاں مدینے میں آپ کا روضہ مبارک واقع ہے، اور آپ مکّی مدنی کہلائے۔ نیز یہ روایت بیان کی جاتی ہے، جب خدا نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، تو خدا نے انہیں الہام کیا۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا، کہ اے خدا تو نے مجھے ابو محمدؐ کی کنیت سے کیوں یاد

فرمایا۔ کہا، آدم! سر اوپر اٹھاؤ۔ انہوں نے سر اٹھایا، تو نورِ محمدی کو عرش کے پردوں میں چمکتا دیکھا، پوچھا، یہ نور کس کا ہے، فرمایا، یہ تمہاری اولاد میں سے ایک نبی کا نور ہے، کہ آسمانوں میں جن کا نام احمد اور زمین پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا، تو میں نہ تجھے پیدا کرتا، اور نہ آسمانوں کو اور نہ زمین کو۔

عبدالرزاق نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی، وہ کہتے ہیں، میں نے پوچھا یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، مجھے یہ بتایئے، کہ خدا نے تمام اشیائے عالم سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا، فرمایا، اے جابر! خدا نے تمام اشیا سے پہلے اپنے نور سے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا، پھر یہ نور حسبِ منشائے قدرت ادھر ادھر گھومتا رہا، اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت نہ جہنم، نہ فرشتے نہ آسمان نہ زمین نہ سورج نہ چاند، نہ جن نہ انسان۔ جب خدا نے کائنات کو پیدا کرنا چاہا، تو اس نے اس نور کو چار حصّوں میں بانٹ دیا۔ پھر قسم اوّل سے لوح، دوسرے سے قلم اور تیسرے سے عرش پیدا کیا۔ بعدہٗ چوتھے جزو کو پھر چار حصوں میں تقسیم کر دیا، حصّہ اوّل سے عرش کو اٹھانے والے فرشتے دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی فرشتے بنائے، پھر چوتھے حصے کو چار اجزا میں بانٹا۔ پہلے جزو سے آسمان، دوسرے سے زمینیں، تیسرے سے جنت اور جہنم پیدا کیے۔ پھر چوتھے جزو کو چار ٹکڑوں میں تقسیم کیا۔ پہلے ٹکڑے سے مومنوں کی آنکھوں کا نور، دوسرے سے دلوں کا نور جس سے مراد معرفت الٰہی ہے اور تیسرے سے نورِ محبت جسے توحید (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کہنا چاہیئے، بنائی۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ اپنے والد سے راوی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار سال پیشتر میرا نور خدا کے حضور میں موجود تھا۔ روایت میں ہے، کہ جب خدا نے حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا تو میرے نور کو ان کی پشت میں ڈال دیا۔ چنانچہ یہ نور ان کی پیشانی میں یوں چمکتا، کہ تمام انوار

پر چھا جاتا۔ پھر خدا نے اسے تختِ سلطنت پر بٹھایا، اور فرشتوں کے کندھوں پر رکھ کر حکم دیا۔ کہ اسے آسمانوں میں گھمائیں، تاکہ وہ فرشتوں کی دنیا کے عجائبات کا مشاہدہ کرے۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خدا نے حضرت آدم کو بروزِ جمعہ بعد از زوال، عصر کے وقت پیدا کیا، پھر ان کی بائیں پسلی سے سوتے وقت ان کی بیوی حضرت حوّا کو نکالا، جب وہ بیدار ہوئے، بیوی کو دیکھا، تو دل میں سکون پیدا ہوا، اور ادھر ہاتھ بڑھایا۔ اس پر فرشتے بول اٹھے، آدم ذرا دم لو، کہا کیوں! خدا نے اسے میرے ہی لیے بنایا ہے، فرشتوں نے کہا، ٹھیک ہے، پہلے مہر ادا کرو، پوچھا، کیا ہے اس کا مہر! انہوں نے کہا، حضرت محمد رسول اللہ پر تین دفعہ درود پڑھو' ایک روایت میں ہے بیس دفعہ۔ روایت ہے، کہ جب حضرت آدم جنت سے نکلے تو انہوں نے عرش کے بلند پایوں پر اور نیز جنت میں ہر مقام پر حضرت محمد کے نام کو خدا کے نام کے ساتھ لکھا دیکھا۔ پوچھا اے خدا! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ فرمایا، یہ تمہاری اولاد میں سے ہیں، اگر وہ نہ ہوتے، تو ہم تمہیں بھی پیدا نہ کرتے۔ عرض کیا، اے خدا، اس فرزند کے صدقے میں مجھ پر رحم فرما۔ ندا آئی، اے آدم! اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر آسمانوں اور زمین کی شفاعت بھی کرتے، ہم مان لیتے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ کہ جب حضرت آدم سے خطا سرزد ہوئی۔ تو کہا، اے اللہ مَیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام پر درخواست گزار ہوں، اور تو معاف نہیں کر رہا۔ خدا نے پوچھا، آدم تجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کیسے پتہ چل گیا، حالانکہ وہ پیدا ہی نہیں ہوا۔ جواب دیا اے خدا جب تو نے مجھے پیدا کیا، اور اپنی روح پھونکی۔ مَیں نے سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر کلمہ طیبہ کو لکھا دیکھا، تو مجھے معلوم ہو گیا، کہ تُو اپنے نام کے ساتھ اسی شخص کو جوڑے گا، جو تجھے تمام دنیا سے محبوب تر ہو گا۔ کہا، آدم! تو نے درست کہا، اور چونکہ تو نے اس کے صدقے میں معافی مانگ لی ہے، مَیں تجھے معاف کرتا ہوں۔ اگر

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو مَیں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔ وہ تیری اولاد میں سے آخری نبی ہوں گے۔ حضرت سلمان کی حدیث میں مذکور ہے، کہ جبرئیل حضورِ اکرم کے پاس پیغام لائے، کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اگر مَیں نے ابراہیم کو خلیل بنایا ہے تو آپ کو حبیب بناتا ہوں، اور تمام مخلوق میں آپ سے عزیز تر اور کوئی نہیں، مَیں نے دنیا اور اہلِ دنیا کو اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ مَیں انہیں آپ کی شان و شوکت سے آگاہ کروں۔ اگر آپ نہ ہوتے تو مَیں دنیا کو کیوں بناتا۔

جناب حوا نے حضرت آدم سے بیس باریوں میں چالیس بچے جنے۔ اور ایک بار بہ احترام رسولِ اکرم صرف ایک بچہ جنا، اور یوں آپ کا نور حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت شیث علیہ السلام کو منتقل ہوا جنہیں حضرت آدم نے وفات سے پہلے اپنی اولاد کا وصی مقرر کیا، حضرت شیث نے اپنے بیٹے کو حضرت آدم کی وصیت بتائی۔ کہ وہ اس نور کو صرف پاکیزہ عورت کے رحم میں منتقل کرے۔ اسی طرح یہ وصیت نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی چلی آئی، یہاں تک کہ خدا نے اس نور کو جنابِ عبدالمطلب اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ تک پہنچادیا۔ اور اس نسبِ شریف کو جاہلیت کی گندگی سے بچالیا۔ جیسا کہ صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم سے قابلِ اعتماد روایات میں مذکور ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میری ولادت میں جاہلیت کی گندگی شامل نہیں، اور میری پیدائش نکاح اسلامی کے طفیل ہوئی۔ ہشام بن محمد الکلبی نے اپنے والد سے روایت کی۔ کہ مَیں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پانسو دادیوں کی فہرست تیار کی، چنانچہ ان میں نہ تو بدکاری کا نشان ملا اور نہ جاہلیت کی کسی اور ناپسندیدہ حرکت کا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ میرے اجداد میں کہیں بھی بربنائے زنا ملاپ نہیں ہوا چنانچہ خدا تعالیٰ مجھے پاکیزہ پشتوں سے پاک وصاف رحموں میں منتقل کرتا چلا آیا۔ جہاں بھی نسل

مختلف شاخوں میں بٹتی، مَیں بہتر شاخ میں ہوتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ کی (بر فتح فا) تلاوت فرمائی، پھر فرمایا، کہ میرے حسب نسب اور سسرال کے لوگ پاکیزہ ترین افراد ہیں، اور میرے اجداد میں آدم علیہ السلام تک بدکاری کا نام و نشان نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بزبان جبرائیل بیان فرمایا کہ مَیں زمین کے مشرق و مغرب میں گھوما، مگر کسی انسان کو بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کسی خاندان کو بنو ہاشم سے بہتر نہیں پایا۔

صحیح بخاری میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے، حضور نے فرمایا، کہ ہر زمانے میں میری بعثت کا تعلق بنی آدم کے بہترین زمانے سے رہا، یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا، جس میں میری بعثت ہوئی۔ واثلہ بن الاسقع سے صحیح مسلم میں روایت ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خدا نے حضرت اسماعیل کی اولاد سے کنانہ کو، اور کنانہ سے قریش کو، اور قریش سے بنو ہاشم اور بنو ہاشم سے مجھے چنا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم نے فرمایا۔ اللہ نے بندوں کو پیدا کیا، اور مجھے ان کے بہترین فرقے میں نجیب الطرفین بنایا، پھر اس نے قبائل کا انتخاب کیا، اور مجھے ان کے بہترین خاندان میں پیدا کیا۔ پس مَیں انفرادی طور پر نیز خاندانی لحاظ سے ان میں سے روحاً و ذاتاً اور نسباً بہتر ہوں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ خدا نے اپنی مخلوق میں سے بنی آدم کو چنا۔ ان میں سے عربوں کو اور عربوں میں سے مجھے انتخاب کیا۔ پس میں منتخب شدہ لوگوں میں بہترین آدمی چلا آرہا ہوں۔ یاد رکھو جس نے عربوں کو اچھا سمجھا اس نے مجھ سے محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی۔ اور جس نے انہیں بُرا جانا، اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔ تمہیں

معلوم ہونا چاہیئے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین سے کوئی بھائی یا بہن بہ سلسلۂ ولادت آپ کا شریک نہیں۔ تاکہ ان کی پاکیزگی آپ کی ذات میں اختتام پذیر اور ان کا سلسلۂ نسب آپ کی ذات پر بند ہو جائے۔ تاکہ آپ اس سلسلے میں مخصوص ہوں۔ جسے خدا نے نبوت کی غایت اور تمام عظمتوں کی انتہا بنایا تھا۔ جب تمہیں آپ کے نسب اور مقدس ولادت کی حالت کا علم ہو چکا ہے، تو تمہیں یقین ہو گیا ہو گا، کہ آپ معزز بزرگوں کا جوہر ہیں، اور آپ نبیٔ عربی، ابطحی، حرمی، ہاشمی، قریشی، بنو ہاشم کا خلاصہ اور بہترین عرب خاندانوں کا پسندیدہ انتخاب، نسب میں سب سے عمدہ، حسب میں سب سے اعلیٰ، جن کی لکڑی تر و تازہ اور جن کے سردار بلند بالا ہیں، جس کی جڑیں پاکیزہ اور جس کی اصل معزز ہے، جن کی زبان فصیح، جن کا بیان واضح، جن کے ترازو کا پلڑا جھکا ہوا، جن کا ایمان درست، جن کے افراد معزز اور جن کا خاندان از جانب مادر و پدر مکرم ہے، اور جو اللہ کی پسندیدہ بستیوں کے رہنے والے ہیں۔

آپ ہمارے آقا اور سردار محمد بن عبداللہ الذبیح بن عبدالمطلب ہیں۔ جن کا نام شیبۃ الحمد بن ہاشم ہے، اور ان کا عمرو بن عبدمناف، ان کا نام مغیرہ بن قصی، ان کا نام مجمع بن کلاب، ان کا نام حکیم بن مرہ بن کعب (جمعہ کے دن قریش ان کے پاس جمع ہوتے، وہ ان سے خطاب کرتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے تذکرے کے بعد ان کو بتاتے، کہ ان کی اولاد سے ہوں گے، وہ انہیں حضور نبی کریم کے اتباع اور آپ پر ایمان لانے کی تاکید کرتے)، بن لوئ بن غالب بن فہر (جن کا نام قریش تھا۔ بن مالک بن نضر (جن کا نام قیس تھا) بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس (روایت ہے، کہ ایام حج کے دوران میں انہیں اپنی پشت سے حضور اکرم کی لبیک کی آواز سنائی دیتی تھی) بن مضر بن نزار (روایت ہے، انہیں نزار اس لیے کہتے تھے، کہ جب وہ پیدا ہوئے، اور ان کے باپ نے نور محمدی کو ان کی آنکھوں کے درمیان دیکھا

تو وہ بہت خوش ہوئے اور لوگوں کو دعوت کھلائی۔ کہنے لگے، کہ اس بچے کی عظمت کے پیشِ نظر یہ ضیافت بہت قلیل ہے چنانچہ ان کا نام نزار پڑ گیا) بن معد بن عدنان۔ ابنِ دحیہ راوی ہیں، کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے اور اجماعِ امت اس امر کی دلیل ہے، کہ حضور کا انتساب عدنان سے کیا گیا۔ اور سلسلۂ نسب اس سے آگے نہیں بڑھا۔ ابن عباس سے روایت ہے، کہ جب بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نسب کا ذکر کرتے، تو معد بن عدنان سے آگے نہ بڑھتے، رُک جاتے اور فرماتے، کہ نسب دانوں نے دو تین بار جھوٹ بولا ہے۔ ابنِ عباس راوی ہیں کہ عدنان اور حضرت اسماعیل کے درمیان تیس پشتیں ہیں، جن کا کسی کو علم نہیں۔ کعب الاحبار سے روایت ہے کہ جب نورِ محمدی جنابِ عبدالمطلب تک پہنچا اور انہیں پتہ چل گیا، تو ایک دن وہ حجر میں سو گئے، جب جاگے، تو ان کی آنکھوں میں سرمہ تھا، اور بالوں میں تیل اور نہایت عمدہ کپڑوں میں ملبوس تھے، وہ حیران تھے، کہ یہ کس نے کیا۔ انہیں پکڑ کر قریش کے کاہنوں کے پاس لے گئے، انہوں نے مشورہ دیا، کہ ان کا نکاح کر دیا جائے۔ نکاح کر دیا گیا، ان سے خالص کستوری کی خوشبو آتی تھی، اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اُن کی پیشانی سے عیاں تھا۔ چنانچہ جب کبھی سخت قحط پڑتا، تو قریش انہیں پکڑ کر جبل ثبیر پر لے جاتے، ان کے وسیلے سے خدا کے قریب ہونے کی سعی کرتے اور بارش کی دعا مانگتے۔ چنانچہ نورِ محمدی کی برکت سے بارش ہو جاتی اور وہ سیراب ہو جاتے۔

اصحابِ فیل:۔ جب یمن کا فرمانروا ابرہہ کعبے کو گرانے کے لیے آیا اور قریش کو علم ہوا، تو حضرت عبدالمطلب نے ان سے کہا، کہ چونکہ اس گھر کا مالک اس کی حفاظت کرے گا، اس لیے اس کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکے گی۔ بعدۂ ابرہہ قریش کے اونٹ اور بکریاں ہانک کر لے گیا۔ ان میں حضرت

عبدالمطلب کے چار سو اونٹ بھی شامل تھے۔ حضرت عبدالمطلب قریش کو لے کر سوار ہوئے، جب جبلِ شبیر پر پہنچے، تو رسولِ اکرم کا نور چاند کی طرح ان کی پیشانی پر چمک اٹھا، اور اس کی کرنیں کعبے پر پڑنے لگیں۔ حضرت عبدالمطلب نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا، اے قریش! اب لوٹ چلو، کہ اس معاملے میں بس اتنا ہی کافی ہے کیونکہ مجھ سے اس نور کا ظہور اس امر کی دلیل ہے، کہ فتح ہماری ہوگی۔ پس وہ وہاں سے لوٹے اور بکھر گئے۔ پھر ابرہہ نے اپنا ایک قاصد بھیجا، جب وہ مکے میں داخل ہوا، اور حضرت عبدالمطلب کے چہرے پر نگاہ ڈالی، تو گھبرا گیا، زبان رک گئی، اور غش کھا گیا، اور یوں ڈکارنے لگا، جس طرح بیل ذبح ہوتے وقت ڈکارتا ہے۔ جب ہوش میں آیا، تو حضرت عبدالمطلب کے سامنے احتراماً جھک گیا، اور کہنے لگا، مَیں شہادت دیتا ہوں، کہ یقیناً آپ قریش کے سردار ہیں۔

یہ بھی مذکور ہے، کہ جب حضرت عبدالمطلب ابرہہ سے ملنے گئے، تو ایک سفید عظیم الجثہ ہاتھی نے آپ کے چہرے پر نگاہ ڈالی، تو وہ یوں بیٹھ گیا، جیسے اونٹ بیٹھتا ہے، اور سر زمین پر رکھ دیا۔ پھر خدا نے اسے زبان عطا کی، کہنے لگا، اے عبدالمطلب! اس نور پر جو آپ کی پشت میں ہے، سلام ہو۔ جب کعبے کے گرانے کے لیے ابرہہ کا لشکر داخل ہوا، تو ہاتھی بیٹھ گیا۔ اور اسے اٹھانے کے لیے انہوں نے اس کے سر پر زبردست چوٹیں لگائیں، مگر اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا جب اس کا رخ یمن کی طرف موڑا گیا تو اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر خدا نے سمندر سے ان پر ابابیل بھیجے۔ ہر جانور کے پاس مسور کے دانے کی طرح تین کنکریاں تھیں۔ ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں، جسے بھی لگتی، وہ مر جاتا۔ چنانچہ وہ بھاگ کھڑے ہوئے، اور راستوں پر بکھرے پڑے تھے۔ ابرہہ پر ایک ایسی بیماری کا حملہ ہوا، کہ اس کی انگلیاں ایک ایک کر کے جھڑ گئیں، اور ان سے گندا مواد، پیپ اور خون بہنے لگ گیا اور جب

مرا تو اس کا دل پھٹ چکا تھا۔ چنانچہ سورۃ الفیل (الم تر کیف فعل) میں اسی واقعے کو بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ قصہ ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف اور ان کی نبوت کی اساس کا ثبوت ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم سے خدائی اعتنا کا جب عربوں کو علم ہوا، تو وہ کمزور پڑ گئے۔ اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ تمام باقی لوگوں سے خدائی حمایت اور ابرہہ کے شر کے ٹل جانے کی وجہ سے اشرف اور افضل ہیں۔ حالانکہ تمام عرب قبائل میں اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی جب حضرت عبد المطلب سے بلا ٹل گئی، اور ابرہہ ناکام و نامراد واپس ہوا، تو ایک دن وہ حجر میں سوئے ہوئے تھے، تو انہوں نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔ جاگے تو گھبرائے اور ڈرے ہوئے تھے۔ چنانچہ قریش کے کاہنوں سے اپنا خواب بیان کیا۔ انہوں نے کہا، کہ اگر تمہارا خواب سچا ہوا، تو تمہاری پشت سے ایک ایسا آدمی پیدا ہو گا، جس پر زمین و آسمان کی ساری مخلوق ایمان لے آئے گی۔ اور وہ انسانوں میں ایک روشن علامت ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے جنابِ فاطمہ سے شادی کر لی، جن سے حضرت عبد اللہ الذبیح پیدا ہوئے۔ جن کا واقعہ سب کو معلوم ہے۔

حضرت عبد اللہ کی شادی:- جب جنابِ عبد اللہ اپنے باپ کے ساتھ، ان سو اونٹوں کی قربانی کے بعد (جو ایک خواب کے سلسلے میں جناب عبد المطلب نے دیکھا تھا، بطور فدیہ دیئے گئے تھے) واپس ہوئے، تو ایک کاہنہ یہودی عورت فاطمہ نامی کے پاس سے، جو ادیانِ سابقہ کی کتب سے واقف بھی، گزرے۔ چونکہ حضرت عبد اللہ قریش کے خوبصورت ترین آدمی تھے۔ جب اس نے ان کے چہرے پر نگاہ ڈالی، تو اس نے نورِ نبوت کو ان کے چہرے میں دیکھ لیا۔ اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی، کہ کیوں نہ اس نبی اکرم کو وہ اپنے پیٹ میں لے لے۔ چنانچہ کہنے لگی، کہ اگر تم مجھ سے ابھی جماع کرو، تو میں

حال میں مجھے دردِ زہ شروع ہو گیا، اور آپ کی ولادت ہوئی، دیکھا، کہ آپ سجدے میں پڑے ہیں، اور آپ نے اپنی انگلیاں یوں آسمان کی طرف اٹھائی ہوئی ہیں، جیسے کوئی عجز و نیاز سے زاری کرتا ہے۔ پھر مَیں نے آسمان سے سفید بادل آتا دیکھا، جس نے آپ کو ڈھانپ لیا اور میری نگاہوں سے پھر مَیں نے سنا، ایک منادی کرنے والا کہہ رہا تھا۔ کہ آپ کو مشرق گھماؤ۔ سمندروں میں لے جاؤ، تاکہ آپ کے نام، اوصاف اور ... ت سے واقف ہو جائیں۔ پھر وہ آپ سے فوراً علیحدہ ہو گئے۔ خطیب بغدادی راوی ہے جناب آمنہ نے فرمایا، کہ جب آپ کی ولادت ہوئی، مَیں نے ایک بڑا سا بادل دیکھا، جس کی چمک میں مَیں نے گھوڑوں کا ہنہنانا، پردوں کی سرسراہٹ اور انسانوں کی گفتگو سُنی۔ پھر مَیں نے ایک شخص کو منادی کرتے سنا، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام دنیا میں لے کر پھراؤ، اور جنوں اور انسانوں کے ہر مقدس فرد اور فرشتوں، پرندوں اور وحشی جانوروں سے روشناس کراؤ، اور آپ کو آدم علیہ السلام کا خُلق، نوح علیہ السلام کی شجاعت، حضرت ابراہیم کی دوستی، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان حضرت اسحاق علیہ السلام کی رضا، حضرت صالح علیہ السلام کی فصاحت، حضرت لوط کی حکمت، حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سخت گیری حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت یونس علیہ السلام کی طاعت، حضرت یوشع کا جہاد، حضرت داؤد علیہ السلام کی صیانت، حضرت دانیال علیہ السلام کی محبت، حضرت الیاس علیہ السلام کی وفا، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پرہیزگاری اور حضرت عیسیٰ کا زہد عطا کر دو اور انبیاء کے اخلاق سے سجا دو (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر وہ بادل علیحدہ ہو گیا۔ مَیں نے دیکھا، کہ آپ نے سبز رنگ کا ایک ریشمی کپڑا جو اچھی طرح لپٹا ہوا تھا، اور جس سے پانی ٹپک رہا تھا۔ مٹھی میں پکڑا ہوا ہے، مَیں نے آدمی کو کہتے سنا۔

جنابِ آمنہ فرمایا کرتی تھیں، کہ جب حمل کے چھ مہینے گزر گئے، تو میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا، جس نے مجھ سے کہا، آمنہ! تمہارے پیٹ میں جو بچہ ہے، وہ افضل العالمین ہے، جب وہ پیدا ہو، تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نام رکھنا اور یہ راز کسی سے نہ کہنا۔ فرماتی تھیں، جب مجھے وہ صورتِ حال پیش آئی، جو عورتوں کو پیش آتی ہے، تو نہ مردوں کو اس حالت کا علم تھا، اور نہ عورتوں کو، میں گھر میں اکیلی تھی اور جنابِ عبد المطلب طواف کو گئے تھے، تو ایک ایسے زبردست دھماکے کی آواز سنی، کہ میں ڈر گئی، پھر میں نے یوں محسوس کیا، کہ سفید پرندوں نے اپنے بازوؤں سے میرے دل کو چھوا، تو دہشت اور درد کا فور جاتا رہا۔ پھر میں نے غور کیا، تو مجھے سفید رنگ کا شربت پیش کیا گیا، میں پی گئی، اور میں نے اپنے اندر زبردست خدائی تجلی محسوس کی۔ بعدہٗ میں نے کئی بلند بالا عورتیں، جو عبد مناف کی عورتوں کی طرح تھیں دیکھیں۔ جو مجھے گھیرے ہوئے تھیں۔ دریں حال میں حیران تھی، اور واویلا کر رہی تھی کہ انہیں میرے بارے میں کس نے بتایا ہے، وہ کہنے لگیں، کہ ہم میں فلاں خاتون آسیہ زوجۂ فرعون اور فلاں مریم دخترِ عمران ہے، اور باقی بہشت کی حوریں ہیں، میری حالت مزید بگڑ گئی، چنانچہ لمحہ بہ لمحہ دھماکوں کی آوازیں آ رہی تھیں، کہ ہر دوسرا دھماکہ پہلے سے زیادہ ہولناک ہوتا۔ میں ابھی اس حال میں تھی۔ کہ سفید ریشمی چادر زمین و آسمان کے درمیان تان دی گئی، میں نے ایک شخص کو کہتے سنا۔ لوگوں کی نگاہ آپ پر نہ پڑنے دو، پھر میں نے کچھ لوگوں کو اوپر فضا میں کھڑا دیکھا، جن کے ہاتھوں میں چاندی کے لوٹے تھے۔ پھر میں نے پرندوں کا ایک غول دیکھا جنہوں نے میرے حجرے کو گھیر لیا، ان کی چونچیں زمرد کی تھیں، اور بازو یاقوت کے تھے۔ اللہ نے میری آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا، چنانچہ میں نے مشرق و مغرب کا مشاہدہ کیا۔ اور تین جھنڈے گڑے دیکھے۔ ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک کعبے کی چھت پر۔ اس

ربِ کعبہ کی قسم کہ آپ دنیا کے امام اور دنیا والوں کے لیے چراغ ہدایت ہیں اور بادشاہانِ عالم کے تحت اوندھے ہو گئے ہیں، اور مشرق کے جنگلی جانور، مغرب کے جانوروں کو بشارت دینے گئے ہیں، اسی طرح سمندری جانور بھی ایک دوسرے کو مبارک دے رہے ہیں، اور جس مہینے آپ کا حمل قرار پایا تھا، ہر سال اس موقعہ پر زمین اور آسمان میں منادی کرائی جاتی، بشارت ہوتیں، کہ مقدس اور مبارک ابوالقاسم کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے، کہ اس رات کو کوئی گھر ایسا نہ تھا، جو روشن نہ ہوا ہو، کوئی مکان ایسا نہ تھا جس میں نورِ محمدی داخل نہ ہوا ہو، اور کوئی جانور ایسا نہ تھا، جو بول نہ اٹھا ہو۔ ابوزکریا یحییٰ بن عائذ سے روایت ہے، کہ حضورِ اکرم مکمل نو مہینے اپنی والدہ کے شکم میں رہے مگر حضرت آمنہ نے کسی درد، تنگی یا ریح کی جس سے حاملہ عورتوں کو پالا پڑتا ہے، کبھی شکایت نہیں کی، اور کہا کرتی تھیں، بخدا میں نے ایسا ہلکا اور برکت والا حمل نہیں دیکھا۔ جب حمل کے دو مہینے پورے ہو گئے تو حضرت عبداللہ مدینے میں اپنے ننھیال بنی نجار میں وفات پا گئے، اور ابوا میں دفن ہوئے۔ ابنِ عباس راوی ہیں کہ جب جناب عبداللہ فوت ہو گئے تو فرشتوں نے کہا، اے خدا، تیرا نبی تو یتیم ہو گیا ہے۔ خدا نے کہا، ہم اس کے نگہبان اور مددگار ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت:۔ عمرو بن قتیبہ نے اپنے والد سے، جو عالم و فاضل تھا، سنا، کہ حضرت آمنہ کے وضعِ حمل کا وقت آیا تو خدا نے فرشتوں سے کہا، کہ آسمانوں اور بہشت کے دروازے کھول دو۔ اس دن سورج کی روشنی میں زبردست اضافہ کر دیا گیا تھا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے تمام دنیا کی عورتوں کو خدا نے حکم دیا کہ اس سال کے دوران میں سب کے سب لڑکے جنیں۔ ابنِ عباس سے روایت ہے

میں پیدا کرنا چاہا، تو رضوان کو حکم دیا، کہ بہشت کے دروازے کھول دو، اور زمین و آسمان میں منادی کرا دو، کہ وہ مخفی نور جس سے نبیؐ ہادی نے پیدا ہونا ہے، آج کی رات کو اپنی ماں کے رحم میں منتقل ہو رہا ہے، جہاں اس کی تکمیل ہوگی، اور پھر بشیر و نذیر بن کر دنیا میں ظاہر ہوگا۔ کعب الاحبار کی روایت میں ہے، کہ اس رات کو آسمان کے کناروں میں اور زمین کے میدانوں میں منادی کی گئی، کہ وہ مخفی نور جس سے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پیدا ہونا ہے، حضرت آمنہ بی بی کے رحم میں آج کی رات قرار پا رہا ہے، آمنہ کو مبارک ہو۔ اس رات کو دنیا بھر کے بُت اوندھے ہو گئے۔ ان دنوں قریش سخت قحط میں مبتلا تھے، اور اشیائے خوردنی کی کمی تھی۔ چنانچہ زمین ہری بھری ہو گئی، درخت پھلوں سے لد گئے۔ اور ہر طرف سے امداد موصول ہونے لگی۔ چنانچہ یہ مسرت اور شادمانی کا سال قرار پایا۔ ابنِ اسحاق سے روایت ہے، جنابِ آمنہ فرمایا کرتیں، کہ جب آپ میرے پیٹ میں تھے، تو مجھے بارہا کہا گیا، کہ تمہارے پیٹ میں اس قوم کا سردار ہے۔ نیز وہ کہا کرتی تھیں، کہ مجھے معلوم ہی نہ ہو سکا، کہ حمل ٹھہر گیا ہے، کیونکہ عام عورتوں کی طرح نہ تو کبھی بوجھ محسوس ہوا، اور نہ کوئی اور خواہش ہوئی، ہاں البتہ مجھے حیض آنا رک گیا۔ ایک دن میں نیند اور بیداری کی حالت میں تھی، کہ کسی شخص نے مجھے کہا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے پیٹ میں انسانوں کے سردار ہیں۔ پھر وہ چلا گیا، جب ولادت کا وقت قریب آیا تو پھر آیا، کہنے لگا، کہو، "میں اسے ہر حاسد کے شر سے خدائے واحد کی پناہ میں دیتی ہوں۔" اور اس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھنا۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ جنابِ آمنہ کے شکم میں حضورِ اکرم کے استقرار کی دلیل یہ تھی کہ قریش کے تمام جانور اس رات بولنے لگ گئے، اور کہنے لگے، کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماں کے پیٹ میں منتقل ہو گئے ہیں، اور

تمہیں معاوضۃً اتنے اونٹ دوں گی، جتنے تم ذبح کر کے آئے ہو۔ انہوں نے اسے حسبِ ذیل جواب دیا:۔

أَمَّا الْحَرَامَ فَالْمَمَاتُ دُونَهُ ۔۔۔ وَالْحِلُّ لَا حِلَّ فَاسْتَبِينَهُ

فَكَيْفَ بِالْأَمْرِ الَّذِي تَبْغِينَهُ ۔۔۔ يَحْمِي الْكَرِيمُ عِرْضَهُ وَدِينَهُ

(ترجمہ) بہرحال حرام (زنا) سے ادھر تو موت کھڑی ہے۔ رہا حلال (نکاح) سو اس کا تو وجود ہی نہیں، تاکہ میں اس کی وضاحت کروں (یعنی عمل پیرا ہوں)۔ پس وہ کام جس کی خواہشمند تو ہے، کس طرح وجود پذیر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہر شریف آدمی اپنی عزت اور دین کی حفاظت کرتا ہے۔

پھر حضرت عبد المطلب انہیں لے کر جناب وہب بن عبد مناف بن زہرہ کے پاس آئے، اور وہ ان دنوں بنو زہرہ کا سردار تھا۔ بلند نسب اور معزز۔ چنانچہ اس کی لڑکی جنابِ آمنہ سے ان کا نکاح کر دیا، اور وہ ان دنوں قریش میں نسباً و مرتبۃً بہترین خاتون تھیں۔ پس سوموار کے دن ایامِ منیٰ میں بہ مقام شعبِ ابی طالب پر قیام پذیر ہوئے اور اسی دور میں حمل ٹھہر گیا۔ پھر جناب عبد اللہ وہاں سے نکلے، اور اس عورت کے پاس سے گزرے، جس نے انہیں کل ایک پیشکش کی تھی۔ انہوں نے دریافت کیا، کہ تو نے کل جو پیشکش کی تھی، آج کیوں نہیں کرتی، اس نے جواب دیا۔ کہ کل جو نور تمہاری پیشانی پر نمایاں تھا، آج وہ تم سے علیحدہ ہو گیا ہے، اس لیے آج مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ میں اس نور کو اپنے اندر لینا چاہتی تھی، مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا۔ اور اس نے جہاں چاہا اسے رکھ دیا۔

حضورِ اکرم شکمِ مادر میں:۔ جب حضرتِ آمنہ کو حمل ٹھہر گیا، تو اس کے بعد عجیب واقعات کا ظہور ہوا۔ سہل بن عبد اللہ التستری سے روایت ہے، کہ جب خدا نے آپ کو ماہِ رجب کی ایک جمعہ کی رات کو بطنِ آمنہ

دُعا حضرت عیسیٰ کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں، جو اس نے اور انبیا کی ماؤں نے دیکھا تھا۔ جب آپ کی ولادت ہوئی، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے ایسا نور دیکھا، کہ انہوں نے اس کی روشنی میں شام کے محلات دیکھ لیے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل اشعار میں اسی کا ذکر کیا ہے۔

وَ اَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ وَضَاءَتْ بِنُوْرِکَ الْاُفُقُ

فَنَحْنُ فِیْ ذٰلِکَ الضِّیَاءِ وَفِی النُّوْرِ وَسُبُلَ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

ترجمہ (۱) جب آپ کی ولادت ہوئی، زمین چمک اٹھی، اور آسمان کے کنارے جگمگا اٹھے۔

(۲) ہم اسی روشنی اور نور کی بدولت، ہدایت کے راستے پر چلے جا رہے ہیں۔

ابن سعد راوی ہیں، کہ جناب آمنہ نے آپ کو صاف ستھرا جنا، اور آپ کے جسم پر قطعاً کوئی الائش نہ تھی۔ اور اس نور کی روشنی میں شام کے محلات کے نظارے سے مراد یہ ہے، کہ شام کو آپ کے نورِ نبوّت سے خاص تعلق حاصل ہے، کیونکہ وہ آپکا دار السلطنت تھا۔ جناب کعب کا بیان ہے، کہ کتب سابقہ میں مذکور ہے، کہ مکہ آپ کا مولد، یثرب مقامِ ہجرت اور شام دار السلطنت ہو گا۔ اسی وجہ سے حضور معراج کی رات کو بیت المقدس تشریف لے گئے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم ہجرت کر کے شام کو گئے تھے۔ وہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا، اور وہیں حشر و نشر برپا ہو گا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنی والدہ الشفاء سے راوی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی، تو میں نے آپ کو ہاتھوں پر لیا، آپ نے کلمہ طیبہ پڑھا، پھر میں نے ایک شخص کو کہتے سنا: آپ پر خدا کی رحمت ہو۔ پھر مشرق و مغرب تک ساری دنیا چمک اٹھی۔ یہاں تک کہ روم کے بعض محلات میں نے دیکھ لیے، بعدہٗ میں نے آپ کو لپیٹا، اور لٹا دیا۔ اتنے میں مجھے اندھیرے، ڈر اور لرزے

سبحان اللہ! محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ساری دنیا کو مٹھی میں لے لیا ہے، اور اہلِ دنیا میں سے کوئی بھی چیز ان کی مٹھی سے باہر نہیں رہ گئی۔ پھر میں نے آپ کی طرف نگاہ کی، دیکھا، کہ آپ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہے ہیں، اور آپ سے خالص کستوری کی خوشبو آرہی ہے، اتنے میں میں نے تین آدمی دیکھے، ایک کے ہاتھ میں چاندی کا لوٹا، دوسرے کے ہاتھ میں زمرد کا تھال اور تیسرے کے پاس سفید ریشمی کپڑا تھا۔ کپڑے کو کھولا، تو اس میں سے ایک ایسی انگوٹھی نکلی، جسے دیکھنے سے آنکھیں چندھیا جاتیں۔ اس نے آپ کو لوٹے سے سات مرتبہ نہلایا، آپ کے کندھوں کے درمیان مُہر لگائی، آپ کو ریشمی کپڑے میں لپیٹا، تھوڑی دیر کے لیے اپنے پروں کے نیچے رکھا اور پھر مجھے واپس کر دیا۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آپ کی ولادت ہوئی۔ تو رضوان نے آپ کے کان میں کہا۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو مبارک ہو۔ انبیاء کے تمام علوم آپ کو عطا کیے جا رہے ہیں۔ آپ ان سب سے زیادہ عالم اور زیادہ مضبوط دل والے ہیں۔ جنابِ آمنہ سے روایت ہے، کہ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی، تو آپ کے ساتھ ایسا نور تھا جس سے مشرق و مغرب چمک اٹھے، پھر آپ ہاتھوں کے بل زمین پر تشریف لائے۔ مٹی کی مٹھی بھر لی، اور سر آسمان کی طرف اٹھایا۔ طبرانی سے روایت ہے، کہ جب زمین پر آئے، تو آپ کی مٹھی بند تھی، اور شہادت کی انگلی اٹھائی ہوئی تھی۔ عثمان بن ابی العاص اپنی والدہ فاطمہ سے راوی ہیں، کہ جب آپ کی ولادت ہوئی تو میں نے دیکھا، کہ کمرہ نور سے بھر گیا اور ستارے اتنے قریب آگئے کہ میں سمجھی، کہ وہ مجھ پر گرنے کو ہیں۔ عرباض بن ساریہ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا، میں اللہ کا بندہ اور اُس وقت سے خاتم النبیین ہوں۔ کہ ابھی آدم کیچڑ میں پڑے تھے۔ نیز میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں حضرت ابراہیم کی

نے آلیا، پھر آپ میرے پہلو سے غائب ہو گئے، مَیں نے ایک شخص کو کہتے سنا۔ تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں لے گئے ہو، کہنے لگے، مشرق کو، یہ واقعہ مدتوں میرے ذہن میں رہا۔ تا آنکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو گئی، اور مَیں اولین اسلام لانے والوں میں سے تھی۔ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ راوی ہیں، مَیں نو یا دس سال کا لڑکا تھا، جو دیکھتا سنتا تھا اسے سمجھتا تھا۔ ایک دن مَیں نے ایک یہودی کو چلاتے سنا، کہہ رہا تھا، ارے یہودیو! وہ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے، مَیں سن رہا تھا۔ وہ کہنے لگے، ارے تمہیں کیا ہو گیا ہے، کہنے لگا، محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو آج رات پیدا ہوئے ہیں، کا ستارہ نکل آیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ یہودی مکّے میں رہتا تھا، جس رات کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی، اس نے پوچھا، اے قریش! آیا آج تمہارے یہاں کوئی بچّہ پیدا ہوا ہے، لوگوں نے کہا ہمیں تو معلوم نہیں، کہا، کہ اس رات کو اس قوم کا نبی پیدا ہوا ہے اس کے کندھوں کے درمیان ایک نشان ہے۔ جاؤ اور دریافت کرو۔ معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ یہودی اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ بچّے کو اس کے پاس اٹھا لائے۔ جب یہودی نے وہ نشان دیکھا، بیہوش ہو کر گر پڑا، ہوش میں آیا تو کہنے لگا، اے قریش! نبوّت بنی اسرائیل کے سلسلے سے نکل گئی ہے، بخدا تاہم وہ تمہارا ایسا مقابلہ کریں گے کہ دُنیا بھر کو معلوم ہو جائے گا۔ یعقوب بن سفیان نے یہ سند حسن اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ جیسا کہ فتح الباری میں مذکور ہے۔

آپ کی ولادت کے عجائبات میں سے ایوانِ کسریٰ کا لرزہ اور اس کے چودہ کنگروں کا گرنا، بحیرۂ طبریہ کے پانی کا خشک ہو جانا اور فارس کے آتشکدے کا بجھ جانا شامل ہے جو گزشتہ ایک ہزار برس سے نہیں بجھا تھا۔ اس باب میں اکثر لوگوں کی روایات مذکور ہیں۔ علاوہ ازیں آسمانوں پر حراست میں اضافہ کر

دیا گیا اور شیطانوں کی تانک جھانک ختم ہوگئی اور کنسوئیاں لینے سے انہیں روک دیا گیا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قدرتاً مختون تھے اور آپ کی ناف کٹی ہوئی تھی جیساکہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے، حضورِ اکرم نے فرمایا مجھ پر اللہ کا یہ کرم ہے کہ مَیں مختون پیدا ہوا، اور کسی نے میری شرمگاہ نہیں دیکھی۔

حضورِ اکرم کی ولادت :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سالِ ولادت میں اختلاف ہے، اکثر لوگ کہتے ہیں کہ آپ عام الفیل کو پیدا ہوئے۔ مگر واقعۂ فیل کے پندرہ دن بعد آپ کی ولادت ماہ ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ کو سوموار کے دن طلوعِ صبح کے قریب واقع ہوئی۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوموار کو پیدا ہوئے۔ اسی دن آپ کو نبوّت ملی، اسی دن مکّے سے مدینے کو ہجرت کی، اسی دن مدینے میں داخل ہوئے۔ اسی طرح فتح مکہ اور سورۂ مائدہ کا نزول بھی اسی دن ہوا، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مرالظہران میں ایک شامی راہب عیص نامی تھا، وہ کہا کرتا، اے اہلِ مکہ! جلدی ہی تم میں ایک نبی پیدا ہوگا، کہ اہلِ عرب اس کا دین قبول کرلیں گے اور عجم پر اس کی حکومت ہوگی۔ اور یہی اس کا زمانہ ہے چنانچہ جب بھی مکّے میں کوئی بچّہ پیدا ہوتا، وہ اس کے بارے میں استفسار کرتا جس صبح کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے جناب عبدالمطلب آپ کو لے کر عیص کے پاس آئے اور اسے آواز دی، اس نے باہر جھانکا اور پوچھا، کہ اس کا باپ کون ہے؟ یہ وہی بچّہ ہے، جس کے بارے میں مَیں آپ سے گفتگو کیا کرتا تھا کہ وہ سوموار کو پیدا ہوگا، اسی دن نبوّت ملے گی اور اسی دن وفات ہوگی۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا، یہ بچّہ آج ہی صبح کو ہمارے یہاں پیدا ہوا ہے، پوچھا، تم نے کیا نام رکھا ہے، کہا محمدّ،

کہنے لگا، بخدا میری یہی خواہش تھی، کہ یہ بچّہ تمہارے خاندان میں پیدا ہو۔ آج ہی اس کا روشن ستارہ نکلا ہے اور آج ہی اس کی پیدائش ہوئی اور اس کا نام محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا ہے۔ شمسی سال کے حساب سے اپریل کا مہینہ تھا اور بیس دن گزر چکے تھے۔ یہ روایت بھی ہے، کہ حضور رات کے وقت پیدا ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مکّے میں ایک یہودی تجارت کرتا تھا جب رسولِ اکرم علیہ التحیۃ والتسلیم کی ولادت کی رات آئی، کہنے لگا، اے قریش! کیا آج تمہارے یہاں کوئی بچّہ پیدا ہوا ہے؟ کہنے لگے، ہمیں تو ابھی تک کوئی پتہ نہیں چلا۔ کہنے لگا، آج رات تمہاری جماعت کا نبی پیدا ہوا ہے اس کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک نشان ہے، جس پر گھنے بال ہیں، جیسا کہ گھوڑے کے یال۔ پس اس یہودی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے پاس لایا گیا۔ کہنے لگا، اپنا بچہ ہمیں دکھاؤ، جناب آمنہ نے دکھایا، اس نے آپ کی پیٹھ سے کپڑا اٹھایا، وہ نشان دیکھا تو یہودی بیہوش ہو کر گر پڑا، جب ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا، تجھے کیا ہو گیا تھا؟ کہنے لگا، بخدا نبوّت بنی اسرائیل کے خاندان سے نکل گئی ہے۔ حاکم نے اسے روایت کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کی رات لیلۃ القدر سے بہتر ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں اس مکان میں پیدا ہوئے جو محمّد بن یوسف کا تھا۔ (اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اعدد ما فِی عِلْمِ اللّٰہِ)۔

رضاعت:- ابتدا میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ثوبیہ نے جو ابولہب کی آزاد کردہ کنیز تھی، دودھ پلایا۔ جب ابولہب کو آپ کی ولادت کی بشارت ملی، تو اس نے ثوبیہ کو آزاد کر دیا تھا۔ ابولہب کو موت کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا، کیا حال ہے؟ کہنے لگا، آگ میں جل رہا

ہوں۔ ہاں ہر رات مجھے دو دفعہ تھوڑا سا آرام ملتا ہے اور میں اپنی ان دو انگلیوں کے درمیان سے پانی پیتا ہوں۔ اس لیے کہ جب ثوبیہ نے مجھے محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت کی خبر دی تھی، تو میں نے اسے آزاد کر دیا تھا اور اس نے پھر محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دودھ پلایا تھا۔

ابن الجزری کہتے ہیں کہ جب ابولہب ایسے کافر کو، جس کی قرآن پاک میں مذمّت کی گئی ہے، آپ کی ولادت کی خوشی کا بدلہ دیا گیا ہے تو اس مسلم توحید پرست کا جو رسولِ اکرم کی ولادت پر خوشی کا اظہار کرتا ہے اور حضور کی محبّت میں، جو کچھ اسے میسر آتا ہے کرتا ہے۔ کیا حال ہو گا۔ بخدا خدائے کریم کی طرف سے اس کی جزا یہ ہوگی کہ خدا اسے جنت میں جگہ دے گا۔ اہلِ اسلام ہمیشہ سے حضورِ اقدس کی ولادت کے موقعہ پر محفلیں بپا کرتے ہیں، دعوتیں دیتے ہیں، صدقے کرتے ہیں، خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور آپ کی ولادت کے واقعات بیان کرتے ہیں۔ خود ان لوگوں پر اپنی رحمت کی بارش برساتا ہے۔ اور یہ بات لوگوں کے تجربے میں آئی ہے کہ ان کا وہ سال امن وامان سے گزرتا ہے۔ اور تمام مقاصد اور خواہشات بہ احسن وجوہ پوری ہوتی ہیں۔ اللہ اس شخص پر رحم کرے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماہِ ولادت کی راتوں کے دوران میں بطور عید خوشی منائے۔

جنابِ حلیمہ فرماتی ہیں کہ میں بنو سعد بن ابی بکر کی عورتوں کے ساتھ مکّے میں آئی، خشک سالی تھی اور ہمیں شیر خوار بچوں کی تلاش تھی۔ میں ایک گدھی پر سوار تھی۔ ساتھ ایک بچہ تھا، اور ایک اونٹنی جس کے تھنوں میں دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا۔ ہم اس رات کو مع بچے کے نہ سو سکے، کیونکہ نہ میرے پستانوں میں دودھ تھا اور نہ اونٹنی کے۔ ہم مکّے آئے، بخدا کوئی ایسی دودھ پلائی نہ تھی

کہ جس کے سامنے آپ کو نہ لایا گیا ہو، اور اس نے اس وجہ سے انکار نہ کر دیا ہو کہ آپ کے والد فوت ہو چکے ہیں اور آپ یتیم ہیں۔ میرے بغیر تمام دودھ پلانے والی عورتوں کو شیر خوار بچے مل گئے، جب مجھے آپ کے بغیر اور کوئی بچہ نہ ملا تو میں نے اپنے میاں سے کہا کہ مجھے بُرا معلوم ہوتا ہے کہ میں ان عورتوں کے ساتھ واپس چلی جاؤں اور میرے پاس کوئی بچہ نہ ہو۔ میں مجبوراً اسی بچے کو لیے چلتی ہوں۔ وہاں گئی تو دیکھا کہ آپ ایک دودھ سے سفید گرم کپڑے میں لپٹے پڑے ہیں اور کستوری کی خوشبو آرہی ہے۔ آپ کے نیچے سبز ریشمی کپڑا بچھا ہوا ہے اور پیٹھ کے بل سو رہے ہیں، چونکہ آپ بڑے حسین و جمیل دکھائی دے رہے تھے، اس لیے میں آپ کو جگانے میں متامل تھی۔ آہستہ آہستہ قریب گئی، اپنا ہاتھ آپ کے سینے پر رکھا، آپ مسکرا دیئے اور آنکھیں کھول کر مجھے دیکھنے لگے، چنانچہ آپ کی آنکھوں سے ایک ایسا نور نکلا کہ آسمانوں تک پھیل گیا۔ میں نے آپ کی آنکھوں کو بوسہ دیا اور دایاں پستان آپ کے منہ میں ڈال دیا۔ اور آپ نے دودھ پیا۔ پھر میں نے بایاں پستان منہ میں ڈالا مگر نہ پیا۔ چنانچہ بعد میں بھی آپ کی یہی حالت رہی۔ چنانچہ آپ نے سیر ہو کر پیا اور اسی طرح آپ کے رضاعی بھائی نے بھی۔ پھر میں آپ کو اٹھا کر سواری کے پاس لائی۔ میرے پستانوں میں اسی طرح دودھ بھر گیا۔ اور آپ نے اور آپ کے بھائی نے سیر ہو کر پیا۔ پھر میرا میاں اٹھ کر اونٹنی کے پاس گیا، دیکھا کہ اس کے تھن دودھ سے لبالب بھرے ہیں۔ اس نے دودھ پیا اور بعدہ میں نے پیا اور ہم سیر ہو گئے۔ اور ہم نے وہ رات آرام سے بسر کی۔ میرا میاں کہنے لگا، اے حلیمہ! بخدا ہمیں مبارک بچہ ملا ہے۔ کیا تو نے محسوس نہیں کیا کہ آج کی رات جب سے ہم نے اس بچے کو لیا ہے کتنے آرام اور برکت سے گزری ہے' چنانچہ اسی طرح برکت میں اضافہ ہوتا گیا۔ جناب حلیمہ سے روایت ہے کہ اس کے

بعد مَیں نے آپ کی والدہ سے رخصت لی، گدھی پر سوار ہوئی۔ آپ کو مَیں نے گود میں رکھا ہُوا تھا۔ میری سواری، باقی ساتھی عورتوں کی سواریوں سے آگے نکل گئی وہ اس پر حیران تھیں۔ ہم لوگ بنی سعد کی بستیوں میں پہنچ گئے۔ ہمارے علاقے سے زیادہ بے آب وگیاہ علاقہ اور کوئی نہیں تھا۔ جب سے ہم آپ کو لے کر آئے تھے ہماری بکریاں شام کو گھر لوٹتیں تو ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوتے۔ ہم ان کا دودھ دوہتے اور سیر ہو کر پیتے اور کسی آدمی کو دودھ کا ایک قطرہ بھی میسر نہ آتا، چنانچہ ہمارے قبیلہ کے لوگ اپنے چرواہوں کو کہتے کہ تم ہماری بکریوں کو وہاں چرایا کرو، جہاں میری بکریاں چرتی ہیں۔ پھر بھی ان کی بکریاں شام کو لوٹتیں تو بھوکی ہوتیں اور دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ دیتیں، جبکہ میری بکریوں کے تھن دودھ سے بھرے ہوتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ مَیں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ کے دین میں میرے شامل ہونے کی وجہ آپ کی نبوّت کی ایک دلیل تھی۔ مَیں نے آپ کو پنگھوڑے میں چاند سے سرگوشی کرتے دیکھا، آپ انگلی سے جس طرف اشارہ فرماتے، چاند ادھر کو چلا جاتا۔ آپ نے فرمایا، ہم باہم مصروف گفتگو رہتے اور اس طرح وہ مجھے رونے سے روکے رکھتا اور جب وہ عرش کے نیچے سجدہ ریز ہوتا تو مَیں اس کی ہلکی ہلکی آواز سنتا۔ فتح الباری میں مذکور ہے کہ آپ ابتدائے ولادت میں بھی گفتگو فرماتے تھے۔

ابنِ سبع راوی ہیں کہ فرشتے آپ کے پنگھوڑے کو ہلاتے تھے۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جنابِ حلیمہ کہا کرتی تھیں، جب مَیں نے حضورِ اکرم کا دودھ چھڑایا تو آپ نے مندرجہ ذیل فقرے فرمائے:۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا۔ جب آپ بڑے ہوئے اور بچوں کو کھیلتے دیکھتے تو ان سے علیحدہ بیٹھ جایا کرتے۔ حضورِ اکرم

کی رضاعی بہن شیما راوی ہیں کہ جن دنوں آپ ہمارے یہاں تھے، ایک بادل کا ٹکڑا آپ پہ سایہ کیے رہتا، جب آپ کھڑے ہوتے تو ٹھہر جاتا اور چلتے تو چل پڑتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جوان ہو رہے تھے لیکن باقی لڑکوں سے مختلف تھے۔

شقِ صدر:۔ جنابِ حلیمہ راوی ہیں کہ میں نے آپ کا دودھ چھڑایا، تو ہم آپ کو جنابِ آمنہ کے پاس واپس لائے۔ حالانکہ آپ کی برکت کی وجہ سے ہماری زبردست خواہش تھی کہ آپ ہمارے پاس ہی ٹھہرے رہیں۔ ہم نے آپ کی والدہ سے درخواست کی کہ ابھی آپ کو ہمارے پاس ہی رہنے دیں۔ تاکہ اور تنومند ہو جائیں، ہمیں ڈر ہے کہ مکے کی مسموم آب و ہوا آپ پر اثر انداز نہ ہو۔ ہمارے اصرار پر حضرت آمنہ نے انہیں لَوٹا دیا اور ہم آپ کو ساتھ لے آئے۔ واپسی کے دو تین ماہ کے بعد کا واقعہ ہے کہ آپ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ ہماری بستی کے پیچھے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں تھے کہ آپ کا رضاعی بھائی بھاگتا آیا کہنے لگا کہ سفید کپڑوں میں ملبوس دو آدمی آئے انہوں نے آپ کو نیچے لٹایا اور آپ کے شکم کو شق کر دیا ہے۔ میں اور میرا میاں ادھر کو بھاگے ہم نے آپ کو کھڑا دیکھا اور آپ کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ میرے شوہر نے آپ کو گلے سے لگایا، پوچھا، بیٹا کیا واقعہ ہے۔ فرمایا، آج دو آدمی سفید کپڑوں میں ملبوس آئے، انہوں نے مجھے لٹایا، میرے پیٹ کو چیرا، کوئی چیز نکال کر پھینک دی۔ پھر ہم آپ کو ساتھ لے آئے، میرا میاں کہنے لگا، حلیمہ! مجھے ڈر ہے کہ ہمارا بیٹا کسی بلا کی زد میں ہے آؤ ہم قبل اس کے کہ بچے کو کوئی تکلیف پہنچ جائے آپ کو آپ کے خاندان میں چھوڑ آئیں۔ چنانچہ ہم آپ کو ساتھ لے کر مکے آ گئے حضرت آمنہ نے پوچھا، تم تو آپ کے بڑے مشتاق تھے، کیا بات ہوئی کہ واپس

لے آئے ہو۔ کہنے لگے، ہمیں آپ کی جان کا خطرہ پڑ گیا ہے۔ جنابِ آمنہ کہنے لگیں، جو صورتِ حال پیش آئی ہے مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔ انہوں نے اتنا اصرار کیا کہ مجبوراً ہمیں ساری بات بتانی پڑی۔ کہنے لگیں، کیا تمہیں اس بات کا ڈر ہے کہ شیطان نے آپ پر غلبہ پا لیا ہے، بخدا آپ شیطان کی پہنچ سے باہر ہیں اور میرے بیٹے کی یہ شان ہمیشہ رہے گی۔ شداد بن اوس سے روایت ہے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بنو سعد بن ابی بکر میں رضاعت کے سلسلے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ ایک دن میں ایک وادی میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ بکریاں چرا رہا تھا۔ اچانک میں نے تین آدمیوں کو دیکھا، جن کے پاس ایک طشت تھا، جس میں برف رکھی تھی، مجھے انہوں نے پکڑ لیا اور باقی لڑکے ڈر کر قبیلے کی بستی کی طرف بھاگ گئے۔ پھر انہوں نے مجھے آہستہ سے لٹایا اور سینے سے اوپر سے ناف تک میرا پیٹ چاک کر دیا، میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا مگر درد کا کوئی احساس نہ تھا۔ میری انتڑیاں نکالیں، برف سے دھو کر پھر وہیں رکھ دیں۔ پھر دوسرا آدمی اٹھا، اپنے ساتھی کو پرے ہٹایا، پھر اس نے ہاتھ میرے پیٹ میں ڈالا۔ دل کو باہر نکالا، اسے جھنجھوڑا، اس سے سیاہ رنگ کا گوشت کا ٹکڑا نکلا، جسے اس نے پھینک دیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا، کہ اس کے ہاتھ میں کوئی چیز ہے، دیکھا، کہ اس کے پاس ایک نورانی انگوٹھی تھی، جسے دیکھ کر آنکھیں چندھیا گئیں۔ پھر اس نے میرے دل پر مہر لگائی، جو نورِ نبوت و حکمت سے جگمگا اٹھا۔ بعدہٗ دل کو اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ چنانچہ میں اس مہر کی ٹھنڈک کافی زمانے تک اپنے دل میں محسوس کرتا رہا۔ پھر تیسرے آدمی نے اپنے ساتھی کو ایک طرف ہٹا کر چاک پر ہاتھ پھیرا۔ جو بحکمہ جڑ گیا، میرا ہاتھ پکڑا اور آہستہ سے مجھے اٹھا دیا۔ پھر اس نے اپنے پہلے ساتھی سے کہا کہ آپ کو اپنی امت

کے دس آدمیوں کے مقابل رکھ کر تولو، مَیں ان سے بھاری نکلا۔ پھر کہنے لگا اچھا، سو آدمیوں کے مقابلے میں آپ کا وزن کرو، پھر بھی مَیں بھاری تھا، پھر کہنے لگا، اچھا ہزار آدمیوں کے مقابلے میں آپ کو تولو، پھر بھی میرا وزن زیادہ نکلا۔ اس پر وہ کہنے لگا، رہنے دو اگر ساری امت کو آپ کے مقابل رکھ کر تولو گے۔ جب بھی آپ کا پلڑا بھاری رہے گا۔ پھر انہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگایا۔ میرے سر آنکھوں کو چُوما اور کہنے لگے، رفیق عزیز! آپ گھبرائیں نہ، اگر آپ کو اس عمل کی غایت کا علم ہوتا، تو آپ کو حد درجہ مسرت ہوتی۔ اس روایت میں وزن سے مراد وزنِ اعتباری اور پلڑا بھاری ہونے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اور فضیلت مراد ہے۔

دوسری دفعہ آپ کا شقِ صدر اس ۔ ـت ہُوا، جب غارِ حرا میں حضرت جبریل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور تیسری دفعہ معراج کی رات کو۔ ابو نعیم، الدلائل میں لکھتے ہیں، کہ شق صدر کے وقت آپ کی عمر بیس برس تھی اور بچپن میں شقِ صدر اور گوشت کا ٹکڑا نکالنے کی حکمت یہ تھی، کہ آپ کو جوانی کی آلائشوں سے پاک کر دیا جائے، اور بچپن ہی میں تجربہ کار آدمیوں کے اوصاف سے متصف ہو جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت لگائی گئی تھی جس سے کستوری کی خوشبو آتی تھی۔

بی بی آمنہ کی وفات:۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چھ برس کی عمر کو پہنچے، تو آپ کی والدہ آپ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آئیں، تاکہ آپ کے ننھیال میں رشتہ داروں سے ملاقات کر سکیں۔ ام ایمن (کنیز) بھی ساتھ تھیں، آمنہ بی بی آپ کے ساتھ ان کے یہاں ایک ماہ تک قیام پذیر رہیں۔ حضور

بعد میں وہاں کی چیزوں کو یاد کیا کرتے تھے۔ آپ نے مکان کو دیکھ کر فرمایا، کہ اس مکان میں میری والدہ فروکش ہوئی تھیں اور میں اپنے ننھیال کے کنوئیں میں تیرنا سیکھتا تھا۔ اور یہود کا ایک گروہ مجھے دیکھنے وہاں آیا کرتا تھا۔ حضرت ام ایمن راوی ہیں کہ میں نے ان میں سے ایک کو کہتے سنا کہ یہ لڑکا اس امت کا نبی ہے اور یہ شہر آپ کی ہجرت گاہ ہے۔ مجھے ان کی یہ باتیں یاد رہ گئیں۔ پھر آمنہ بی بی آپ کو لے کر مکے لوٹیں، جب ابواء کے مقام پر پہنچیں تو فوت ہو گئیں۔ زہری نے اسماء بنت رہم سے روایت کی کہ میری ماں، حضرت آمنہ کی بیماری کے دوران میں ان کے پاس موجود تھیں اور حضور جو اس وقت پانچ برس کے بچے تھے، ماں کے پاس تھے۔ آپ نے ماں کے چہرے کو دیکھا تو حضرت آمنہ نے چند اشعار پڑھے، پھر کہنے لگیں :۔ ہر زندہ چیز کو مرنا ہے، ہر نئی چیز کو پرانا ہونا ہے، ہر کثرت کو فنا ہونا ہے، میں فوت ہو رہی ہوں، مگر میرا نام باقی رہے گا۔ میری نیکی یاد رہے گی اور میں نے پاکیزہ اولاد یادگار چھوڑی ہے پھر وہ فوت ہو گئیں اور میں نے جنوں کو آپ کی والدہ کا ماتم کرتے سنا۔ ایک روایت میں ہے کہ جناب آمنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بعد از وفات ایمان لائیں۔ طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہ مقام حجون اترے اور ملول اور پریشان تھے، وہاں کچھ دیر ٹھہرے، واپس آئے، تو خوش وخرم تھے، میں نے دریافت کیا، تو فرمایا، میں نے اللہ سے درخواست کی، اس نے میری ماں کو زندہ کر دیا چنانچہ مجھ پر ایمان لائیں اور واپس چلی گئیں۔ اسی طرح جناب عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ ہر دو کو زندہ کیا گیا، چنانچہ انہوں نے ایمان قبول کیا۔ سہیلی اور خطیب نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ قرطبی

نے تذکرے میں ذکر کیا ہے، کہ آپ کے فضائل اور کرامات پیدائش سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک متواتر ظہور پذیر ہوتی رہیں۔ اس کا تعلق انہی فضائل اور کرامات سے ہے۔ کیونکہ آپ کے والدین کا از سرِ نو زندہ ہونا اور ایمان لانا عقلاً اور شرعاً محال نہیں ہے۔ قرآن میں بنی اسرائیل کے ایک مقتول کا زندہ ہونا اور اپنے قاتل کے نام بتانا، نیز عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں احیائے موتی کا ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح خدا نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایک جماعت کو زندہ کیا۔ جب یہ باتیں درست ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے احیا اور قبولِ اسلام میں کون سی چیز مانع ہے۔ بلکہ ان امور کا تعلق حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی فضیلت اور کرامت سے ہے۔ امام فخر الدین رازی کا قول ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد سب مسلمان تھے، اور اس کی دلیل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول ہے کہ میں پاکیزہ اصلاب (پشتوں) سے پاکیزہ ارحام میں منتقل ہوتا آیا ہوں۔ ارشادِ باری ہے:۔ اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ [۱]۔ اس لیے ضروری ہے، کہ آپ کے اجداد میں کوئی بھی مشرک نہ ہو۔ حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی نے کیا خوب کہا ہے:۔

حَبَا اللّٰہُ النَّبِیَّ مَزِیْدَ فَضْلٍ ۔۔۔ عَلٰی فَضْلٍ وَکَانَ بِہٖ رَءُوْفًا

فَاَحْیَا اُمَّہٗ وَکَذَا اَبَاہُ ۔۔۔ لِاِیْمَانٍ بِہٖ فَضْلًا لَطِیْفًا

فَسَلِّمْ فَالْقَدِیْمُ بِذَا قَدِیْرٌ ۔۔۔ وَاِنْ کَانَ الْحَدِیْثُ بِہٖ ضَعِیْفًا

ترجمہ:۔ (۱) خدا نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار خوبیاں عطا کیں اور وہ آپ پر مہربان تھا۔

(۲) آپ کی والدہ کو زندہ کیا، اور نیز آپ کے والد کو، تاکہ آپ پر ایمان لائیں، اور یہ خدا کا خاص فضل تھا۔

---

[۱] سورۂ توبہ: ۲۸

(۳) ان باتوں کو تسلیم کر لو، کیونکہ خدا ان باتوں پر قادر ہے، اگرچہ حدیث ضعیف ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی وفات کے بعد حضرت ام ایمن آپ کی دایہ اور نگران تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے، ام ایمن! میری ماں کے بعد تم ہی میری ماں ہو۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب جو آپ کے کفیل تھے، ایک سو دس سال کی عمر میں، جب کہ حضور کی عمر آٹھ برس تھی، فوت ہو گئے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت عبدالمطلب ایک سو چالیس برس کے تھے۔ اس کے بعد حضرت ابو طالب جن کا نام عبد مناف تھا، آپ کے متولی مقرر ہوئے۔ کیونکہ جناب عبدالمطلب نے انہیں اس کی وصیت کی تھی۔ نیز وہ حضرت عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے۔ ابنِ عساکر، جلہمہ بن عرفطہ سے راوی ہیں کہ میں مکے میں آیا، اور وہاں قحط پڑا ہوا تھا۔ قریش نے حضرت ابو طالب سے کہا، کہ وادیٔ حجاز میں قحط پڑا ہوا ہے، اور لوگ سخت تنگی سے بسر کر رہے ہیں، آؤ، بارش کے لیے دعا کریں۔ جناب ابو طالب شہر سے نکلے اور ان کے ساتھ ایک لڑکا تھا۔ گویا سورج بادل کے پیچھے سے نکل آیا تھا۔ حضرت ابو طالب نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کی پیٹھ کعبے سے لگا دی۔ بچے نے انگلیوں سے کعبے کو چھوا۔ اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا۔ اتنے میں ہر طرف سے بادل اٹھے اور خوب زور سے بارش برسی اور ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ اور شہری اور دیہاتی نہال ہو گئے۔ اسی موقعہ پر حضرت ابو طالب نے مندرجہ ذیل شعر کہا:

وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْہِہٖ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِلْاَرَامِلِ

(وہ مقدس انسان کہ جن کی وجہ سے بادل مینہ برساتا ہے، جو یتیموں کے

جائے پناہ اور رانڈ عورتوں کے نگہبان ہیں)۔

سفرِ شام اور بحیرا راہب :۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بارہ سال کی عمر کو پہنچے تو آپ اپنے چچا حضرت ابو طالب کے ساتھ سفرِ شام میں بہ مقام بصریٰ آئے، آپ کو بحیرا راہب نے، جس کا نام جرجیس تھا، دیکھا، اس نے حُلیے سے آپ کو پہچان لیا، اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا، یہ ہیں سیّد العالمین اور رحمۃٌ للعالمین۔ لوگوں نے پوچھا، تمہیں کیسے معلوم ہُوا، کہنے لگا، جب تم انہیں لیے گھاٹی سے اتر رہے تھے، تو تمام شجر اور حجر انہیں سجدہ کر رہے تھے، اور سوائے پیغمبر کے یہ کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے اور مَیں آپ کو اس مہرِ نبوّت سے جو اِن کے کندھوں کے درمیان سیب کی طرح ہے، پہچانتا ہوں۔ اور یہ ہماری کتب میں مذکور ہے۔ اس نے حضرت ابو طالب کو کہا، کہ تم انہیں واپس کر دو، کہ یہود سے خطرہ ہے۔ کیونکہ روم سے سات آدمی آپ کے قتل کے ارادے سے آئے ہیں۔ پس وہ یہودی بحیرا راہب سے ملے، اس نے ان سے پوچھا تم یہاں کیوں آئے ہو؟ کہا، محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس مہینے میں سفر پر روانہ ہونا ہے، اس لیے ہم نے ہر طرف آدمی بھیج دیئے ہیں۔ اس نے کہا، کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں، کہ جب خداوند کوئی کام کرنا چاہتا ہے، تو اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ کہنے لگے، درست ہے، بحیرا نے کہا، اٹھو اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرو، وہ لوگ راہب کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، اور حضرت ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس کر دیا۔ بیہقی اور ابو نعیم راوی ہیں، کہ بحیرا نے گرجے میں آپ کو قافلے کے ساتھ آتے دیکھا کہ سفید بادل آپ پر سایہ کیے ہوئے تھا۔ پھر وہ ایک درخت کے سایہ تلے اتر پڑے، بادل نے درخت پر سایہ کیا ہُوا تھا، اور ٹہنیاں آپ

پر جھکی ہوئی تھیں۔ بحیرا آیا اور آپ سے پیار کرنے لگا۔ وہ آپ سے مختلف اشیا اور خوابوں وغیرہ کے بارے میں استفسار کرتا رہا۔ یہ سب باتیں بحیرا کی معلومات کے عین مطابق تھیں۔ پھر اس نے مہرِ نبوّت کو آپ کے کندھوں کے درمیان ملاحظہ کیا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق اٹھارہ برس کے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس سال تھی، وہ دونوں اکٹھے بہ غرضِ تجارت شام کو گئے، اور ایک ایسے مقام پر اترے، جس میں بیر کا درخت تھا آپ اس کے سایے کے نیچے بیٹھ گئے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بحیرا راہب کے پاس کوئی بات پوچھنے گئے۔ راہب نے پوچھا، درخت کے سایے میں وہ شخص کون ہے؟ کہا، محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہیں۔ کہنے لگا، بخدا اس درخت کے سایے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد صرف محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھنا مقدّر ہے اور آپ پیغمبر ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا، اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو ایمان لے آئے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا:۔ اس کے بعد آپ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے غلام میسرہ کے ساتھ بہ غرضِ تجارت ذی الحجہ کی سولہ تاریخ کو بُصری گئے، آپ کی عمر پچیس برس تھی، جبکہ میسرہ اکیس برس کا تھا۔ جناب خدیجہ کو جاہلیت کے دَور میں طاہرہ کہتے تھے۔ پہلے ان کی شادی ابو ہالہ بن زراۃ التیمی سے ہوئی تھی اور اس سے دو بچے ہند اور ہالہ نامی پیدا ہوئے تھے۔ پھر عتیق بن عائذ المخزومی نے ان سے نکاح کیا، اور اس سے ہند نامی ایک بچہ پیدا ہوا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا، تو جناب خدیجہ کی عمر چالیس برس تھی۔ انہوں نے آپ

کو شادی کا پیغام بھیجا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے چچا سے ذکر کیا، چنانچہ حضرت حمزہ آپ کے ساتھ خویلد بن اسد کے گھر آئے اور انہیں آپ سے منسوب کر دیا، پھر آپ نے ان سے نکاح کیا، جس میں حضرت ابو طالب اور بنو مضر کے رؤسا موجود تھے۔ خطبۂ نکاح حضرت ابو طالب نے پڑھا:

"تعریف اس خدا کی جس نے ہمیں ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے اور معد اور مضر کے خاندان میں پیدا کیا۔ اور اپنے گھر کا محافظ اور حرم کا نگہبان بنایا۔ اس گھر میں لوگ حج کرتے ہیں۔ اس نے حرم کو جائے امن قرار دیا اور ہمیں لوگوں پر برتری عطا کی۔ میرا یہ بھتیجا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ مقابلۃً اوصاف کے لحاظ سے تمام انسانوں سے بہتر ہے، اگر مالی لحاظ سے وہ کمزور ہے، تو مال کی مثال ڈھلتے سائے کی طرح ہے جو ناپائیدار ہے، اور محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) جن کے خاندان سے تم واقف ہو۔ آپ کا خدیجہ بنت خویلد (رضی اللہ عنہا) سے نکاح ہوا ہے۔ اس کا حق مہر، آجل و عاجل جتنا بھی مقرر ہوا ہے، وہ میرے مال سے ادا کیا جائے گا۔ اس کے بعد محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات بہتر ہوں گے، اور ان کی شان و شوکت میں اضافہ ہو گا۔" (حق مہر ساڑھے بارہ اوقیہ سونا مقرر ہوا تھا)۔

تعمیرِ کعبہ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم:۔ جب آپ کی عمر پینتیس برس تھی، تو قریش نے از سرِ نو کعبہ کی تعمیر شروع کی، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ پتھر اٹھا رہے تھے۔ لوگوں نے پتھر رکھنے کے لیے اپنے تہ بند کھول کر کندھوں پر رکھے ہوئے تھے حضور نے

بھی ایسا کرنا چاہا لیکن آپ گر پڑے، ندا آئی، اپنے سترکا خیال رکھیں۔ یہ پہلی آواز تھی، جو غیب سے آئی۔ حضرت ابوطالب اور حضرت عباس کہنے لگے بیٹا! تہ بند سے اپنا سر ڈھانپ لو، فرمایا، مجھے یہ تکلیف ستر کے بے پردہ ہونے کی وجہ سے ہی پیش آئی ہے۔

بعثت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم :- جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم چالیس برس کے ہو گئے، تو خدا نے آپ کو رحمۃ للعالمین اور جنوں اور انسانوں کا پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اور یہ واقعہ رمضان کی سترہ تاریخ کو سوموار کے دن پیش آیا۔ امام بخاری نے جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی تشریح کے سلسلے میں لکھا ہے، کہ اولاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی، سچے خوابوں کی صورت میں آتی تھی، چنانچہ جو خواب بھی دیکھتے، وہ دوسرے دن طلوع صبح کی طرح وقوع پذیر ہوتی۔ آپ غارِ حرا میں عبادت کے لیے مخصوص راتوں کو جایا کرتے۔ اور کھانا ساتھ لے جاتے۔ واپس آتے تو جناب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پھر کھانا تیار کر دیتیں۔ تاآں کہ آپ کو نبوت عطا ہوئی۔ آپ غارِ حرا میں تھے، چنانچہ جبریل علیہ السلام آئے، کہنے لگے، پڑھو! میں نے کہا، مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے پکڑ لیا اور خوب بھینچا، میں نے چھڑانے کی کوشش کی۔ تو مجھے چھوڑ دیا۔ پھر کہا، پڑھو، میں نے کہا، مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ انہوں نے مجھے پکڑ کر بھینچا، اور جب میں نے رہائی کی کوشش کی تو چھوڑ دیا۔ تیسری دفعہ پھر کہا، پڑھو، میں نے کہا، مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ پھر مجھے پکڑ کر بھینچا۔ جب میں نے رہائی کی کوشش کی، تو مجھے چھوڑ دیا۔ پھر جبریل علیہ السلام نے کہا: اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ اور یہ آیات مَالَمْ یَعْلَمْ تک پڑھیں۔[۱] آپ گھر واپس آئے تو کانپ رہے تھے۔ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا

---

[۱] سورۂ علق : ۱-۴

مجھے چادر اوڑھا دو۔ چادر اوڑھا دی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد کپکپی جاتی رہی۔ فرمایا، اے خدیجہ! نہ معلوم مجھے کیا ہو گیا ہے، بعدۂ آپ نے ساری بات بتائی۔ فرمایا، مجھے اپنی جان کا خطرہ پڑ گیا ہے۔ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا، بالکل نہیں، خدا آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، غریبوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں۔ مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں، اور مصائب میں لوگوں کی امداد فرماتے ہیں۔ اس کے بعد جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس جو جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا، لائیں۔ وہ لکھا پڑھا آدمی تھا، اور انجیل کو عربی زبان میں ترجمہ کر رہا تھا۔ وہ بہت بوڑھا ہونے کی وجہ سے اندھا ہو گیا تھا۔ اس نے آپ سے پوچھا، بیٹا! بتائیے آپ نے کیا دیکھا۔ چنانچہ جو کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا تھا، اسے بتایا تو ورقہ کہنے لگا، یہ وہی ناموسِ اکبر ہے، جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔ کاش میں اس وقت جوان ہوتا اور کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا، جب آپ کی قوم آپ کو جلا وطن کر دے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا، کیا وہ مجھے جلا وطن کر دیں گے؟۔ ورقہ نے جواب دیا، جو آدمی بھی آپ کی طرح پیغام لے کر آیا، اسے یہ صورت پیش آئی۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا، تو میں آپ کی پوری پوری امداد کروں گا۔

الفائے وحی:۔ بعدۂ ورقہ جلدی ہی فوت ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آنا معطل ہو گیا جس سے حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو اتنا سخت رنج ہوا، کہ آپ نے بارہا پہاڑ کی چوٹی سے خود کو نیچے گرانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ جب بھی آپ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے، تاکہ خود کو نیچے گرا دیں، تو جبرائیل علیہ السلام آ ظاہر ہوتے اور کہتے، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ یقیناً اللہ کے

رسول ہیں۔ اس سے آپ کا اضطراب ختم ہو جاتا اور طبیعت کو اطمینان ہو جاتا، اور آپ واپس آجاتے۔ جب یہ سلسلہ لمبا ہو گیا، تو آپ پھر ایک دفعہ پہاڑ کی چوٹی پر گئے۔ جبریل علیہ السلام ظاہر ہوئے اور انہوں نے آپ سے وہی بات دہرائی۔ بیہقی راوی ہے کہ جب خدا نے آپ کو نبوّت سے سرفراز فرمایا، تو آپ جس پتھر اور درخت کے پاس سے گزرتے، وہ آپ کو سلام کہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے اور اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں توجہ فرماتے، تو وہاں پتھروں اور درختوں کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ اور یہ سلام نبوّت کے احترام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا جاتا تھا۔ چنانچہ وہ کہتے، السلام علیک یا رسول اللہ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، میں غارِ حرا میں ایک مہینے کے لیے گوشہ نشین رہا۔ جب میری گوشہ نشینی ختم ہوئی، اور میں نیچے اترا، تو میں نے ایک آواز سنی، پہلے دائیں طرف دیکھا، وہاں کچھ نہ تھا۔ پھر میں نے بائیں طرف دیکھا، کچھ دکھائی نہ دیا۔ پھر پیچھے دیکھا، کچھ دکھائی نہ دیا۔ اوپر سر اٹھایا تو میں نے ایک شکل دیکھی لیکن میں اسے پہچان نہ سکا۔ پھر میں خدیجہ کے پاس آیا، کہا، مجھے چادر اوڑھاؤ، اور میرے سر پر ٹھنڈا پانی انڈیلو۔ اس پر مندرجہ ذیل آیت اتری۔ یَا اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ۔[1] اور حسبِ روایت مسلم و بخاری یہ آیت نماز فرض ہونے سے پہلے نازل ہوئی۔ ابو نعیم راوی ہیں کہ ورقہ بن نوفل نے آپ سے کہا، مبارک ہو، میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ آپ ہی وہ پیغمبر ہیں، جن کی آمد کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی۔ اور آپ پر موسیٰ علیہ السلام کی طرح ناموس کا نزول ہوا ہے اور آپ نبی مرسل ہیں۔ ابنِ عادل اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جبریل علیہ السلام چوبیس ہزار مرتبہ نازل ہوئے اور حضرت آدم پر

[1] سورۂ مدثر: ۱-۳

بارہ دفعہ، حضرت ادریس علیہ السلام پر چار دفعہ، حضرت نوح علیہ السلام پر پچاس دفعہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بیالیس دفعہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر چار سو دفعہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دس دفعہ اترے۔ روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے نہایت عمدہ شکل میں ظاہر ہوئے اور ان سے خوشبو آ رہی تھی۔ کہنے لگے، "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور کہا ہے کہ آپ جنوں اور انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپ انہیں توحید کی تعلیم دیں۔" پھر انہوں نے زمین پر پاؤں مارا، اور پانی کا چشمہ پھوٹ بہا، جس سے جبریل علیہ السلام نے وضو کیا پھر آپ سے وضو کرنے کو کہا۔ جبریل اٹھے، انہوں نے نماز پڑھی اور آپ کو بھی اپنے ساتھ نماز پڑھنے کو کہا۔ آپ کو وضو اور نماز کا طریقہ بتا کر، آسمان کو چل دیئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹے، تو جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتے وہ آپ سے السلام علیکم یا رسول اللہ کہہ کر مخاطب ہوتا۔ حضرت خدیجہ کو بتایا تو وفورِ مسرت سے انہیں غشی آ گئی۔ پھر آپ نے انہیں وضو کرنے کو کہا، اور انہیں حسبِ تعلیم جبریل علیہ السلام نماز سکھائی۔ اوّلاً دو رکعت نماز فرض ہوئی تھی، چنانچہ سفر میں یہ صورت برقرار رہی لیکن حضر میں اضافہ کر دیا گیا اور چار رکعت ہو گئیں۔

امام شعبی سے روایت ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس برس کی عمر میں نبوّت عطا ہوئی، اور اسرافیل تین سال تک آپ کی نبوت سے منسلک رہے اور آپ کو کلمہ اور بعض اور اشیاء بتائیں مگر قرآن ان کی زبان سے نازل نہیں ہوا۔ اور جب یہ عرصہ گزر گیا، تو جبریل علیہ السلام کو آپ کی نبوّت سے منسلک کر دیا گیا، اور قرآن بیس سال تک نازل ہوتا رہا۔ جو کچھ ہم بیان کر آئے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت پر آپ کی نبوّت کو تقدم

حاصل تھا۔ چنانچہ سورۂ اقرأ میں نبوّت کا بیان ہے اور سورۂ مدثر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نذیر اور بشیر ہونے اور آپ کی شریعت کا ذکر ہے جو عطائے رسالت کے بعد نازل ہوئی۔

تبلیغِ اسلام:- سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والی اور تصدیق کرنے والی جناب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خدیجہ! مجھے جان کا خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا، مبارک ہو، کہ اللہ ہرگز آپ کو رسوا نہ کرے گا۔ پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، عادات اور صفات کا بطور دلیل ذکر کیا، کہ جس میں ایسی خوبیاں ہوں وہ کبھی رسوا نہیں ہوتا۔

مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنہوں نے اس معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد کی۔

بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تھے۔ جن کی عمر دس برس تھی۔ آزاد کردہ غلاموں میں سب سے پہلے زید بن حارثہ اور غلاموں میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ بعدہٗ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر عثمان بن عفان، زبیر بن العوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم ایمان لائے۔ وہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لائے اور انہوں نے اسلام قبول کیا، اور نماز پڑھی، پھر نو آدمیوں کے بعد ابوعبیدہ بن جراح، ابوسلمہ، الارقم بن ابی الارقم المخزومی، عثمان بن مظعون اور ان کے دو بھائی قدامہ اور عبداللہ اور عبیدہ بن الحارث بن المطلب، سعید بن زید اور ان کی بیوی فاطمہ بنت الخطاب ایمان لائیں۔ (رضی اللہ عنہم) جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد عورتوں میں سے حضرت

عباس کی زوجہ ام الفضل اور اسماء بنت ابوبکر مسلمان ہوئیں۔ آہستہ آہستہ مرد اور عورتیں ایمان لاتی گئیں۔

کچھ عرصہ کے بعد خدا نے رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو حکم دیا، کہ اپنی دعوت کو کھل کر پیش کیجئے۔ اور مشرکین کے سامنے اپنا نقطۂ نظر بیان کیجئے۔ اب تک رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اپنی دعوت کو مخفی رکھا ہوا تھا۔ تاآنکہ قرآنِ پاک کی یہ آیت نازل ہوئی :- فَاصْدَعْ مَا تُؤْمَرُ (جس بات کا تجھے حکم دیا گیا ہے اسے کھلم کھلا بیان کیجئے) یہ بات ان تین سالوں کے بعد، جن کے دوران میں آپ نے اپنی دعوت مخفی رکھی ہوئی تھی، واقع ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے اور صحابہ کرام نے خدائی دعوت کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ اور اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلایا۔ اور احکامِ الٰہی کی پیروی میں دعوتِ حقہ کو زور شور سے پیش کیا۔ لیکن با ایں ہمہ قوم نے آپ سے نہ دُوری اختیار کی اور نہ آپ کی تردید کی، تاآنکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خداؤں پر تنقید کرنا شروع کر دی۔ پس وہ سوائے ان کے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا آپ کے خلاف ہو گئے اور دشمن بن گئے حضرت ابوطالب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ بن گئے، اور آپ کو دشمنوں کے شر سے بچائے رکھا۔ حالات نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔ اور نوبت جنگ و جدال تک پہنچ گئی۔ اور جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے، قریش ان پر چڑھ دوڑے، انہیں دین سے پھیرنے کے لیے ایذائیں دیتے اور تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ مگر اللہ نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو آپ کے چچا حضرت ابوطالب نیز بنو ہاشم اور مطلب کی معرفت دشمنوں سے بچائے رکھا۔ ہاں ابولہب اس زمرے میں نہ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کے گھروں میں جاتے، اور فرماتے: "لوگو! خدا کا حکم ہے کہ تم اس کی عبادت کرو، اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔" ابولہب کا تعاقب

کرتا، اور کہتا پھرتا، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ دینے کی ترغیب دے رہا ہے۔ ولید بن مغیرہ آپ کو جادوگر کہتا تھا۔ قریش آپ کو ستاتے تھے، اور شاعر، کاہن اور دیوانہ کہتے تھے۔ بعض ایسے بھی تھے جو آپ پر خاک ڈالتے اور آپ کے دروازے کو لہو سے لیپ دیتے۔ ایک بار آپ کعبے میں نماز پڑھ رہے تھے، کہ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن مبارک پر پاؤں رکھ دیا اور اتنے زور سے گلے کو دبایا کہ آپ کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے تو کفار نے ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال پکڑ لیے، اور اتنا زور سے کھینچا کہ زیادہ تر بال اکھڑ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مشرکین سے مخاطب ہو کر کہنے لگے، کہ کیا تم آپ کو اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنا رب کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بہ مشکل عقبہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ کیا۔ حالانکہ اس نے آپ کی چادر اتار کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گردن میں لپیٹ دی تھی۔ اور نہایت سختی سے آپ کے گلے کو گھونٹتا تھا۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبے میں نماز پڑھ رہے تھے اور قریش کی ایک جماعت وہاں موجود تھی۔ ان میں سے ایک آدمی کہنے لگا۔ کیا تم اس نمائش کار کو نہیں دیکھ رہے ہو۔ تم سے ایک شخص فلاں قبیلے کے ذبح کردہ اونٹ کے پاس جائے اور اس کا گوبر، خون اور اوجھ اٹھا لائے، اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ کریں، ان کی پیٹھ پر کندھوں کے درمیان رکھ دے، چنانچہ ان سے ایک بدبخت اٹھا وہ غلاظت اٹھا لایا اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا، تو اس نے آپ کے کندھوں کے درمیان رکھ دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے ہی میں رکے رہے، مشرکین اتنا ہنسے کہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ کسی نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جا کر بتایا۔ وہ ابھی

بچی سی تھیں، دوڑتی آئیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی تک سجدے میں پڑے تھے، صاحبزادی نے وہ غلاظت ہٹائی اور مشرکین کو برا بھلا کہا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے، تو آپ نے فرمایا، اے خدا تو قریش سے نمٹ، بعدہٗ آپ نے نام لے لے کر بارگاہِ الٰہی میں پکارا۔ اے خدا! تو عَمرو بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیّہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید سے نمٹ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بخدا میں نے ان سب کو میدانِ بدر میں خاک و خون میں دیکھا پھر وہ سب (یعنی ان میں سے اکثر) بدر کے کنویں میں پھینکے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ عقبہ بن ابی معیط بدر میں قتل نہیں ہُوا تھا۔ بلکہ بدر سے ایک منزل سفر کرنے کے بعد مارا گیا تھا۔ اور امیہ بن خلف کو کنویں میں نہیں پھینکا گیا تھا، اور عمارہ بن ولید حبش میں جا مرا تھا)۔

اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جو قریش میں قابلِ احترام سمجھے جاتے تھے، چھٹے سال نبوی میں ایمان لائے۔ اور قریش حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دست درازی سے کچھ کچھ رک گئے۔ آخر قریش نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "اگر آپ شرف اور بزرگی کے خواہاں ہیں، تو ہم آپ کی اس خواہش کی پذیرائی کو تیار ہیں اور اگر آپ کو ملک و سلطنت کی خواہش ہے تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں اور اگر آپ پر کوئی بھوت سوار ہو گیا ہے، تو ہم آپ کے علاج کے اخراجات برداشت کرنے کو تیار ہیں، تاکہ آپ تندرست ہو جائیں۔"

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "جو تمہارا خیال ہے، ایسی کوئی بات نہیں۔ بلکہ خدا نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے، مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اچھے کاموں پر بہتر اجر کی بشارت دوں، اور بُرے کام کے انجام سے ڈراؤں۔ میں نے خدا کے احکام تمہیں پہنچا دیئے ہیں، اور تمہیں نیک و بد

سمجھا دیا ہے اگر تم میری تعلیم پر عمل کرو گے تو دنیا اور آخرت میں تمہیں اجر ملے گا اور اگر تم انکار کرو گے، تو میں اس وقت تک انتظار کروں گا کہ خدا میرے اور تمہارے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کرے۔"

حضورِ اکرم سے مشرکین کے سوالات:- بعدہٗ نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط علمائے یہود کے پاس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں استصواب رائے کے لیے گئے۔ انہوں نے کہا "محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تین سوال کے جواب دریافت کرو، اگر صحیح جواب دے دیں تو نبی مرسل ہیں اور اگر جواب نہ دے سکیں، تو متقنی (فریب کار) ہیں۔ (۱) یہ پوچھو، کہ وہ کون لوگ تھے جو زمانہ گزشتہ میں بادشاہِ وقت کے ڈر سے بھاگے۔ (۲) وہ کون آدمی تھا، جو دنیا میں گھومتا پھرا۔ (۳) اور روح کیا چیز ہے۔" اس پر خدا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی، اور بتایا کہ وہ نوجوان جو بادشاہ کے ڈر سے بھاگے تھے، اصحابِ کہف تھے، اور دنیا میں گھومنے والا ذوالقرنین تھا اور روح کے بارے میں فرمایا۔ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ[1] بعض لوگ کہتے ہیں، کہ اس آیت میں ایسی کوئی دلیل نہیں، کہ خدا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت سے آگاہ نہیں کیا، بلکہ احتمال ہے، کہ خدا نے آپ کو مطلع کر دیا ہو، لیکن مشرکین کو بتانے کی اجازت نہ دی ہو۔ اسی طرح جب مشرکین نے قیامت کے بارے میں سوال کیا تھا۔ تو ایسا ہی جواب دیا گیا تھا۔

کفار کی ایذا رسانیاں:- جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی، اور ان کے ایمان کا قصہ الم نشرح ہو گیا، تو مشرکین ایمان لانے والے لوگوں پر ٹوٹ پڑے، انہیں ستاتے تھے اور دکھ دیتے تھے تاکہ دین کو چھوڑ دیں۔ چنانچہ ایک دفعہ ابوجہل حضرت سمیہ کے پاس سے گزرے انہیں مارا

[1] بنی اسرائیل: ۸۵

پیٹا جا رہا تھا گزرا۔ اس سنگ دل نے انہیں نیزہ کھینچ کر مارا اور وہ فوت ہو گئیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ قاعدہ بنا رکھا تھا کہ جب بھی وہ کسی غلام کو پٹتے دیکھتے تو وہ اسے خرید کر آزاد کر دیتے۔ حضرت بلال اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم انہی لوگوں سے تھے

حضرت ابوذر راوی ہیں کہ سب سے پہلے سات آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمار، اُم عمار سمیۃ، صہیبؓ بلال اور مقداد رضی اللہ عنہم۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے چچا حضرت ابوطالب اور حضرت ابوبکر کو ان کا قبیلہ مشرکین کی دست برد سے بچاتا تھا۔ ان کے علاوہ باقی لوگوں کو مشرکین پکڑ لیتے انہیں لوہے کی زرہ پہنا کر سخت دھوپ میں کھڑا کر دیتے۔ مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنی جان اللہ کی راہ میں قربانی کے لیے پیش کر دی تھی اور جن کی قوم کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہ تھی اکثر احد احد کہتے تھے۔ مشرکین انہیں پکڑ لیتے، بچوں کے حوالے کر دیتے جو انہیں مکے کی وادیوں میں گھسیٹتے پھرتے۔

ہجرتِ حبشہ:۔ ان حالات کے پیشِ نظر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو نبوّت کے پانچویں سال ماہ رجب میں حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ چنانچہ بہت سے لوگ ہجرت کر گئے۔ کچھ اہل و عیال سمیت اور کچھ تنہا تھے۔ ان کی مجموعی تعداد گیارہ مرد اور چار عورتیں تھی، اور حضرت عثمان بن مظعون امیر تھے۔ سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفان اپنی اہلیہ حضرت رقیہ کے ساتھ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں، نکلے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم نہ تھا۔ چنانچہ ایک عورت نے آپ کو آکر بتایا، کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جاتے دیکھا ہے، ان کی اہلیہ ایک گدھے پر

سوار تھیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ بلاشبہ، عثمان، حضرت لوط علیہ السلام کے بعد وہ پہلے آدمی ہیں، جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنی بیوی سمیت ہجرت کی۔

جب قریش کو معلوم ہوا، کہ مسلمان حبشہ میں جم گئے ہیں اور اطمینان سے گزر بسر کر رہے ہیں تو انہوں نے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو تحفے دے کر نجاشی کے پاس جس کا نام اصحمہ تھا بھیجا۔ تیسرا آدمی عمارہ بن الولید بھی ساتھ تھا۔ تاکہ مسلمانوں کو واپس لے آئیں۔ لیکن نجاشی نے ان کی درخواست مسترد دی، اور وہ اپنے تحائف سمیت ناکام لوٹ آئے۔

حضرت حمزہ کے قبولِ اسلام کے تین دن بعد حضرت عمر بھی مسلمان ہو گئے۔ ابو نعیم راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی، یا اللہ! تو اسلام کو ابو جہل یا عمر کے قبولِ اسلام سے عزت بخش۔ اس وقت مسلمان مردوں کی تعداد چالیس سے کچھ زیادہ اور عورتوں کی تعداد گیارہ تھی۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو حضرت جبرائیل نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، یا رسول اللہ! عمر کے اسلام سے اہلِ سما کو بھی خوشی ہوئی ہے۔

معاشرتی مقاطعہ اور شعب ابی طالب:- جب قریش نے صحابہ کی نظر میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و احترام، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام، حبشہ میں مسلمانوں کی توقیر اور قبائلِ عرب میں اسلام کی اشاعت دیکھی تو قریش نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ جب حضرت ابو طالب کو اس کی خبر ملی تو انہوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو اکٹھا کیا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پناہ میں لے لیا، تاکہ آپ کو مشرکین کے شر سے بچا لیں۔ جب قریش نے یہ حالت دیکھی، تو وہ جمع ہوئے

باہم مشورہ کیا، اور ایک معاہدہ لکھا جس میں انہوں نے بنو ہاشم اور بنی مطلب پر پابندی لگا دی۔ کہ نہ ان سے مناکحت کا سلسلہ قائم کریں گے نہ خرید و فروخت کریں گے اور نہ ان سے کبھی مصالحت کریں گے جب تک کہ وہ آپ کو ان کے حوالے نہ کریں گے تاکہ وہ انہیں قتل کر دیں۔ اس معاہدہ کو لکھنے والا بغیض بن عامر تھا۔ خدا نے اس کا ہاتھ شل کر دیا۔ قریش نے وہ معاہدہ کعبے کے اندر نبوت کے ساتویں سال محرم کے مہینے میں لٹکا دیا تھا۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب حضرت ابو طالب کے پاس جمع تھے۔ اور وہ انہیں سوائے ابولہب کے جو قریش سے مل گیا تھا لے کر شعب ابی طالب میں آ گئے۔ وہ وہاں دو یا تین سال تک ٹھہرے رہے۔ چونکہ ان تک کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس لیے انہیں سخت دقت پیش آئی۔

بخاری میں ہے، کہ ایک دفعہ آپ نے سورہ النجم پڑھی اور آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں، انسانوں اور جنوں نے سجدہ کیا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان صحابہ نے جو حبشہ میں تھے، یہ خبر سنی تو اس خیال سے کہ کفار مکہ مسلمان ہو گئے ہیں بعض مہاجرین حبشہ سے لوٹ آئے، پھر مسلمانوں نے دوبارہ حبشہ کو ہجرت کی، اس موقعہ پر مرد مہاجرین کی تعداد تراسی اور عورتوں کی اٹھارہ تھی۔

ان میں عبیداللہ بن جحش بھی اپنی بیوی ام حبیبہ بنت ابوسفیان سمیت شامل تھا۔ وہ وہاں جا کر عیسائی ہو گیا، اور اسی حالت میں مر گیا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کے ساتویں سال اُم حبیبہ سے جب کہ وہ ابھی حبشہ میں تھیں، نکاح کر لیا۔

معاشرتی مقاطعہ کا خاتمہ:۔ پھر قریش کے کئی آدمی اس معاہدے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، پھر اللہ تعالٰے نے حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو مطلع فرمایا، کہ دیمک نے معاہدے کی تمام ظالمانہ

شرائط کو چاٹ لیا ہے اور صرف "باسمک اللّٰھم" کے الفاظ بچ سکے ہیں جب معاہدے کو دیکھنے کے لیے اتارا گیا۔ تو آپ کی بات صحیح نکلی۔ یہ واقعہ دسویں سالِ نبوت میں پیش آیا۔

وفات حضرت ابو طالب :- جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر انچاس برس آٹھ مہینے اور گیارہ دن تھی، تو حضرت ابو طالب نے نبوت کے دسویں سال ہجرت مدینہ سے تین برس پہلے ستاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ ہشام بن سائب الکلبی اپنے والد سے راوی ہیں کہ جب حضرت ابو طالب قریب الموت پہنچے، تو قریش کے سرداران کے پاس آئے، چنانچہ حضرت ابو طالب نے وصیت کی۔ "اے قریش! تم خدا کی برگزیدہ مخلوق ہو میں تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے حُسنِ سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ قریش میں امین، عرب بھر میں صادق ہیں اور ان میں تمام وہ اوصاف پائے جاتے ہیں، جن کے بارے میں میں تمہیں وصیت کر رہا ہوں۔ اور وہ جس دین کی دعوت دے رہے ہیں، اسے دل نے قبول کر لیا ہے مگر زبان طعن و تشنیع کے ڈر سے انکاری ہے۔ بخدا! میں چشمِ تصوّر سے دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے نادار، دیہاتی، گرد و نواح کے رہنے والے اور اسی طرح کمزور لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت پر لبیک کہیں گے، ان کی باتوں کی تصدیق کریں گے اور مرتے دم تک ان کی امداد کریں گے اور قریش کے سردار اور سربرآوردہ لوگ ذلیل ہوں گے، ان کے گھر تباہ و برباد ہوں گے اور بے وسیلہ لوگ سردار بن جائیں گے اور جو لوگ آج قریش میں بڑے اور دولت مند شمار ہوتے ہیں وہ محتاج ہو جائیں گے اور جنہیں وہ اپنے پاس بھٹکنے نہیں دیتے وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قریب تر ہو جائیں گے۔ تمام عرب ان کو اپنی محبت کا محور بنائیں گے، اپنے دلوں میں

ان کو جگہ دیں گے، اور اپنی قیادت ان کے سپرد کر دیں گے۔ اے قریش! تمہیں چاہیئے، کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی اور ان کی جماعت کے مددگار بنو۔ بخدا جو بھی ان کے راستے پر چلے گا، وہ کامیاب ہوگا اور جو بھی ان کی ہدایات پر عمل کرے گا۔ وہ سعادت مند ہوگا۔ بخدا اگر مجھے تھوڑی سی فرصت اور ملتی، اور میری موت چند دن اور مہلت دیتی، تو میں فتنوں کا راستہ روکتا، اور مصائب کو ان تک نہ پہنچنے دیتا۔" اس کے بعد حضرت ابوطالب فوت ہوگئے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات:- جنابِ ابوطالب کی موت کے تین یا پانچ دن بعد، بعثت کے دسویں سال ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ماہِ رمضان میں وفات پا گئیں۔ چنانچہ اس سال کا نام "سالِ مصائب" قرار پایا۔ ام المؤمنین، حضورِ اکرم کے ساتھ پچیس برس قیام پذیر رہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے چند دن بعد آپ نے حضرت سودہ بنتِ زمعہ سے نکاح کر لیا۔

سفرِ طائف:- چونکہ حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد، قریش نے آپ کو زیادہ ستانا شروع کر دیا تھا، اس لیے آپ نے زید بن حارثہ کے ساتھ طائف کا رخ کیا، اور وہاں ایک ماہ تک قیام فرمایا، آپ اس اثنا میں سردارانِ بنو ثقیف کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، مگر انہوں نے کان نہ دھرا، بلکہ انہوں نے اپنے قبیلے کے اوباشوں کو اکسایا، جنہوں نے آپ کو گالیاں دیں، اور اس شدت سے سنگباری کی، کہ آپ کے موزے خون سے بھر گئے۔ جب وہ اوباش آپ پر پتھر برساتے، تو آپ زمین پر بیٹھ جاتے، وہ آپ کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھا دیتے۔ آپ چلتے، تو پھر سنگباری کرتے، اور زور زور سے ہنستے۔ زید بن حارثہ آپ کو بچانے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ پتھروں سے ان کا سر بھی پھٹ گیا۔

بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا احد کے دن سے بھی زیادہ سخت تر کوئی دن آپ پر آیا ہے؟" آپ نے فرمایا، "ہاں عائشہ! بلاشبہ مجھے تیری قوم نے بڑے بڑے دکھ دیئے ہیں لیکن مشکل ترین دن وہ تھا، جب میں نے خود کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے سامنے اس کی حمایت حاصل کرنے کو پیش کیا، لیکن اس نے میری خواہش کو پورا نہ کیا۔ میں وہاں سے روانہ ہوا، اور میں حد درجہ مغموم تھا۔ چنانچہ مجھے اس وقت ہوش آیا جب میں قرن الثعالب کے مقام پر پہنچا، سر اوپر اٹھایا، تو ایک بادل کا ٹکڑا نظر آیا جس میں جبریل علیہ السلام موجود تھے، انہوں نے مجھے آواز دی" اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم خدا نے تیری قوم کی گفتگو سن لی ہے اور نیز آپ سے ان کا سلوک بھی دیکھ لیا ہے۔ میں ان پہاڑوں کا فرشتہ ہوں اور خدا نے مجھے آپ کی طرف اس لیے روانہ کیا ہے، تاکہ میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں، اگر آپ چاہیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو باہم ملا دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری خواہش ہے کہ خدا ان کی پشتوں سے ان لوگوں کو پیدا کرے، جو خدا کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دس دن طائف میں قیام فرمایا تھا۔

جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے بایں حالت واپس ہوئے تو آپ عتبہ اور شیبہ کے پاس سے گزرے، جو ربیعہ کے بیٹے تھے۔ وہ اپنی حویلی میں بیٹھے تھے، جب انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اہلِ طائف کی بدسلوکی کو دیکھا، تو ان کے جذبۂ رحم کو تحریک ہوئی اور انہوں نے اپنے غلام عداس نصرانی کی معرفت انگوروں کا گچھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گچھے کی طرف ہاتھ بڑھایا، تو آپ نے بسم اللہ پڑھی۔

اور انگور کھایا، پھر عداس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرے پر نگاہ ڈالی. کہنے لگا، یہاں کے لوگ تو بسم اللہ نہیں پڑھتے حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اس سے دریافت فرمایا، تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا مذہب کیا ہے؟ کہنے لگا، میں نینوا کا رہنے والا نصرانی ہوں. حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، اچھا تم اس شہر کے باشندے ہو، یہاں کبھی یونس بن متی ایسا نیک آدمی رہتا تھا، پوچھا آپ ان کو کیسے جانتے ہیں؟ فرمایا، وہ میرے بھائی تھے اور میری طرح نبی تھے.

اس پر عداس نے آپ کے ہاتھوں، سر اور پاؤں کو چوما اور مسلمان ہو گیا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نخلہ کے مقام پر جو مکے سے ایک دن کی مسافت پر ہے، اترے تو نصیبین کے نو جن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کے وقت سورۂ جن تلاوت فرما رہے تھے اور جن سن رہے تھے، جس جن نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کرایا۔ وہ شجرہ تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا:-

اس موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیل کی دعا مانگی :-

"اے خدا! میں تجھ سے اپنی قوت کی کمزوری اور تدبیر کی بے اثری اور لوگوں کی نظروں میں بے وقعتی کی شکایت کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو ہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا اور تو ہی کمزوروں کا آقا ہے، تو مجھے اب کس کے حوالے کرنے لگا ہے، کسی دور کے دشمن کے جو مجھ سے ترش روئی سے پیش آئے گا، یا قریب کے دوست کے جسے تو میرے معاملات سپرد کر دے گا۔ اے خدا اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے، تو پھر مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں، سوائے اس کے کہ تیری

وسیع رحمت مجھے اپنی آغوش میں لے لے۔ اے خدا میں خود تیری ذات کے اس نور کی پناہ میں دیتا ہوں، جس سے زمین و آسمان روشن ہیں اور جس سے اندھیرے جگمگا اٹھے ہیں اور دین دنیا کے کام سلجھ گئے ہیں میں اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں، کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا مجھ سے ناراض ہو، میں تیری خوشنودی چاہتا ہوں، تاکہ تُو راضی ہو اور برائی سے بچاؤ کی اور نیکی کی رغبت تیرے ہاتھ میں ہے۔"

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم:- ربیع الاوّل کے مہینے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اور جسم کو بیداری کی حالت میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئے۔ پھر مسجد اقصیٰ سے آپ کو سات آسمانوں سے اوپر لے گئے، اور آپ نے خدا کو دونوں آنکھوں سے دیکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی باتیں القا کی گئیں اور پانچ نمازیں فرض ہوئیں، پھر آپ راتوں رات مکّے کو واپس آ گئے۔ آپ نے اس سفر کا ذکر کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں نے آپ کی تصدیق کی اور کفار نے تکذیب کی۔ اس پر کفار نے آپ سے بیت المقدس کے متعلق سوالات کیے۔ خدا نے اس کی شبیہ آپ کے سامنے پیش کر دی، چنانچہ دیکھ دیکھ کر بتاتے جاتے۔ یہ واقعہ بعثت کے پانچویں سال پیش آیا۔ ایک روایت کے مطابق یہ واقعہ رجب کی ستائیس تاریخ کو ہوا۔ حافظ عبدالغنی المقدسی نے اس روایت کو ترجیح دی ہے، یہ روایت بھی ہے کہ یہ واقعہ جمعہ کی رات کو یا ہفتے کی رات کو واقع ہوا[1]

---

[1] واقعۂ معراج کی تفصیلات کے لیے معارج النبوۃ جلد دوم مؤلفہ ملا معین واعظ کاشفی کا مطالعہ کریں۔ مترجم

بیعتِ عقبہ اول و دوم :- جب اللہ نے اپنے دین کے غلبے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز اور اپنا وعدہ پورا کرنے کا ارادہ کیا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام موسمِ حج میں اوس اور خزرج سے ملنے کے لیے روانہ ہوئے، حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے قبائلِ عرب سے ملاقات کا پروگرام بنایا جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ آپ عقبہ کے نواح میں تھے کہ خزرج کے بعض لوگوں سے خدا کو جن کی بھلائی منظور تھی ملاقات ہوگئی، حضور نے دریافت فرمایا، تم کون ہو؟ کہا، ہم بنو خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے پوچھا آیا تم میرے ساتھ کچھ دیر بیٹھو گے، تاکہ باتیں کریں۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے، چنانچہ وہ مل بیٹھے اور آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور آیاتِ قرآن کی تلاوت فرمائی۔ یہ حُسنِ اتفاق ہے، کہ یہود جو اہلِ کتاب تھے ان کے شہروں میں سکونت پذیر تھے، مگر اوس و خزرج کی زیادہ تعداد تھی۔ چنانچہ جب بھی ان کا باہم کوئی جھگڑا ہوتا تو یہود کہا کرتے کہ جلدی ہی ایک نبی آنے والا ہے، کیونکہ یہی اس کا عہد ہے۔ ہم اس کی پیروی کریں گے اور ہم اس سے مل کر تمہارے خلاف جہاد کریں گے۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے گفتگو فرمائی تو وہ پہچان گئے۔ آپس میں کہنے لگے، دیکھو، یہود اس معاملے میں ہم پر سبقت نہ لے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی دعوت قبول کر لی، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کی جو تعلیمات پیش کیں وہ انہوں نے مان لیں۔ چنانچہ ان میں سے چھ آدمی مسلمان ہوگئے۔ ابو اُمامہ اُسعد بن زُرارہ، عوف بن حارث بن رفاعہ جو ابنِ عفراء کے نام سے مشہور تھا۔ رافع بن مالک بن عجلان، قُطبہ بن عامر بن حُدیدہ و عُقبہ بن عامر بن نابی اور جابر بن عبداللہ بن ریاب۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، تم میری پشت مضبوط کرو، تاکہ میں خدا کا پیغام پہنچا سکوں۔

انہوں نے کہا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سالِ بعاث کے موقعہ پر ہم پہلی بار آپس میں لڑے تھے۔ اگر آپ وہاں (مدینے میں) تشریف لے آئیں اور ہمارے باہمی تعلقات کی یہی نوعیت ہو، تو آپ کے بارے میں ہمارا اتفاق نہیں ہو سکے گا۔ ہمیں مہلت دیجئے، تاکہ ہم اپنے قبائل میں واپس جائیں، ممکن ہے ہمارے درمیان مصالحت ہو جائے اور ہم انہیں دعوتِ اسلام دیں، بہت ممکن ہے کہ ہمارا آپ کی دعوت پر اتحاد ہو جائے اور وہ آپ کے پیرو بن جائیں تو آپ سے بڑھ کر اور کوئی آدمی زیادہ محترم نہیں ہو گا۔ پھر ہماری ملاقات سالِ آئندہ حج کے موقعہ پر ہو گی۔

وہ لوگ مدینے لوٹ گئے اور کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس میں رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا ذکر نہ ہوتا ہو۔ جب دوسرا سال آیا، تو آپ سے بارہ آدمیوں نے ملاقات کی، اسے عَقَبہ ثانیہ کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ پچھلے سال کے چھ آدمیوں سے جابر بن عبداللہ بن ریاب کے سوا باقی سارے آدمی آئے تھے۔ مندرجہ ذیل سات آدمی ان پانچ کے علاوہ تھے۔ معاذ بن حارث بن رفاعہ وہ ابن عفرا تھا، عوف کا بھائی، ذکوان بن عبد القیس الزرقی، عُبادہ بن صامت، یزید بن ثعلبۃ البلوی، عباس بن عبادہ بن نضلہ یہ سب لوگ بنو خزرج سے تھے اور دو آدمی بنو اوس سے تھے، ابو الہیثم بن التیہان جو بنو عبد الاشہل سے تھا، اور عویم بن ساعدہ۔ ان سب لوگوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ نیز انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کی بیعت کی اجازت طلب کی جو بالکل ویسی تھی، جیسی کہ فتح مکّہ کے وقت لی گئی تھی۔ وہ کلمات یہ تھے:۔

"ہم خدا کا کوئی شریک نہیں بنائیں گی، نہ چوری کریں گی، نہ زنا کریں گی، نہ اولاد کو قتل کریں گی، نہ کسی پر فرضی بہتان باندھیں گی۔

نہ اچھے کاموں میں ہم نافرمانی کریں گی، تنگی اور فراخی میں خوشی اور
ناخوشی میں ہم احکام کی پیروی کریں گی اور لوگوں سے خواہ مخواہ جھگڑا
مول نہیں لیں گی اور جہاں تک ہو سکا، ہم سچ کہیں گی اور خدائی معاملات
میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گی۔"

پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تم نے یہ باتیں پوری کیں، تو تمہیں اس کے بدلے میں جنت ملے گی۔ اگر ان احکام میں سے، تم سے کوئی کوتاہی ہو گئی، تو تمہارا معاملہ خدا کے سپرد ہو گا۔ اگر چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔ ابھی تک جہاد فرض نہیں ہوا تھا۔ بعدہٗ وہ لوگ مدینہ واپس آ گئے اور خدا نے اسلام کی امداد کی۔ اسعد بن زرارہ مدینہ میں مسلمانوں کو جمع کرتے۔ پھر بنو اوس اور خزرج نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو لکھا کہ کسی شخص کو روانہ فرمایئے، جو ہمیں قرآن شریف پڑھائے۔ آپ نے مُصعب بن عُمیر کو روانہ کیا، جن کے ہاتھ پر انصار کی بڑی تعداد ایمان لے آئی۔ ان میں سعد بن مُعاذ اور اُسید بن حُضیر شامل تھے۔ چنانچہ ان کی وجہ سے بنو عبد الاشہل کے مرد اور عورتیں ایک دن میں اسلام لے آئیں۔ سوائے اُصیرم کے جس کا نام عمرو بن ثابت بن وقش تھا۔ وہ احد کے دن تک ایمان نہ لا سکے۔ چنانچہ اس دن ایمان لائے، اور خدا کے سامنے ایک سجدہ کرنے سے پہلے شہید ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ وہ جنتی ہیں۔ بنو عبد الاشہل میں کوئی شخص بھی منافق نہ تھا، بلکہ سب کے سب سچے اور مخلص مسلمان تھے۔

بیعت عقبہ سوم:۔ پھر سالِ آئندہ حج کے مہینے میں، ایامِ تشریق کے وسط میں، ستر مرد اور دو عورتیں آئیں، حاکم راوی ہیں کہ کُل پچھتر آدمی تھے، سب سے پہلے جس شخص نے بیعت کی وہ حضرت بَراء بن معرور تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ اسعد بن زُرارہ تھے۔ یہ عہد کیا گیا، کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی اس طرح سے حفاظت کریں گے، جس طرح وہ اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہیں، اور وہ آپ کی خاطر اسود و احمر سے جنگ کریں گے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان میں بارہ نقیب مقرر فرمائے۔ آپ متواتر دس سال تک مختلف مواقع پر لوگوں کے گھروں میں جاتے اور فرماتے، جو شخص اس لیے میری تائید اور امداد کریگا تاکہ مَیں خدائی پیغام لوگوں تک پہنچا سکوں، اسے جنت میں جگہ ملے گی۔ تا آنکہ خدا نے انصار کو بھیج دیا۔

ہجرت مدینہ:۔ جب بیعت عقبۂ ثالث ختم ہو گئی، آپ نے صحابہ کو ہجرتِ مدینہ کا حکم دیا۔ پس لوگ آہستہ آہستہ نکل گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکّے میں قیام پذیر رہے، تاکہ آپ کو بھی اجازت ملے، تو روانہ ہو جائیں۔ پھر قریش دار الندوہ میں جمع ہوئے، تاکہ آپ کے بارے میں مشورہ کریں۔ آخر وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر متفق الرائے ہو گئے۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا، کہ آج رات آپ اپنی چارپائی پہ آرام نہ فرمائیں۔ جب اندھیرا چھا گیا، تو کفار آپ کے دروازے پر جمع ہوئے، تاکہ جب آپ سو جائیں تو آپ پر حملہ کر دیا جائے۔ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو حکم دیا، وہ آپ کی جگہ سبز چادر اوڑھ کر سو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے وہ آدمی ہیں جنہوں نے اپنی جان حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربانی کے لیے پیش کی۔ پھر آپ اپنے گھر سے نکلے، خدا نے کفار کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، اور کوئی بھی آپ کو دیکھ نہ سکا۔ اور سب کے سر پہ خاک ڈال گئے۔ اور آپ اس وقت سورۂ یٰسین کی تلاوت کر رہے تھے۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں چلے گئے جہاں آپ کو جانا تھا۔ اتنے میں کفار کے پاس سے ایک آدمی گزرا، اس نے پوچھا، یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ کہنے لگے، ہم محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انتظار میں ہیں۔ وہ کہنے لگا، خدا نے تمہیں رسوا کیا ہے،

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نکل کر چلے گئے ہیں، اور تمہارے سروں پر خاک ڈال گئے ہیں۔ چنانچہ جب انہوں نے اپنے سروں پر ہاتھ پھیرا، تو واقعی بات درست تھی۔ چنانچہ جس شخص کے سر پر ایک کنکری بھی پڑی تھی، وہ میدانِ بدر میں قتل ہوا۔ قرآن کی اس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے:۔ وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ[1]۔ چنانچہ آپ کو مدینے کی طرف ہجرت کی اجازت مل گئی، تاکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اس شہر کو عزت اور احترام نصیب ہو۔ چنانچہ اس بات پر قوم کا اتفاق ہے، کہ بہترین مقام وہ ہے جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسدِ مبارک دفن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے ربیع الاوّل کی پہلی تاریخ کو روانہ ہوئے تھے اور بارہ تاریخ کو مدینہ پہنچے۔

سیّدنا ابوبکر آقائے دو عالم کی رکاب میں:۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ حضرت ابوبکر کو ساتھ لے چلیں، چنانچہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی ہجرت کے بارے میں مطلع فرما دیا اور کہا، کہ لوگوں کی جو امانتیں میرے پاس رکھی ہیں، وہ انہیں لوٹا دی جائیں۔ آپ چپکے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان پر آئے اور انہیں ساتھ لے لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک اونٹنی پیش کی مگر آپ نے مفت لینے سے انکار کر دیا۔ تاکہ ہجرت کی فضیلت میں کمی نہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ہم نے جلدی جلدی تیاری کی، پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غارِ ثور میں جا کر پناہ لی۔ آپ نے مکے سے نکلتے وقت کعبے کی طرف دیکھ کر فرمایا، بخدا تو میری نظر میں اور اسی طرح اللہ کی نظر میں تمام دنیا سے عزیز تر ہے۔ اگر یہ لوگ مجھے یہاں سے نہ نکالتے، تو میں ہرگز نہ جاتا۔"

---

[1] انفال: ۳۰

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے بچ کر نکل گئے تو انہوں نے آپ کو ہر طرف تلاش کیا، اور ہر طرف آدمی روانہ کیے، اور پکڑ کر لانے والے کے لیے سو اونٹ انعام مقرر کیا۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے، پھر خدا نے غار کے دروازے پر ایک درخت اگا دیا اور عنکبوت کو حکم دیا، کہ وہ غار کے دروازے پر جالا بُن دے پھر خدا نے دو جنگلی کبوتر بھیجے اور وہ غار کے دروازے پر آ کر بیٹھ گئے۔ ان دنوں کعبے کے کبوتر، انہی دو کبوتروں کی نسل سے ہیں۔ قریش کے ہر قبیلے کے دو دو آدمی غار کے منہ پر پہنچ گئے۔ اور کبوتروں نے انہیں غار میں داخل ہونے سے روک دیا۔ کسی نے کہا بھی، کہ غار کے اندر گھس جاؤ۔ لیکن امیہ بن خلف کہنے لگا کہ عنکبوت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے پہنچ گیا ہے۔ روایت میں ہے کہ کبوتروں نے سوراخ کے نیچے انڈے دیئے اور عنکبوت نے جالا تن دیا۔ وہ کہنے لگے، کہ اگر کوئی آدمی اندر داخل ہوتا، تو انڈے ٹوٹ جاتے اور جالا پھٹ جاتا۔ تو گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ اس معجزے سے بڑا ہے، جس میں کفار لشکر لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں آئے تھے۔ ایک روایت میں ہے، کہ آپ نے دعا کی کہ اے خدا، تو انہیں اندھا کر دے۔ پس وہ اندر نہ داخل ہو سکے اور دائیں بائیں بھٹکتے رہے۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ان میں سے کوئی آدمی نیچے جھک کر دیکھے، تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ فرمایا، اے ابوبکر! تیرا ان دو آدمیوں کے بارے میں، جن میں تیسرا خدا ہے، کیا خیال ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ میں نے غار میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک دیکھے، ان سے خون ٹپک رہا تھا۔ مجھے رونا آ گیا۔ اور میں جان گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشقت اور تکلیف برداشت کرنے کی عادت نہیں تھی۔ نیز روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر

غار میں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے پیشِ نظر آپ سے پہلے داخل ہوئے۔ انہوں نے اس میں ایک سوراخ دیکھا، جسے انہوں نے اپنی ایڑی سے بند کر دیا، تاکہ کوئی چیز نکل کر آپ کو دکھ نہ دے۔ پھر حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اندر داخل ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ لیکن انہیں کسی چیز نے پاؤں میں ڈس لیا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے اور ان کے آنسو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک پر گرے، پوچھا، ابوبکر کیا بات ہے، عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کسی چیز نے ڈس لیا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر لعابِ دہن لگایا اور درد جاتا رہا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب انہوں نے تعاقب کرنے والوں کو دیکھا، تو وہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے بارے میں سخت متردد ہوئے۔ کہنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں قتل ہو گیا تو میں تو تن تنہا ہوں لیکن اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو ساری امت تباہ ہو جائے گی، اس پر صاحبِ لولاک نے فرمایا، لَا تَحْزَنْ ـــــ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا[1]۔ پھر اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق کو مطمئن کر دیا۔ کیونکہ وہ ڈر رہے تھے اور خدا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان فرشتوں کی کمک سے جو دکھائی نہیں دیتے تھے، امداد فرمائی تاکہ وہ غار میں آپ کی حفاظت کریں اور کفار کے منہ آپ کی جانب سے موڑ دیں، اور ان کی آنکھیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکیں۔

حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین رات دن غار میں قیام فرمایا۔ رات کو حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما جو ابھی لڑکے تھے وہیں ٹھہرتے تھے، جب سحر طلوع ہوتی تو وہ مکے آجاتے۔ جب شام ہوتی تو دن بھر کی خبریں آکر سناتے اور عشاء کے بعد عامر بن فہیرہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، بکریوں کی حفاظت کے لیے آجاتے اور بکریوں کا دودھ آپ کو پلاتے،

---

[1] سورۂ توبہ: ۴۰

عبداللہ بن اریقط :- آپ نے عبداللہ بن اریقط جو ابھی تک کافر تھا، اور اسلام سے متعارف نہیں کرایا گیا تھا، کی خدمات بطور رہبر کے اجرت پر حاصل کیں۔ چنانچہ وہ اپنی سواری لے کر تین دن کے بعد آگیا۔ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر چل دیا۔ عامر بن فہیرہ بھی شریکِ سفر تھے۔ یہ مختصر سا قافلہ وادی قدید میں ام معبد کے پاس سے گزرا، اور دودھ یا گوشت کے خریدنے کی خواہش کی، لیکن اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ اتنے میں آپ نے خیمے کے ایک کونے میں ایک بکری دیکھی، جو بوجۂ کمزوری کے ریوڑ کے ساتھ نہیں جا سکی تھی۔ آپ نے پوچھا، کیا یہ دودھ دیتی ہے؟۔ اس نے کہا نہیں، اس کا دودھ ختم ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا، کیا تُو مجھے اجازت دے گی تاکہ مَیں دودھ دوہوں۔ اس نے کہا، بسر وچشم میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اگر اس کے تھنوں میں دودھ ہے تو دوھ لیجئے۔ آپ نے بکری منگوائی اس کی ٹانگوں کو قابو کیا۔ اس کے تھنوں کو چھوا، تو ان میں دودھ اتر آیا۔ پھر آپ نے برتن منگوایا، تاکہ باقی لوگ بھی پی سکیں۔ چنانچہ اس میں دودھ دوہا۔ سب لوگوں نے سیر ہو کر پیا۔ پھر اس برتن میں دوبارہ دودھ دوہا اور اسے وہیں چھوڑ کر آپ رخصت ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کا خاوند ابو معبد لاغر بکریوں کا ریوڑ لیے ہوئے آیا، اور دودھ کو دیکھ کر حیران ہُوا۔ پوچھا، ام معبد یہ کیا بات ہے کہنے لگی، یہاں سے ایک مبارک آدمی گزرا ہے، جس کی وجہ سے یہ صورتحال پیدا ہو گئی، ابو معبد نے کہا، اس کا حلیہ بیان کرو، ام معبد نے نہایت عمدہ الفاظ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نقشہ بیان کیا۔ وہ کہنے لگا، بخدا یہی ہے وہ شخص جس کی قریش کو تلاش ہے۔ اگر میری ملاقات ان سے ہوتی تو مَیں ان کا دین قبول کر لیتا۔ یہ بکری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک صبح و شام دودھ دیتی رہی۔

سراقہ بن مالک تعاقب میں :- پھر اسی وادی میں سراقہ بن مالک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آمنا سامنا ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر رو پڑے، کہنے لگے، یا رسول اللہ! ہم پھنس گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا، ہرگز نہیں۔ چنانچہ آپ نے بد دعا کی، اور اس کے گھوڑے کے سُم زمین میں دھنس گئے۔ اس پر سراقہ نے امان کی درخواست کی، کہنے لگا، مجھے علم ہے کہ آپ نے میرے لیے بد دُعا کی ہے، اب میرے لیے دعا کیجئے۔ میں وعدہ کرتا ہوں، کہ مَیں قریش کو آپ کے تعاقب سے روکوں گا۔ اور آپ کو کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔ سراقہ راوی ہے کہ یہ سُن کر آپ ٹھہر گئے، مَیں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب پہنچا۔ اور قریش کے ارادے سے آپ کو مطلع کیا۔ مَیں نے اپنا زادِ سفر آپ کے سپرد کر دیا۔ اس وقت میرے خیال میں آیا، کہ بلاشبہ آپ کو اللہ تعالیٰ کامیابی عطا کرے گا۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ چل دیئے اثنائے سفر میں آپ کو ایک گڈریا بکریاں چراتا ملا۔ اس سے پینے کو دودھ مانگا۔ اس نے کہا، ان میں سے کوئی بکری دودھ نہیں دیتی۔ ہاں ایک بکری حاملہ ہے، مگر دودھ نہیں دیتی۔ آپ نے فرمایا، اسے ذرا پکڑ لاؤ، وہ لے آیا اور آپ نے اسے تین دفعہ دوہا اور سب نے دودھ پیا، چنانچہ گڈریا مسلمان ہو گیا۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا :- جب مسلمانانِ مدینہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجرت کا علم ہوا، تو وہ روزانہ صبح سے دوپہر تک آپ کا انتظار کرتے اور جب دوپہر گرم ہو جاتی، تو لوگ گھروں کو واپس ہو جاتے۔ ایک دن وہ انتظار کے بعد گھروں کو لوٹ گئے کہ ایک یہودی نے جو کسی کام سے مکان کی چھت پر کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اس نے آپ کو اور

آپ کے ساتھیوں کو دُور افق پر دیکھ لیا۔ چنانچہ وہ صبر نہ کر سکا اور زور سے چلایا۔ اے اوس و خزرج تمہارا مطلوب و مقصود قافلہ وہ چلا آرہا ہے۔ پس مسلمان ہتھیار لیے حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے استقبال کے لیے نکلے۔ چنانچہ آپ قبا میں اتر پڑے اور وہاں بائیس دن قیام فرمایا۔ پھر آپ دن چڑھے قبا سے جمعے کے دن روانہ ہوئے اور جمعے کے وقت بنو سالم بن عوف کی بستی میں پہنچ گئے۔ چنانچہ آپ نے وہاں نمازِ جمعہ تقریباً سو آدمیوں کے ساتھ ادا کی۔ بعد از نماز آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور مدینے کو چلے۔ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے گھروں کے پاس گزرتے تو وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے یہاں قیام کی دعوت دیتے اور امداد اور خدمت کا وعدہ کرتے۔ آپ فرماتے۔ میری اونٹنی کے راستے سے ہٹ جاؤ، کیونکہ اسے اپنی جگہ معلوم ہے۔ آپ نے اس کی مہار ڈھیلی چھوڑی ہوئی تھی اور اسے بالکل حرکت نہیں دے رہے تھے، اور وہ دائیں بائیں دیکھتی جا رہی تھی۔ چنانچہ جب مالک بن نجار کے محلے میں پہنچی، تو مسجد کے دروازے پر بیٹھ گئی اس جگہ ان دنوں سہل، سہیل پسران، رافع بن عمرو نے جو یتیم ہو گئے تھے، کھجوریں خشک کرنے کا کھلیان بنا رکھا تھا۔ پھر وہ وہاں سے چل دی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار تھے، تا آنکہ وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے صحن میں بیٹھ گئی۔ گردن زمین پر رکھ دی اور بغیر منہ کھولے آہستہ آہستہ بولنے لگ گئی۔ آپ اترے اور فرمایا، یہ ہے انشاء اللہ ہماری منزل۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کجاوہ اٹھا کر اندر لے گئے، اور حضرت زید بن حارثہ ساتھ تھے۔ اور بنو نجار کا محلہ، انصار کی بستی کے درمیان واقع تھا، اور سب سے بہتر تھا۔ اور یہ لوگ حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے دادا حضرت عبدالمطلب کے ننھیال تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس دن

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں داخل ہوئے تو آپ کی وجہ سے ہر چیز جگمگا اٹھی۔ اور قبیلے کی پردہ نشیں عورتیں چھتوں پر چڑھ گئیں۔ اور مندرجہ ذیل دو شعر گانے لگیں :۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

۱ :۔ وداع کی گھاٹیوں سے، ہم پر چاند نمودار ہوا۔

۲ :۔ جس کا شکر ہم پر واجب ہے۔ کسی دعا مانگنے والے نے کیا عمدہ دعا مانگی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھ گئی، تو بنو نجار کی لڑکیاں ڈھولکیاں لیے گا رہی تھیں :۔

ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں، سبحان اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کتنے اچھے ہمسائے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، کیا تم مجھ سے پیار کرتی ہو؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایا، اللہ جانتا ہے کہ میرا دل تم سے پیار کرتا ہے۔ طبری راوی ہے، کہ لڑکے بالے گلیوں میں پھیل گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی منادی کرتے پھرتے تھے۔ اور آپ سات مہینے تک حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرما رہے۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمیرِ مسجد کا ارادہ کیا، تو بنو نجار سے فرمایا کہ تم اپنے احاطے کی قیمت مجھ سے لو۔ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم فی سبیل اللہ یہ زمین دینے کو تیار ہیں، لیکن آپ نہ مانے، اور

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دس دینار لے کر زمین خرید لی. حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی ساری پونجی ساتھ لے آئے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اینٹیں بناؤ، مسجد تیار ہو گئی، چھت کھجور کے پتوں کی اور ستون کھجور کی لکڑی کے تھے، سب مسلمان اس کی تعمیر میں شریک تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے، اور عبداللہ بن رواحہ کے یہ دو شعر پڑھتے جاتے تھے:۔

هٰذَا الْحِمَالُ لَا حِمَالُ خَيْبَرِهْ   هٰذَا أَبَرُّ رَبَّنَا وَأَطْهَرُهْ

اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْأَجْرَ أَجْرُ الْآخِرَهْ   فَارْحَمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَهْ

۱:۔ یہ ثمرِ خیبر کی کھجوروں کا ثمر نہیں، اے ہمارے رب یہ تو بہت مقدس اور پاکیزہ ہے۔

۲:۔ اے خدا ہمیں آخرت کا اجر دے۔ اور انصار اور مہاجرین پر رحم کر۔

مسجد کا قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا. تین دروازے لگائے گئے۔ ایک پچھلی طرف دوسرا وہ جسے باب الرحمۃ کہتے تھے اور تیسرا وہ جس سے مسجد میں داخل ہوتے تھے اور مسجد کا طول دیوارِ قبلہ سے پچھلی دیوار تک سو ہاتھ تھا، اور دونو بازو بھی اتنے ہی تھے، یا کچھ کم. مسجد کی بنیاد تین ہاتھ گہری رکھی گئی. مسجد کے پہلو میں اینٹوں سے حجرے تیار کئے گئے اور چھت پر کھجور کے تنے اور پتے ڈالے گئے تھے۔ جب مسجد تیار ہو گئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے ایک حجرہ تیار کرایا جس کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا۔ اور اسی طرح حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک اور حجرہ بنایا گیا۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر سے ان حجروں میں اٹھ آئے۔ پھر

آپ نے حضرت زید بن حارثہ اور ابورافع رضی اللہ عنہما کو مکّے روانہ کیا، تاکہ حضرت فاطمہ، حضرت امِ کلثوم، حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت ام ایمن کو مدینے لے آئیں. حضرت عبداللہ بن ابوبکر اپنے خاندان کو لے آئے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کے دن مسجد کے ایک ستون کے پاس کھڑے ہوکر خطبہ دیا کرتے، فرمایا: مجھے کھڑا ہونے میں دقّت ہوتی ہے، اس لیے آپ کے لیے منبر بنایا گیا. ہم باب المعجزات میں اس ستون کے رونے کا واقعہ بیان کریں گے. جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کو پانچ مہینے گزر گئے تو مہاجرین اور انصار کے درمیان سلسلۂ مواخات قائم کیا۔ اور آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شوال میں اٹھارہ مہینے کے بعد نکاح کیا۔

ابنِ اسحاق راوی ہیں کہ یہودی علماء حسد اور بدنیتی کی وجہ سے آپ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اسی طرح اوس اور خزرج کے منافقوں کی ایک جماعت، جن کا سردار عبداللہ بن ابی تھا، ان سے مل گئے، اور اللہ تعالیٰ کا غضب ان پر نازل ہوا۔

اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاد کی اجازت دی۔

اِذنِ جہاد:- زہری راوی ہیں کہ مندرجہ ذیل وہ پہلی آیت ہے، جس میں جہاد کی اجازت دی گئی ہے:- اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ[۵]۔ اس کے بعد آپ نے دشمنوں پر حملے کے لیے چھوٹے چھوٹے دستے اور لشکر روانہ کیے، خود آپ نے اور آپ کے صحابہ نے جنگیں کیں، اور لوگ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہوئے. ان غزوات کی تعداد جن میں آپ خود شریک ہوئے، ستائیس تھی. ان میں نو ایسے

---

[۵] سورۂ الحج: ۳۹

ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم شریکِ جنگ ہوئے، وہ حسبِ ذیل ہیں :۔
بدر، احد، المریسیع، خندق، قریظہ، خیبر، فتح مکہ، حنین اور جنگِ طائف۔ سرایا
کی تعداد سینتالیس ہے، پہلا سریہ وہ ہے جس میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے
حصہ لیا تھا۔ اس دستے میں مہاجرین کی تعداد تیس تھی، یہ دستہ قریش کے قافلے
کو روکنے کے لیے گیا، لیکن جنگ کی نوبت نہ آسکی۔ یہی حال سریۂ عبیدہ بن حارث
بن مطلب کا تھا، جو وادیٔ رابغ کو ساٹھ آدمیوں کے ساتھ گیا تھا۔ تاکہ ابوسفیان
کو روکیں، جو دو سو آدمیوں کے ساتھ آرہا تھا لیکن اس میں بھی جنگ نہ ہوئی۔ اس
کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جس میں وہ بیس آدمیوں
کے ساتھ حرا، کی وادی میں بھیجے گئے تھے، تاکہ قریش کے قافلے کو روکیں، لیکن
قافلہ ایک دن پہلے گزر گیا تھا۔

غزوۂ ودّان :۔ غزوۂ ودان کا دوسرا نام الابوا ہے۔ یہ وہ پہلا غزوہ ہے
جس میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس شریک تھے
آپ نے ہجرت کے بارہ ماہ بعد ساٹھ آدمیوں کے ساتھ صفر کے مہینے میں قریش
کے خلاف مدینے سے کوچ فرمایا۔ عَلَم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور
مدینے کا نظام حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔ آخر مصالحت اس
بات پر ہوئی کہ بنو ضمرہ نہ تو مسلمانوں کے خلاف لڑیں گے، نہ لشکر کشی کریں گے اور
نہ دشمنوں کی امداد کریں گے۔

غزوۂ بواط :۔ دوسرا غزوہ بواط ہے، جس میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے ہجرت کے تیرھویں مہینے دو سو صحابہ کے ساتھ قریش کے
اس قافلے کو روکنے کے لیے جس میں عبداللہ بن خلف شامل تھا، شمولیت فرمائی
لیکن مقابلے کی نوبت نہ آئی۔

غزوۂ عُشَیرہ:- اس کے بعد غزوۂ عشیرہ ہے، جو ینبوع میں بنی مُدلج کی بستی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے سولہ ماہ بعد ڈیڑھ یا دو سو صحابہ کی معیت میں جمادی الاولیٰ یا جمادی الاخریٰ کے مہینے میں قریش کے اس قافلے کو جو مکّے سے شام کو تجارت کے لیے جارہا تھا روکنے کے لیے روانہ ہوئے لیکن قافلہ پہلے ہی نکل گیا تھا۔ اس دوران میں آپ نے بنو مُدلج سے تعاون کا معاہدہ کیا۔

غزوۂ بدرِ اوّل:- اس کے بعد غزوۂ بدرِ اوّل ہے، جس میں کُرز بن جابر الفہری نے نواحِ مدینہ میں چراگاہ پر حملہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاش میں نکلے، اور بدر کے قریب سفوان نامی بستی تک اس کے تعاقب میں گئے، لیکن وہ نہ ملا۔ اور عَلَم حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے پاس تھا۔

سریۂ حضرت عبداللہ بن جحش:- حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آٹھ مہاجرین کی ایک جماعت تھی۔ نخلہ کو جو مکّے سے ایک دن کے فاصلے پر ہے، رجب کے مہینے میں قریش کے ایک قافلے کو روکنے کے لیے روانہ ہوئے۔ قافلے میں کھجور، چھوہارے اور طائف کا چمڑا تھا۔ اس قافلے میں عمرو بن حضرمی بھی تھا۔ جسے انہوں نے قتل کر دیا، اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو پکڑ لیا، باقی بھاگ گئے۔ اسلام میں یہ پہلی غنیمت تھی۔

غزوۂ بدرِ کبریٰ:- اس کے بعد بدرِ کبریٰ کا غزوہ پیش آیا۔ یہ وہ یومِ فرقان ہے جس میں خدا نے اسلام اور اہلِ اسلام کو عزت بخشی۔ اور کفر اور کافروں کو باوجودیکہ مسلمان تھوڑے تھے اور کافر زیادہ تھے، ذلیل کیا، نیز لوہے کی زرہوں، مکمل تیاری، نشاندار گھوڑوں اور شان و شوکت کی کمی نہ تھی۔ اسی لیے خدا نے قرآن میں مسلمانوں پر اس احسان کا ذکر فرمایا ہے۔ (وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ

اللهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ) اور یہ غزوہ اسلام کے عظیم ترین غزوات میں سے ہے۔ کیونکہ اس کے بعد اسلام کو فروغ ہوا۔ اور دنیا میں اس کا نور چمک اٹھا۔ مسلمان ہفتے کے دن رمضان کی بارہ تاریخ کو ہجرت کے انیسویں مہینے روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں انصار بھی پہلی بار شریک ہوئے۔ اسلامی سپاہ کی تعداد تین سو پانچ تھی۔ آٹھ آدمی شامل نہیں ہو سکے تھے، جن کا حصہ غنیمت اور ثواب آخرت میں دوسروں کے برابر تھا۔ لشکر میں تین گھوڑے تھے، مقداد، زبیر اور مرثد الغنوی کے اور ستّر اونٹ تھے۔ مشرکین کی تعداد ہزار تھی، ان کے پاس سو گھوڑے اور سات سو اونٹ تھے۔ اور جنگ رمضان کی انیس تاریخ کو جمعے کے دن وقوع پذیر ہوئی۔ دراصل حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے ایک بڑے قافلے کو روکنے کے لیے، جو شام سے آ رہا تھا اور جس میں ابوسفیان کے علاوہ تیس اور سوار بھی تھے، مدینے سے روانہ ہوئے تھے۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روحا، کے مقام پر پہنچے، تو آپ کو اطلاع ملی، کہ قریش اپنے قافلے کو بچانے کے لیے آ رہے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ سے مشورہ کیا، فرمایا، اللہ نے تم سے دو طائفوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے تجارتی قافلہ والے یا قریش کا لشکر۔ اوّل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور نہایت عمدہ تقریر کی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے، انہوں نے بھی ایسا ہی کیا، پھر حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ اٹھے، کہنے لگے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا نے آپ کو جس بات کا حکم دیا ہے وہ کر گزریئے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں، بخدا ہم ایسی بات نہیں کہیں گے جیسی کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہی تھی:۔
فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا، اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ[1]۔ بلکہ آپ اور آپ کا خدا، کفار کے ساتھ جنگ کریں، ہم آپ کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے۔ اس خدا کی قسم جس نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے، اگر آپ ہمیں لے کر حبشہ

[1] مائدہ: ۲۴

کو روانہ ہو پڑیں تو ہم آپ کے ساتھ مل کر ان لوگوں سے لڑیں گے، یہاں تک کہ آپ اپنے مقصد کو پالیں۔ حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اس کی تحسین فرمائی اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ پھر آپ نے فرمایا، اے لوگو! تم اپنی رائے کا اظہار کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ انصار کی طرف تھا۔ اس پر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاید آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے، آپ نے فرمایا، ہاں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی، اور شہادت دی کہ آپ کا دین سچا ہے۔ اور ہم نے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا وعدہ کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جو آپ کا ارادہ ہے، وہ کر گزریئے۔ خدا کی قسم، اگر آپ ہمیں ساتھ لے کر سمندر میں چھلانگ لگائیں گے، ہم بھی آپ کا ساتھ دیں گے اور ایک آدمی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ اور ہم دشمن سے مقابلہ کرنے میں ہرگز نہیں ہچکچائیں گے۔ اور بخدا ہم لڑائی میں صابر ہیں، اور دشمن سے مقابلے میں ثابت قدم ہیں اور انشاء اللہ آپ ہمارے ایسے کارنامے ملاحظہ فرمائیں گے، جن سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو گی۔ پس اللہ کا نام لے کر ہمیں ساتھ لے کر کوچ فرمایئے۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی باتوں سے مسرور ہوئے اور آپ کو خوشی ہوئی۔ فرمایا، اللہ کا نام لے کر کوچ کرو، اور تمہیں مبارک ہو، کہ خدا نے دو میں سے ایک کا تم سے وعدہ کیا ہے۔ بخدا خدا نے قریش کی قتل ہونے کی جگہیں مقرر فرما دی ہیں، اور میں اپنی آنکھوں سے انہیں اپنے مقتل میں زمین پر پڑا دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میدانِ بدر کے قریب جا کر اترے اور کفار کو دوسرے کنارے پر رہنے دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک سائبان بنایا گیا اور آپ نے اس میں قیام فرمایا۔

پھر عتبہ بن ربیعہ، اس کا بھائی شیبہ اور بیٹا ولید میدانِ جنگ میں مقابلے کے لیے نکلے، اور مبازرت کے لیے مسلمان لشکر کو بلایا۔ چنانچہ انصار کے جوان نکلے۔ وہ کہنے لگے ہمارا تم سے کوئی سروکار نہیں۔ پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عبیدہ بن حارث، حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نکلے۔ چنانچہ حضرت حمزہ، شیبہ کے مقابلے کو نکلے اور اسے قتل کر دیا۔ حضرت علی نے ولید کو قتل کیا۔ لیکن حضرت عبیدہ اور عتبہ کے درمیان تلوار کے دو تین وار ہوئے، جس سے دونوں زخمی ہو گئے۔ اس پہ حضرت علی اور حضرت حمزہ نے عتبہ پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ دونوں حضرات جناب عبیدہ کو اٹھا لائے، چنانچہ وہ انہی زخموں سے شہید ہو گئے اس کے بعد عام حملہ شروع ہوا، اور سب ایک دوسرے کے مقابلے میں آ گئے۔ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سائبان کے نیچے تھے اور صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ اور آپ اللہ سے اس کامیابی کی، جس کا وعدہ کیا گیا تھا، دعا فرما رہے تھے اور کہہ رہے تھے، "اے اللہ! اگر تُو نے اہلِ ایمان کی اس مختصر سی جماعت کو ہلاک کر دیا، تو دنیا میں کبھی تیری عبادت نہ کی جائے گی۔"
جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت کا منظر دیکھا تو آپ نے دو رکعت نماز ادا کی اور بار بار التجا کی، "اے خدا! تُو مجھے رسوا نہ کر، اور مَیں تجھے تیرا وعدہ یاد دلاتا ہوں۔" اس اثناء میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اونگھ آ گئی۔ جاگے تو مسکرا رہے تھے۔ فرمایا، اے ابوبکر مبارک ہو، یہ جبریلؑ ہیں، جن کے کپڑے غبار آلود ہیں۔ بعدہٗ آپ سائبان سے باہر نکلے اور قرآنِ پاک کی یہ آیت پڑھ رہے تھے۔ (سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ[1]) اور خدا نے مسلمانوں کو ایک ہزار فرشتوں سے امداد دی۔ پھر وہ تین ہزار ہو گئے، پھر پانچ ہزار ہو گئے۔ اور چونکہ فرشتوں کو انسانوں کے قتل کرنے کا طریقہ نہیں آتا تھا، اس لیے خدا نے

---
[1] القمر : ۴۵

انہیں بتایا، فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۔ اور فرشتوں کے ہاتھوں قتل شدہ کافروں اور انسانوں کے ہاتھوں مقتولوں میں فرق یہ تھا کہ ان کی گردنوں اور جوڑوں پر سیاہ نشان تھے۔ ابنِ عباس سے روایت ہے کہ فرشتوں نے سوائے غزوۂ بدر کے اور کسی جنگ میں شرکت نہیں کی اور بدر کی لڑائی میں فرشتوں کی علامت سفید پگڑیاں اور حنین کے دن سبز پگڑیاں تھیں۔

سہیل بن حُنَیف نے اپنے والد سے روایت کی کہ ہم نے بدر کے دن دیکھا کہ ہم تلوار سے دشمن کی طرف اشارہ کرتے تھے اور اس کا سر تلوار کے قریب آنے سے پہلے کٹ کر دُور جا پڑتا تھا۔ جب دونوں جماعتوں کا آمنا سامنا ہوا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر کنکریاں لیں اور ان (کفار) کے منہ پر دے ماریں اور فرمایا، تمہارے چہرے رسوا ہوں۔ چنانچہ وہ کنکر ہر مشرک کی آنکھ اور گلے میں داخل ہو گئے۔ دشمن بھاگ کھڑے ہوئے، اور سردارانِ قریش میں سے بہت سے قتل ہو گئے اور بہت سے گرفتار ہو گئے۔

ابنِ اسحاق راوی ہیں، کہ حضرت عکاشہ بن محصن الاسدی جنگِ بدر میں تلوار سے لڑ رہے تھے کہ تلوار ان کے ہاتھ میں ٹوٹ گئی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے کھجور کی ایک ٹہنی انہیں عطا کی، فرمایا، اس سے جنگ کرو۔ انہوں نے اسے ہاتھ میں لے کر ہلایا، تو وہ ایک لمبی مضبوط اور سفید تلوار بن گئی۔ وہ مصروفِ جہاد رہے، تا آنکہ اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی۔ اس تلوار کا نام عون تھا۔ یہ تلوار ان کے پاس رہی، جس سے وہ مختلف جنگوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شریک ہوتے رہے، تا آنکہ وہ شہید ہو گئے۔

اسی دن حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ اپنا ایک بازو اٹھائے ہوئے تھے، جو عکرمہ کے وار سے

ان کے کندھے سے علیحدہ ہو گیا تھا اور صرف ایک تسمے سے ان کے جسم سے جڑا ہوا تھا۔ حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اس پر لعابِ دہن لگایا، چنانچہ وہ جڑ گیا۔ اس واقعے کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت تک زندہ رہے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، کہ مشرکین کے مقتولوں کو کنوئیں میں پھینک دیا جائے۔ جب تعمیل ہو چکی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشرکین کے نام لے لے کر مخاطب کیا، اور پوچھا، "جو کچھ خدا اور اس کے رسول نے تم سے وعدہ کیا تھا، وہ ٹھیک نکلا یا نہ، کیونکہ مجھ سے خدا نے جو وعدہ کیا تھا، وہ تو بالکل درست نکلا" اس کے بعد فرمایا۔ "اے کنوئیں والو! تم بہت برے قرابت دار تھے، تم نے میری تکذیب کی، حالانکہ دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی" اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان بے روح لاشوں سے کیسے گفتگو فرما رہے ہیں" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، "عمر! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم ان سے اسے زیادہ بہتر طور پر نہیں سن سکتے۔ فرق صرف اتنا ہے، کہ وہ جواب نہیں دے سکتے" حضرت قتادہ کہتے ہیں، کہ اللہ نے انہیں اس وقت تنبیہ، تذلیل، افسوس اور حسرت کے لیے پھر زندہ فرمایا تھا۔ ابنِ مرزوق راوی ہیں، جنگِ بدر کی ایک نشانی یہ ہے، کہ میں نے کئی حاجیوں سے سنا کہ جب بھی وہ وہاں سے گزرتے، تو انہیں شاہی طبل کی آواز سنائی دیتی اور یوں معلوم ہوتا کہ اہلِ ایمان کی فتح مندی کے سلسلے میں ہو رہا ہے، کبھی تو میں اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا، اور کبھی میں اس کی تاویل کر دیتا۔ تا آنکہ اللہ کے فضل سے مجھے اس مقامِ مقدس سے گزرنے کا موقعہ ملا۔ تو میں نے بالتحقیق وہاں طبل کے بجنے کی آواز سنی۔

جنگِ بدر میں مسلمانوں کے چودہ آدمی شہید ہوئے۔ چھ مہاجرین سے اور آٹھ انصار سے۔ اس کے مقابلے میں مشرکین کے ستّر آدمی قتل اور اتنے ہی گرفتار ہوئے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخر میں بدر کے جھنجھٹ سے فارغ ہوئے، تو آپ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بشارت دینے کے لیے مدینہ کے لیے روانہ فرمایا۔ چاشت کے وقت پہنچے، تو لوگ ابھی ابھی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تدفین سے فارغ ہوئے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمار داری کے پیشِ نظر جنگ میں شریک نہیں ہو سکے تھے مگر حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے انہیں غنیمت اور اجرِ آخرت میں برابر کا حصّہ دار قرار دیا تھا۔

سریۂ عُمیر بن عدی رضی اللہ عنہ:۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عُمیر رضی اللہ عنہ کو عصما بنت مروان کی گوشمالی کے لیے روانہ کیا۔ یہ عورت اسلام کی بدگوئی کرتی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعثِ اذیّت تھی۔ حضرت عُمیر رضی اللہ عنہ نے شبخون مارا، اور اسے قتل کر دیا۔ دوسرے دن صبح کی نماز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ پڑھی اور آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ اس پہ آپ نے فرمایا، کہ اب یہ بکری کسی کو سینگ نہیں مارے گی۔

غزوۂ قرقرۃ الکُدر:۔ جنگِ بدر کے سات دن بعد حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنی سُلیم پر حملے کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ چنانچہ آپ کُدر کے مقام پر، جو اِن کا چشمہ تھا، پہنچ گئے۔ اور تین دن تک قیام فرمایا، دوسری روایت میں ہے کہ دس دن قیام فرمایا، لیکن مقابلے کی نوبت نہ آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ دن مدینے سے باہر رہے۔

سریۂ سالم بن عمیر:- ابو عفک یہودی کی گوشمالی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ یہ یہودی لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکساتا تھا، اور آپ کے خلاف شعر کہتا تھا، حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے اسے موقعہ پاکر قتل کر دیا۔

غزوۂ بنی قینقاع:- اس کے بعد یہ غزوہ یہودِ مدینہ کے ایک قبیلے بنی قینقاع کے خلاف ہجرت کے بیس ماہ بعد شوال کے نصف میں ہفتے کے دن پیش آیا۔ ہجرت کے بعد کفار تین حصّوں میں بٹ گئے تھے، ایک وہ جماعت تھی، جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ نہ کرنے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف دشمن کی مدد نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور وہ یہود کے تین قبیلے قریظہ، نضیر اور بنو قینقاع تھے۔ دوسری وہ جماعت تھی، جو قریش کی طرح آپ کے خلاف جنگوں میں شریک ہوتی، اور عداوت پر ڈٹی ہوئی تھی۔ - تیسری وہ جماعت تھی، جنہوں نے آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا تھا، اور انتظار کر رہے تھے کہ دیکھیے آپ کے مشن کا کیا انجام ہوتا ہے۔ مثلاً قبائلِ عرب ان میں سے کچھ ایسے تھے، جو آپ کی بعثت کو پسند کرتے تھے۔ بعض منافقین وہ تھے جو بظاہر آپ کے ساتھ تھے، لیکن اندر سے آپ کے مخالف تھے۔ یہود میں سے جس قبیلے نے سب سے پہلے نقضِ عہد کیا، وہ بنو قینقاع تھے۔ پس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بدر کے بعد شوال کے مہینے میں جنگ کی۔ آپ نے ان کا محاصرہ کر لیا، جو پندرہ دن جاری رہا۔ عَلَم کا رنگ سفید تھا، اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ اللہ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر قلعوں سے نیچے اتر آئے اور مال متاع اور بچوں کو بچا لے گئے نیز آپ نے انہیں مدینہ سے نکال دیا۔ اور اذرعات کے مقام پر چلے گئے۔

مسلمانوں کو ان کے قلعوں سے ہتھیار اور بہت سا سازوسامان حاصل ہوا۔

غزوۃ السّویق :- اس کے بعد غزوۃ السویق ہے، جو ہجرت کے بائیسویں مہینے، ذی الحجہ میں اتوار کے دن پیش آیا۔ اسے سویق اس لیے کہتے ہیں، کہ اس موقعہ پر اکثر مشرکین کی خوراک ستو تھی، جو مسلمانوں نے غنما لیے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب ابوسفیان جنگِ بدر کے بعد مکّے کو لوٹا، تو اس نے قسم کھائی کہ جب تک وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دوبارہ جنگ نہیں کرے گا نہ تو وہ عورتوں کے پاس جائے گا اور نہ وہ سر میں تیل ہی لگائے گا۔ پس وہ اپنی قسم پوری کرنے کے لیے قریش کے دو سو سوار لے کر روانہ ہوا، اور مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر وادیٔ عُریض میں اتر پڑا۔ انہوں نے کھجور کے درختوں کو کاٹ ڈالا اور انصار کے ایک آدمی کو قتل کر کے واپس ہو لیے۔ جب حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو علم ہوا، تو دو سو مہاجرین اور انصار کے ساتھ ان کی تلاش میں نکلے۔ مشرکین بھاگنے کی جلدی میں بوجھ کم کرنے کے لیے ستو کی بھری ہوئی تھیلیاں پھینکتے چلے گئے تھے۔ اور یہی ان کا زادِ راہ تھا۔ جسے مسلمانوں نے اٹھا لیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نہ پکڑ سکے اور پانچ دن کے بعد مدینے کو واپس آ گئے۔

حضرت فاطمۃ الزہرا کی خانہ آبادی :- اسی سال حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔

اولاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس رشتے کے بارے میں التماس کی۔ مگر آپ خاموش رہے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کو طلب فرمایا، جب وہ جمع ہوئے تو اتفاقاً حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فصیح و

بلیغ خطبہ دیا، پھر فرمایا "اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کو علی بن ابی طالب سے بیاہ دوں۔ تم گواہ رہنا کہ میں اسے چار سو مثقال چاندی کے بدلے میں علی سے اس کی رضامندی کی شرط پر بیاہ رہا ہے " اس کے بعد آپ نے تازہ کھجوروں کا ایک طبق منگوایا۔ حاضرین سے فرمایا، لوٹ لو، انہوں نے لوٹ لیں۔ اتنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ آ گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا، "خدا نے مجھے حکم دیا ہے، کہ فاطمہ کو تم سے چار سو مثقال چاندی کے عوض بیاہ دوں، آیا تم رضامند ہو" عرض کیا، "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں راضی ہوں" اس کے بعد حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے دعا فرمائی :- " اللہ تمہاری پریشانیوں کو رفع کرے اور تمہاری نسل کو معزز کرے، اور تم دونوں پر اس کی برکت نازل ہو، اور تم سے پاکیزہ نسل کو دنیا میں پھیلائے "

سریۂ محمدؐ بن مسلمہ :- حضرت محمدؐ بن مسلمہ رضی اللہ عنہ چار اور آدمیوں کے ساتھ کعب بن الاشرف الیہودی کے خاتمے کے لیے گئے۔ یہ شخص شاعر تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا اور کفارِ قریش کو آپ کے خلاف اکساتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

غزوۂ غطفان :- اس کے بعد غزوۂ غطفان جو نجد کے نواح میں ہے، ہجرت کے پچیس ماہ بعد وقوع پذیر ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بنو ثعلبہ اور محارب، دعثور بن الحارث المحاربی کی سیادت میں جو بہادر آدمی تھا، مدینے پر حملے کے ارادے سے جمع ہوئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دعوتِ جنگ دی اور ساڑھے چار سو سواروں کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے اور مدینہ پر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر فرمایا۔ جب انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا علم ہوا، تو گھر بار چھوڑ کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔ اس

دوران میں صحابہ نے بنو ثعلبہ کے ایک آدمی کو جس کا نام حبان تھا، پکڑ لیا اور اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لائے۔ آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی، چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔

اس اثنا میں بارش ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے بھیگ گئے چنانچہ آپ نے کپڑے اتار کر ایک درخت پر پھیلا دیئے۔ تاکہ خشک ہو جائیں اور آپ درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ مخالفین اس صورتِ حال کو دیکھ رہے تھے، دعثور کے آدمیوں نے اسے کہا۔ دیکھو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اکیلے رہ گئے ہیں اب تمہارے لیے موقعہ ہے۔ چنانچہ وہ تلوار لے کر روانہ ہوا، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر آ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا، تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ! چنانچہ جبریل علیہ السلام نے اس کے سینے پر ایک گھونسا لگایا اور تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے تلوار اٹھا لی۔ فرمایا بتاؤ، تمہیں اب مجھ سے کون بچائے گا۔ کہنے لگا، کوئی نہیں۔ چنانچہ کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ پھر اپنی قوم کے پاس آکر انہیں دعوت اسلام دی۔ چنانچہ اس واقعے کے بارے میں مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی ہے۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ دنوں کے بعد واپس آ گئے اور کوئی مٹھ بھیڑ نہیں ہوئی۔

غزوۂ بحران: اس غزوے کو غزوۂ بنی سلیم بھی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو پتہ چلا کہ بنو سلیم کے بہت سے لوگ جمع ہیں۔ چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو صحابہ کو ساتھ لے کر کوچ فرمایا۔ لیکن وہ لوگ آپ کی آمد کی خبر سن کر منتشر ہو گئے۔ چنانچہ آپ مدینہ منورہ سے دس دن کی غیر حاضری کے بعد واپس چلے گئے۔ آپ کی عدم موجودگی کے دوران

---

[1] المائدہ ۵ : ۱۱

میں حضرت ابن ام مکتوم سربراہِ حکومت تھے۔

سریۂ زید بن حارثہ :۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ایک سو سواروں کے ساتھ نجد کے ایک مقام قُردَہ کی جانب قریش کے ایک قافلے کو روکنے کے لیے کوچ کیا۔ صفوان بن امیہ اس قافلے کا سردار تھا۔ اور ان کے پاس کافی مال و متاع تھا۔ مہم کامیاب رہی اور وہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔

غزوۂ اُحد :۔ یہ غزوہ بالاتفاق ہجرت کے تیسرے سال شوال کی گیارہ تاریخ کو ہفتے کے دن واقع ہوا۔ قریش مکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکٹھے ہوئے، تاکہ بدر کا انتقام لے سکیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو کفار کے پروگرام سے مطلع کیا۔ ابوسفیان لشکرِ قریش کے ساتھ مدینہ کے سامنے اُحد کے مقام پر آکر اترا۔ مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے تھے، جنہیں جنگِ بدر میں عدمِ شرکت کا افسوس تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دنوں ایک خواب دیکھا تھا جس کی وجہ سے آپ مدینے سے باہر جانے کے خلاف تھے۔ چنانچہ صحابہؓ سے فرمایا کہ تم شہر ہی میں ٹھہرے رہو۔ اگر قریش شہر کی تنگ گلیوں میں گھس آئے، تو ان سے لڑیں گے اور چھتوں سے ان پر تیر اندازی کریں گے۔ وہ لوگ کہنے لگے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس دن کی بڑی حسرت تھی، آپ ہمیں دشمنوں کے خلاف لے چلیں، وہ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ ہم ان سے ڈر گئے ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کی، وعظ فرمایا، جدوجہد کا حکم دیا اور انہیں بشارت دی، کہ اگر انہوں نے صبر کیا، تو اللہ انہیں فتح دے گا۔ پھر آپ نے دشمن کے خلاف تیاری کا حکم دیا۔ جس سے صحابہ میں

خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس کے بعد اندرونِ خانہ تشریف لے گئے، باہر آئے، تو زرہ پہنی ہوئی تھی اور تلوار گلے میں حمائل کی ہوئی تھی۔ صحابہ کو اس دخل در معقولات پر ندامت ہوئی، کہنے لگے، "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں آپ کی تجویز سے اختلاف نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ آپ اپنے پروگرام پر حسبِ منشا عمل فرمائیں۔" فرمایا "کسی نبی کو زیب نہیں دیتا، کہ وہ اپنی زرہ (قبل اس کے کہ خدا اس کے اور دشمن کے درمیان فیصلہ صادر فرمائے) اتار دے۔"

اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین عَلَم بنوائے، مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو، بنوخزرج کا حُباب بن منذر کو اور بنو اوس کا حضرت اُسید بن حُضَیر کے حوالے کیا۔ مسلمان لشکر کے پاس سو زرہیں تھیں۔

حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آگے آگے دوڑتے جا رہے تھے۔ مدینے کی سربراہی حضرت ابنِ امِ مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی اور اس رات کی چوکیداری محمد بن مسلمہ کے ذمے تھی۔ آپ نے طلوعِ سحر کے وقت کوچ فرمایا۔ مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار تھی اور مشرک تین ہزار تھے جن میں سات سو زرہیں، دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں تھیں۔ آپ بہ مقامِ احد اترے اور عبداللہ بن ابی تین سو منافقین کے ساتھ واپس لوٹ گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نفاق کے پیشِ نظر انہیں لوٹا دیا تھا۔ پھر مسلمانوں نے احد کے دامن میں صف بندی کی اور کفار نے شورہ زمین پر۔ کفار کے دائیں بازو پر خالد بن ولید اور بائیں پر عکرمہ بن ابوجہل متعین تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر اندازوں کی جماعت پر جو پچاس افراد پر مشتمل تھی، حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ اور حکم دیا "جب تک تمہیں بلایا نہ جائے تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔ تم نے ہمارے عقب کو محفوظ رکھنا ہے۔

اگر تم دیکھو کہ ہم مارے گئے ہیں، جب بھی ہماری امداد کو نہ آنا اور اگر دیکھو، کہ ہم مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہیں، ہمارا ہاتھ نہ بٹانا:

جنگ شروع ہوئی تو کفار کی ایک جماعت ماری گئی، اور خدا نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ مسلمانوں نے کفار کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا، اور میدانِ جنگ سے بھگا دیا۔ کفار بے تحاشا بھاگے جا رہے تھے اور ان کی عورتیں انہیں بُرا بھلا کہہ رہی تھیں۔ مسلمان ان کے تعاقب میں تھے، یہاں تک کہ ان پر چھا گئے۔ پھر میدانِ جنگ ہی میں مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے کہا۔ "دوستو! مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی ہے، کس بات کا انتظار کر رہے ہو، چلو مالِ غنیمت کو لوٹیں" حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا، "کیا تم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کو بھول گئے ہو"؟ کہنے لگے "بخدا ہم تو ضرور جائیں گے، تاکہ مالِ غنیمت میں ہم بھی حصہ دار ہوں" جب یہ ان کے پاس پہنچے، تو ان کے منہ پھیر دیئے گئے، اور واپس بھاگے۔ خالد بن ولید کی نظر پہاڑ کے درّے پر پڑی۔ تو وہاں چند آدمی کھڑے دیکھے۔ فوراً رسالے سے حملہ کر دیا۔ عکرمہ بھی ان کے عقب میں روانہ ہو گئے۔ اور تیر اندازوں میں سے جو دو چار آدمی وہاں کھڑے تھے، انہیں اور ان کے امیر کو شہید کر دیا۔

بخاری میں ہے کہ جب صف آرائی ہو چکی، تو سباع قریش کی طرف سے میدان میں اترا، اور طالبِ مبازرت ہوا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مقابلے کیلئے نکلے اور اس بلا کا حملہ کیا، کہ سباع مارا گیا۔ وحشی ایک چٹان کے پیچھے چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ذرا نزدیک آئے تو اس نے اپنا نیزہ اس طریقے سے پھینکا، کہ ان کے سینے سے پار نکل گیا۔ چنانچہ آپ شہید ہو گئے۔

حضرت مصعب بن عمیر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں لڑتے لڑتے

ابنِ قمیئہ کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ ابنِ قمیئہ سمجھ رہا تھا، کہ وہ رسولِ اکرم ہیں، چنانچہ چلّایا، کہ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل ہو گئے ہیں۔ اتنے میں کسی نے کہہ دیا، لوگو! اپنے انجام کی فکر کرو۔ مسلمان واپس ہوئے تو گھبراہٹ میں جانے بوجھے بغیر اپنے آدمیوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان میں سے کچھ لوگ تو مدینے کی طرف بھاگ گئے، اور کچھ اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ اور کافی لوگ مارے گئے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے، یہاں تک کہ کفار آپ سے دُور ہٹ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے صرف چودہ آدمی ثابت قدم رہ سکے۔ سات مہاجرین سے جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شامل تھے، اور سات انصار سے۔ مسلمانوں کے ستّر آدمی شہید ہوئے۔ جبکہ بدر کے دن کفار کے ایک سو چالیس آدمیوں پر زد پڑی تھی، ستّر مقتول تھے اور ستّر قیدی بنا لیے گئے تھے۔

جنگ کے خاتمے پر ابوسفیان نے تین بار پوچھا، کیا محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) زندہ ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، خاموش رہو، پھر دریافت کیا، کیا ابنِ ابی قحافہ زندہ ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے سے منع فرما دیا، پھر کہنے لگا، کیا اس جماعت میں ابنِ خطاب ہیں۔ پھر اپنے ساتھیوں کی طرف منہ کر کے کہنے لگا۔ بہر حال یہ لوگ تو مارے گئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ضبط نہ کر سکے۔ فرمایا: "اے اللہ کے دشمن تو جھوٹ بول رہا ہے۔ جن کا تُو نے نام لیا، وہ سب کے سب زندہ ہیں، اور جو بات تجھے ناپسند ہے وہ ابھی بفضلہٖ برجا ہے۔" پھر ابوسفیان کہنے لگا، آج کا دن بدر کا جواب ہے، اور لڑائی کی مثال ڈول کی سی ہے، کبھی اوپر کبھی نیچے۔ اس لڑائی میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی زخم آئے تھے، چنانچہ آپ کے نچلے دو دانت ٹوٹ گئے تھے۔ نچلا ہونٹ زخمی ہو گیا تھا، پیشانی اور رخسار مبارک بھی زخمی ہو گئے تھے۔ آپ کا خود ٹوٹ گیا تھا، اور پتھر

لگنے سے ٹوٹ گیا تھا، اور پتھر لگنے سے آپ گڑھے میں گر پڑے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو ہاتھ پکڑ کر اٹھایا، حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو سہارا دیا اور آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ کے خود کے دو حلقے آپ کے چہرے میں گھس گئے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے انہیں نکالا، چوسا، تاآنکہ آپ کے دو دانت گر پڑے، پھر حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے جو حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کے والد تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے خون کو منہ سے صاف کیا اور نگل لیا۔ آپ نے فرمایا، جس آدمی کے خون کو میرے خون نے مس کیا، اس پر جہنم کی آگ حرام ہوگئی۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن قمیئہ نے احد کے دن آپ پر حملہ کیا، آپ کا چہرہ زخمی ہوگیا اور آپ کے دانت شہید ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہنے لگا، لیجئے میرا یہ وار، میں ابن قمیئہ ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے سے لہو پونچھتے ہوئے فرمایا۔ اللہ تجھے تباہ کرے۔ خدا نے ایک پہاڑی مینڈھے کو اس پر مسلط کر دیا۔ جس نے اسے سینگوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ امام اوزاعی سے روایت ہے کہ جب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اُحد کے دن زخمی ہو گئے تو آپ نے کوئی چیز اٹھائی، جس سے اپنا لہو خشک کیا، تاکہ زمین پر نہ گرے، ورنہ کفار پر آسمان سے عذاب نازل ہو جائے گا۔ فرمایا، "اے اللہ! تو میری قوم کو معاف کر دے کہ وہ بے سمجھ ہیں۔" زہری سے روایت ہے کہ اُحد کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ستر وار کیے گئے، لیکن خدا نے آپ کو بچا لیا۔ اسی جنگ میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ نکل کر ان کے رخسار پر لٹک گئی، وہ اسے ہاتھوں میں اٹھائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس لائے، آپ نے پھر اسے اپنی جگہ پر رکھ دیا اور دعا فرمائی، اے خدا تو اسے خوبصورت بنا دے۔ چنانچہ ان کی یہ آنکھ زیادہ خوبصورت

اور زیادہ روشن تھی۔ اسی دن کلثوم بن الحصین تیر سے زخمی ہو گئے، آپ نے لعابِ دہن لگایا اور وہ تندرست ہو گئے۔ نیز حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں کھجور کی ایک ٹہنی عطا فرمائی، جو ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی، جس سے وہ لڑتے رہے، اس تلوار کا نام عرجون تھا، یہ تلوار ان کے خاندان میں وراثتاً چلی آئی، تاآنکہ معتصم باللہ کے امراء میں سے ایک ترکی امیر نے جو باغی ہو گیا تھا، دو سو دینار سے خرید لی تھی۔

جنگ ختم ہوئی، تو کفار نے مقتول مسلمانوں کو مثلہ کرنا شروع کر دیا، ان کے کان ناک اور جنسی اعضا کاٹ لیے اور پیٹ پھاڑ دیئے۔ کفار کے تیئس آدمی مارے گئے اور ابی بن خلف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

جب ابوسفیان نے واپسی کا ارادہ کیا، تو پہاڑ پر چڑھ کر زور سے چلایا، کہنے لگا "لڑائی کی مثال ایک ڈول کی ہے، آج کا دن بدر کا انتقام ہے، ہبل کی شان بلند ہے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب کی اجازت دی۔ انہوں نے کہا، "اللہ سب سے بلند ہے اور وہی صاحبِ جلال ہے" ابوسفیان نے کہا "یہ اُزلام کی برکت ہے" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "ہم میں برابری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، تمہارے مقتول جہنم میں ہیں اور ہمارے شہداء بہشت میں" ابوسفیان کہنے لگا، "ہمارا معبود عزیٰ ہے اور تمہارے پاس عزیٰ نہیں ہے" حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے کہا، کہو، "اللہ ہمارا مولا ہے اور تم اس سے محروم ہو" جب ابوسفیان روانہ ہوا، تو کہنے لگا، "اب ہماری ملاقات سالِ آئندہ پھر بدر کے مقام پر ہوگی" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا، کہہ دو، تمہارا چیلنج منظور ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو

دیکھا، دل کے مقام پر ان کا سینہ چیرا گیا تھا اور کان اور ناک کاٹ لی گئی تھی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس سے دردناک تر اور کوئی منظر نہیں ہو سکتا تھا۔ فرمایا، "اللہ تجھ پر رحم کرے، تجھے دوسروں سے بھلائی کرنے اور اپنوں سے صلہ رحمی کا بڑا خیال رہتا تھا" حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرح ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو بھی مُثلہ کر دیا گیا تھا، چنانچہ دونوں کو ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ جب حضور علیہ والسلام نے مسلمان شہدا، کو دیکھا، فرمایا، "میں ان لوگوں کا گواہ ہوں۔ جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہو گا، خدا اسے قیامت کے دن اس حال میں اٹھائے گا، کہ اس کے خون کا رنگ تو خون کا ہو گا، اور خوشبو کستوری کی ہو گی۔"

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، "جب تمہارے بھائی اُحد میں شہید ہوئے، تو خدا نے ان کی روحیں ان سبز پرندوں کے جسموں میں ڈال دیں، جو جنت کے چشموں کے کنارے آکر بیٹھتے ہیں، جنت کے پھل کھاتے ہیں اور عرش کے سائے میں سونے کی قندیلوں میں آرام کرتے ہیں، جب انہوں نے بہشت کے کھانے پینے کی اشیا، کا مزہ چکھا، کہنے لگے کاش ہمارے بھائیوں کو معلوم ہوتا، کہ خدا نے ہم سے کتنا اچھا سلوک کیا ہے، تو وہ جہاد سے ہرگز جی نہ چراتے، اور لڑائی سے پہلو تہی نہ کرتے۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے کہا، میں تمہاری بات ان تک پہنچا دوں گا" پھر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی :- وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا۔ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ[۱]

غزوۂ حمراء الاسد :- یہ غزوہ مدینے سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہوا۔ اتوار کی صبح کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو لیکر

[۱] آل عمران : ۱۶۹

کل کے دشمن کی تلاش میں نکلے۔ اتنے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منادی کرائی کہ آج صرف وہی لوگ ہمارا ساتھ دیں گے جو کل کی جنگ (احد) میں ہمارے ساتھ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے مدینے سے کوچ فرمایا تھا، کہ آپ کو دشمن کا خطرہ تھا، اور نیز مقصد یہ تھا، کہ دشمنوں کو معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں میں اتنی طاقت ہے کہ وہ ان کی تلاش میں چلے آرہے ہیں، اور کل کی شکست سے وہ کمزور نہیں ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین دن کے قیام کے بعد لوٹ آئے۔ اس موقعہ پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ بن مغیرہ کو گرفتار کر لیا، اور پھر اس کی گردن مار دی۔

غزوۂ ابی سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد:- حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، قطن کی طرف جو فید کے نواح میں ایک پہاڑ ہے، ڈیڑھ سو صحابہ کے ساتھ طلیحہ اور سلمہ کی تلاش میں جو بنو خویلد سے تھے، روانہ ہوئے۔ وہ تو نہ ملے، ان کے اونٹ اور بکریاں لوٹ لیں، مگر جنگ کی نوبت نہ آئی۔

سریہ عبداللہ بن انیس:- حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تن تنہا، عرنہ کو سفیان بن خالد بن ہذلی کی گوشمالی کے لیے روانہ ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تھا، کہ اس نے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے لشکر جمع کر رکھا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا اور سر کاٹ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لے آئے۔

سریۂ عاصم بن ثابت:- یہ کوچ رجیع کی طرف تھا، جو مکے اور عسفان کے درمیان ایک چشمے کا نام ہے۔ جنگِ احد کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس عضل اور قارہ قبائل کی ایک جماعت آئی۔

عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ آپ اپنے صحابہ میں سے کچھ آدمی ہمارے ساتھ روانہ فرما دیں، تاکہ وہ ہمیں دین کی تعلیم دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ صحابہ ان کے ساتھ کر دیئے، اور حضرت عاصم کو ان کا سردار مقرر فرما دیا۔ جب یہ لوگ رجیع کے مقام پر پہنچے، تو ان کی نیت خراب ہو گئی، اور بنو ہذیل کو مسلمان مبلغین کے خلاف اکسایا۔ چنانچہ اس حال میں مسلمانوں کا، جو ابھی تک اونٹوں پر سوار تھے، ایسے لوگوں نے استقبال کیا، جن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں، انہوں نے مسلمانوں کو گھیر لیا، حضرت مرثد، حضرت خالد اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہم نے ان کا مقابلہ کیا اور شہید ہو گئے۔ اس کے بعد کفار نے جھوٹا وعدہ کر کے حضرت خبیب بن عدی، حضرت زید بن الدثنہ اور حضرت عبداللہ بن طارق کو بھی قابو کر لیا۔ لیکن حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے مقابلہ کیا اور شہید ہو گئے۔ کفار حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہم کو لے کر مکے گئے، جہاں اہلِ مکہ نے انہیں خرید کر شہید کر دیا۔ ابو سفیان نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ "میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا تو یہ پسند نہیں کرے گا کہ اس وقت تیری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں ہوتے، ہم انہیں قتل کر دیتے اور تو اپنے بال بچوں میں بیٹھا ہوتا۔" انہوں نے جواب میں کہا، "خدا کی قسم! میں یہ بھی نہیں چاہتا، کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں اب تشریف فرما ہیں، وہاں انہیں کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے اہل و عیال کے پاس بیٹھا ہوں۔" ابو سفیان کہنے لگا، بخدا! میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا، جس سے لوگ اس طرح محبت کرتے ہوں، جس طرح اصحابِ محمد، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرتے ہیں۔ پھر انہیں شہید کر دیا۔

سریہ منذر بن عمرو :- یہ مہم بئر معونہ میں پیش آئی، جو مکہ اور عسفان کے درمیان ایک بستی کا نام ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ حکیم کی تعلیم کے لیے ستر قاریوں کو روانہ فرمایا تھا، تاکہ اہلِ نجد کو اسلام کی دعوت دیں۔ اس طائفے کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو براء عامر بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمسایوں کے کہنے پر روانہ کیا تھا۔ جب وہ بئر معونہ پہنچے تو عامر بن طفیل نے بنو سلیم، عصیّہ اور رعل کے خلاف مسلمانوں کو اکسایا، وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے قوم کو گھیر لیا، جب انہوں نے دشمنوں کو آتے دیکھا، تلواریں لے کر مقابلے پر ڈٹ گئے یہاں تک کہ کعب بن زید اور عمرو بن امیۃ الضمری رضی اللہ عنہم کے بغیر سارے شہید ہو گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندوہناک خبر ملی، فرمایا، یہ سارا کیا دھرا ابو براء کا ہے، مَیں اس اقدام پر راضی نہ تھا اور مجھے اس غداری کا خدشہ تھا۔ جب ابو براء کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے کا علم ہوا، تو شدتِ غم سے فوت ہو گیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سانحے پر جتنا دکھ ہوا اتنا اور کسی معاملے پر نہیں ہوا۔ اور قاتلوں کے خلاف آپ نے مہینہ بھر تک نمازِ صبح میں بددعا فرمائی۔

غزوۂ بنی نضیر :- بنو نضیر یہود کا ایک بڑا قبیلہ تھا۔ ہجرت کے چوتھے سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات ابوبکر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ان کے یہاں تشریف لے گئے، اس کی وجہ دو آدمیوں کی دیت کا سوال تھا، جنہیں عمرو بن امیۃ الضمری نے قتل کیا تھا۔ (اور شرائطِ معاہدہ کے مطابق یہود کو اپنا حصہ ادا کرنا ضروری تھا) کہنے لگے ابو القاسم! ہم آپ کے حسبِ منشا آپ کی مدد کریں گے، پھر انہوں نے آپ پر

اوپر سے ایک پتھر گرانے کی سازش کی۔ تاکہ آپ کا کام تمام کر دیں۔ سلام بن مشکم نے انہیں روکا، لیکن وہ باز نہ آئے، اس نے کہا کہ حضور کو تمہاری سازش کا خدا کی طرف سے پتہ چل جائے گا اور نیز یہ نقص عہد ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان سے ان کی سازش کا پتہ چل گیا۔ آپ قضائے حاجت کے بہانے وہاں سے نکل آئے۔ آپ فوراً مدینہ آئے، اور صحابہ کو یہود کی سازش کے بارے میں بتایا۔ اور جنگ کی تیاری اور حملے کا حکم دیا۔ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور یہود کا محاصرہ کر لیا۔ جو چھ دن جاری رہا۔ یہود قلعہ بند ہو گئے، پھر خدا نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ مجبوراً انہوں نے حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے درخواست کی کہ انہیں قتل نہ کیا جائے، وہ بخوشی جلاوطنی پر تیار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی، اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو اس مہم کا انچارج مقرر فرمایا۔ یہود نے اپنی بستی کو اپنے ہاتھوں سے تباہ کر دیا، اور عورتوں اور بچوں کو اونٹوں پر لادا اور چھ سو اونٹوں کے قافلے کے ساتھ خیبر کو روانہ ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بستی کو مہاجرین کے حوالے کر دیا۔ تاکہ انصار پر ان کی اعانت کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔

غزوۂ ذات الرقاع:۔ چونکہ اس موقعہ پر مسلمانوں نے کپڑے کے ٹکڑے سی کر علم بنائے تھے، اس لیے اسے ذات الرقاع کہتے ہیں۔ آپ نے بنی محارب اور بنو ثعلبہ کی بستیوں پر حملے کے ارادے سے کوچ کیا تھا، کیونکہ آپ کو معلوم ہوا تھا کہ مسلمانوں پر چڑھائی کے ارادے سے انہوں نے لشکر جمع کر رکھا ہے، آپ چار سو یا سات سو صحابہ کو لے کر روانہ ہوئے اور مدینے کی حکومت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کے علاقے میں بمقام نخل جو غطفان کی بستیوں میں واقع ہے، کیمپ کیا۔ فوجیں

آمنے سامنے ہوئیں، لیکن جنگ کی نوبت نہ آئی، لوگ ایک دوسرے کو افواہوں سے ڈراتے تھے، چنانچہ آپ نے صحابہ کے ساتھ نمازِ خوف ادا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوے کے سلسلے میں پندرہ دن باہر رہے۔

غزوۂ دُومۃ الجندل:- یہ ایک شہر ہے، جو دمشق سے پانچ دن اور مدینے سے پندرہ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ غزوہ ہجرت کے انچاس ماہ کے بعد ربیع الاول کے مہینے میں پیش آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ وہاں شرپسندوں کی ایک جماعت ہے جو وہاں سے گزرنے والوں کو ستاتے ہیں، چنانچہ آپ ایک ہزار صحابہ کو لیکر ربیع الاوّل کی پچیس تاریخ کو روانہ ہوئے اور مدینے کی سربراہی سباع بن عُرفطہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔ جب وہاں پہنچے تو سوائے بھیڑ بکریوں کے کچھ نہ تھا چنانچہ ان کے ڈھور ڈنگر اور ریوڑ چرانے والوں کو قابو کر لیا کئی مارے گئے اور کئی بھاگ گئے۔ اہالیانِ بستی کو پتہ چلا تو وہ غائب ہوگئے۔ آپ وہاں پہنچے تو کسی سے آمنا سامنا نہ ہوا، آپ نے چند دن وہاں قیام فرمایا، اور اِدھر اُدھر مہیں روانہ کیں۔ ربیع الثانی کی بیس تاریخ کو واپس آگئے۔

غزوہ المریسیع:- مُریسیع بنو خزاعہ کا ایک چشمہ ہے، اسے غزوہ بنو مصطلق بھی کہتے ہیں، یہ شعبان کی دو تاریخ کو سوموار کے دن سنِ پانچ ہجری میں واقع ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تھا کہ حارث بن ابی ضرار نے اپنی قوم اور نیز بعض اور عرب قبائل کو جن پر اس کا بس چل سکتا تھا، آپ کے خلاف جنگ کے لیے بلایا ہے، چنانچہ انہوں نے دعوت قبول کر لی ہے اور اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بُریدہ بن الخصیب الاسلمی رضی اللہ عنہ کو دریافتِ حال کے لیے روانہ

کیا۔ وہ وہاں گئے اور حارث سے گفت وشنید کے بعد واپس آگئے، اور آپ کو ان کے پروگرام کے بارے میں اطلاع دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس کے خلاف کوچ کا حکم فرمایا۔ مگر حارث کو بھی اس کا پتہ چل گیا۔ اس سے وہ سخت گھبرا گئے اور عرب قبائل منتشر ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے۔ جب آپ مریسیع کے مقام پر پہنچے تو صف بندی کے بعد مہاجرین کا عَلَم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اور انصار کا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ اوّلاً تیر اندازی کی گئی، پھر آپ نے یکدم حملے کا حکم دیا، ان کے دس آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار کر لیے گئے، چنانچہ مرد، عورتیں اور بچے نیز ڈھور ڈنگر سب کے سب قیدیوں میں شامل تھے، مسلمانوں میں سے صرف ایک صحابی شہید ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھائیس دن مدینے سے غیر حاضر رہے۔

غزوۂ خندق:۔ یہ جنگِ احزاب ہے، اسے جنگِ خندق اس لیے کہتے ہیں کہ حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے حکم سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے مدینے کے گرد خندق کھودی گئی تھی، جس میں آپ نے مسلمانوں کی ترغیب کے لیے بہ نفسِ نفیس شرکت کی تھی۔ اسے احزاب اس لیے کہتے ہیں کہ مشرکین کے کئی گروہ جن میں قریش، بنو غطفان اور یہود شامل تھے، اکٹھے ہو کر حملہ آور ہوئے تھے۔ اس غزوے کے بارے میں روایت ہے، کہ یہود کی ایک جماعت قریشِ مکّہ کے پاس ''گئی'' اور کہا کہ ہم مسلمانوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے میں تمہارا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ اس بات پہ اتفاق ہو گیا، اور تیاری شروع ہو گئی۔ بعدہٗ یہ یہود بنو غطفان کے پاس آئے اور انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑائی کی دعوت دی۔ اور ان سے وعدہ کیا کہ وہ جلدی ہی اس مقصد کی تکمیل کے لیے ان کے پاس پہنچ جائیں گے۔ نیز انہیں بتایا،

کہ قریش نے ان سے وعدہ کر لیا ہے، اور وہ اس پروگرام پر ان سے متفق ہیں۔

بالآخر قریش اور ان کا سردار ابوسفیان نیز بنو غطفان اور ان کا سردار عیینہ بن حصن اور بنو مرہ کا حارث بن عوف مسلمانوں کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے ان کی تعداد دس ہزار تھی اور مسلمان تین ہزار تھے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان قبائل کی آمد اور ان کے نصب العین کا علم ہوا، تو مسلمانوں کو خندق کے کھودنے کا حکم دیا۔

خندق کی کھدائی کے دوران میں بعض ایسے واقعات رونما ہوئے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل تھے۔ ان میں ایک وہ روایت ہے جو امام احمد اور نسائی نے حضرت براء سے بیان کی ہے، وہ راوی ہیں کہ جب آپ نے ہمیں خندق کی کھدائی کا حکم دیا، تو ایک چٹان سامنے آگئی جس پر کُدال بھی کارگر نہیں ہوتے تھے۔ ہم نے واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا، آپ تشریف لائے اور کُدال اٹھایا اور بسم اللہ کہہ کر اس زور سے ضرب لگائی، کہ تیسرا حصہ ٹوٹ کر دُور جا گرا، فرمایا، اللہ اکبر مجھے ملکِ شام کی چابیاں دے دی گئی ہیں اور میں وہاں کی سرخ عمارتوں کا نظارہ کر رہا ہوں۔ پھر دوسری ضرب لگائی، اور چٹان کا تیسرا حصہ علیحدہ ہو گیا۔ فرمایا، بخدا میں مدائن کے سفید محلات دیکھ رہا ہوں پھر بسم اللہ پڑھ کر تیسری ضرب لگائی، چنانچہ باقی ماندہ پتھر بھی ٹوٹ گیا، اس پر حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، بخدا مجھے یمن کی چابیاں بھی دے دی گئی ہیں، اور مجھے صنعا کے دروازے نظر آرہے ہیں۔ دوسرا معجزہ یہ تھا، کہ تھوڑے سے کھانے کو بہت بنا دیا۔ جسے ہم انشاء اللہ باب المعجزات میں بیان کریں گے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خندق سے فارغ ہوئے، تو لشکرِ قریش نے جو دس ہزار افراد پر مشتمل تھا، اور جن میں احابیش کے علاوہ بنو کنانہ اور تہامہ

کے لوگ بھی شامل تھے، مدینے کے سامنے پانی کی گزرگاہ میں کیمپ کیا، اور عیینہ بن حصن بنو غطفان اور نجدی سپاہ کے ساتھ اُحد پہاڑ کی سمت میں اترے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ساتھ، جن کی تعداد تین ہزار تھی، سلع پہاڑی کی طرف پیٹھ کر کے کیمپ کیا۔ خندق درمیان میں حائل تھی۔ مہاجرین کا عَلَم حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کے پاس اور انصار کا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ بنو قریظہ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ تعاون تاحال بحالہ قائم تھا۔ حُیَیّ بن اخطب ان کے سردار کعب بن اسد کے پاس ٹھہرا ہُوا تھا، تاآنکہ اس نے اور اس کی قوم نے معاہدے کو توڑ دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہُوا، تو آپ نے بعض صحابہ کو دریافتِ حال کے لیے ان کے پاس بھیجا۔ چنانچہ ان کے بارے میں آپ کو جو کچھ بتایا گیا تھا، صورتِ حال اس سے کہیں بدتر نکلی۔ اس سے مصیبت کئی گنا بڑھ گئی، خوف میں اضافہ ہوگیا اور دشمن نے انہیں اوپر نیچے سے گھیر لیا۔ مسلمان اوہام کا شکار ہوگئے اور بعض منافقوں کے دلوں میں نفاق نے انگڑائی لی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ اِلَّا غُرُوْرًا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان وہاں ٹھہرے رہے اور دشمن نے محاصرہ کیے رکھا۔ سوائے مختصر سی تیراندازی کے باہم جنگ کی نوبت نہ آسکی۔ لیکن ایک دن عمرو بن وُدّ العامری نے مع چند آدمیوں کے جو گھوڑوں پر سوار تھے، خندق کو ایک ایسے مقام سے جو نسبتاً تنگ تھا، پاٹ لیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس کے مقابلے میں نکلے اور اسے قتل کر دیا، اس کے بعد نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ نے مبازرت طلب کی جسے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا، باقی سوار بھاگ گئے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی ایک

شہ رگ جس کا جسم کے ہر حصے میں دخل ہے، تیر سے کٹ گئی اور خون نہ بند ہو سکا۔

بخاری میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے خلاف بددعا کی، فرمایا، اے اللہ! تو کتاب نازل کرنے والا اور سریع الحساب ہے، تو انہیں بھگا دے۔ اے خدا تو انہیں شکست دے اور ان کے قدم متزلزل کر دے۔

ابن ظفر نے ینبوع الحیاۃ میں روایت کی ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے خلاف بددعا میں فرمایا، اے مصیبت زدہ لوگوں کے فریادرس، اور اے پریشان لوگوں کی دعا قبول کرنے والے، میرے دکھ، درد اور کرب کو رفع فرما، کیونکہ جو مجھے اور میرے اصحاب کو مصیبت پیش آئی ہے وہ تجھ پر عیاں ہے۔ اس پر جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور بشارت دی کہ خدا آندھی اور غیبی لشکر کو بھیج رہا ہے۔ آپ نے صحابہ کو اطلاع دی اور ہاتھ اٹھا کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

رات کو ہوا نے چلنا شروع کیا، خیموں کے کھونٹے اکھڑ گئے، جھونپڑیاں اور سائبان گر گئے، ہانڈیاں الٹ گئیں اور سارا لشکر گرد و غبار سے اٹ گیا۔ اس اثناء میں انہوں نے اپنے کیمپ میں نعرہ ہائے تکبیر اور آلات جنگ کی چرچراہٹ کی آوازیں سنیں۔ چنانچہ وہ راتوں رات بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور ایسا ساز و سامان جو بھاری تھا، وہیں چھوڑ گئے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:۔ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا[۱]۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق سے بدھ وار کے دن، ذی القعد کی تیس تاریخ کو واپس ہوئے، آپ نے غزوۂ خندق میں پندرہ دن قیام فرمایا۔ اس موقعہ پہ آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد قریش تم پر حملہ آور نہیں ہو سکیں گے۔ یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔

---

[۱] الاحزاب : ۹

غزوہ بنی قریظہ :- جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مہم سے فارغ ہوئے اور ہتھیار اتارے، تو جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے، کہنے لگے، "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے تو ہتھیار اتار دیے ہیں لیکن ہم نے ابھی نہیں اتارے، ان کی طرف (یعنی بنو قریظہ کی طرف، کوچ کیجئے کیونکہ میں انہیں تہ وبالا کرنے کے لیے ادھر ہی جارہا ہوں۔" رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤذن کو حکم دیا، کہ وہ اعلان کرے، کہ جو شخص بھی سنے، اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ عصر کی نماز بنو قریظہ کی بستی میں ادا کی جائے گی۔ نیز ایک منادی کرنیوالے کو متعین فرمایا، جو گلیوں میں کہتا پھرتا تھا۔ "اے اللہ کے سپاہیو! تیار ہو جاؤ" حضرت علی کرم اللہ وجہہ مقدمۃ الجیش، پر مامور تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود مسلمان سپاہ کے ساتھ جن کی تعداد تین ہزار تھی جن میں چھتیس گھوڑے تھے، روانہ ہوئے محاصرہ پچیس دن جاری رہا، تاآنکہ یہود محاصرے سے گھبرا اٹھے اور خدا نے ان کے دل میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ اس پر ان کے سردار کعب بن اسد نے انہیں سمجھایا کہ وہ مسلمان ہو جائیں، نیز کہا کہ "جس صورت حال سے تمہیں واسطہ پڑا ہے وہ تو تم دیکھ ہی رہے ہو، میں تمہارے سامنے تین متبادل صورتیں پیش کرتا ہوں، ان میں سے ایک کا انتخاب کر لو۔" پوچھا وہ کیا ہیں؟ کعب نے جواب دیا۔ "پہلی صورت یہ ہے، کہ ہم اس شخص کی بیعت کر کے اس کی تصدیق کریں، کیونکہ یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ وہ نبی مرسل ہے اور یہ وہی شخص ہے، جس کا تمہاری کتابوں میں ذکر ہے۔ اس تجویز پر عمل کر کے تم اپنے آپ کو اپنے مال دمتاع کو اور اہل وعیال کو بچانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔" یہود نے انکار کر دیا۔ دوسری تجویز میں اس نے یہ مشورہ دیا، "اپنے بال بچوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑو (خود ختم ہو جاؤ یا انہیں ختم کر دو)۔" انہوں نے اسے بھی رد

کر دیا تیسری تجویز یہ پیش کی "سبت کی رات کو بے خبری میں مسلمانوں پر شب خون مارو" یہود نے اسے بھی مسترد کر دیا۔

جب محاصرے کی شدت بڑھ گئی، تو یہود نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جو انصار کے رئیس تھے، حکم تسلیم کر لیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ مرد قتل کر دیے جائیں ان کے اہل و عیال جنگی قیدی بنا لیے جائیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابنِ معاذ! تو نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ اس فیصلے کے عین مطابق ہے جو خدا نے سات آسمانوں کی بلندیوں پر کیا ہے۔ آپ جمعرات کے دن ذی الحجہ کی سات تاریخ کو اس مہم سے فارغ ہوئے۔

اس کے بعد آپ نے حکم دیا، کہ بنو قریظہ کو مدینے لایا جائے، بازار میں کھائیاں کھودی گئیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے سامنے ان کی گردنیں مار دی گئیں۔ یہود کی تعداد چھ سات سو کے درمیان تھی۔ آپ نے حضرت ریحانہ کو اپنے لیے پسند فرمایا اور ان سے نکاح کر لیا، بعدہٗ مالِ غنیمت جمع کیا گیا اور خمس نکال کر تمام مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

اسی اثنا میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا زخم کھل گیا اور وہ شہید ہو گئے۔ ان کی نمازِ جنازہ میں ستّر ہزار فرشتے شریک ہوئے اور خدا کا عرش ہل گیا، اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روح کے آنے سے ملاءِ اعلیٰ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ میں سعد رضی اللہ عنہ کی قبر کھودنے والوں میں شامل تھا، جب ہم قبر کھود رہے تھے، تو اس سے کستوری کی خوشبو آرہی تھی۔

سریہ محمد بن مسلمہ:۔ یہ مہم بنو بکر بن کلاب کے ایک قبیلے کے (جس کا نام قرطاء تھا) خلاف ترتیب دی گئی تھی۔ یہ قبیلہ بکرات

کے مقام پر ٹھہرا ہوا تھا، جو مدینے سے سات دن کے فاصلے پر تھا۔ آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو تیس سوار دے کر روانہ فرمایا۔ جب ان پر حملہ ہوا تو ایک آدمی مارا گیا، اور باقی بھاگ گئے۔ ان کی بھیڑ بکریاں پکڑ کر مدینے لے آئے۔ ان کے ساتھ ثمامہ بن اثال حنفی بھی تھا۔ جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا، پھر کھول دیا گیا، بعدۂ اس نے غسل کیا اور مسلمان ہو گیا۔ کہنے لگا، "یا رسول اللہ! اس سے پہلے روئے زمین پر میری نگاہ میں آپ کے چہرے سے ناپسندیدہ اور کوئی چہرہ نہ تھا۔ لیکن اب آپ کا چہرہ محبوب ترین ہے، اسی طرح آپ کا دین میرے خیال میں ناخوش ترین تھا، جو اب خوش ترین ہو گیا ہے۔ نیز آپ کے شہر سے بڑھ کر اور کوئی شہر اتنا بُرا نہ تھا لیکن اب وہی شہر عزیز ترین شہر بن گیا ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب آپ کی سپاہ نے مجھے گرفتار کیا، مَیں عمرے کے ارادے سے جا رہا تھا۔ اب آپ کا کیا حکم ہے۔" حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بشارت دی، اور اجازت عنایت فرمائی، جب وہ مکّے آئے، تو ایک شخص نے کہا، سنا ہے، تم صابی ہو گئے، کہا نہیں، مسلمان ہو گیا ہوں۔ خدا کی قسم! تمہیں یمامہ سے (اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی) گندم کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچ سکے گا۔

غزوۂ بنی لحیان:۔ یہ غزوہ ہجرت کے چھٹے سال ماہِ ربیع الاول میں واقع ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عاصم بن ثابت اور اس کے ساتھیوں پر سخت طیش آیا، یوں ظاہر کیا کہ گویا آپ شام کو جا رہے ہیں، آپ کا لشکر دو سو آدمیوں پر مشتمل تھا جس میں بیس گھوڑے تھے، مدینے کی امارت حضرت عبداللہ بن امِ مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی۔ آپ جلدی جلدی روانہ ہوئے اور اس مقام پر پہنچے، جہاں اہلِ رجیع نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

کے صحابہ کو دھوکے سے شہید کر دیا تھا۔ آپ کا دل بھر آیا تھا۔ اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ بنو لحیان کو پتہ چل گیا، وہ بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔ چنانچہ ان میں سے کوئی بھی قابو نہ آسکا۔ دو ایک دن قیام فرمایا اور اِدھر اُدھر مہمیں روانہ کیں۔ وہاں سے کوچ کیا، اور بہ مقام عُسفان پہنچ کر اتر پڑے، وہاں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دس سوار دے کر روانہ کیا، تاکہ قریش سن کر مرعوب ہوں۔ یہ لوگ کراع تک آئے لیکن کسی سے مڈبھیڑ نہ ہوئی۔

فی الجملہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی چپقلش کے مدینے واپس تشریف لے آئے، اور آپ آئبُونَ، تائبُونَ، عَابِدُونَ لِربّنا حامِدُون کا وِرد فرما رہے تھے، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم چودہ دن مدینے سے باہر رہے۔

غزوۂ الغابہ:- اس کی وجہ یہ تھی، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس دودھ دینے والی گابھن اونٹنیاں تھیں جو چراگاہ میں چرتی تھیں، اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ان کی حفاظت پر مامور تھے، چنانچہ ایک بدھوار کی رات کو عیینہ بن حصن الفزاری نے چالیس سواروں کے ساتھ ڈاکہ مارا، اونٹنیاں چرا لے گیا، اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کو قتل کر دیا۔ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع موصول ہوئی، تو آپ نے حکم دیا، اے اللہ کے سپاہیو! سوار ہو جاؤ، چنانچہ پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ ان کے تعاقب میں روانہ ہو پڑے، اور عَلم جو حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کے نیزے سے تیار کیا گیا تھا، انہیں عطا کیا اور حکم دیا، کہ تم خدا کا نام لے کر آگے آگے چلو، تاکہ باقی لشکر بھی تمہارے پیچھے روانہ ہو۔ میں بھی تمہارے تعاقب میں آرہا ہوں۔ چنانچہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے دشمن کے پیچھے رہ جانے والے گروہ کو جا لیا، حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے ایک سوار کو اور حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے دوسرے کو مار گرایا۔ اتنے میں حضرت

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے، وہ پیادہ تھے آپ بھی عشاء کے وقت پہنچ گئے۔ دس اونٹنیاں چھڑا لی گئیں اور باقی ماندہ دس بھگا کر غائب ہو گئے۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم پانچ دن کی غیر حاضری کے بعد واپس تشریف لے آئے۔

سریہ عکاشہ بن محصن الاسدی :- یہ مہم غمر مرزوق کو، جو بنو اسد کا چشمہ ہے، چالیس آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئی۔ وہ بڑی سرعت سے روانہ ہوئے، چنانچہ مخالف ڈر کر بھاگ گئے، اور حملہ آور دو سو اونٹ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہانک لائے اور کسی سے چپقلش نہیں ہوئی۔

سریہ محمدؓ بن مسلمہ :- یہ لشکر کشی بنو ثعلبہ کے خلاف تھی اور ان کے ساتھ دس آدمی تھے، یہ لوگ رات کو وہاں پہنچے، چنانچہ ان لوگوں نے جن کی تعداد سو تھی، انہیں گھیر لیا، تھوڑی دیر تک باہم تیر اندازی ہوتی رہی اس کے بعد عربوں نے مسلمانوں پر نیزوں سے حملہ کر دیا اور سوائے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے جو زخمی ہو کر گر پڑے تھے، باقی سب شہید ہو گئے۔ انہیں اٹھا کر مدینہ لے آئے۔ پھر آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو چالیس آدمی دے کر بنو ثعلبہ کے خلاف بھیجا۔ وہ بھاگ گئے اور حملہ آور ان کی بکریاں اور گھر کا ساز و سامان اٹھا لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس علیحدہ کر کے باقی اشیاء تقسیم فرما دیں۔

سریہ زید بن حارثہ :- یہ مہم بنی سُلَیم کے خلاف بھیجی گئی تھی۔ اہلِ مہم نے بنو مزینہ کی ایک عورت کو جس کا نام حلیمہ تھا، پکڑ لیا، جو انہیں بنو سلیم کی ایک بستی میں لے گئی۔ جہاں انہوں نے بھیڑ بکریاں اور کئی آدمی قید کر لیے۔ ان میں حلیمہ کا خاوند بھی تھا۔ جب حضرت زیدؓ رضی اللہ عنہ نے مالِ غنیمت کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو آپ نے حلیمہ اور اس کے شوہر کو آزاد کر دیا۔

ایک اور مہم :- اس مہم میں ستر سوار حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے جو قریش کے ایک قافلے سے جو شام سے آرہا تھا، مزاحم ہوئے چنانچہ ان کا مال واسباب پکڑ لیا گیا۔

ایک اور مہم :- یہ مہم بنو ثعلبہ کے خلاف تھی جس میں پندرہ آدمی شامل تھے۔ اہلِ قبیلہ بھاگ گئے اور بھیڑ بکریاں بطور مالِ غنیمت پکڑ لی گئیں۔

ایک اور مہم :- یہ دستۂ فوج پانچ سو آدمیوں پر مشتمل تھا، جو جذام کو گیا تھا (جذام ایک بستی کا نام ہے) کیونکہ ان لوگوں نے دحیۃ الکلبی پر ڈاکہ مارا تھا۔ اس دستۂ فوج نے ان پر صبح کے وقت حملہ کیا اور خوب لوٹ مار کی۔ چنانچہ ان کی ہزار بکریاں پکڑ لیں اور سو عورتیں اور بچے قیدی بنا لیے۔ اس پر زید بن رفاعہ الجذامی اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ساتھ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لے آیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، کہ ان لوگوں کی اولاد اور بچوں کو آزاد کر دو چنانچہ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔

ایک اور مہم :- یہ مہم وادی القریٰ میں پیش آئی، جس میں کئی مسلمان شہید ہو گئے تھے اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ میدان کارزار سے زخمی حالت میں لائے گئے تھے۔

سریۂ عبد الرحمٰن بن عوف :- یہ مہم ہجرت کے چھٹے سال شعبان کے مہینے میں دومۃ الجندل کو روانہ ہوئی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر اپنے ساتھ بٹھایا، اپنے ہاتھ سے پگڑی بندھائی اور فرمایا، اللہ کا نام لے کر اس کے نام پر جہاد کر اور جو

مشرف ہیں ان سے خلاف لڑ لیکن دھوکا نہ دے اور کسی بچے کو قتل مت کر، حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے انہیں دومۃ الجندل میں بنو کلب کی طرف روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ اگر وہ ایمان لے آئیں تو ان کے امیر کی لڑکی سے نکاح کر لینا۔ چنانچہ وہ روانہ ہو کر دومۃ الجندل آئے اور متواتر تین دن انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے، چنانچہ اصبغ بن عمرو الکلبی اسلام لے آیا، وہ ان کا سردار تھا اور مذہباً عیسائی تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ کچھ لوگ ادائے جزیہ کی شرط پر اپنے دین پر قائم رہے۔ حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے اصبغ کی بیٹی تماضر سے شادی کر لی۔ اسے ساتھ لے آئے اور اس سے ابو مسلمہ پیدا ہوا۔

سریہ حضرت علی بن ابی طالب:۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ بنو سعد بن بکر خیبر کے یہودیوں کو مدد دینے کی تیاری کر رہے ہیں، آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سو آدمیوں کی معیت میں روانہ کیا۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں پکڑ لائے اور بنو سعد بھاگ گئے۔

سریہ زید بن حارثہ:۔ یہ مہم ام قرفہ الفزاری کے خلاف روانہ کی گئی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بہ غرض تجارت شام کو روانہ ہوئے، اثنائے راہ میں بنو فزارہ کے کچھ لوگوں سے ان کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ چنانچہ انہوں نے انہیں مارا پیٹا اور جو کچھ ان کے پاس تھا چھین لیا۔ واپس آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا، تو آپ نے انہیں ان کے خلاف روانہ فرمایا، چنانچہ صبح کے وقت انہوں نے حملہ کیا اور نعرۂ تکبیر کہہ کر سب کو گھیر لیا اور اُم قرفہ کو، جو اُن کی ملکہ تھی گرفتار کر لیا، اور نیز اس کی لڑکی کو جو مالک بن حذیفہ بن بدر کی پشت سے تھی، پکڑ لیا۔

سریۂ حضرت عبداللہ بن عتیک :- یہ مہم ابورافع یہودی کے خلاف تھی۔ جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدگوئی کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ چار ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہوئے انہیں قلعے کے باہر کھڑا کیا اور خود حیلے حوالے سے اسے قتل کر دیا، لوٹے تو ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ جب واپسی پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا، فرمایا، اپنی ٹانگ لمبی کرو۔ آپ نے ہاتھ پھیرا تو یوں ہو گیا، گویا کوئی تکلیف ہوئی ہی نہیں تھی۔ اور بالکل ویسی ہو گئی، جیسی کہ پہلے تھی۔

سریۂ حضرت عبداللہ بن رواحہ :- یہ مہم اُسیر بن رزام یہودی کے خلاف، جسے یہودیوں نے خیبر میں ابورافع کے بعد اپنا امیر بنا رکھا تھا، روانہ کی گئی تھی۔ یہ شخص بنو غطفان وغیرہ قبائل میں گھومتا پھرتا تھا۔ تاکہ انہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آمادۂ جنگ کرے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو تیس آدمی دے کر روانہ فرمایا۔ عبداللہ بن انیس نے اس پر تلوار سے حملہ کیا، اس کے بعد اس کے ساتھیوں پر جن کی تعداد ساٹھ تھی، ٹوٹ پڑے اور ایک کے سوا سب کو ٹھکانے لگا دیا، مگر مسلمانوں میں سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچی۔

سریہ کُرز بن جابر الفہری :- یہ مہم عرنیین کو بھیجی گئی تھی۔ بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنو عکل اور عُرینہ کے کچھ لوگ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دربارۂ اسلام گفتگو کے لیے حاضر ہوئے، کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم بنجر علاقے کے رہنے والے ہیں اور ہمیں کبھی بھی مرطوب آب و ہوا میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا، اس لیے مدینے کی آب و ہوا ہم سے سازگار نہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

انہیں حکم دیا کہ وہ چند شیر دار اونٹنیوں اور چرواہے کے ساتھ چراگاہ میں چلے جائیں اور وہاں ان کے دودھ پر گزر بسر کریں۔ وہ لوگ وہاں چلے گئے، چند دن صحرا میں رہنے کے بعد وہ تندرست ہو گئے۔ چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹنیوں کو ہانک کر لے گئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی، تو ان کی تلاش میں مہم روانہ فرمائی، جب وہ آپ کے پاس لائے گئے، تو ان کی آنکھوں میں کانٹے چبھوئے گئے اور ان کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔ اور اسی حالت میں صحرا میں چھوڑ دیئے گئے، تا آنکہ وہ مر گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں کانٹے چبھونے کا حکم ازروئے قصاص دیا تھا، کیونکہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چرواہوں کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ان کے تعاقب میں سواروں کا ایک دستہ بھیجا تھا، جن کے امیر حضرت کرز بن جابر رضی اللہ عنہ تھے۔

سریہ عمرو بن امیۃ الضمری:۔ یہ مہم مکے میں ابوسفیان بن حرب کے خلاف بھیجی گئی، کیونکہ اس نے بھی اسی طرح ایک شخص کو مقرر کیا تھا، کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکے سے قتل کر دے۔ وہ شخص مدینے آیا اور اس کے پاس ایک خنجر تھا، جو کپڑوں میں چھپا رکھا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا، فرمایا، یہ کسی شرارت کی غرض سے یہاں آیا ہے، جب اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑا، تو اس کے کپڑوں میں سے خنجر نکل آیا۔ آپ نے پوچھا، سچ بولنا، تم کون ہو؟ کہنے لگا، آپ مجھے امن کا قول دیتے ہیں، آپ نے فرمایا، ہاں۔ اس نے ساری بات بتا دی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا۔ پھر حضرت عمرو بن امیۃ الضمری اور حضرت سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہما کو ابوسفیان کی طرف روانہ فرمایا، اور حکم دیا، کہ اگر تم اسے ذرا بھی

غافل پاؤ، تو اسے قتل کر دینا، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ مکے آئے، تو رات کے وقت طواف کعبہ کے لیے چلے گئے۔ انہیں معاویہ بن ابوسفیان نے دیکھ لیا، اور قریش کو بتا دیا۔ وہ گھبرا گئے اور ان کی تلاش میں لگ گئے۔ عمرو زمانۂ جاہلیت میں بہادر سپاہیوں میں شمار ہوتے تھے۔ اہل مکہ اکٹھے ہو گئے اور جناب عمرو اور سلمہ رضی اللہ عنہما بھاگ کھڑے ہوئے۔ راستے میں ان کی مڈبھیڑ عبیدہ بن مالک تیمی سے ہو گئی۔ جسے عمرو رضی اللہ عنہ نے ایک اور آدمی سمیت مار ڈالا۔ اتنے میں قریش کے دو آدمی جو ان کی تلاش میں تھے سامنے آ گئے، ایک مارا گیا، اور دوسرا پکڑا گیا، جسے وہ مدینہ لے آئے۔ حضرت رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سرگزشت سنا رہے تھے اور آپ مسکراتے جاتے تھے۔

صلح حدیبیہ:۔ حدیبیہ ایک گاؤں کا نام تھا، جو مکے سے نو میل کے فاصلے پر تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوموار کے دن ذوالقعد کے مہینے میں ہجرت کے چھٹے سال بہ ارادۂ عمرہ روانہ ہوئے۔ ازواج مطہرات سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں۔ نیز چودہ سو صحابہ تھے۔ جن کے پاس صرف تلواریں تھیں مگر وہ بھی نیام میں۔ مدینے کی سربراہی حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرمائی۔ جب آپ ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے، تو قربانی کے اونٹوں کے گلے میں قلادے ڈالے، مناسک ادا کیے، اور احرام عمرہ باندھا۔ اور پھر بنو خزاعہ کے ایک آدمی کو بطور جاسوس روانہ فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ فرمایا، اور غدیر اشطاط پر پہنچ کر کیمپ کیا۔ یہاں عینیہ نے حاضر خدمت ہو کر ہو کر عرض کی، کہ قریش نے لشکر جمع کر لیا ہے وہ لڑنے بھڑنے کو آمادہ ہیں، چنانچہ وہ آپ کو کعبے تک نہیں پہنچنے دیں گے۔ یہ سن کر فرمایا، لوگو! مجھے اس بارے میں مشورہ دو، کیا تمہاری یہ رائے ہے کہ میں ان لوگوں کے اہل و عیال کے خلاف، جو

ہمیں کعبے کی زیارت سے روک رہے ہیں، حملہ آور ہو جاؤں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ زیارتِ کعبہ کے ارادے سے تشریف لائے ہیں، نہ کہ کسی سے لڑنے جھگڑنے کے لیے، خدا کا نام لے کر چلیے جو آدمی مزاحمت کرے گا، ہم اس سے جنگ کریں گے، فرمایا، خدا کا نام لے کر کوچ کرو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا، جو فداہ امی وابی سے بڑھ کر ہر معاملہ میں اپنے ساتھیوں سے صلاح مشورہ کرتا ہو۔

آپ نے کوچ فرمایا، اور جب آپ اس گھاٹی پر پہنچے، جہاں سے قریش دکھائی دیتے تھے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ صحابہ نے اسے اٹھانے کی جتنی کوشش کی۔ اونٹنی نے اتنا ہی نہ اٹھنے پر اصرار کیا۔ صحابہ کہنے لگے اونٹنی سرکشی پر اتر آئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایسی بات نہیں اور نہ ہی اس اونٹنی کی ایسی عادت ہے۔ بلکہ اسے اس ذات نے روک لیا ہے جس نے ابرہہ کے ہاتھی کو روک لیا تھا یعنی خدا نے اسے مکے میں داخلے سے اس طرح روک دیا ہے جس طرح ہاتھی کو روک دیا تھا، کیونکہ اگر صحابہ مکے میں داخل ہوتے اور قریش انہیں روکتے تو ضرور جنگ ہوتی، لیکن اللہ کو معلوم تھا، کہ ان میں سے بہت سارے مسلمان ہو جائیں گے اور ان کی پشت سے مسلمان پیدا ہوں گے جو خدا کی راہ میں جہاد کریں گے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے اس ذات کی قسم، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، کہ وہ مجھ سے بڑی سے بڑی چیز کیوں نہ مانگتے، میں ان کی درخواست کو منظور کر لیتا، بشرطیکہ وہ اللہ کی حدود کی پاسداری کرتے۔ اس کے بعد آپ نے اونٹنی کو ہانکا، اٹھ کھڑی ہوئی، ان کی طرف سے مڑی، تا آنکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے ایک سرے ایک چشمے پر جس میں تھوڑا سا پانی تھا، اتر پڑے۔ پانی ختم ہو گیا، تو صحابہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

سے پیاس کی شکایت کی۔ آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور فرمایا، کہ اسے چشمے میں ڈالو (یا اس سے چشمے کو کھودو) راوی کہتا ہے، بخدا پانی جوش مار کر نکلا، تاآنکہ سب سیراب ہو گئے۔

اس موقعہ پر بُدَیل بن ورقا خزاعی اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کے ساتھ دربارِ رسالت میں حاضر ہوُا۔ یہ لوگ دل سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر خواہ تھے۔ بدیل کہنے لگا، کہ میں نے کعب بن لوئی اور عامر بن لوی کو حدیبیہ کے چشموں پر پڑاؤ کیے دیکھا ہے، وہ آپ کو کعبے تک جانے سے روکیں گے اور ضرورت ہوئی تو جنگ بھی کریں گے۔ آپ نے فرمایا، ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے بلکہ بغرضِ عمرہ آئے ہیں۔ بخدا لڑائی نے قریش کا ناس مار دیا ہے اور وہ تباہ ہو گئے ہیں۔ اگر ان کی مرضی ہو تو میں اس قضیے کو ایک خاص مدت تک ملتوی کر دیتا ہوں، وہ میرے اور لوگوں کے درمیان مداخلت سے باز آجائیں۔ اگر میں کامیاب ہو جاؤں، اور وہ لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیں تو فبہا، ورنہ آرام کریں۔ اگر وہ نہیں مانتے، تو بخدا میں اس معاملے میں ان سے اس وقت تک جنگ کروں گا کہ میری گردن علیحدہ ہو جائے اور بالیقین اللہ تعالیٰ اپنے دین کو کامیاب کرے گا۔ بدیل نے کہا، جو کچھ آپ نے کہا، میں انہیں پہنچاتا ہوں۔ چنانچہ وہ آیا اور جو کچھ آپ نے فرمایا تھا، انہیں بتا دیا۔

اس پر عُروہ بن مسعود کہنے لگا، تمہیں ایک سخت مشکل پیش آگئی ہے، مردانہ وار اس کا مقابلہ کرو، اور مجھے اجازت دو تاکہ میں محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤں۔ وہ آیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محوِ گفتگو ہو گیا۔ آپ نے اس سے ویسی ہی گفتگو کی جیسی کہ بدیل سے کی تھی، اس دوران میں عُروہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو غور سے دیکھتا رہا۔ کہنے لگا، بخدا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اگر

آبِ دہن بھی پھینکا، تو کسی نہ کسی نے ہاتھ بڑھا کر ہتھیلی رکھ دی اور پھر منہ پر یا جسم پر مَل لیا۔ جب آپ کسی بات کا حکم دیتے، تو صحابہ تعمیلِ ارشاد میں ایک دوسرے سے مسابقت کی کوشش کرتے، جب وضو کرتے تو صحابہ وضو کے پانی کو جھپٹ لینے میں ایک دوسرے سے جھگڑتے۔ اگر بات کرتے، تو آہستہ بولتے اور ازراہِ تعظیم آپ سے آنکھیں نہ ملاتے۔ عروہ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو واپس آکر قریش سے کہنے لگا

"اے لوگو! میں بادشاہوں کے درباروں میں وفد بن کر گیا ہوں مجھے کسریٰ، قیصر اور نجاشی کے پاس بھی جانے کا اتفاق ہوا ہے، بخدا میں نے ان میں سے کوئی آدمی بھی ایسا نہیں دیکھا جسے اس کے ساتھیوں میں ایسا احترام ہو، جیسا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے اصحاب میں حاصل ہے۔ بخدا اگر وہ آبِ دہن بھی پھینکیں، تو کوئی نہ کوئی اسے اپنی ہتھیلی پر تھام لیتا ہے اور پھر اپنے منہ یا جسم پر مَل لیتا ہے، جب وہ کسی بات کا حکم دیتے ہیں، تو ان کے ساتھی فوری تعمیل کرتے ہیں، اور جب وہ وضو کرتے ہیں، تو ایک طرح سے جنگ کا سا نقشہ بن جاتا ہے اور جب وہ بات کرتے ہیں، تو وہ نہایت دھیمی آواز سے بولتے ہیں اور نیز وہ تعظیماً انہیں تیز نگاہوں سے نہیں دیکھتے۔ بلاشبہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہیں ایک عظیم ابتلا میں ڈال دیا ہے، مردانہ وار اس کا سامنا کرو۔"

اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو کو بلایا اور کہا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور صلح کا بندوبست کرو۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ قریش مائل بہ صلح ہیں، کہ اس آدمی کو بھیجا ہے۔ جب وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، اور گفتگو شروع ہوئی تو مندرجہ ذیل شرائط پر صلح طے پا گئی:۔

۱۔ اگلے دس برس جنگ نہیں ہوگی۔

۲۔ دوسرے عرب قبائل سے معاہدۂ امن کی اجازت ہوگی۔

۳۔ مسلمان اس سال بغیر عمرہ کیے واپس چلے جائیں۔

۴۔ اور ہمارا کوئی آدمی (خواہ اسلام لے آیا ہو) مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا، اسے واپس کر دینا ہوگا۔

یہ معاہدہ لکھ لیا گیا۔ اگر تم پوچھو، کہ اس میں کیا حکمت ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کی یہ بات مان لی، کہ اگر قریش کا کوئی آدمی اسلام لا کر بھی آگیا، تو اسے واپس کر دیا جائے گا تو جواب یہ ہے، کہ اس صلح کی تکمیل کے بعد اس پر مترتب ہونے والے فوائد (جن کا انجام فتح مکہ۔ اہلِ مکہ کا اسلام اور لوگوں کا گروہ در گروہ دین میں شامل ہونا تھا) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر تھا۔ کیونکہ صلح سے پہلے مشرکین، مسلمانوں سے قطعاً نہیں ملتے تھے اور آپ کے اخلاق و کردار کا انہیں کوئی اندازہ نہیں تھا، اور وہ کسی ایسے آدمی کو جو انہیں مفصل معلومات فراہم کر سکے، اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیتے تھے، جب صلح ہو گئی اور مشرکین مسلمانوں سے خلط ملط ہونے لگے اور باہم آمد و رفت شروع ہوئی، اپنے رشتہ داروں اور دوستوں وغیرہ سے ملے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات، آپ کے معجزات اور نبوت کی علامات کا علم ہوا، نیز آپ کی سیرت اور طور طریقوں کو اپنی آنکھ سے دیکھا تو ان کے دل اسلام کی طرف مائل ہو گئے، اور فتح مکہ سے پہلے ہی کافی لوگ مسلمان ہو گئے۔ اور جو رہ گئے، ان کے دل میں اسلام کی خواہش بڑھ گئی۔ جب مکہ فتح ہوا، تو چونکہ پیشتر ہی ان کے قبولِ اسلام کا راستہ صاف ہو گیا تھا، تو سب کے سب ایمان لے آئے۔ اور چونکہ قریش کے علاوہ عرب قبائل ان کے مسلمان ہونے کا انتظار کر رہے تھے، اس لیے جب قریش ایمان لائے، تو وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے:۔ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ

وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا[۱]
حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک خط دے کر قریش کے پاس بھیجا اور سہیل کو اپنے پاس روک لیا، قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو روک لیا، جس سے مسلمان طیش میں آ گئے، نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع موصول ہوئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے ہیں۔ پس آپ نے ایک درخت کے نیچے مسلمانوں کو موت پر بیعت کے لیے طلب فرمایا، کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہے، جب قریش کو اس بیعت کا علم ہوا تو وہ ڈر گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ چھوڑ دیا۔
اسی بیعت کے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیت اتری :۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ	بیشک جن لوگوں نے آپ کے ہاتھ
اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ۔	پر بیعت کی گویا انہوں نے اللہ سے
یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔	بیعت کی ہے۔ اللہ کا ہاتھ ان کے
ونیز رَضِیَ اللّٰہُ	ہاتھوں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنین
عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ[۲]	سے راضی ہو گیا۔

اس کے بعد صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سر منڈائے، اور حدیبیہ میں اپنی اونٹنیاں ذبح کیں، اور آپ نے حدیبیہ میں دس بارہ دن قیام فرمایا۔ اور ایک روایت میں بیس دن مذکور ہے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مراجعت فرمائی۔ بعض صحابہ کے دل میں وسوسہ سا تھا، اس پر خدا نے سورۂ فتح اتاری جس میں مسلمانوں کو تسلی دی گئی اور اپنی نعمتوں کا ذکر کیا گیا :۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا[۳] حضرت ابن عباس، حضرت انس اور حضرت براء رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔

---
[۱] نصر: ۱ [۲] الفتح: ۱۰ [۳] الفتح: ۱۸

غزوۂ خیبر:- یہ ایک بڑے شہر کا نام ہے جس میں قلعے اور باغات ہیں۔ اور مدینے سے شام کی جانب آٹھ منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ابنِ اسحاق راوی ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محرّم کے آخری دنوں میں ہجرت کے ساتویں سال خیبر کو روانہ ہوئے۔ وہاں قیام فرمایا، پھر محاصرے کا حکم دیا۔ وہ چند دنوں کے بعد فتح ہو گیا۔ آپ کے ساتھ چودہ سو پیادہ سپاہی اور دو سو سوار تھے۔ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا اس سفر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھیں۔ بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت بہ مقام خیبر پہنچے۔ آپ کا معمول یہ تھا، کہ جہاں بھی آپ رات کے دوران میں پہنچتے، تو صبح سے پہلے ان پر حملہ آور نہ ہوتے۔

جب صبح ہوئی اور یہود اپنے ہل اور سامانِ کشاورزی لے کر نکلے اور رسولِ کریم (فداہ اُمّی وابی) کو دیکھا تو لگے چیخنے چلّانے، بخدا محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کا لشکر پہنچ گیا ہے، آپ نے فرمایا، خیبر تباہ ہو گا۔ (اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ) ایک روایت میں ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ اکبر، خیبر تباہ و برباد ہو گا۔ اس کے بعد آپ نے علم تقسیم فرمائے اور بخاری میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بوجہ آشوبِ چشم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ دے سکے تھے۔ چنانچہ بعد میں آ کر شامل ہوئے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ جس دن خیبر فتح ہُوا، اس رات کو آپ نے فرمایا، کہ مَیں کل عَلَم اس شخص کو دونگا کہ جس سے خدا اور اس کا رسول محبّت کرتے ہیں اور اللہ اس کے ہاتھ پر فتح عطا کرے گا۔ جب صبح ہوئی، تو ہر شخص کی خواہش تھی، کہ عَلَم اسے عطا ہو۔ آپ نے پوچھا، علی کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، انہیں آشوبِ چشم کی شکایت ہے۔ فرمایا، بلاؤ، جب وہ آئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنا آبِ دہن ان کی آنکھوں میں لگایا، دعا فرمائی اور وہ تندرست ہو گئے۔ گویا کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر علم انہیں عطا فرمایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے دریافت کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں ان سے اس وقت تک جہاد کروں، کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ فرمایا، ان سے حُسنِ سلوک سے پیش آؤ، اور جب ان کے صحن میں اترو تو انہیں اسلام کی دعوت دو، اور ان خدائی حقوق کے بارے میں جو تم پر واجب الادا ہیں، یہود کو بتاؤ۔ بخدا اگر تمہاری بدولت ایک آدمی بھی مسلمان ہو جائے، تو اس سے کہیں بہتر ہے کہ تمہیں کوئی سرخ اونٹ دے دے۔

اور ایک روایت میں ہے، کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے خیبر کا دروازہ اکھاڑ پھینکا، جسے ستر آدمی بھی بمشکل اپنی جگہ سے ہلا سکتے تھے۔ اہلِ خیبر اور مسلمانوں کے درمیان گھمسان کا رَن پڑا، جس میں مسلمانوں کے پندرہ آدمی شہید ہوئے اور یہود کے ترانوے آدمی مارے گئے۔ خدا کے فضل سے ایک ایک کر کے سارے قلعے فتح ہو گئے اور ابوالحقیق کا خزانہ جو گدھے کی کھال میں ایک ویرانے میں چھپایا گیا تھا، ان کے ہاتھ آگیا۔ اللہ نے بذریعۂ وحی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا، جسے نکال لیا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہ سے نکاح کر لیا۔ ان کا خاوند کنانہ بن ربیع مارا گیا تھا۔ صفیہ ابھی نوبیاہتا دلہن تھیں۔ آپ سے ان کے حُسن و جمال کا ذکر آیا، تو آپ نے انہیں آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ چنانچہ وہ امہات المؤمنین میں شامل ہو گئیں۔ ام المؤمنین نے خواب میں چاند کو اپنی گود میں گرتے دیکھا تھا، جس کی تعبیر یہی کی گئی تھی۔ حضرت یزید بن ابی عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی پنڈلی پر ضرب کا ایک نشان دیکھا۔ پوچھا، کہ یہ کیا ہے، کہنے لگیں۔ مجھے یہ ضرب خیبر کی جنگ میں لگی تھی۔ میں حضور کی

خدمت میں آئی، تو آپ نے تین دفعہ پھونک ماری چنانچہ مجھے آج تک پھر درد نہیں ہوا۔

اس غزوہ میں ایک یہودی عورت نے، جس کا نام زینب بنت حارث تھا، ایک بکری کا گوشت بھونا اور اس میں زہر ملایا، پھر اس نے وہ گوشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اور کچھ اور لوگوں نے وہ گوشت کھایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کھانا چھوڑ دو۔ حکم دیا کہ یہودیہ کو بلاؤ، آپ نے دریافت فرمایا، کیا تُو نے اس کھانے میں زہر ڈالا تھا؟ اس نے پوچھا، آپ کو کس نے بتایا۔ فرمایا، مجھے پنڈلی کی اس ہڈی نے بتایا، جو میرے ہاتھ میں ہے۔ یہودیہ نے کہا، درست ہے، میں نے سوچا تھا، کہ اگر آپ نبی ہیں، تو زہر کا اثر نہیں ہوگا، اور اگر نبی نہیں ہیں تو ہمیں آپ سے نجات مل جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف کر دیا۔ اور کوئی سزا نہ دی۔ لیکن جن صحابہ نے وہ گوشت کھایا تھا، وہ فوت ہو گئے۔ ان میں حضرت بشر بن براء بھی تھے۔ اس پر آپ نے اس یہودیہ کو ان کے وارثوں کے سپرد کر دیا۔ جنہوں نے اسے قصاص میں قتل کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زہر کا اثر زائل کرنے کے لیے گردن اور پیٹھ کے ملاپ کے مقام پر فصد کرایا۔

غزوۂ وادی القریٰ:- یہ مہم جمادی الآخر میں پیش آئی۔ آپ نے چار دن تک ان کا محاصرہ جاری رکھا، اس کے بعد اہلِ تیماء نے جزیے کی شرط پر صلح کر لی۔

سریۂ حضرت عمر بن خطاب:- ہجرت کے ساتویں سال شعبان کے مہینے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیس آدمیوں کے ساتھ تُربہ کو روانہ ہوئے، ان کے ہمراہ بنو ہلال کا ایک بدرقہ بھی تھا، یہ لوگ راتوں

کو چلتے اور دن کو چھپ رہتے۔ مگر بنو ہوازن کو پتہ چل گیا اور وہ بھاگ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی بستیوں میں آئے، تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ چنانچہ وہ لوٹ گئے۔

سریہ حضرت بشیر بن سعد الانصاری :- یہ مہم فدک کو بنو مرہ کے خلاف ہجرت کے ساتویں سال شعبان کے مہینے میں بھیجی گئی۔ اس دستہ فوج میں تیس آدمی تھے وہ سب مارے گئے۔ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ دشمن کے خلاف لڑتے رہے تاآنکہ زخمی ہو کر گر پڑے۔ ابن زید الحارثی نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثے کی اطلاع دی۔ اس کے بعد بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ دربارِ رسالت میں (بعد از صحت) پیش ہوئے۔

سریۂ حضرت ابوبکر الصدیق :- یہ مہم ہجرت کے ساتویں سال شعبان کے مہینے میں ضریہ کے نواح میں بنو فزارہ کے خلاف روانہ کی گئی تھی۔ چنانچہ ان کی ایک جماعت پکڑی گئی اور باقی مارے گئے۔

سریۂ غالب بن عبداللہ اللیثی :- یہ مہم نجد کے علاقے میں ایک مقام پر جس کا نام میفعہ تھا اور جو مدینے سے آٹھ منزل پر واقع تھا۔ ہجرت کے ساتویں سال رمضان کے مہینے میں پیش آئی۔ اس دستے میں دو سو تیس آدمی تھے، چنانچہ انہوں نے دشمن پر ان کی بستیوں میں حلہ بول دیا۔ ان کے اکثر سردار مارے گئے اور اونٹ اور بکریاں ہانک کر لے لائے۔ روایت میں ہے کہ اس موقعہ پر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے نہیک بن مرداس کو کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا تھا۔ حضورِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے سُن کر فرمایا، کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ اس پر اسامہ نے وعدہ کیا کہ آئندہ وہ کسی ایسے آدمی کو قتل نہیں کرے گا، جو

زبان سے لاالٰہ الا اللہ کہے گا۔

بخاری میں ابوظبیان سے روایت ہے، کہ مَیں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے سنا کہ ہمیں رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے حُرقہ کو روانہ فرمایا، ہم نے ان پر صبح کے وقت حملہ کیا اور انہیں بھگا دیا۔ اسی موقعہ پر مجھے اور ایک انصاری کو ان کا ایک آدمی مل گیا۔ جب ہم نے اسے گھیر لیا، تو اس نے کلمہ طیبہ پڑھا۔ چنانچہ اس انصاری نے اسے چھوڑ دیا، لیکن مَیں نے اس پر نیزے سے حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ جب ہم لوٹے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوُا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسامہ! کیا تم نے اسے کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا۔ مَیں نے کہا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اس نے اپنے بچاؤ کے لیے ایسا کیا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اس بات کو دہراتے رہے، تاآنکہ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی، کہ کاش میں آج ہی اسلام لایا ہوتا۔

سریۂ حضرت بشیر بن سعد الانصاری :۔ یہ مہم یمن اور جبار کی طرف جو بنوغطفان کا علاقہ ہے، ہجرت کے ساتویں سال شوال میں پیش آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تین سو آدمیوں کے ساتھ ان لوگوں کے خلاف روانہ فرمایا، جو مدینے پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ دستہ فوج رات کو سفر کرتا اور دن کو چھپ رہتا۔ جب دشمنوں کو حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کے آنے کا پتہ چلا، تو وہ بھاگ گئے۔ اور حملہ آوروں کو غنیمت میں کافی اونٹ ملے۔ نیز دو جنگی قیدی بھی لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، چنانچہ وہ دونوں آدمی مسلمان ہو گئے۔

عمرۂ قضا :۔ حاکم نے اکلیل میں بیان کیا ہے کہ جب ہجرت کے ساتویں سال ذی القعدہ کا چاند نظر آگیا تو تواتر سے یہ خبریں آنے لگیں کہ حضور

نے اپنے صحابہ کو حکم دیا ہے کہ وہ اس عمرۂ قضا کے لیے تیار ہو جائیں، جسے مشرکین مکہ نے گزشتہ سال روک دیا تھا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا کہ جو آدمی بھی سالِ گزشتہ حدیبیہ میں موجود تھا، وہ ضرور شامل ہو۔ چنانچہ سوائے ان لوگوں کے جو خیبر میں شہید ہو گئے تھے یا فوت ہو گئے تھے، باقی سب شریکِ سفر تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو ہزار مسلمانوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ مدینہ کی سیادت ابورُہم غفاری رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ قربانی کے ساٹھ اونٹ تھے۔ متفرق ہتھیار، تلواریں، زرہیں اور نیزے بھی ساتھ تھے۔ جب آپ ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے، تو آپ نے سواروں کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں آگے روانہ کیا، پھر ہتھیار روانہ فرمائے۔ اور بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ اس کے انچارج تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا، تلبیہ پڑھی اور باقی مسلمان بھی آپ کے ساتھ ساتھ تلبیہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت محمدّ بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اپنا دستہ لیے مرالظہران کے مقام پر پہنچ گئے۔ وہاں قریش کے کچھ آدمیوں سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے دریافت کیا، تو انہوں نے بتایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کل صبح یہاں پہنچ جائیں گے۔ انہوں نے قریش کو جا کر بتایا، تو وہ گھبرا گئے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے دن مرالظہران کے مقام پر پہنچ گئے اور لشکر کے ہتھیار وادیٔ یاجج میں جو مکّے کے قریب ایک جگہ کا نام ہے، بھیج دیئے۔ اور اوس بن خولی الانصاری رضی اللہ عنہ کو دو سو آدمیوں کے ساتھ ان کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا۔

اہلِ مکہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم قربانی کے اونٹوں کو لیے روانہ ہوئے۔ جو ذی طوی کے مقام پر روک لیے گئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو کر نکلے، صحابہ نے حضورِ اکرم (فداہ امی وابی)

کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا، اور تلواریں گردنوں میں حمائل کیے ہوئے تھے۔ اور تلبیہ پڑھ رہے تھے، چنانچہ اس گھاٹی پر جو حجون کے سامنے تھی، تشریف لے آئے۔ حضرت ابنِ رواحہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑی ہوئی تھی اور بطور رجز پڑھ رہے تھے:۔

خَلُّوْا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيْلِهٖ　　اَلْيَوْمَ نَضْرِبُكُمْ عَلٰى تَنْزِيْلِهٖ

ضَرْبًا يُزِيْلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيْلِهٖ　　وَيُذْهِلُ الْخَلِيْلَ عَنْ خَلِيْلِهٖ

۱:۔ اے مشرکو! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راستے سے ہٹ جاؤ، آج ہم آپ کی تشریف آوری پر تمہیں زبردست ضرب لگائیں گے۔

۲:۔ یہ ایسی ضرب ہو گی کہ شیر اپنے کچھار سے بھاگ نکلے گا، اور دوست دوست کو بھول جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابنِ رواحہ رضی اللہ عنہ سے کہا، تم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر پڑھ رہے ہو۔ حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا۔ عمر! اسے شعر پڑھنے دو، کیونکہ تیر کی نوک سے بھی اس کا اثر جلدی ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تلبیہ پڑھتے جا رہے تھے تاآنکہ آپ نے حجرِ اسود کو اپنے عصا سے چھوا، اور آپ نے جامۂ احرام کو دائیں بغل کے نیچے سے گزار کر اس کا دوسرا پلو بائیں بازو پر ڈال لیا، جس سے دائیں کندھا ننگا تھا اور بایاں کندھا ڈھنپا ہوا تھا۔ باقی صحابہ نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تتبع میں اسی طرح جامۂ احرام اوڑھ رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر طواف کر رہے تھے اور صحابہ آپ کے ساتھ گھوم رہے تھے۔

بخاری شریف میں مذکور ہے، کہ مشرکین آپس میں کہنے لگے کہ تمہارے یہاں ایسے لوگ آئے ہیں جنہیں مدینے کی گرمی نے کمزور کر دیا ہے۔ اس لیے حضورِ اکرم

نے انہیں حکم دیا کہ تین طواف جلدی جلدی قدم اٹھا کر پورے کرو، اور رکنین کے درمیان حسبِ معمول چل کر، اور ایک روایت میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لمبے لمبے ڈگ بھر کر چلو، تاکہ مشرکین کو تمہاری طاقت کا اندازہ ہو، پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کی پیٹھ پر ہی صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ جب طواف کا ساتواں پھیرا تھا اور قربانی کے اونٹ مروہ کے پاس کھڑے کیے گئے تھے آپ نے فرمایا، یہ ہے قربان گاہ۔ اور مکے کی ہر وادی قرباں گاہ ہے، اس پر آپ نے مروہ کے پاس قربانی کی اور یہیں سر منڈایا۔ باقی لوگوں نے بھی اسی طرح کیا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ کچھ آدمی، اپنے ان ساتھیوں کے پاس جو وادیٔ یاجج میں ٹھہرے ہوئے ہیں، جائیں۔ وہ وہاں ہتھیاروں کی حفاظت کے لیے رک جائیں، اور انہیں مناسک ادا کرنے کے لیے بھیجیں۔ چنانچہ صحابہ نے تعمیلِ ارشاد کی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین دن تک مکے میں قیام فرما رہے۔ جب میعاد ختم ہوگئی تو مشرکینِ مکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے ساتھی سے کہو، کہ وہ مکے کو چھوڑ دیں، کیونکہ میعاد ختم ہو گئی ہے۔ اس پر آپ نے مکے سے کوچ فرمایا۔

سریہ ابن ابی العوجاء :۔ یہ مہم ہجرت کے ساتویں سال ماہِ ذی الحجہ میں پچاس آدمیوں کے ساتھ بنو سلیم کے خلاف بھیجی گئی۔ مشرکین نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا، چنانچہ انہوں نے نہایت سخت مقابلہ کیا ان میں سے زیادہ تر مارے گئے ابن ابی العوجاء مقتولوں میں زخمی ہو کر گر پڑے تھے۔ چنانچہ بعد از خرابیٔ بسیار وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ سکے۔

سریہ حضرت غالب بن عبداللہ اللیثی :۔ یہ مہم بہ مقام کدید بنو مُلَوّح کی طرف ہجرت کے آٹھویں سال صفر کے

مہینے میں بھیجی گئی جس میں مسلمانوں کو مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ اسی مہینے میں خالد بن ولید، عثمان بن ابو طلحہ اور عمرو بن عاص مدینے آکر ایمان لائے۔

ایک اور مہم :- یہ مہم فدک میں جہاں حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھی شہید کر دیئے گئے تھے، ہجرت کے آٹھویں سال صفر کے مہینے میں دو سو آدمیوں کے ساتھ بھیجی گئی۔ چنانچہ انہوں نے صبح کے وقت حملہ کیا کئی آدمی مارے گئے اور اونٹ بطور مالِ غنیمت پکڑ لیے گئے۔

سریۂ حضرت شجاع بن وہب الاسدی :- ہجرت کے آٹھویں سال ربیع الاوّل کے مہینے میں چوبیس آدمیوں کے ساتھ بنو ہوازن کی ایک جماعت کے خلاف بھیجی گئی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حملے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ وہ راتوں کو سفر کرتے اور دن کو چھپ رہتے، تاآنکہ ایک صبح کو ان پر ہلہ بول دیا۔ اونٹ اور بکریاں پکڑ لیں اور ہانک کر مدینے لے آئے۔

سریۂ حضرت کعب بن عُمیر الغفاری :- یہ مہم ہجرت کے آٹھویں سال ربیع الاول کے مہینے میں پندرہ آدمیوں کے ساتھ ذاتِ اطلاح کے خلاف روانہ کی گئی۔ وہاں پہنچے، تو مقابلے پر ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ گھمسان کا رن پڑا، چنانچہ مسلمان شہید ہو گئے اور ان میں سے ایک زخمی مسلمان جو ان کا امیر بتایا جاتا تھا، ان میں سے غائب ہو گیا۔ جب رات چھا گئی، تو وہ بہ مشکل تمام حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بڑا رنج ہوا، چنانچہ ان کے خلاف لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ اتنے میں معلوم ہوا کہ وہ کسی دوسرے مقام کو منتقل ہو گئے ہیں، اس لیے ارادہ ترک کر دیا گیا۔

موتہ ملک شام میں بلقار کے مضافات میں واقع ہے، یہ مہم ہجرت
سریۂ مُوتہ :- کے آٹھویں سال جمادی الاوّل کے مہینے میں واقع ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیر الازدی رضی اللہ عنہ کو ایک خط دے کر شاہ بصریٰ کی طرف روانہ کیا۔ جب وہ موتہ کے مقام پر پہنچے، تو شرجیل بن عمرو الغسانی نے مقابلہ میں آکر انہیں شہید کر دیا۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیروں میں سے ان کے سوا اور کوئی آدمی قتل نہیں ہوا۔ حضور نبیٔ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کو تین ہزار آدمیوں پر مامور فرمایا۔ اور حکم دیا کہ اگر زید بن حارثہ مارا جائے تو تمہارا امیر جعفر بن ابی طالب ہوگا۔ اور اگر وہ بھی مارا جائے، تو تمہارا امیر عبداللہ بن رواحہ ہوگا۔ اور اگر وہ بھی مارا جائے، تو مسلمان اپنے آدمیوں سے ایک کو امیر بنا لیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے سفید عَلَم تیار کرایا اور حضرت زید بن حارثؓ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا، اور حکم دیا، کہ حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کی قتل گاہ پر پہنچو۔ تو وہاں ان لوگوں کو اسلام کی طرف بلاؤ۔ اگر مان جائیں تو فبہا، ورنہ خدا سے مدد مانگو اور ان سے جہاد کرو۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثنیۃ الوداع تک ان کی مشایعت فرمائی۔ جب سپاہ روانہ ہوئی، تو مسلمانوں نے ان کے لیے دعا کی کہ اللہ مصیبت کو تم سے دفع کرے، اور تم سالماً غانماً واپس آؤ۔

جب اسلامی لشکر مدینے سے روانہ ہوا، تو دشمن کو ان کی روانگی کا علم ہوگیا اور مسلمانوں کے مقابلے کے لیے جمع ہوئے اور شرجیل بن عمرو بھی مقابلے کے لیے آمادہ ہوگیا، اور اس نے ایک لاکھ سے زیادہ فوج جمع کر لی اور جاسوسوں کو لشکر کے آگے آگے روانہ کیا۔ اسلامی لشکر معان کے مقام پر اترا ہوا تھا۔ انہیں دشمن کی کثیر تعداد اور ان کے اجتماع کا پتہ چل گیا۔ نیز یہ خبر موصول ہوئی، کہ ہرقل ایک لاکھ

سپاہ کے ساتھ بلقاء کے مقام پر پڑاؤ کیے ہوئے ہے. مسلمان دو دن وہاں ٹھہرے رہے، تاکہ اس معاملے کے بارے میں سوچ بچار کر سکیں۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا، کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ کر صورتِ حال کے بارے میں اطلاع دیں. مگر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے انہیں آگے بڑھنے کی ہمت دلائی، چنانچہ وہ موتہ کی طرف چل دیئے۔ وہاں ان کے مقابلے میں مشرکوں کا ایک ایسا لشکر آیا کہ جس کی کوئی حد نہ تھی۔ اسی طرح ہتھیار، گھوڑے، دیبا، حریر اور سونے کا شمار نہ تھا، مسلمانوں اور مشرکوں میں مقابلہ ہوا، چنانچہ امرائے لشکر پا پیادہ ہو کر لڑے۔ اسلامی عَلم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، وہ لڑتے رہے اور اسلامی لشکر ان کے ساتھ صف بندی کر کے لڑتا رہا، تاآنکہ وہ نیزے کے زخم سے شہید ہو گئے۔ پھر عَلم حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے تھام لیا۔ وہ اپنے سرخ گھوڑے سے اتر پڑے اور لڑائی میں مصروف ہو گئے۔ تاآنکہ ان کے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ پہلے انہوں نے عَلم دائیں ہاتھ میں پکڑا، وہ کٹ گیا تو بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ جب وہ بھی کٹ گیا، تو سینے سے لگا لیا۔ چنانچہ وہ شہید ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ نے جعفر کو ہاتھوں کے بدلے میں دو بازو (پر) عطا کیے ہیں، جن کی مدد سے وہ بہشت میں اڑتے پھرتے ہیں، ان کے بدن کے اگلے حصے پر تلوار اور نیزے کے بہتر زخم تھے۔ پھر عَلم حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے لے لیا، وہ بھی شہید ہو گئے۔ اس کے بعد عَلم ابنِ اقرم عجلانی رضی اللہ عنہ نے تھام لیا، مگر صلاح و مشورہ کے بعد لوگوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر منتخب کیا، چنانچہ عَلم انہوں نے لے لیا۔ شدت کی لڑائی ہوئی، جس میں کافی مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ پھر سب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد زمین کا پردہ درمیان سے

اٹھا دیا گیا۔ اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے میدانِ جنگ کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔

موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں لکھا ہے، کہ جب یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ اہلِ موتہ کی خبر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانے کے لیے آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تو چاہتا ہے، تو واقعات تو بیان کر، اور اگر تیری مرضی ہو تو میں بیان کر دیتا ہوں۔ حضرت یعلیٰ نے عرض کیا، آپ فرمائیں۔ آپ نے واقعات من وعن بیان کر دیئے۔ اس پر یعلیٰ نے عرض کیا، اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے، آپ نے تمام واقعات حرف بہ حرف درست بیان فرمائے ہیں۔

سریہ حضرت عمرو بن العاص:۔ یہ مہم ہجرت کے آٹھویں سال جمادی الآخر کے مہینے میں ذات السلاسل کی طرف جو مدینے سے دس میل کے فاصلے پر واقع ہے، روانہ ہوئی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع موصول ہوئی، کہ بنو قضاعہ کے کچھ لوگ حملے کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ آپ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ ان کے لیے ایک سفید اور ایک سیاہ عَلَم تیار کیا۔ اور مہاجرین اور انصار کے تین سو چیدہ افراد جن میں تیس گھوڑے تھے، ان کی کمان میں دے دیئے۔ وہ رات کو چلتے اور دن کو چھپ رہتے۔ جب قریب پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ انہوں نے رافع بن مکیث الجہنی رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں کمک کے لیے روانہ کیا۔ آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو دو سو مہاجرین اور انصار کے منتخب آدمیوں کے ساتھ جن میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما شامل تھے۔ مہم پر روانہ فرمایا۔ آپ نے حکم دیا

کہ عمرو بن العاص کی مدد کو پہنچو۔ نیز فرمایا کہ اتفاق سے رہنا اور اختلاف سے بچنا۔
حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے امامت کی خواہش کی، تو حضرت عمرو بن العاص نے کہا، کہ تم میری مدد کے لیے آئے ہو، امیر میں ہوں۔ حضرت ابو عبیدہ بات مان گئے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہی امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ پھر وہ روانہ ہوئے اور دشمن کی بستیوں پر حملہ بول دیا گیا، چنانچہ وہ بھاگ گئے، اور اِدھر اُدھر پھیل گئے۔

بخاری نے اس کا نام سیف البحر لکھا ہے

سریۂ حضرت ابو عبیدہ بن جراح :- نیز اس کا نام سریۃ الخبط رکھا گیا ہے۔ یہ مہم ہجرت کے آٹھویں سال رجب کے مہینے میں بنو جہینہ کے ایک قبیلے کے خلاف بہ مقام قبلیہ جو ساحل سمندر کے قریب واقع ہے، روانہ کی گئی تھی۔ مدینہ اور اس مقام کے درمیان پانچ دن کی مسافت حائل ہے۔ بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، کہ ہم تین سو آدمی اس مہم پر روانہ ہوئے۔ ہم نے اپنا زادِ راہ اپنے کندھوں پر اٹھایا ہوا تھا۔ وہ ختم ہو گیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔ کہ ہم ایک ایک کھجور کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ خریدا، اور مسلمانوں کے لیے ذبح کیا۔ اسی اثنا میں خدا نے ان کے لیے سمندر سے ایک جانور نکالا، جس کا نام عنبر تھا۔ اسے کھایا، اور باقی ذخیرہ کر لیا اور چونکہ مقابلے کی نوبت نہ آئی، اس لیے واپس ہوئے۔

ایک روایت میں اتنا ٹکڑا زائد ہے کہ جب ہم مدینے واپس پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے یہ واقعہ آپ سے بیان کیا، فرمایا، یہ اللہ کا رزق ہے جو اس نے تمہارے لیے سمندر سے باہر نکالا ہے، اگر تمہارے پاس اس کا کچھ گوشت بچ گیا ہے، تو مجھے بھی کھلاؤ۔ چنانچہ ہم نے حضور

کی خدمت میں پیش کیا، جسے آپ نے تناول فرمایا۔

سریہ حضرت ابو قتادۃ الانصاری :- یہ مہم ہجرت کے آٹھویں سال ماہِ شعبان میں پندرہ آدمیوں کے ساتھ بہ مقام خضرہ، جو نجد میں بنو محارب کی بستی ہے، بنو غطفان کے خلاف روانہ کی گئی۔ چنانچہ ان کے سردار مارے گئے اور بہت سے قیدی پکڑ لیے گئے، اور ان کے اونٹ جن کی تعداد دو سو تھی اور بکریاں جن کی تعداد دو ہزار تھی، ہانک لائے۔ یہ جماعت پندرہ دن مدینے سے باہر رہی۔

ایک اور مہم :- یہ مہم وادیٔ اضم کو، جو مدینے سے تین منزل کے فاصلے پر واقع ہے، ہجرت کے آٹھویں سال ماہِ رمضان میں روانہ ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی، کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو آپ نے یہ مہم روانہ فرمائی، تاکہ لوگوں کو یہ خیال ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ادھر حملہ کرنے کا ہے اور یہ افواہ دُور دُور تک پھیل جائے۔ راستے میں انہیں عامر بن اضبط مل گیا جس نے السلام علیکم کہا، لیکن محلم بن جثامہ نے اسے مار ڈالا۔ اس پر قرآن شریف کی یہ آیت اتری :- وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا[1]۔ محلم دو چادریں اوڑھے حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوا، تاکہ اللہ سے اس کے لیے طالبِ معافی ہوں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خدا تجھے معاف نہ کرے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا، اور آنسو چادروں سے پونچھ رہا تھا۔ چنانچہ سات دن کے بعد مر گیا۔ زمین نے اس کی لاش باہر پھینک دی۔ پھر دفن کیا، پھر باہر پھینک دیا۔ جب اہلِ قبیلہ سخت پریشان ہوئے، تو وہ اسے اٹھا کر دو پہاڑوں کے درمیان لے گئے، جسے انہوں نے ہموار کیا، پھر اوپر پتھر ڈالے، اور لاش چھپ گئی۔ آپ کے سامنے اس

---

[1] النساء : ۹۴

کا ذکر آیا، تو فرمایا، زمین تو بدترین آدمی کو قبول کر لیتی ہے، لیکن خدا تمہیں عبرت کا نمونہ دکھانا چاہتا تھا۔

فتح مکہ:- خدا اس شہر کے شرف و احترام میں اضافہ کرے، یہ وہ عظیم فتح ہے جس سے خدا نے اپنے دین، اپنے رسول، اپنے لشکر اور اپنے حرم امین کی عزت میں اضافہ فرمایا۔ اور اپنے شہر اور اپنے اس گھر کو (جو اہلِ عالم کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہے) کفار اور مشرکین کے ہاتھوں سے چھڑایا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس شہر کو فتح کرنے کے لیے اسلامی لشکر اور خدائی فوج لے کر روانہ ہوئے، کیونکہ قریش نے وہ معاہدہ جو حدیبیہ میں کیا تھا، توڑ دیا تھا۔ ابوسفیان بن حرب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں تجدیدِ معاہدہ اور میعاد بڑھانے کے لیے حاضر ہوا۔ لیکن حضورِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے انکار کر دیا اور وہ مکے لوٹ گیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بتائے بغیر فتح مکہ کی تیاری شروع کر دی۔

اس دوران میں حاطب نے ایک خط لکھا اور اہلِ مکہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاری کی اطلاع دے دی اللہ نے اپنے نبی کو اس کی خبر کر دی۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو حکم دیا، کہ تم خاخ کی چراگاہ تک جاؤ، وہاں ایک عورت ہو گی، جس کے پاس ایک خط ہے، وہ اس سے لے لو۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم روانہ ہو پڑے جب چراگاہ کے پاس پہنچے تو وہ عورت وہاں موجود تھی۔ ہم نے کہا، خط نکالو۔ وہ کہنے لگی، میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا تجھے خط نکالنا پڑے گا، ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتاریں گے۔ آخرکار اس نے وہ خط اپنے بالوں کی مینڈھیوں سے نکال دیا۔ ہم وہ خط حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ وہ خط حاطب بن بلتعہ کی طرف سے مشرکینِ مکہ کے نام تھا، جس میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پروگرام کا ذکر تھا۔

حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے دریافت فرمایا، حاطب! یہ کیا معاملہ ہے؟ کہنے لگا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے گزارش کا موقعہ عطا فرمایئے۔ میں قریش کا حلیف رہا ہوں، مگر نسب میں ان کا شریک نہیں اور آپ کے ساتھ جو لوگ ہجرت کرکے آئے ہیں، ان کی قریش سے قرابت ہے، اس لیئے وہ ان کے اہل وعیال اور مال ومتاع کی حفاظت کریں گے۔ چونکہ مجھے ان سے نسب میں قرابت نہیں، اس لیے میں نے ان میں کوئی امدادی پیدا کرنا چاہا۔ میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ میں دین سے مرتد ہوکر کفر کی رضاجوئی کروں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو مخاطب ہوکر فرمایا، "بہرحال حاطب نے تم سے ٹھیک ٹھیک بات کہہ دی ہے:" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، یہ شخص بدری ہے اور کون کہہ سکتا ہے، کہ خدا کو بدریوں کا علم نہیں تھا۔ جبھی تو اس نے فرمادیا تھا: (اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ) اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔ (يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُوْنَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ تا فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيْلِ) یہ بخاری کی روایت ہے۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے، کہ حاطب کے خط کے الفاظ حسب ذیل تھے:۔

"امابعد، اے قبائل قریش! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرف ایک ایسا جرّار لشکر جو طوفان کی طرح بڑھتا آرہا ہے، لے کر آرہے ہیں۔ بخدا اگر وہ اکیلے ہی حملہ آور ہوئے، تو خدا انہیں کامیاب کرے گا۔ اور ان کی خواہش کو پورا کرے گا۔ تم اپنے بچاؤ کا بندوبست کرلو۔ والسلام۔"

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آس پاس کے قبائل، بنو اسلم، غفار، مُزینہ، جُہینہ، اشجع اور سلیم کو امداد کے لیے طلب فرمایا۔ ان میں سے کچھ وہ تھے، جو مدینہ منورہ آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہو گئے اور کچھ راستے میں آکر مل گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینے کی سیادت عطا کی۔ ہجرت کے آٹھویں سال ماہ رمضان کے دو دن گزرے تھے کہ آپ نے بدھوار کے دن بعد از عصر کوچ فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ دس دن گزر چکے تھے۔ ایک روایت میں ہے، کہ رمضان کے اکثر دن گزر چکے تھے۔ مسلمانوں کی تعداد دس ہزار تھی اور ایک روایت ہے، کہ بارہ ہزار تھی۔ حضرت عباس نے مکے سے بعد از قبولِ اسلام ہجرت کی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جحفہ کے مقام پر آملے تھے اور پیشتر ازیں وہ مکے میں سقایہ کی خدمات سرانجام دینے کے لیے ٹھہرے ہوئے تھے۔ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ اور جو لوگ آپ کو راستے میں ملے تھے، ان میں آپ کے عمزاد اور حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی نسبت سے رضاعی بھائی ابو سفیان بن حارث اور ان کے بیٹے جعفر بھی تھے۔ ابو سفیان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے الفت تھی لیکن جب آپ کی بعثت ہوئی، تو وہ مخالف ہو گیا تھا۔ اور آپ کی ہجو کیا کرتا۔ ان دونوں کی ملاقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ مقام ابواء ہوئی اور فتح مکہ سے پہلے ہر دو مسلمان ہو گئے۔ جب آپ قدید کے مقام پر پہنچے، تو آپ نے عَلَم تیار کرائے۔ اور مختلف قبائل کے حوالے کیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عشاء کے وقت مرالظہران پہنچے، صحابہ کو آگ جلانے کا حکم دیا، اور دس ہزار آگ کے الاؤ بھڑک اٹھے۔ تاحال قریش کو آپ کی روانگی کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ اور وہ پریشان تھے، کیونکہ انہیں آپ کے حملے کا خطرہ تھا۔ قریش نے ابو سفیان بن حرب کو روانہ کیا، کہ اگر تمہیں راستے

یں محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملاقات ہو جائے تو امان کی درخواست کرنا۔

پس ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بیں ورقا ادھر کو چل دیئے۔ جب مرالظہران کے مقام پر پہنچے اور اسلامی لشکر کو دیکھا، تو گھبرا گئے۔ اس اثنار میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کے محافظوں کی نظر ان پر پڑی انہوں نے ان کا پیچھا کیا پکڑ لیا اور آپ کے پاس لے آئے۔ ابوسفیان اسلام لے آیا، جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے نکلا، تو آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا، کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر روک رکھو، تاکہ اسلامی لشکر کی آن بان کو دیکھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے تعمیل کی۔ اسلامی لشکر کے دستے یکے بعد دیگرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں گزرنا شروع ہوئے۔ ایک دستہ گزرا تو ابوسفیان نے پوچھا یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، یہ بنو غفار ہیں۔ مجھے ان سے کوئی غرض نہیں، ابوسفیان نے کہا۔ پھر بنو جہینہ آئے، ابوسفیان نے وہی الفاظ دہرائے۔ آخر ایک ایسا دستہ آیا، جو سب سے مختلف تھا۔ پوچھا یہ کون ہیں، کہا یہ انصار ہیں۔ ان کے امیر سعد بن عبادہ ہیں جو اپنا عَلَم اٹھائے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا، اے ابوسفیان! آج جنگ کا دن ہے، اور آج کعبے کی حرمت بھی حلال کردی گئی ہے۔ ایک روایت میں ہے، کہ آج ناجائز اشیار جائز کر دی گئی ہیں۔ کسی مہاجر نے یہ بات سُن لی۔ اس نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بات موزوں معلوم نہیں ہوتی، کہ سعد قریش پر دھونس جمائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے فرمایا، سعد کو تلاش کر کے اس سے عَلَم لے لو، اور تم خود لے کر چلو۔ ایک روایت میں ہے، کہ ابوسفیان نے (جو کچھ پیش آیا تھا) کے بارے میں حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے دریافت کیا، آیا آپ نے اپنی قوم کے قتل کی اجازت دی ہے، فرمایا نہیں۔ اس پر اس نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا

واقعہ بیان کیا۔ پھر ابوسفیان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کے نام پر رحم کی اپیل کی۔ آپ نے فرمایا، اے ابوسفیان! آج رحم اور شفقت کا دن ہے، اور اللہ تعالیٰ قریش کی عزت میں اضافہ کرے گا۔ پھر سعد کو طلب فرمایا۔ اور عَلَم ان سے لے کر ان کے بیٹے قیس کے حوالے کر دیا۔

موسیٰ بن عقبہ راوی ہیں، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو مہاجرین اور ان کے سواروں کا امیر مقرر فرمایا، اور حکم دیا، کہ کدا، کی طرف سے مکے کے بلند حصے میں داخل ہوں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنو قضاعہ اور سُلیم وغیرہ کا کماندار بنا کر حکم دیا۔ کہ وہ مکے کے نچلے حصے کی طرف سے داخل ہوں۔ اور قریبی بستیوں کے پاس اپنے عَلَم کو گاڑیں۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو انصار کے دستے پر جو مقدمۃ الجیش میں تھا متعین کیا۔ اور حکم دیا۔ کہ وہ اپنے ہاتھ روکے رکھیں اور صرف اُس سے لڑیں، جو اُن سے لڑے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پہلو بچا کے نکل آئے۔ تا آنکہ مکے کے نچلے حصے کی طرف سے شہر میں داخل ہو گئے۔ وہاں بنو بکر، بنو حارث بن مناف کے علاوہ بنو ہذیل اور احابیش بھی، جن کے بل بوتے پر قریش کو فتوحات حاصل ہوتی تھیں، جمع تھے۔ ان میں اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ میں جنگ ہو گئی اور بنو بکر کے بیس آدمی اور بنو ہذیل کے تین یا چار آدمی مارے گئے اور لڑائی حزورہ تک جو مسجد کے دروازے کے پاس ہے پھیل گئی، اور لوگ گھروں میں داخل ہو گئے۔ ان میں سے ایک گروہ بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ ابوسفیان نے چلا کر کہا، جو شخص بھی اپنا ہاتھ روک لے گا اور دروازہ بند کر لے گا۔ وہ محفوظ ہو گیا۔ اس اثنا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چمکتی تلواریں دیکھیں، پوچھا، یہ کیا ہے، مَیں نے تو خونریزی سے منع کیا تھا، لوگوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ!

خالد بن ولید پر حملہ کیا گیا تھا۔ اور انہیں لڑے بغیر اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا مزید اطمینان کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب خالد رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کہ جب میں نے منع کر دیا تھا، تو تم نے خونریزی کیوں کی۔ انہوں نے جواب دیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان لوگوں نے ابتدا کی، حالانکہ جہاں تک ہو سکا، میں نے ہاتھ روکے رکھا۔ فرمایا، قضائے الٰہی میں بہتری ہے۔

جب ابوسفیان ایمان لے آیا، اور کلمۂ شہادت پڑھا، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوسفیان ایسا آدمی ہے، جو بڑائی کو پسند کرتا ہے، اس لیے آپ اسے تھوڑا سا امتیاز دے دیں، فرمایا، ٹھیک ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے منادی کرا دی، کہ جو شخص مسجد میں داخل ہو جائے گا محفوظ رہے گا۔ نیز جو اپنا دروازہ بند کر لے گا، وہ بھی مامون و محفوظ ہو گا۔ اسی طرح جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ بھی محفوظ ہو گا۔ ہاں کچھ لوگ مستثنیٰ ہیں اور وہ بقول واقدی (جیسا کہ اس نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے) صرف دس آدمی تھے، جن میں چھ مرد اور چار عورتیں تھیں۔

مسلم اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حصۂ لشکر پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اور دوسرے پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو متعین فرمایا، اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو غیر مسلح دستے کی سیادت عطا کی تھی، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا، اے ابوہریرہ! انصار کو میرے پاس بلاؤ، میں نے انہیں آواز دی اور وہ آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ فرمایا، اے انصار! تم قریش کے اوباشوں اور ان کے چیلے چانٹوں کو دیکھ رہے ہو۔ پھر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، تم انہیں یوں کاٹ کر رکھ دو اور کوہِ صفا پر

میرے پاس پہنچ جاؤ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ ہم اس مشن پر روانہ ہو پڑے، اور بادلِ نخواستہ انہیں موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ اس پر ابو سفیان دربارِ رسالت میں حاضر ہوا، کہنے لگا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے قریش کے سربرآوردہ لوگوں کا خون مباح کر دیا ہے، تو آج سے بعد قریش کا خاتمہ سمجھیئے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے دروازہ بند کر لیا اسے امان ہے۔

روایت میں ہے کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کی شکل میں اللہ کے فضل وکرم کو دیکھا تو آپ نے ازراہِ انکسار سر کو اتنا جھکایا، کہ پالان کے قریب پہنچ گیا۔ اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ کہ اس نے اس شہر کو (بزورِ شمشیر) فتح کرنے کی اجازت دی۔ جو نہ اس سے پہلے کسی کو دی گئی تھی اور نہ بعد میں دی جائیگی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ فتح مکہ کے دن آپ کے سر پر خود تھا۔ (یہ ٹوپی کی طرز کا ایک پہناوا ہوتا ہے، جو لوہے کی تاروں سے بُنا جاتا ہے) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے سر پر سیاہ پگڑی تھی۔ فتح مکہ کے دوسرے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا، خدا کی حمد وثنا اور تعریف بیان فرمائی۔ اس کے بعد کہا "اے لوگو! خدا نے جس دن زمین وآسمان پیدا کیے، مکّے کو حرام قرار دیا، اور وہ خدا کے حکم کے تحت قیامت تک حرام ہے۔ اور جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان لاتا ہے اس کے لیے نہ تو یہاں خونریزی حلال ہے اور نہ کسی درخت کا کاٹنا۔ اور اگر کوئی شخص میری مثال کو سامنے رکھ کر خونریزی کا جواز تلاش کرے، تو اسے کہہ دینا، کہ خدا نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دی تھی۔ لیکن تم اس کے مجاز نہیں ہو سکتے مجھے اس کی اجازت صرف آج تھوڑے سے وقت کے لیے ملی ہے۔ چنانچہ

اس کی وہ حرمت پھر اسی طرح بحال ہوگئی ہے، جس طرح کل تھی پس وہ لوگ جو حاضر ہیں، وہ اسے ان لوگوں تک پہنچادیں۔ جو حاضر نہیں ہیں" پھر فرمایا، "اے قریش! تمہارا کیا خیال ہے، کہ میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟" کہنے لگے، ہم آپ سے بھلائی کی توقع رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ اچھے بھائی ہیں اور اچھے بھتیجے ہیں۔ فرمایا، جاؤ تم آزاد ہو (نہ تمہیں غلام بنایا گیا ہے اور نہ جنگی قیدی بنایا گیا ہے)۔"

جب مکہ فتح ہوگیا، تو انصار آپس میں کہنے لگے، کہ اب جو فتح خدا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کی ہے۔ اغلب یہی ہے، کہ آپ مکے میں ہی قیام فرمائیں گے۔ آپ اس وقت کوہِ صفا پر ہاتھ اٹھائے دعا میں مصروف تھے، جب فارغ ہوئے، تو دریافت فرمایا، "تم کیا کہہ رہے تھے"۔ انہوں نے کہا، "کچھ نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔ آپ نے اصرار کیا تو انصار نے بتادیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، معاذ اللہ، میری زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کا طواف کر رہے تھے، تو فضالہ بن عمیر نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب آیا، تو آپ نے پوچھا، فضالہ! تم اپنے آپ سے کیا باتیں کر رہے تھے، کہنے لگا، کچھ نہیں یارسول اللہ، میں خدا کو یاد کر رہا تھا۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم مسکرائے اور فرمایا استغفر اللہ! پھر آپ نے اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھا، جس سے اس کا دل مطمئن ہو گیا۔ فضالہ کہا کرتے، کہ جوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے سینے سے اٹھایا، میں نے یوں محسوس کیا، گویا خدا نے آپ سے محبوب تر کوئی اور چیز دنیا میں پیدا کی ہی نہیں۔

علامہ ابن النقیب المقدسی کی تفسیر میں مذکور ہے، کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے دیکھ لیا کہ خدا نے دشمنوں کے خلاف امداد کا وعدہ پورا کر دیا ہے، مکّہ فتح ہوگیا ہے اور دینِ الٰہی کا نام بلند ہوگیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے حکم دیا، کہ جب آپ مکّے میں داخل ہوں تو آپ یہ آیت پڑھیئے۔ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ، اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا[1]۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کعبے کے گرد بتوں کو اپنے عصا سے چھوتے تھے۔ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ پڑھتے تھے، اور بت زمین پر گر پڑتے تھے، حالانکہ وہ زمین میں لوہے اور چونے سے گڑے ہوئے تھے اور سال کے دنوں کے حساب سے کُل تین سو ساٹھ بت تھے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم فتح مکہ کے دن اپنی اونٹنی قصوا، پر سوار تھے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے بیٹھے تھے، آپ نے اونٹنی کو کعبے کے صحن میں بٹھایا، پھر عثمان بن طلحہ (کلید بردار) کو بلایا اور فرمایا، کہ کعبے کی کنجی لاؤ۔ وہ اپنی ماں کے پاس گئے اس نے انکار کر دیا۔ اس پر وہ کہنے لگے، بخدا تجھے چابی دینا پڑے گی۔ ورنہ یہ تلوار میرے آر پار ہو جائے گی۔ بڑھیا نے چابی دے دی۔ وہ لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے، اور آپ کے حوالے کر دی۔ آپ نے کعبے کا دروازہ کھولا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

طبقاتِ سعد میں حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جاہلیت میں کعبے کا دروازہ منگوار اور جمعرات کے دن کھولا کرتے تھے۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ لوگوں کے ساتھ اندر داخل ہونا چاہتے تھے۔ مَیں نے آپ سے سختی کی اور چابی چھین لی۔ آپ مجھ سے پرے ہٹ گئے فرمایا۔۔ اے عثمان! بالیقین تم جلدی ہی ایک دن یہ چابی میرے ہاتھوں میں دیکھو گے اور مَیں جسے چاہوں گا، دوں گا۔" مَیں نے کہا" وہ دن قریش کی تباہی

[1] الاسراء : ۸۱

اور ذلت کا دن ہو گا" فرمایا "نہیں، وہ دن، ان کی عزت اور ترقی کا دن ہو گا"
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کعبے کے اندر داخل ہوئے، اور میرے بارے میں آپ کی
بات درست ثابت ہوئی، مجھے یقین تھا کہ آج وہی بات ہو کر رہے گی، جو آپ نے
کہی تھی۔ بہرحال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چابی مجھے واپس دے دی۔ اور فرمایا
"اسے لے لو ہمیشہ کے لیے ابدی طور پر۔ تم سے اے عثمان کوئی ظالم آدمی ہی چھینے
گا۔ خدا نے تمہیں اپنے گھر کا امین مقرر کیا ہے۔ اس لیے جو کچھ تم درست طور پر اس
گھر کی معرفت کھاسکو، وہ تمہیں ملتا رہے گا۔" جب میں نے چابی لے لی تو حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا، میں حاضر ہوا، تو فرمایا، کیا میں نے تمہیں یہی بات
نہیں کہی تھی۔ عثمان رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات
یاد آگئی۔ جو ہجرت سے پہلے آپ نے فرمائی تھی۔ "تم جلدی ہی دیکھو گے، کہ یہ چابی
میرے ہاتھ میں ہوگی، اور میں جسے چاہوں گا، دوں گا۔" میں نے کہا "میں شہادت
دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔" اور ذیل کی آیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
کے بارے میں اتری:۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ
اِلٰٓى اَهْلِهَا[1]

بہ روایت مسلم، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اسامہ بن زید، حضرت بلال اور
عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہما کعبے کے اندر داخل ہوئے، اور دروازہ بند کر لیا۔ ابن عمر
راوی ہیں، جب دروازہ کھلا، تو سب سے پہلے میں اندر داخل ہوا، حضرت بلال
رضی اللہ عنہ سامنے آئے۔ میں نے ان سے پوچھا، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نفل
ادا کیے تھے۔ انہوں نے کہا، ہاں، رکن یمانی کے دو ستونوں کے درمیان ادا کیے۔
اور مجھے یہ پوچھنا یاد نہ رہا کہ کتنی رکعت پڑھیں۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے
کہ ایک ستون آپ کے بائیں ہاتھ، ایک دائیں ہاتھ تھا۔ اور تین آپ کے پیچھے تھے۔

[1] سورۃ النساء : ۵۸

علامہ ازرقی اور فاکہی نے کتاب مکہ میں لکھا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس مقام پر نماز ادا کی تھی؟ کہا کہ تم دیوار سے دو یا تین ہاتھ کے فاصلے پر کھڑے ہو پس جو شخص اس باب میں رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی اتباع کرنا چاہتا ہے، اسے چاہیئے کہ وہ اپنے اور دیوار کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ رکھے۔ اس طرح اس کے قدم اگر تینوں ہاتھ مساوی ہوئے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی جگہ پر پڑیں گے اور اگر فاصلہ تین ہاتھ سے کم ہوا، تو اس کے گھٹنے یا ہاتھ یا اس کا منہ وہاں تک پہنچے گا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کے اندر داخل ہوئے تو آپ نے دیوار کعبہ پر تصاویر دیکھیں، پانی کا لوٹا منگوایا جو اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے لا کر دیا۔ آپ نے وہ تصاویر مٹائیں، فرمایا، خدا اس قوم سے سمجھے، جو ان اشیاء کی تصویریں بناتے ہیں جنہیں وہ پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ ابو داؤد کی روایت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ دن مکے میں قیام فرمایا، ایک روایت میں اس سے زیادہ دنوں کا ذکر ہے۔ مکے کی فتح رمضان کی انیس تاریخ کو ہوئی۔

سریہ حضرت خالد بن ولید: یہ مہم فتح مکہ کے بعد نخلہ کے مقام کو عزیٰ کے خلاف ہجرت کے آٹھویں سال رمضان کی پچیس تاریخ کو روانہ ہوئی۔ یہ قریش اور کنانہ کا سب سے بڑا بت تھا۔ حضرت خالد کے ساتھ تیس سوار تھے تاکہ عزیٰ کے بت خانہ کو گرا دیں۔ چنانچہ انہوں نے گرا دیا۔ جب وہ واپس آئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی کارگزاری کی روئداد سنائی تو آپ نے پوچھا، تم نے کوئی (غیر معمولی) چیز وہاں دیکھی، کہا نہیں، فرمایا، پھر تو بلاشبہ

تُو نے اسے نہیں گرایا۔ جاؤ اور اسے گرا دو۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تلوار سونت لی۔ اس پر ایک ننگی سیاہ عورت سامنے آئی جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اور دربان بت خانہ اس کے اندر پر چیخ رہا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسے تلوار سے دو ٹکڑے کر دیا۔ اور واپس آکر آپ کو بتایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، یہ تھی عزیٰ جو مایوس ہو چکی تھی، کہ اب تمہارے شہروں میں اس کی عبادت نہیں کی جائے گی۔

سریہ حضرت عمرو بن العاص :- جب مکہ فتح ہوا، تو یہ مہم سواع کے خلاف جو بنو ہذیل کا بت تھا اور مکے سے تین میل کے فاصلے پر نصب تھا، ہجرت کے آٹھویں سال رمضان کے مہینے میں بھیجی گئی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں، میں وہاں پہنچا تو ایک دربان کو دیکھا، کہنے لگا، کیوں آئے ہو؟ میں نے کہا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے گرانے کا حکم دیا ہے۔ کہنے لگا، یہ تمہارے بس میں نہیں ہے، کہا کیوں۔ کہنے لگا، تمہیں روک دے گا میں نے کہا خدا تجھ سے سمجھے، کیا وہ سنتا ہے یا دیکھتا ہے، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں، میں نے قریب جا کر توڑ دیا، اور دربان سے مخاطب ہو کر کہا، دیکھا تُو نے، کہنے لگا، میں اسلام لے آیا ہوں۔

سریہ حضرت سعد بن زید الاشہلی :- یہ مہم فتح مکہ کے بعد رمضان المبارک کے مہینے میں منات کے خلاف جو اوس اور خزرج کا بت تھا اور مشلل میں نصب تھا، بیس سواروں کے ساتھ روانہ ہوئی، دربان نے پوچھا، تمہارا کیا ارادہ ہے، کہا، ہم منات کو گرانا چاہتے ہیں، دربان نے کہا، اچھا تم جانو اور وہ۔ سعد ادھر جا رہے تھے، کہ ایک سیاہ فام ننگی بوڑھی عورت جس کے بال بکھرے ہوئے تھے، سامنے آگئی۔ جو رو رہی تھی اور سینہ کوبی کر رہی تھی

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ پھر وہ ساتھیوں سمیت بت کی طرف بڑھے، اور اسے توڑ پھینکا۔ اور واپس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹ آئے۔ یہ واقعہ رمضان کی چوبیس تاریخ کو پیش آیا۔

سریہ حضرت خالد بن ولید :- یہ مہم ہجرت کے آٹھویں سال شوال کے مہینے میں بنو جزیمہ کے خلاف جو بنو عبد القیس کی جو مکے کے نچلے حصّے میں رہتے تھے شاخ تھی روانہ ہوئی۔ بنو جذیمہ یلملم کے مقام پر، جو مکّے سے ایک دن کے فاصلے پر واقع ہے، رہتے تھے۔ (اس واقعے کو یوم الغُمیصاء کہتے ہیں،) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکّے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب خالد رضی اللہ عنہ عزیٰ کے انہدام سے فارغ ہو کر مکّے آئے، تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو پچاس آدمیوں کی رفاقت میں انہیں دعوتِ اسلام کے لیے (نہ کہ خوں ریزی کے لیے) روانہ کیا۔ جب وہاں پہنچے تو اُن سے پوچھا، کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا، ہم مسلمان ہیں، نماز پڑھتے ہیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم نے تصدیق کی ہے اور اپنی بستیوں میں مسجدیں تعمیر کر رکھی ہیں۔ بخاری میں ہے کہ وہ اس مفہوم کو باحسن طریق بیان نہ کر سکے، اور اَسْلَمْنَا کی بجائے صَبَانَا (ہم صابی ہو گئے ہیں) کا لفظ استعمال کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے آدمیوں کو کہا کہ انہیں پکڑ لو۔ انہوں نے پکڑ لیا۔ اس پر بعض آدمیوں کو کھلا چھوڑ دیا، اور بعض کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے اور انہیں اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ جب سحر ہوئی تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک منادی نے باآوازِ بلند کہا، کہ جس کے پاس بھی کوئی قیدی ہے اسے قتل کر دو۔ چنانچہ بنو سلیم نے اپنے قیدی قتل کر دیئے، لیکن مہاجرین اور انصار نے اپنے قیدی چھوڑ دیئے جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا فرمایا، اے خدا! میں خالد کے فعل سے بری الذمہ ہوں۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو روانہ کیا، جنہوں نے ان کا خون بہا ادا کیا۔
الخطابی کی رائے ہے، کہ ممکن ہے، کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان سے اسلام کا لفظ نہ استعمال کرنے کا انتقام لیا ہو، کہ انہوں نے دینِ اسلام کی اطاعت نہیں کی، چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس تاویل کی بنا، پر انہیں قتل کیا۔ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جلد بازی اور ان کے لفظ "صبانا" کا مفہوم جاننے سے پہلے ترکِ احتیاط کو ناپسند فرمایا۔

غزوۂ حنین:- حنین طائف کے قریب ایک وادی کا نام ہے، جو مکّے سے تین دن کی مسافت پر ہے۔ اسے غزوۂ ہوازن بھی کہتے ہیں۔
جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتحِ مکّہ اور اس کے نظم ونسق سے فارغ ہوئے اور عام لوگ اسلام لے آئے۔ تو بنو ہوازن اور ثقیف کے سردار باہم ملے، لشکر جمع کیا اور مسلمانوں سے لڑنے کا ارادہ کیا۔ ان کا سردارِ اعلیٰ مالک بن عوف النصری تھا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف ہفتے کے دن شوال کی چھ تاریخ کو بارہ ہزار مسلمانوں کے ساتھ جن میں دس ہزار مدنی اور مکّے کے دو ہزار نومسلم شامل تھے، مکے کی سیادت عتّاب بن اُسید رضی اللہ عنہ کے سپرد کی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حنین کے مقام پر منگل کی رات کو شوال کی گیارہ تاریخ پہنچے۔ اس موقعہ پر ایک آدمی آپ کی خدمت میں آیا، اس نے کہا، کہ میں ابھی آپ کے سامنے سے گزر کر فلاں پہاڑ تک گیا ہوں، وہاں میں نے بنو ہوازن کو جو بنو بکر کی نسل سے ہیں، عورتوں، اونٹوں اور بکریوں کے ساتھ حنین میں دیکھا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ کل انشاءاللہ مسلمانوں کے مالِ غنیمت میں شامل ہوں گے۔ وہ کہنے لگا، کہ ہم اس تھوڑے سے لشکر سے اب مغلوب نہیں ہوں گے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار گزری۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر دلدل پر سوار ہوئے، آپ نے دو زرہیں، خود اور لوہے کی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ مقابلے میں ہوازن کے لشکر کا حد و شمار نہ تھا۔ یہ جنگ آخرِ شب کی تاریکی میں ہوئی۔ چنانچہ دستہ ہائے فوج نے وادی کے تنگ درّے سے نکل کر یک دست حملہ کر دیا۔ اور بنو سلیم اور ان کی پیروی میں اہلِ مکہ اور باقی لوگ بھاگ کھڑے ہوئے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوائے حضرات عباس، علی بن ابی طالب، فضل بن عباس، ابو سفیان بن حارث، ابو بکر، عمر، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم اور چند اور اہلِ بیت اور صحابہ کے اور کوئی باقی نہ رہا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خچر کی لگام اس ڈر سے پکڑ رکھی تھی، کہ کہیں وہ دشمن تک نہ پہنچ جائے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کے لشکر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ حضرت ابو سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب کو تھامے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ کہ باآواز بلند یا معشر الانصار اور یا اصحاب السمرہ کہہ کر آواز دو (سمرہ وہ درخت تھا جس کے نیچے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیعتِ رضوان لی تھی، کہ وہ میدانِ جنگ سے نہیں بھاگیں گے۔) حضرت عباس رضی اللہ عنہ کبھی یا اصحاب السمرہ اور کبھی یا اصحاب سورۃ البقرۃ کہہ کر پکارتے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بلند آواز تھے۔ جب مسلمانوں نے ان کی آواز سنی، تو وہ یوں واپس لوٹے، جس طرح اونٹنی اپنے بچے کی طرف بھاگتی ہے۔

مسلم میں روایت ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ جب انہوں نے میری آواز سنی، تو وہ یوں لبیک لبیک کہتے لوٹے، جیسے کہ گائے بچھڑے کی طرف لوٹتی ہے۔ وہ سب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یوں لوٹے، کہ اگر کسی کا اونٹ نہ رک سکا۔ تو اس نے نیچے چھلانگ لگا دی۔ اونٹ کو چھوڑ دیا، اور خود

حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پاس پہنچ گیا۔ آپ نے انہیں مل کر حلہ بولنے کا حکم دیا، اور کفار سے مصروف جنگ ہو گئے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سر اوپر اٹھا کر انہیں لڑتے دیکھا، تو فرمایا۔ کہ جنگ کا تنور اب بھڑکا ہے۔ (گھمسان کا رن پڑے تو یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ ایسا فصیح محاورہ ہے، جو اس سے پہلے نہیں سنا گیا تھا۔)۔

بخاری میں حضرت براء سے روایت ہے، کسی نے ان سے دریافت کیا، کہ کیا تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہیں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اس نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر کھڑے رہے تھے۔ جب ہم نے ہوازن پر حملہ کیا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور ہم مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے، تو چونکہ وہ اچھے تیرانداز تھے، اس لیے انہوں نے تیروں سے ہمارا استقبال کیا۔ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سفید خچر پر سوار دیکھا تھا، اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اس کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے تھے :۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین سے کچھ کنکر اٹھائے، پھر فرمایا، تمہارے چہرے مسخ ہوں اور مشرکین کے منہ پر دے مارے۔ چنانچہ ہر آدمی کی آنکھیں ان سے اٹ گئیں۔ مسلم کی روایت میں ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زمین سے مٹھی بھر مٹی اٹھائی۔ اور امام احمد وغیرہ کی روایت میں ہے، کہ جب مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے فرمایا، میں "اللہ کا بندہ اور رسول ہوں، میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔" پھر آپ نے مٹھی بھر مٹی زمین سے اٹھائی اور ان کے منہ پر دے ماری اور فرمایا، تمہارے چہرے مسخ ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دی۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زین ایک طرف کو جھک گئی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا آپ

کو بلندی نصیب فرمائے، آپ اسے ذرا اونچا کر لیں۔ مجھے حکم دیا، مٹھی بھر مٹی مجھے اٹھا کے دو۔ آپ نے ان کے منہ پر دے ماری، چنانچہ ان کی آنکھیں مٹی سے اٹ گئیں۔ مہاجرین اور انصار لوٹے اور تلواریں یوں چمک رہی تھیں، جیسے ستارے، مشرکین بھاگ اٹھے۔

عبدالرحمٰن فہری سے روایت ہے کہ مہاجرین اور انصار کے بیٹوں نے اپنے آباء سے روایت کی کہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا آدمی نہیں رہ گیا تھا جس کا منہ اور آنکھیں مٹی سے اٹ نہ گئی ہوں اور ہم نے آسمان سے ایسی آواز سنی، جس طرح لوہے کو نئے تھال سے ٹکرایا جائے۔ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا۔ جنود سے مراد فرشتے ہیں۔

سیرۃ دمیاطی میں مذکور ہے، کہ بالخصوص حنین کے دن فرشتوں نے سرخ پگڑیاں کندھوں پر لٹکا رکھی تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ جس پر بھی بس چل سکے اسے موت کے گھاٹ اتار دو۔ مسلمانوں نے قتل کا سلسلہ بچوں تک پھیلانا چاہا، مگر آپ نے اس سے منع کر دیا، پھر فرمایا، جو شخص بھی کسی کو قتل کرے گا، اور اس کے پاس ثبوت ہو گا، تو اس کے ہتھیار اسے ملیں گے۔ اس دن اکیلے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیس آدمیوں کے ہتھیار اتارے تھے۔

اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے تعاقب کا حکم دیا، چنانچہ کچھ طائف کو، کچھ نخلہ کو اور کچھ وادی اوطاس کو چلے گئے۔ مسلمانوں میں سے چار آدمی جن میں ایمن الحبشی بھی شامل تھے، شہید ہوئے، اور کفار میں مرنے والوں کی تعداد ستر سے زیادہ تھی۔

حضرت ابوعامر الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سریہ حضرت ابوعامر الاشعری:۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعری کے چچا تھے۔

جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حنین کی جنگ سے فارغ ہوئے، تو آپ نے ابو عامر رضی اللہ عنہ کو، بنو ہوازن کے بھگوڑوں کے تعاقب میں روانہ فرمایا، ان کے ساتھ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب یہ وہاں پہنچے، تو جو لوگ وہاں جمع تھے، وہ ان کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ ان میں سے جناب ابو عامر رضی اللہ عنہ نے نو بھائیوں کو دعوتِ اسلام کے بعد جنگِ یکی میں قتل کر دیا۔ وہ دعوت دینے کے بعد کہتے۔ "اے اللہ تو گواہ رہیو" ان میں سے ایک نے کہا، "مجھ پر گواہ نہ رہیو" ابو عامر رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ بھاگ گیا اور بعد میں اسلام لے آیا۔ اور مخلص ثابت ہوا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی اسے دیکھتے، فرماتے، یہ ابو عامر کا بھگوڑا ہے۔

حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ پر حارث العلاء کے دونوں بیٹوں نے اس شدت کی تیر اندازی کی، کہ وہ شہید ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت ابو موسیٰ الاشعری نے ان کی جگہ لے لی۔ دشمنوں سے نبرد آزما ہوئے۔ خدا نے انہیں فتح عطا کی اور انہوں نے حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے قاتل کو قتل کر دیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے خدا تو ابو عامر کو معاف کر دے اور اسے جنت میں میری امت کے بہترین آدمیوں میں شامل کر۔ جنگی قیدیوں میں، حضرت شیما بھی تھیں، جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن تھیں۔

سریۂ حضرت طفیل بن عمرو الدوسی:۔ جب شوال میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا ارادہ کیا تو یہ مہم ذی الکفین کے خلاف جو لکڑی کا ایک بت تھا، روانہ فرمائی، تاکہ وہ اسے منہدم کرنے کے بعد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طائف میں جا کر مل جائیں۔ وہ جلدی جلدی روانہ ہوئے، اسے گرایا، اور پھر اسے جلانے کے لیے اس پر آگ پھینکتے تھے، اور یہ شعر پڑھتے تھے:۔

يَا ذَا الْكَفَّيْنِ لَسْتُ مِنْ عُبَّادِكَا　　مِيلَادُنَا أَقْدَمُ مِنْ مِيلَادِكَ
إِنِّي حَشُوْتُ النَّارَ فِي فُؤَادِكَا

اے ذوالکفین مَیں تیرے پجاریوں میں نہیں ہوں۔ ہماری پیدائش تمہاری پیدائش سے قدیم تر ہے۔ اور مَیں تیرے دل میں آگ جھونک رہا ہوں۔

اس کے ساتھ اس کی قوم سے چار سو آدمی علیحدہ ہو کر جلدی جلدی روانہ ہوئے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چار دن کے بعد طائف میں جا کر مل گئے۔

غزوہ طائف:- یہ ایک بڑا شہر ہے، جو مکے سے تین منزل پر واقع ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ حنین کے بعد ہجرت کے آٹھویں سال شوال کے مہینے میں طائف کو روانہ ہوئے۔ مالِ غنیمت کو جعرانہ میں روک لیا گیا تھا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مقدمۃ الجیش پر متعین تھے۔ بنو ثقیف جب اوطاس سے بھاگ گئے تھے، تو طائف میں آکر قلعہ میں گھس گئے اور جب انہوں نے سال بھر کا راشن قلعے میں بھر لیا، تو دروازے بند کر لیے اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قلعہ کے قریب پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ اہلِ طائف نے مسلمانوں پر شدید تیر اندازی کی اور بارہ مسلمان شہید ہو گئے۔ چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر وہاں آگئے، جہاں اب طائف کی مسجد واقع ہے امہات المؤمنین میں سے حضرت سلمہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں۔ ان کے لیے آپ نے دو خیمے لگوا دیئے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محاصرہ طائف کے دوران میں ان دو خیموں کے درمیان نماز ادا کرتے تھے۔ محاصرہ اٹھارہ دن جاری رہا، پھر منجنیق لگائی گئی۔ اسلام میں یہ پہلی منجنیق تھی، جو اس موقعہ پر استعمال کی گئی تھی۔ اس کے بعد آپ نے ان کے انگوروں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے شد و مد سے کاٹنا شروع کر دیا۔ پھر اہلِ طائف نے حضور نبی کریم

سے التجا کی کہ خدا کے لیے ہم پر رحم کیجئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اچھا مَیں خدا کے لیے تم پر رحم کرتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے یہ اعلان کرا دیا کہ اہلِ طائف کا جو غلام بھی قلعے سے نکل کر ہمارے پاس آجائے گا، وہ آزاد کر دیا جائے گا۔ چنانچہ تئیس غلام جن میں ابوبکرہ بھی شامل تھا، آکر مسلمانوں سے مل گئے۔

چونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح طائف کا حکم نہیں ملا تھا، اس لیے آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، اہلِ لشکر کو کہیں کہ وہ کوچ کریں۔ لوگوں نے احتجاج کیا کہ فتح طائف سے پہلے حکم دیا جا رہا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اچھا کل جنگ ہوگی، چنانچہ دوسرے دن کئی مسلمانوں کو زخم آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم پھر واپس آئیں گے۔ اس پر اہلِ لشکر خوش ہو گئے اور انہیں تسلّی ہوگئی، چنانچہ وہ کوچ کر رہے تھے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرا رہے تھے۔ اس دن کی لڑائی میں ابوسفیان صخر بن حرب کی ایک آنکھ باہر نکل آئی تھی، ابن سعد راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان سے، جب اس نے آنکھ ہاتھ پہ رکھی ہوئی تھی، فرمایا، تجھے کون سی بات پسند ہے، جنت میں (اس کے بدلے میں) ایک آنکھ یا مَیں اللہ سے دعا کروں، کہ اسے اپنی جگہ پر واپس کر دے، انہوں نے جواب دیا، مَیں جنّت میں ایک آنکھ لینا پسند کروں گا۔ چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے وہ آنکھ پھینک دی۔ وہ جنگ یرموک میں شریک تھے کہ وہاں ان کی دوسری آنکھ بھی نکل گئی۔

جب لشکر نے کوچ کیا، فرمایا، لا الٰہ الّا اللہ پڑھو اور اس کا شکر ادا کرو، جس خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کو کامیابی عطا کی اور مخالف لشکروں کو شکست دی، جب لشکر روانہ ہُوا، تو آپ نے فرمایا:۔ آیِبُوْنَ، تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْن۔ (ہم لوٹ رہے ہیں، توبہ کر رہے ہیں، عبادت گزار ہیں

اور اپنے رب کی تعریف کر رہے ہیں) پڑھتے چلو۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استدعا کی گئی، یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بنو ثقیف کے خلاف بد دعا کیجئے، فرمایا، اے اللہ! تو بنو ثقیف کو ہدایت کر اور انہیں میرے پاس لا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا، کہ تمام قیدی اور مالِ غنیمت جو اللہ نے حنین کے دن رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو ارزانی فرمایا تھا، یہ سب کا سب جعرانہ کے مقام پر جمع کیا جائے۔ چنانچہ یہ سارا مال، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طائف سے واپسی تک وہیں پڑا تھا۔ قیدی چھ ہزار تھے، اونٹ چوبیس ہزار اور بکریاں چالیس ہزار سے زیادہ تھیں۔ اور چار ہزار اوقیہ (ایک اوقیہ چالیس درم کے وزن کے برابر ہوتا ہے) چاندی تھی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس بارہ دن انتظار کیا، کہ شاید بنو ہوازن مسلمان ہو کر آجائیں۔ اس کے بعد آپ نے مالِ غنیمت تقسیم فرما دیا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض آدمیوں کو سینکڑوں اونٹ مرحمت فرمائے۔ اس پر انصار کہنے لگے، خدا رسولِ کریم کو معاف کرے، آپ قریش کو دھڑا دھڑ دے رہے ہیں اور ہمیں چھوڑا جا رہا ہے، حالانکہ ہماری تلواروں سے اب بھی خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی اس بات کا علم ہو گیا۔ آپ نے انہیں چمڑے کے ایک خیمے کے تلے جمع کیا، پھر فرمایا، کیا تم یہ پسند نہیں کرتے، کہ جو لوگ مالِ غنیمت لے کر سواریوں کی طرف لوٹیں، تو تم خدا کے رسول کو لے کر اپنی سواریوں کی طرف لوٹو۔ بخدا جو کچھ تم لے کر واپس ہو گے، وہ اس سے بہتر ہے۔ جو وہ لے کر واپس ہوں گے۔ انصار کہنے لگے، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم راضی ہیں۔

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر تھا۔ اور حنین سے واپس آنے والے لوگ آپ کے ساتھ تھے۔ بدو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چمٹ گئے، تا آنکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کی پناہ لینے پر مجبور ہو گئے، اور آپ کی چادر انہوں نے اچک لی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہو گئے اور فرمایا، میری چادر واپس کر دو، بخدا اگر میرے پاس اس ببول کے کانٹوں کے برابر بھی اونٹ ہوتے، تو میں تم میں تقسیم کر دیتا۔ پھر بھی مجھے تم نہ کنجوس پاؤ گے، نہ جھوٹا اور نہ بزدل، وہاں سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کا احرام باندھا، مکے تشریف لے گئے، پھر مدینہ لوٹ گئے۔ آپ دو مہینے اور سولہ دن باہر رہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو چار سو سوار دے کر یمن کے علاقے میں روانہ فرمایا، اور حکم دیا کہ جب وہ راستے میں قبیلۂ صدا کے پاس سے گزرے تو ان سے جنگ کرے۔ اتنے میں زیاد بن حارث صدائی حاضرِ خدمت ہوا، اس نے لشکر کی روانگی کی وجہ دریافت کی، تو اسے بتا دیا گیا۔ اس نے کہا، یا رسول اللہ! میں ان کی طرف سے وفد بن کر آیا ہوں۔ آپ لشکر کو واپس بلا لیں۔ میں آپ کے سامنے اپنی قوم کا ذمہ لیتا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لشکر کو واپس بلا لیا اور صدائی پندرہ دن کے بعد آکر مسلمان ہو گئے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ بن حصن الفزاری رضی اللہ عنہ کو ہجرت کے نویں سال محرّم کے مہینے میں پچاس سوار (جو نہ مہاجر تھے نہ انصار) بنو تمیم کی بستیوں (سقیا) کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ لوگ رات کو چلتے تھے، اور دن کو چھپ رہتے تھے۔ آخر کار لشکر نے ان پر صحرا میں جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے اور اپنے مویشی چرنے کو چھوڑ رکھے تھے، حملہ کر دیا، اور گیارہ مرد، گیارہ عورتیں اور تیس بچے پکڑ لیے۔ اُن کے دس سردار خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے ان کے قیدی واپس کر دیئے۔

اس کے بعد آپ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو بنو مصطلق کی طرف جو خزاعہ کی ایک شاخ تھی، صدقات جمع کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ زمانۂ جاہلیت میں باہم ان میں دشمنی تھی۔ یہ لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور مسجدیں تعمیر کر لی تھیں، جب انہیں ولید رضی اللہ عنہ کے آنے کا علم ہوا، تو ان میں سے بیس آدمی ضیافت کے اونٹ اور بکریاں لے کر احتراماً و تعظیماً استقبال کو آئے۔ شیطان نے حضرت ولید کے کان میں کہہ دیا، کہ یہ لوگ تمہیں قتل کرنے آ رہے ہیں، چنانچہ وہ ان تک پہنچنے سے پہلے ہی واپس لوٹ گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جا کر کہا، کہ وہ لوگ مسلح ہو کر آئے تھے، اور جمع صدقات سے مجھے روک دیا تھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا۔ جب بنو مصطلق کو اس کا علم ہوا، تو جن سواروں نے ان کا استقبال کیا تھا، وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پہنچ گئے اور ولید کے منہ پر ساری بات آپ کو بتا دی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا [1]۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت انہیں پڑھ کر سنائی۔ اس کے بعد حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ جمع صدقات کے لیے روانہ ہوئے، جو انہیں احکام شریعت کی تعلیم دیتے تھے اور قرآنِ پاک پڑھاتے تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عوسجہ رضی اللہ عنہ کو صفر کی پہلی تاریخ کو بنو عمرو بن حارثہ کی طرف دعوتِ اسلام کے لیے روانہ کیا۔ انہوں نے دعوتِ اسلام سے انکار کر دیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین کی۔ رسولِ کریم نے ان کی کند ذہنی کی بد دعا کی، چنانچہ وہ آج تک اپنی کپکپاہٹ، جلد بازی اور یاوہ گوئی کے لیے بدنام چلے آ رہے ہیں۔

---

[1] الحجرات: ۶

سریہ قطبہ بن عامر :- یہ مہم ہجرت کے نویں سال، بہ جانب خثعم، جو مضافات مکہ میں تربت کے قریب واقع ہے، روانہ ہوئی، اور بیس آدمیوں پر مشتمل تھی، آپ نے ان پر حملے کا حکم دیا تھا۔ ان میں باہم سخت لڑائی ہوئی اور دونوں طرف کافی آدمی زخمی ہوئے۔ اور قطبہ کے ہاتھوں کئی آدمی مارے گئے، وہ ان کے اونٹ، بکریاں اور عورتیں پکڑ کر مدینہ لے آئے۔

سریۂ ضحاک بن سفیان الکلابی :- یہ مہم بنو کلاب کے خلاف، ہجرت کے نویں سال ربیع الاول میں بہ جانب قرطاء روانہ کی گئی۔ انہیں دعوت اسلام دی گئی، لیکن انہوں نے انکار کیا۔ جنگ ہوئی بنو کلاب بھاگ گئے اور مسلمانوں کو مالِ غنیمت حاصل ہوا۔

سریہ علقمہ بن مجزز المدلجی :- یہ مہم حبشہ کے کچھ لوگوں کے خلاف، ہجرت کے نویں سال ربیع الاخر میں تین سو آدمیوں کی معیت میں بھیجی گئی۔ یہ لوگ سمندر کے جزیرے میں تھے۔ جب اسلامی لشکر سمندر میں داخل ہوا، تو وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ لوٹے تو بعض لوگوں کو گھر لوٹنے کی جلد بازی پڑ گئی۔ ان جلد بازوں کے خلاف حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس گروہ میں کچھ لوگ ظریف بھی تھے۔ راستے میں انہوں نے تاپنے کے لیے آگ جلائی۔ اس پر حضرت علقمہ کہنے لگے کہ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، کہ تمہیں اس آگ میں کودنا ہو گا۔ جب ان میں سے بعض لوگوں نے کودنے کا ارادہ کیا، کہنے لگے، بیٹھ جاؤ، میں تو مذاق کر رہا تھا۔ واپسی پر ان لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص تمہیں گناہ کا حکم دے، اس کی بات نہ مانو۔ ایک روایت میں ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر یہ آگ میں داخل ہوتے، تو کبھی نہ نکل سکتے۔

سریۂ حضرت علی بن ابی طالب:- یہ مہم فلس کی طرف، جو بنوطئی کا بُت تھا، ہجرت کے نویں سال ربیع الآخر کے مہینے میں اس کے گرانے کے لیے روانہ ہوئی۔ آپ کے ساتھ انصار کے ڈیڑھ سو آدمی تھے، جن میں سو اونٹ اور پچاس گھوڑے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسے گرا دیا، غنیمت میں جنگی قیدی، اونٹ اور بکریاں حاصل کیں، ان قیدیوں میں سفانہ بنت حاتم بھی تھیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے آزاد کر دیا۔ جو اپنے بھائی عدی بن حاتم کے اسلام کا سبب بن گئیں۔

سریہ عکاشہ بن محصن:- یہ مہم حجاز کے ایک گاؤں جباب کی طرف جو عُذرہ اور بلی (جو دو قبیلوں کا نام ہے) کی بستی یا فزارہ و بنو کلب کی بستی ہے، بھیجی گئی تھی۔

قصہ کعب بن زہیر:- یہ واقعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طائف سے واپسی اور غزوۂ تبوک کے عرصے کے درمیان پیش آیا، جو کعب اور اس کے بھائی بجیر کا واقعہ ہے، بجیر کعب سے کہنے لگا۔ تم تھوڑا سا توقف کرو، تاکہ میں اس آدمی (رسولِ کریم) سے مل آؤں، ان کی باتیں سنوں اور ان کی تعلیم کا اندازہ لگاؤں۔ کعب رک گیا، اور بجیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کی باتیں سنیں، اور آپ پر ایمان لے آیا۔

زہیر (کعب کے باپ) کی عادت تھی، کہ وہ اہلِ کتاب کی مجلسوں میں بیٹھا کرتا تھا۔ اس نے ان سے سن رکھا تھا، کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بعثت قریب آگئی ہے۔ زہیر نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک رسی لٹکائی گئی ہے، اور اس نے ہاتھ بڑھا کر پکڑنے کی کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے اس کی تعبیر نبی آخرالزماں کی بعثت قرار دی اور یہ کہ وہ ان کے عہد کو نہ پا سکے گا۔ اس نے اپنے

بیٹوں کو یہ بات بتادی تھی اور انہیں وصیت کی تھی کہ اگر وہ آپ کا زمانہ پائیں تو اسلام لے آئیں۔ بجیر نے کعب کو لکھا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان شعرا کو (جو مکے میں آپ کی ہجو کیا کرتے تھے) قتل کر دیا ہے، اور جو بچ گئے ہیں وہ بھاگ گئے ہیں۔ اگر تجھے اپنی زندگی کی ضرورت ہے، تو اڑ کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ۔ کیونکہ جو آدمی توبہ کرکے آجائے، اسے آپ قتل نہیں کرتے۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے، تو اپنی نجات کا راستہ ڈھونڈھ لو۔ کعب نے اسے اشعار میں جواب دیا اور قبولِ اسلام پر ملامت کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ اشعار پڑھے، فرمایا، جو شخص بھی کعب کو کہیں دیکھ پائے، اسے قتل کر دے۔ جب کعب کو اس کا علم ہوا، زمین اس پر تنگ ہوگئی، اور جان کے لالے پڑ گئے۔ چنانچہ روانہ ہو کر مدینے پہنچ گیا۔ اپنا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دیا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسے نہیں پہچانتے تھے۔ کہنے لگا، "اگر کعب توبہ کرکے اور اسلام قبول کرکے طالبِ امان ہو، تو کیا آپ معاف فرما دیں گے؟" فرمایا ہاں۔ کہنے لگا "یارسول اللہ! میں کعب ہوں"۔ اس پر انصار میں سے ایک آدمی ان پر کود پڑا۔ "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس دشمنِ خدا کی گردن مارنے کی اجازت دیجئے"۔ فرمایا چھوڑ دو، تائب ہوگیا ہے، بعد میں اس نے قصیدۂ بانت سعاد، پڑھا۔ اور بقول ابوبکر الانباری جب اس شعر پر پہنچا۔

اَنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ ‏ مُهَنَّدٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلُ

بلاشبہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ایسا نور ہیں جس سے ہدایت کی روشنی حاصل کی جاسکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی تلواروں میں سے وہ ہندی تلوار ہیں، جسے صیقل کیا گیا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چادر اوڑھی ہوئی تھی، وہ شاعر کو عطا کر دی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس چادر کے لیے دس ہزار (درہم) ادا کرنا چاہے، لیکن

کعب نے انکار کر دیا۔ جب کعب رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ورثا کی طرف بیس ہزار درہم بھیجے اور چادر لے لی۔ اور وہ چادر آج تک سلاطین روم کے پاس ہے۔

غزوۂ تبوک:۔ تبوک ایک مشہور مقام کا نام ہے، جو مدینے اور دمشق کے درمیان واقع ہے، اسے غزوۂ عُسرہ کہتے ہیں۔ یہ ہجرت کے نویں برس رجب کے مہینے میں جمعرات کے دن وقوع پذیر ہوا۔ سخت گرمی تھی، اور قیامت کی قحط سالی۔ اور جس طرح باقی غزوات میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول رہا تھا، اس بار آپ نے اپنے پروگرام کو پوشیدہ نہیں رکھا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سخت خشک سالی اور شدت کی گرمی میں روانہ ہوئے، راستے میں اونٹ ذبح کرتے تھے، اور اس کے معدے کا پانی پی لیتے تھے۔ یہ تھی صورتِ حال پانی سواری اور راشن کی کمی کی، اس وجہ سے اسے غزوۃ العسرۃ کہتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ تھی، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے ذریعہ سے جو شام سے مدینے کو تیل لے کر آتے تھے، معلوم ہوا، کہ رومی افواج شام میں شاہِ روم کی کمان کے تحت جمع ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا، اور اس مقام کا نام بھی بتا دیا۔ جس کے لیے تیاری کرنا تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دوسو اونٹ مع ساز و یراق اور دوسو اوقیہ چاندی پیش کرتا ہوں، فرمایا، اس کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ جو کچھ بھی کرے، اس سے باز پرس نہیں ہوگی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان نے جیشِ عسرت کے لیے ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے فراہم کیے۔ حضرت عثمان بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب جیشِ عسرت کی تیاری شروع ہوئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار آستین میں ڈالے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

جھولی میں ڈال دیئے۔ میں نے آپ کو دیکھا، کہ جھولی میں دیناروں کو الٹ پلٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے، مَاضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْیَوْم۔ یہ روایت ترمذی کی ہے۔ امام طبرانی نے حذیفہ سے روایت کی ہے، کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جیشِ عسرت کے لیے دس ہزار دینار بھیجے تھے۔ جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیئے گئے۔ آپ اپنے دستِ مبارک سے دیناروں کو اوپر نیچے الٹتے پلٹتے تھے۔ اور فرماتے تھے، "عثمان! تجھے اللہ معاف کرے، جو کچھ تو نے علی الاعلان کیا یا خفیہ طور پر کیا، وہ قیامت تک باقی رہے گا۔ تو اس کے بعد جو کچھ بھی کرے گا، اس کا کوئی مواخذہ نہیں۔"

جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کا حکم دیا، تو منافقین کی ایک جماعت نے یہ کہنا شروع کر دیا، کہ گرمی میں کیوں جاتے ہو؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا۔ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ[1]۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکے اور بعض عرب قبائل کی طرف امداد کے لیے قاصد روانہ فرمائے۔ اس دوران میں کچھ لوگ روتے ہوئے آئے، اور سواری کی درخواست کی۔ فرمایا میرے پاس تمہیں دینے کو کچھ نہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:۔ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ[2]۔ بدوؤں میں سے کچھ عذر خواہ (بہانہ تراش) بھی آگئے، تاکہ انہیں معیت سے معذور سمجھا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور ان کی تعداد بیاسی تھی۔ اور منافقین کی ایک جماعت بغیر کسی وجہ اور دلیل کے خدا اور رسول کے خلاف ڈھٹائی سے پیچھے رہ گئی۔ جیسا کہ قرآن پاک میں مذکور ہے:۔
وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللهَ وَرَسُولَهُ[3]

مدینے اور اہلِ بیت کی خبر گیری کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مقرر فرمایا۔

---
[1] توبہ: ۸۱ [2] مائدہ: ۸۳ [3] توبہ: ۹۰

اسی موقعہ پر آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا "تم آج اسطرح سے میرے جانشین ہو جس طرح حضرت ہارون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین تھے، ہاں مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔"

مسلمانوں میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے، جنہیں اسلام کی حقانیت کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا، لیکن وہ پھر بھی نہیں جا سکے تھے۔ وہ تھے، حضرات کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم۔ اور ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:- وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا۔ حضرت ابو ذر اور ابو خیثمہ رضی اللہ عنہما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بعد میں جا کر ملے۔ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ہر گروہ اور قبائل عرب کو حکم دیا، کہ وہ اپنے لیے عَلَم تیار کریں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لشکر کی تعداد تیس ہزار اور گھوڑوں کی تعداد دس ہزار تھی۔ جب حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم تبوک کے مقام پر پہنچے، آپ نے لشکر سے فرمایا، کہ آج کی رات تم پر سخت آندھی چلے گی کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ جن کے اونٹ ہیں وہ انہیں رسیوں سے جکڑ دیں۔ رات کو آندھی کے دوران میں ایک شخص اپنی جگہ سے اٹھا، جسے آندھی نے بنو طے کے پہاڑوں میں پھینک دیا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجر کے مقام سے گزرے، تو آپ نے چہرے کو کپڑے سے ڈھانپ لیا۔ اور اونٹنی کو تیز تیز چلایا، فرمایا، ان لوگوں کے گھروں میں مت داخل ہو، جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اور اس ڈر سے روؤ، کہ کہیں تم پر وہی عذاب نازل نہ ہو جائے، جو ان پہ نازل ہوا تھا۔ حجر وہ مقام ہے، جہاں قوم ثمود رہتی تھی، جن پہ اللہ کا غضب نازل ہوا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی راستے میں تھے کہ آپ کی اونٹنی گم ہوئی۔ زید بن لطیت جو منافق تھا، کہنے لگا، کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ خیال نہیں، کہ وہ اللہ کے پیغمبر ہیں، اور تمہیں آسمانی حالات سناتے

ہیں، حالانکہ انہیں یہ معلوم نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک آدمی ایسی باتیں کہتا سنا گیا ہے، اور آپ نے اس کے الفاظ نقل فرمائے۔ اور بخدا میں صرف وہی باتیں جان سکتا ہوں، جو خدا مجھے بتا دے، اور خدا نے ناقہ کے بارے میں بتا دیا ہے کہ وہ فلاں وادی میں ہے اور اس کی مہار ایک درخت سے اٹک کر رہ گئی ہے، جاؤ اور اسے وہاں سے لے آؤ۔ چنانچہ چند آدمی گئے اور اسے لے آئے۔ یہ بیہقی اور ابونعیم کی روایت ہے۔

اور مسلم میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ مسلمان تبوک کے چشمے پر پہنچے، تو اس سے تھوڑا تھوڑا پانی رس رہا تھا، صحابہ کرام نے اس سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرے، پھر ایک پرانی مشک میں اسے جمع کر لیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنے ہاتھ اور منہ دھوئے۔ پھر وہ پانی اسی چشمے میں انڈیل دیا، چنانچہ اس سے کافی پانی پھوٹ نکلا اور ساری سپاہ نے پیاس بجھائی۔

ابھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے مقام پر سکونت پذیر تھے، کہ ایلہ کا حکمران حاضر ہوا، اس نے معاہدہ کیا اور جزیہ ادا کیا۔ اس کے بعد جَربا اور اذرح (شام کے دو گاؤں ہیں) کے لوگ آئے، اور انہوں نے بھی جزیہ ادا کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں ایک فرمان جاری کیا۔ ہرقل ان دنوں حمص میں ٹھہرا ہوا تھا۔

اس موقعہ پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو رجب کے مہینے میں چار سو سپاہی اور بیس گھوڑے دے کر دومۃ الجندل کو اکیدر بن عبدالملک نصرانی کے خلاف روانہ کیا۔ آپ نے حضرت خالد سے فرما دیا، کہ تم اسے رات کو ایسی حالت میں ملوگے، کہ وہ نیل گائے کا شکار کر رہا ہوگا۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے، تو وہ چاندنی رات میں قلعے سے نکل کر نیل گائے کا شکار کھیل رہا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر نے ان پر سخت حملہ کیا۔ اکیدر گرفتار ہوگیا، اور اس کا بھائی

حسان مارا گیا اور ساتھی بھاگ گئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ قلعے میں داخل ہوئے ا
اکیدر کو پناہ دے دی۔ اور اسے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پاس لے آئے تاکہ وہ
دومۃ الجندل کی فتح میں امداد کرے۔ اس نے یہ شرط پوری کر دی، بعدہٗ اس سے دو ہزار
اونٹوں، آٹھ سو گھوڑوں، چار سو زرہوں اور چار سو نیزوں پر صلح ہوئی۔ اسی سفر میں حضور
نے ہرقل کو خط کے ذریعے اسلام کی دعوت دی گئی۔ وہ تقریباً مان گیا لیکن کوئی جواب نہ
دیا۔ یہ روایت ابنِ حبّان کی ہے۔

مسندِ احمد میں مذکور ہے، کہ ہرقل نے تبوک سے رسول کریم علیہ التحیہ والتسلیم کو لکھا
کہ میں مسلمان ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اس نے اپنی نصرانیت کے بارے
میں جھوٹ بولا ہے۔

بعدہٗ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے دس بارہ دن کے بعد (ایک روایت
کی رُو سے بیس دن کے بعد) روانہ ہوئے۔ اس دوران میں کوئی مڈبھیڑ نہ ہوئی۔ راستے
میں کئی مساجد تعمیر کیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راستے میں بمقام ذی اوان ٹھہرے۔
(یہ مقام مدینے سے تھوڑے سے فاصلے پر ہے)، اس اثنا میں مسجدِ ضرار کی خبر حضورِ اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان سے موصول ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد وَالَّذِيْنَ
اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا[1]۔ آپ نے کچھ آدمی بھیجے، جنہوں نے مسجد
گرادی، اور پھر جلادی۔ جن لوگوں نے یہ مسجد بنائی وہ بارہ آدمی تھے، جو مسجدِ قبا کو
نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی، کہ ان لوگوں نے منافقین کے ایک گروہ
میں یہ بات کہی، کہ ہم نئی مسجد بنائیں گے، اس میں منتقل ہو جائیں گے، اور محمد (صلی اللہ
علیہ وسلم) کے پیچھے حاضر ہونے سے بچ جائیں گے۔

جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کے قریب پہنچے، لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے استقبال کے لیے نکلے، چنانچہ عورتیں، لڑکے اور لڑکیاں آپ کے استقبال کے لیے

[1] : التوبہ : ۱۰۷

نکلیں اور مندرجہ ذیل اشعار پڑھ رہی تھیں :۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَىٰ لِلّٰهِ دَاعِ

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مدینے میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ جہاں بھی تم گئے، اور جس وادی سے بھی تم گزرے، ان کے دل تمہارے ساتھ رہے، گو بعض حالات نے انہیں روکے رکھا۔ جب آپ مدینے کے قریب پہنچے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ 'طابہ' ہے، یہ اُحد کا پہاڑ ہے، جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم داخلِ مدینہ ہوئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ مَیں آپ کی مدح میں کچھ کہوں، فرمایا ہاں، اللہ تیرے چہرے کو رسوا نہ کرے۔ اس قصیدے سے یہ دو شعر ہیں :۔

وَأَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ أَشْرَقَتِ الْأَرْ ضُ وَضَاءَتْ بِنُوْرِكَ الْأُفُقُ
وَنَحْنُ فِيْ ذٰلِكَ الضِّيَاءِ وَفِي النُّوْ رِ وَسُبُلِ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

(ترجمہ) یارسول اللہ! جب آپ کی ولادت ہوئی، زمین چمک اٹھی، اور آپ کے نور سے دنیا کے افق جگمگا اٹھے۔ اور ہم اس روشنی میں نور میں، اور ہدایت کی راہ میں لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

جو لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ساتھ نہیں دے سکے تھے، وہ حاضر ہوئے، انہوں نے قسمیں کھائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معذرت قبول کر لی، اور دعا فرمائی۔ لیکن کعب بن مالک اور ان کے دو ساتھیوں کا معاملہ لٹک گیا، تاآنکہ ان کی توبہ قبول ہو گئی۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں (وَآخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا

بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّآخَرَ سَيِّئًا[1]) روایت ہے، کہ دس آدمی ایسے تھے جو غزوۂ تبوک میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ دے سکے تھے، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واپس تشریف لائے، تو ان میں سے سات آدمیوں نے خود کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا۔ اور واپسی پر آپ کا گزر وہیں سے ہونا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا، یہ کون ہیں، لوگوں نے عرض کیا، "یا رسول اللہ یہ ابولبابہ اور ان کے وہ ساتھی ہیں جو آپ کے ساتھ جا نہیں سکے تھے، تاکہ آپ انہیں آزاد فرما دیں اور ان کا عذر قبول فرمائیں۔ آپ نے فرمایا، نہ تو میں انہیں آزاد کروں گا اور نہ ان کا عذر ہی قبول کروں گا، جب تک خدا انہیں خود آزاد نہ کرے۔ مجھ سے انہوں نے منہ پھیرا اور جنگ میں شامل نہ ہوئے۔ جب یہ آیت اتری تو آپ نے انہیں آزاد کر دیا اور عذر قبول فرمایا۔

حضرت ابوبکر بہ حیثیت امیر الحج:۔ یہ سفر ذی القعدہ کے مہینے میں ہجرت کے نویں سال پیش آیا۔ ان کے ساتھ تین سو آدمی مدینے کے تھے، اور بیس قربانی کے اونٹ تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، تاکہ وہ حج کے دن منادی کرائیں، کہ اس سال کے بعد نہ تو کوئی مشرک حج کر سکے گا، اور نہ کوئی ننگا آدمی۔ معاً بعد آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو روانہ فرمایا، اور انہیں سورۂ برأت کا حکم دیا، انہوں نے لوگوں کو ساری برأت پڑھ کر سنائی۔ اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:۔ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا[2] چنانچہ سالِ آئندہ، جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا (حجۃ الوداع) تو کوئی مشرک حج نہ کر سکا۔

پھر رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے حضرت ابوموسیٰ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما

---

[1] توبہ: ۱۰۲ [2] توبہ: ۲۸

کو قبل از حجۃ الوداع یمن کے دو اضلاع پر حاکم بنا کر بھیجا۔ فرمایا، یاد رکھو، عوام کے لیے آسانی پیدا کرو، اور تکلیف نہ پیدا کرو، لوگوں کو بشارت دو، اور نفرت نہ دلاؤ حضرت معاذ سے فرمایا، تم اہلِ کتاب کی طرف جا رہے ہو، تم انہیں توحیدِ خداوندی اور میری رسالت کی دعوت دو، اگر وہ یہ بات مان لیں، تو انہیں بتانا، کہ خدا نے ان پر ایک دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر یہ بات بھی مان جائیں، تو انہیں یہ بھی بتانا، کہ خدا نے تم پر زکات فرض کی ہے، جو امیروں سے لی جاتی ہے اور غریبوں کو واپس دے دی جاتی ہے۔ اگر یہ بھی مان جائیں، تو دیکھنا ان کے عمدہ مال کو نہ چھیڑنا اور مظلوم کی بد دعا سے پرہیز کرنا۔ کہ ان کی بد دعا اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا علاقہ عدن کا اوپر کا حصہ تھا، اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا حصہ نچلا تھا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حجۃ الوداع سے پہلے ہجرت کے دسویں سال ربیع الاوّل کے مہینے میں بنو عبد المدان کی طرف جو نجران کا ایک قبیلہ تھا، روانہ فرمایا تھا، وہ مسلمان ہو گئے تھے۔

پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ہجرت کے دسویں سال، رمضان کے مہینے میں یمن کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ نے ان کے لیے عَلَم بنایا، اپنے ہاتھ سے پگڑی بندھائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا، تو میں نے عرض کی، "یا رسول اللہ! آپ مجھے، ایک ایسی قوم کی طرف بھیج رہے ہیں، جو مجھ سے عمر میں بڑے ہیں، اور میں کم عمر ہوں، میں فیصلہ کیسے کروں گا" حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک میرے سینے پر رکھ کر دعا کی، "اے خدا، تو اسے ثابت زبان بنا اور اس کے دل کو ہدایت کر" پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا، "اے علی! جب مدعی اور مدعا علیہ تمہارے سامنے بیٹھے ہوں۔ تو جب تک تم دوسرے کی بات

نہ سُن لو، فیصلہ نہ کر دے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ تین سو سوار لے کر نکلے، انہیں مختلف اطراف کو روانہ کر دیا، وہ بہت سا مالِ غنیمت، عورتیں، بچے، اونٹ اور بکریاں وغیرہ لے کر آئے۔ پھر مشرکین سے آمنا سامنا ہو گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اسلام کی دعوت دی انہوں نے انکار کیا، اور مسلمانوں پر تیر باری کی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر دھاوا بول دیا، ان کے بیس آدمی مارے گئے وہ بھاگ کھڑے ہوئے، اور اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا تعاقب کرنا چھوڑ دیا۔ انہیں پھر اسلام کی دعوت دی، جسے انہوں نے فوراً قبول کر لیا۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ واپس ہوئے اور مکے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے، جب آپ، دس ہجری میں حج کیلئے تشریف لائے تھے۔

پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کو تشریف لے گئے، اُسے حجۃ الاسلام اور حجۃ البلاغ بھی کہتے ہیں۔ آپ ذوالقعد کی پچیس تاریخ کو ہفتے کے دن مدینے سے روانہ ہوئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نو ہزار، دس ہزار یا چودہ ہزار یا اس سے بھی زیادہ آدمی تھے۔ ہم حجۃ الوداع کے بارے میں باب العبادات میں پھر گفتگو کریں گے۔

سریۂ حضرت اسامہ بن زید:- یہ مہم سوموار کے دن ہجرت کے گیارھویں سال صفر کی چھبیس تاریخ کو اہلِ اُبنیٰ کی طرف بہ مقام شراہ جو بلقا کے نواح میں واقع ہے، بھیجی گئی اور سرایا میں یہ آخری سریہ ہے، اور نیز یہی وہ پہلی جنگ ہے، جسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شاہِ روم کے خلاف حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے روانہ کیا تھا۔ بدھ وار کے دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف کی وجہ سے

بخار آگیا اور آپ کمزور ہو گئے۔ دوسرے دن جمعرات کو آپؐ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لیے اپنے ہاتھ سے عَلَم تیار کیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تیار عَلَم لے کر نکلے اور بُریدہ الاسلمی رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا، اور بہ مقام جُرُف پڑاؤ کیا، اور مہاجرین اور انصار میں سے کوئی ایسا آدمی (بشمول حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) نہیں رہ گیا تھا، جو لشکر میں موجود نہ ہو۔ وہ مسلمان جو اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل تھے باری باری حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الوداع کہنے حاضر ہو رہے تھے، اور پھر جاکر جرف میں لشکر میں شامل ہو جاتے تھے، جب اتوار کے دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف بڑھ گئی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے کیمپ سے واپس آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے میں داخل ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سخت تکلیف میں تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے سر جھکایا، حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو بوسہ دیا، آپ بول نہیں سکتے تھے۔ ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے اور اسامہ رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھ دیتے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، مَیں سمجھ گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے لیے دعا فرما رہے ہیں۔ اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے کیمپ کو واپس چلے گئے۔ دوسرے دن سوموار تھا، اور آپ کو فی الجملہ افاقہ تھا، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے الوداع کہی، اپنے کیمپ کو چل دیئے اور لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ وہ سوار ہونے کو تھے، کہ ان کی والدہ جناب امِ ایمن رضی اللہ عنہا کے قاصد نے آکر بتایا کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم فوت ہو رہے ہیں چنانچہ وہ خود حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم لوٹ آئے، اور آپ سوموار کے دن زوالِ آفتاب کے وقت ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ کو فوت ہو گئے۔ حافظ ابنِ حجر کی رائے ہے، کہ آپ دو تاریخ کو فوت ہوئے۔

جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے، تو اسلامی سپاہ، جو جرف کے مقام پر پڑاؤ کیے ہوئے تھی، مدینے آگئی۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ

کا عَلَم لے آئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دروازے کے سامنے گاڑ دیا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی گئی، تو انہوں نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، کہ وہ عَلَم لے کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے گھر جائیں اور انہیں کہیں کہ وہ اپنی منزل کو روانہ ہوں، چنانچہ وہ اپنے کیمپ کو روانہ ہو گئے اور ہجرت کے گیارھویں سال ربیع الاخر کے مہینے میں اہل ابنیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر ان پر دھاوا بول دیا، جو سامنے آیا، مارا گیا، کئی پکڑ لیے گئے، ان کے گھر اور درخت تباہ کر دیئے اور اپنے باپ کے قاتل کو قتل کر دیا اور مدینے کو لوٹ آئے، اور مسلمانوں میں سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ واپسی پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین اور انصار کے ساتھ ان کا خوشی سے استقبال کیا۔

آپ کے تمام سرایا کی تعداد ساٹھ اور غزوات کی تعداد ستائیس ہے۔

باب دوم

اس باب میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ناموں، آپ کی مکرم اور پاک اولاد، ازواجِ مطہرات (امہات المومنین) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچاؤں، پھوپھیوں، رضاعی بہنوں، دادیوں، خادموں غلاموں پاسبانوں، امیرانِ لشکر، قاصدوں، کاتبوں، بادشاہوں کے نام مراسلوں، مؤذنوں، خطیبوں، حدی خوانوں، شاعروں، آلاتِ حرب، سواریوں اور بطور وفد آنے والوں کا ذکر ہے۔ یہ دس فصول پر مشتمل ہے۔

فصلِ اوّل

اسمائے مقدسہ آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم

اس فصل میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ناموں کا ذکر ہے، آپ کو معلوم ہونا چاہیئے، کہ ناموں کی کثرت مسمی کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے خدا نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنِ حکیم اور باقی کتب سماویہ اور نیز انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے کثیر ناموں سے یاد فرمایا ہے۔ ایک جماعت نے ان اسماء کو گننے کا اہتمام کیا اور انہوں نے مخصوص تعداد بیان کی بعض لوگوں نے یہ تعداد خدا کے ناموں کی طرح جو حدیث میں مذکور ہیں ننانوے تک پہنچائی۔ صاحب الشفار قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، کہ خدا نے آپ کو یہ خصوصیت عطا کی، کہ آپ کو تقریباً تیس ناموں سے یاد فرمایا۔ ابنِ دحیہ کہتے ہیں، کہ جب پہلی کتابوں، قرآن اور حدیث کی کتب کو کھنگالا گیا، تین سو نام نکلے، ابوبکر بن العربی راوی ہیں، کہ اللہ کے ہزار نام ہیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہزار نام

ہیں، مواہب اللدنیہ میں (جو اس کتاب کی اصل ہے) چار سو سے زیادہ نام مذکور ہیں۔

ان میں سے ایک نام محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے، اور یہ نام سب ناموں سے مشہور تر ہے۔ خدا نے آپ کو اس نام سے بہ حدیث انس رضی اللہ عنہ تخلیقِ عالم سے دو ہزار سال پہلے موسوم کر دیا تھا، اور یہی وہ نام ہے، جس سے آپ کو حضرت عبدالمطلب نے موسوم کیا تھا۔ ان سے پوچھا گیا، کہ آپ نے اپنے پوتے کا کیا نام رکھا ہے۔ کہا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) انہوں نے کہا، تم نے اس کا ایسا نام کیوں رکھا ہے جو تمہارے آباؤ اجداد اور ہمارے قبیلے میں سے کسی کا بھی نام نہیں۔ کہنے لگے، میری خواہش ہے، کہ تمام اہلِ عالم اس بچے کی تعریف کریں۔ یہ اس خواب کے سلسلے میں تھا، جو حضرت عبدالمطلب نے دیکھا تھا، انہوں نے دیکھا، کہ چاندی کی ایک زنجیر ان کی پیٹھ سے نکلی۔ اس کا ایک سرا آسمان پر، ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں تھا، پھر وہ زنجیر لوٹ آئی، گویا وہ ایک درخت تھا، جس کے پتے نورانی تھے، اتنے میں تمام اہلِ مشرق و مغرب اس سے لٹک گئے، چنانچہ وہ ٹوٹ گئی، اس خواب کی تعبیر یہ کی گئی، کہ ان کی پشت سے ایک بچہ پیدا ہوگا، کہ اہلِ شرق و غرب ان کی پیروی کریں گے اور زمین و آسمان کی مخلوق ان کی مدح کرے گی، اسی لیے آپ کا نام محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا گیا۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ حضرت آمنہ کو بھی فرشتے نے کہا تھا، کہ آپ کے شکم میں اس قوم کا سردار ہے، جب وہ پیدا ہوں، تو ان کا نام محمدؐ (فداہ اُمّی وابی) رکھنا۔

اس متبرک نام کی جو چار حرفی ہے، خصوصیت یہ ہے، کہ اللہ کے نام کی طرح ہے اور آدمی کی شکل سے ملتا جلتا ہے، میم اوّل اس کا سر ہے، حا اس کے دو بازو ہیں، میم ثانی اس کی ناف ہے اور دال دونوں پاؤں ہیں۔ اور قدیم کوفی خط میں یہ شکل بالکل واضح ہے۔ اور روایت ہے، کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام محمدؐ کے احترام کے پیشِ نظر جو لوگ بھی جہنم میں داخل ہوں گے، ان کی صورتیں مسخ کر دی

جائیں گی۔ اور محمّد، اللہ کے نام محمود سے مشتق ہے، جیسا کہ حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

أَعَزَّ عَلَيْهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ ۔ مِنَ اللّٰهِ مِنْ نُورٍ يَلُوحُ وَيَشْهَدُ
وَضَمَّ الْإِلٰهُ اسْمَ النَّبِيِّ بِاسْمِهِ ۔ إِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ أَشْهَدُ
وَشَقَّ لَهُ مِنِ اسْمِهِ لِيُجِلَّهُ ۔ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَهٰذَا مُحَمَّدُ

(ترجمہ) اللہ کے اس نور کی وجہ سے جو آپ کی ذات میں عیاں اور نمایاں ہے آپ پر خاتمِ نبوت ناز کرتی ہے۔

خدا نے اپنے نام کو نبیٔ اکرم کے نام سے (جیسا کہ مؤذن روزانہ پانچ وقت کی شہادت دیتا ہے) ملا دیا ہے۔

خدا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کو اپنے نام سے مشتق کیا، تاکہ آپ کی شان و شوکت میں اضافہ ہو، عرش کے خدا کا نام محمود ہے اور آپ کا نام محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔

حضرت کعب الاحبار سے ابن عساکر راوی ہیں کہ آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام سے کہا، کہ اے بیٹے! میرے بعد تُو میرا خلیفہ ہے۔ تُو اسے تقویٰ اور دین کی مضبوط رسّی سے قائم رکھ، اور جب بھی تُو اللہ کا نام لے تو ساتھ ہی محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام بھی لینا، کیونکہ میں نے یہ نام عرش کے پائے پر لکھا دیکھا ہے۔ میں نے آسمانوں کی سیر کی، وہاں کوئی جگہ بھی ایسی نہ تھی، جہاں محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام نہ لکھا ہو، میں نے تو محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام حوروں کے سینوں، جنت کے پیڑوں کے پتوں نیز طوبیٰ، سدرۃ المنتہی، حجاب جلالِ الٰہی کے کناروں اور فرشتوں کی پیشانیوں پر دیکھا۔ تُو اس کا وِرد کثرت سے کر، کیونکہ ملائکہ اسے ہر وقت یاد کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے راوی ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ جب مجھے آسمانوں کی معراج حاصل ہوئی، تو مَیں جہاں سے بھی گزرا، مَیں نے اپنا نام "محمّد رسول اللہ" لکھا دیکھا۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام میرے بعد مرقوم تھا۔ الشفاء قاضی عیاض میں مرقوم ہے، کہ ایک قدیمی پتھر پر۔ محمدٌ تقیٌّ مُصلحٌ امینٌ لکھا دیکھا۔ ایک اور پتھر پر عبرانی خط میں مرقوم تھا:- بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ، جَاءَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ - لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ - (اس کے راقم موسیٰ بن عمران تھے) یہ روایت ابنِ ظفر نے بِشر میں معمر الزہری سے نقل کی ہے۔

علامہ ابنِ مرزوق، عبداللہ بن صُوحان سے راوی ہیں کہ ایک دفعہ سخت آندھی چلی اور ہم بحرِ ہند کے طوفان میں گھرے ہوئے تھے، ہم نے ایک جزیرے میں پناہ لی۔ وہاں ہم نے سُرخ رنگ اور بھینی بھینی خوشبو والا ایک گلاب کا پھول دیکھا، جس پر سفید رنگ میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ - مرقوم تھا۔ اور ایک سفید گلاب جس پہ زرد رنگ سے بَرَاءَۃٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِلٰی جَنّٰتِ النَّعِیْم، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ لکھا تھا۔ الشفا میں مذکور ہے، کہ خراسان کے ایک شہر میں ایک بچّہ پیدا ہوا۔ جس کے ایک طرف لا الٰہ الاّ اللہ اور دوسری طرف محمد رسول اللہ لکھا تھا۔ اسی طرح ہندوستان کے ایک شہر میں ایک سرخ گلاب کی پتی پر سفید الفاظ میں لا الٰہ الاّ اللہ محمّد رسول اللہ تحریر تھا۔ یافعی نے روض الریاحین میں روایت کی ہے کہ بلادِ ہند میں ایک ثمردار درخت ایسا ہے جس کا پھل بادام کی طرح خولدار ہے جب اسے توڑا جائے، تو اس سے سبز رنگ کا لپٹا ہوا پتا برآمد ہوتا ہے، جس میں سرخ الفاظ میں واضح طور پر کلمہ طیبہ لکھا ہوتا ہے۔ اور وہ لوگ اس سے

تبرک حاصل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، کہ مَیں نے اس کا ذکر ابو یعقوب صیاد سے کیا، کہنے لگے، کہ مجھے اس پر کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ ایک دفعہ میں اُبلہ کی نہر پر مچھلی کا شکار کھیل رہا تھا۔ مَیں نے ایک مچھلی پکڑی، جس کے دائیں طرف لاالٰہ الااللہ اور بائیں طرف محمّد رسول اللہ لکھا تھا۔ جب میں نے یہ دیکھا، تو احتراماً اسے پانی میں پھینک دیا۔ اس خبر کی تصدیق ابوالبقا ابن ضیاء نے اپنی کتاب "منسک" میں بروایت حضرت عبداللہ بن مالک کی ہے، کہ بلاشبہ اس درخت سے وہ پھل لگتا ہے، جس پر کلمہ طیبہ مرقوم ہوتا ہے۔ آٹھ سو نو ہجری کا واقعہ ہے، کہ ایک انگور کے دانے پر واضح خط میں سیاہ رنگ سے محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) مرقوم تھا۔ اور ابن طغر بیگ کی کتاب "المنطق المفہوم" میں مذکور ہے، کہ بعض آدمیوں نے بیان کیا، کہ انہوں نے ایک جزیرے میں ایک کثیر الاوراق بڑا سا درخت جس سے نہایت عمدہ خوشبو آتی تھی، دیکھا، جس کے پتّوں پر تین سطروں میں نہایت واضح اور عمدہ خط میں مندرجہ ذیل عبارت درج تھی۔ پہلی سطر میں لاالٰہ الااللہ اور دوسری میں محمّد رسول اللہ سرخ رنگ سے تحریر تھا۔ تیسری سطر میں اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ[1] لکھا تھا۔

ابن قتیبہ لکھتے ہیں، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت سے پہلے کسی شخص کا نام بھی محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں تھا، کیونکہ خدا اس نام کی حفاظت کرنا چاہتا تھا، جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا، کہ اس سے پہلے اس نام کا کوئی آدمی نہیں ہو گزرا تھا۔ ہاں جب حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بعثت کا زمانہ قریب آگیا، اور اہل کتاب نے لوگوں کو بتا دیا کہ آپ کا ظہور قریب آگیا ہے۔ تو کچھ لوگوں نے اپنے بچّوں کا نام اس امید پر محمّد رکھنا شروع کر دیا، کہ شاید وہ

[1] آل عمران : ۱۹

محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہو۔ (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ وَذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ) ایسے لوگوں کی تعداد پندرہ تھی۔

احمد (علیہ التحیۃ والتسلیم) بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ یہ وہ نام ہے جس سے آپ کو حضرت عیسیٰ اور حضرت موسےٰ علیہما السلام نے موسوم کیا۔ احمد اسم تفضیل ہے، جس کے معنی ہیں اپنے رب کی زیادہ تعریف کنندہ، اور یہی حال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔ کیونکہ مقامِ محمود میں دربارۂ حمدِ الٰہی جو کچھ آپ کو سکھایا گیا، وہ پیشتر ازیں کسی کو نہیں سکھایا گیا تھا۔ آپ ان اوصاف سے خدا کو یاد کرتے ہیں، اور اس طرح آپ کو عظمت اور فضیلت عطا ہوتی ہے اور آپ احمدِ مجتبےٰ سے پہلے محمدؐ مصطفےٰ نہیں تھے۔ خدا نے آپ کو نبوت عطا کی اور شرف بخشا، اسی وجہ سے احمد کو محمدؐ پر تقدم حاصل ہے۔ کیونکہ اس (احمد) کا ذکر حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے کیا اور کہا کہ ان کا نام احمد ہے اور اسی طرح حضرت موسےٰ علیہ السلام نے یہ نام لیا۔ جب خدا نے ان سے کہا، کہ یہ احمد کی امت ہے، تو انہوں نے درخواست کی، اے خدا! تو مجھے احمدِ مجتبےٰ علیہ التحیۃ والثنا کی امت میں شامل کرلے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محمدؐ کہنے سے پہلے احمد کہا گیا۔ کیونکہ آپ نے خدا کی تعریف کی، قبل اس کے کہ لوگ آپ کی تعریف کریں۔ جب بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اور پھر بعثت، تو آپ اس وقت بالفعل محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم قرار پائے، یہ علامہ سہیلی اور قاضی عیاض کی روایت ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، کہ احمد کے معنی ہیں وہ آدمی کہ جس نے خدا کی سب سے زیادہ تعریف کی اور جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی۔

محمود :- بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام ہے، جو اللہ کے نام حمید کے مشابہ ہے، کیونکہ اس کے معنی بھی محمود ہیں۔ اور اس مقدس نام کا ذکر

زبور میں آیا ہے۔

الماحی :- حدیث میں اس کے معنی ہیں کفر کا مٹانے والا۔ اور مخلوقِ عالم میں سے کسی آدمی نے بھی کفر کو اتنا نہیں مٹایا، جتنا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ کیونکہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے، تو تمام اہلِ عالم کافر تھے، کچھ بتوں کے پجاری تھے، کچھ یہود اور نصاریٰ، صابئی، دہریے، ستاروں اور آگ کو پوجنے والے تھے۔ خدا نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے ذریعے کفر کو مٹا دیا۔ اور آپ کے دین کو تمام ادیان پر فتح عطا کی، اور آپ کا دین وہاں تک پہنچا، جہاں تک دن اور رات پہنچے ہیں، اور آپ کی دعوت اقصائے عالم میں سورج کی روشنی کی طرح پہنچ چکی ہے۔

الفاتح :- خدا نے آپ کی معرفت، ہدایت کا عظیم المرتبت راستہ کھول دیا۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اندھی آنکھیں، بہرے کان اور (بند ڈھکے ہوئے) دل کھول دیئے، نیز آپ نے کفار کے شہر اور جنّت کے دروازے وا کیے علاوہ ازیں آپ نے مفید علم، صالح عمل اور دین و دنیا کی حقیقت واضح کی۔

الحاشر :- حدیث میں ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بایں معنی حاشر ہیں، کہ لوگ آپ کے نقشِ قدم پر چلیں گے، یعنی آپ ان کے قائد ہوں گے، اور وہ پیروکار۔ حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم پہلے وہ انسان ہیں کہ جب قیامت کے دن زمین پھٹے گی، تو آپ سب سے پہلے روضۂ اقدس سے باہر نکلیں گے۔ اور اہلِ دنیا آپ کے پیچھے رواں ہو پڑیں گے، اور میدانِ حشر میں آپ کی پناہ تلاش کریں گے۔

العاقب :- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب انبیا علیہم السلام کے بعد تشریف لائے ہیں، اور چونکہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، اس لیے آپ عاقب بہ معنی آخر ہیں۔

المُقَفّٰی :۔ اس کے معنی عاقب کی طرح ہیں آپ انبیا علیہم السلام کے آثار کے بعد آئے ہیں۔ آپ خاتم النبییّن تھے۔

الاوّل :۔ کیونکہ آپ از روئے تخلیق اول الانبیا ہیں، اور جس طرح تخلیق میں سب سے پہلے ہیں، واپسی میں بھی آپ پہلے ہیں۔ اولاً آپ کی قبر مبارک شق ہوگی اور سب سے پہلے آپ ہی بہشت میں داخل ہوں گے۔ آپ پہلے شافع اور پہلے مقبول الشفاعت ہیں جس طرح کہ ابتدائے تخلیق ہیں، یعنی عالم آفرینش میں (جب خدا نے الست بربکم کہا اور اولادِ آدم سے میثاق لیا) سب سے پہلے آپ نے جواب دیا اور بلیٰ کہا۔ ان تمام معاملات میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلا استثنا پہلے انسان ہیں۔

الآخر :۔ بعثت میں سب سے بعد میں تشریف لائے ہیں۔

الخاتم :۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم جس طرح از روئے تخلیق اوّل النبیین ہیں اسی طرح از روئے بعثت خاتم النبییّن بھی ہیں۔

الظاھر :۔ کیونکہ تمام کائنات میں آپ کا ظہور جلوہ ریز ہے، اور تمام مذاہب پر آپ کے مذہب کو غلبہ حاصل ہے۔

الباطن :۔ کیونکہ خدائی وحی کی وجہ سے آپ کو اشیا کی حقیقت کا علم حاصل ہے۔

الرؤف الرحیم :۔ قرآنِ حکیم میں ہے :۔ لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ[1]۔ رؤف، رافت سے مشتق ہے، جو رحمت سے لطیف تر ہے، رحیم رحمت سے مشتق ہے، اس کا یہ مفہوم بیان کیا گیا ہے، کہ مطیع لوگوں پر رؤف ہیں اور گنہگاروں پر رحیم ہیں۔

---

[1] التوبہ : ۲۸

الحق :۔ یہ جھوٹ کی ضد ہے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صدق اور مشن ایک متحقق چیز ہے، ارشادِ باری ہے :۔ حَتّٰی جَآءَهُمُ الْحَقُّ[1] نیز قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ[2]۔ ایک روایت میں اس سے مراد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور ایک روایت کی رو سے قرآن ہے۔

المبین :۔ اس کے معنی ہیں، وہ ذات جن کا مشن اور جن کی رسالت واضح ہے۔ یعنی خدا نے جس غرض کے لیے آپ کو بھیجا، آپ نے اسے عیاں کر دیا۔ قرآن فرماتا ہے :۔ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ[3]

الجبار :۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے گیتوں میں آپ کا یہ نام مذکور ہے۔ چنانچہ چوالیسویں مزمور میں مذکور ہے "اے جبار! تُو اپنی تلوار کو گلے میں حمائل کر۔ کیونکہ آپ کے ناموس اور شریعت کا مدار آپ کے دائیں ہاتھ کی ہیبت پر ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان معنوں میں جبار ہیں، کہ آپ نے تلوار سے لوگوں کو قبولِ حق پر آمادہ کیا، اور کفر سے جبراً روکا۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قرآن نے آپ سے اس جبر کی جو کبر کی وجہ سے ہو، اور جو آپ کی شان کے شایاں نہیں ہے، نفی کی ہے ارشاد ہوتا ہے :۔ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ۔

المزمل :۔ اس کے معنی ہیں اپنے کپڑوں میں لپٹا ہوا۔ السدی کے مطابق اس کے معنی ہیں، اپنے کپڑے اوڑھ کر سونے والا۔

المدثر :۔ (اس کا مصدر دثار ہے) جس کے معنی ہیں ایسا آدمی جو چادر اوڑھے ہو۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے روایت ہے، میں غار حرا میں تھا، کسی نے مجھے بلایا۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا لیکن کوئی شخص نظر نہ آیا۔ اوپر دیکھا، تو فرشتہ زمین و آسمان کے درمیان ایک معلق تخت پر بیٹھا ہوا تھا، میں ڈر گیا، گھر لوٹا، تو میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا۔ کہ مجھے چادر اوڑھا دو، اتنے میں حضرت

[1] زخرف : ۲۹ [2] یونس : ۱۰۸ [3] النحل : ۴۴

جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا یَاأَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ[1]

اَلنقیب :۔ اس کے معنی ہیں نگراں، پاسباں اور ذمہ دار۔

اَلعظیم :۔ توراۃ کے پہلے باب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سے روایت ہے کہ جلدی ہی ایک عظیم امت میں ایک عظیم آدمی پیدا ہوگا۔

طٰہٰ :۔ اس کے معنی یا طاہر و یا ہادی ہیں۔

یٰسین :۔ امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے، کہ اس کے معنی یا سید ہیں اور ابوبکر الوراق کا قول ہے، کہ اس کے معنی یا سیّد البشر ہیں۔

اَلنبی والرسول :۔ اس میں اختلاف ہے، کہ آیا یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں یا مختلف المعانی ہیں۔ بعض پہلے خیال کے حامی ہیں اور بعض دوسرے کے۔ اس بناء پر نبی ایک مخصوص مشن کا مکلف ہوتا ہے اور رسول اس کا بھی اور اس کے علاوہ کا بھی مکلف ہوتا ہے۔ پس رسول کی حیثیت مخصوص بھی ہے اور مطلق بھی۔

نبی الملاحم :۔ ملاحم بمعنی غزوات ہے۔ اس سے اشارہ ہے اس جہاد کی طرف جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض ہوا کسی نبی اور اس کی امت نے اتنا جہاد نہیں کیا، جتنا کہ آپ نے اور آپ کی امت نے کیا۔

مقیم السنۃ :۔ کتاب الشفاء میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا مانگی۔ اے خدا! تو محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما، جو بعد از فترت (دو انبیاءؑ کی بعثت کا درمیانی وقفہ) سنت قائم کرنے والے ہیں۔

عبد اللہ :۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہترین مقامات پر اس لقب سے یاد فرمایا:۔ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْرًا۔[2] اس کے علاوہ بھی اور کئی آیات ہیں۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ اختیار دیا گیا، کہ آیا وہ نبی اور ملک ہونا چاہتے ہیں یا

---

[1] المدثر : ۱ [2] الفرقان : ۱

نبی اور بندہ، تو آپ نے بندگی کو ترجیح دی۔ اور حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم فرمایا کرتے۔ تم میرے بارے میں ایسا مبالغہ نہ کرنا، جیسا کہ نصرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کرتے ہیں، بلکہ تم مجھے "عبداللہ ورسولہٗ" کہا کرو۔

ماذ ماذ :۔ علامہ حجازی نے کتاب الشفا کے حاشیے پر، علامہ سُہیلی سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں، کہ مَیں نے بنی اسرائیل کے ایک عالم سے جو اسلام لے آیا تھا، سنا، کہ اس لفظ کے معنی طیّب ہیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اطیب الطیبین تھے۔

البارقلیط یا فارقلیط :۔ یہ لفظ یوحنا کی انجیل میں مذکور ہے، اور اس کے معنی ہیں راستی کی روح۔ ابن الاثیر نے النہایہ میں لکھا ہے، کہ اس کے معنی ہیں حق اور باطل میں تفریق کرنے والا۔ اور نیز وہ شخص جو مومنوں اور کافروں میں اپنی تصدیق اور تکذیب میں تفریق کرتا ہے۔

حطایا :۔ ابوعمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ مَیں نے بعض اسلام لانے والے یہودیوں سے اس لفظ کے معنی دریافت کیے۔ انہوں نے کہا، جو حرم کو حرام سے بچاتا ہے اور حلال سے سازگار ہوتا ہے۔

اُحید :۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ قرآن میں میرا نام محمدؐ، انجیل میں احمد اور توریت میں احید ہے، اور مجھے احید اس لیے کہا گیا ہے، کہ مَیں اپنی امت کو نارِ جہنم سے بچا لوں گا۔

مُنحمِنّا :۔ سریانی میں اس کے معنی محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

المشفح :۔ کتاب شعیاہ میں آپ کو بشارت دی گئی ہے، کہ آپ اندھی آنکھوں کو بصارت، بہرے کانوں کو سماعت اور بے بصیرت دلوں کو بصیرت دیں گے اور جو کچھ لوگوں کو آپ سے حاصل ہو گا، اور کسی سے حاصل نہ ہو سکے گا، مشفح :۔

جو خدا کی نئے انداز سے حمد کرے۔

قثم :- جامع للخیر۔

آپ کے اسما میں مندرجہ ذیل نام بھی شامل ہیں :-

السراج ۔ النور ۔ المنیر ۔ المصباح ۔ النجم ۔ القمر ۔ الشمس ۔ السید ۔ السعید ۔ المسعود ۔ الرشید ۔ الخبیر ۔ المذکر ۔ المبلغ ۔ المیسر ۔ المبشر ۔ المنذر ۔ العزیز ۔ البصیر ۔ البر ۔ البشیر ۔ النذیر ۔ الامی ۔ المکی ۔ المدنی ۔ العربی ۔ الحجازی ۔ التہامی ۔ النقی ۔ التقی ۔ الوفی ۔ الصفی ۔ الولی ۔ المولی ۔ الامین ۔ المامون ۔ المؤتمن ۔ الحبیب ۔ الحسیب ۔ الطیب ۔ الطاہر ۔ المطہر ۔ الشاکر ۔ الشکور ۔ الشارع ۔ الشافع ۔ الناصح ۔ الصالح ۔ المصلح ۔ الضحاک ۔ المبارک ۔ الحامد ۔ الحماد ۔ الجواد ۔ الکریم ۔ الحکیم ۔ العلیم ۔ الحلیم ۔ المؤید ۔ المختار ۔ المصطفٰے ۔ المخلص ۔ الہدیٰ ۔ المعصوم ۔ الوجیہ ۔ الوسیلہ ۔ العفو ۔ الصفوح ۔ العطوف ۔ الہادی ۔ المقدس ۔ البرہان ۔ الحنیف ۔ الخلیل ۔ الخلیفہ ۔ المکین ۔ الصفوہ ۔ الصادق ۔ المصدوق ۔ صاحب الحوض المورود (اس حوض کے مالک جہاں لوگ پانی پینے آئیں گے) صاحب المقام المحمود ۔ صاحب اللواء (علم کے مالک) صاحب المعجزات ۔ مفتاح الجنۃ ۔ رسولِ رحمت ۔ نبی التوبہ ۔ امام الخیر ۔ امام المتقین ۔ امام النبیین ۔ اکرم الناس ۔ خطیب الانبیاء ۔ خیر البریہ (ساری مخلوق سے بہتر) خیرۃ اللہ (اللہ کا پسندیدہ) دار الحکمۃ ۔ دلیل الخیرات (نیکیوں کی طرف رہنمائی کرنے والا) رحمۃ للعالمین ۔ روح القدس ۔ عَلَمِ الیقین ۔ العروۃ الوثقیٰ (مضبوط رسی) مدینۃ العلم ۔ ہدیۃ اللہ (اللہ کا محترم) عبدالکریم (فیاض بندہ) صلی اللہ علیہ وسلم ۔

کعب الاحبار سے روایت ہے کہ اہلِ جنت کے یہاں حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا نام عبد الکریم ہے اور اہلِ جہنم کے یہاں عبد الجبار اور اہلِ عرش کے یہاں عبد الحمید

اور باقی ملائکہ کے یہاں عبدالمجید۔ اور ابرار کے یہاں عبدالوہاب اور شیاطین کے یہاں عبدالقہار جنوں کے یہاں عبدالرحیم۔ پہاڑوں میں عبدالخالق، میدانوں میں عبدالقادر، سمندروں میں عبدالمہیمن، مچھلیوں میں عبدالقدوس، شیران بیشہ میں عبدالغیاث۔ وحوش میں عبدالرزاق، درندوں میں عبدالسلام، چارپایوں میں عبدالمومن، پرندوں میں عبدالغفار تورات میں موذ موذ، انجیل میں طاب طاب، صحائف میں عاقب، زبور میں فاروق، اللہ کے یہاں طٰہٰ و یٰسین اور مومنین کے یہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے، کیونکہ آپ مستحقین میں جنت تقسیم فرمائیں گے۔

فصل دوم

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی قابل تکریم اولاد کے بارے میں

حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی چار صاحب زادیاں تھیں۔ حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمۃ الزہرا۔ آپ کے صاحبزادوں کی تعداد تین تھی۔ قاسم، ابراہیم، عبداللہ۔ بعض لوگوں نے اس تعداد پر طیب، مطیب، طاہر، مطہر کا اضافہ بھی کیا ہے۔ حضرت قاسم سب سے پہلے صاحبزادے ہیں، جو بعثت سے پہلے پیدا ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کنیت انہی کے نام سے تھی۔ وہ چلنے تک زندہ رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ صرف دو سال زندہ رہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا باقی صاحبزادیوں سے بڑی تھیں، ان کی ولادت کے وقت آپ کی عمر تیس برس تھی۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بعثت کا زمانہ پایا، اور ہجرت کی، اور ہجرت کے آٹھویں سال فوت ہوئیں۔ آپ کے شوہر ابوالعاص لقیط بن ربیع تھے، جو ان کے خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا

نے شوہر سے پہلے ہجرت کی تھی، اور چونکہ وہ مشرک تھے، اس لیے علیحدگی ہوگئی تھی۔ بعد میں جب وہ اسلام لے آئے، تو پہلے نکاح کی بنا پر ہی حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے شوہر کے سپرد کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ پھر نکاح پڑھایا گیا تھا۔ ان کے یہاں علی نام کا ایک بچہ پیدا ہوا تھا، جو بچپن ہی میں فوت ہو گیا تھا۔ یہ بچہ فتح مکہ کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے یہاں حضرت امامہ پیدا ہوئیں، جنہیں آپ نے ایک دن نمازِ صبح میں کندھے پر اٹھایا ہوا تھا۔ جب رکوع کرتے اتار دیتے، اور جب سجدے سے فارغ ہوتے، پھر اٹھا لیتے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان سے شادی کر لی تھی۔

حضرت رقیہ کی پیدائش کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تینتیس برس تھی، ان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شادی کی، اور دو ہجرتوں (حبشہ اور مدینہ) میں شریک تھیں۔ اور نہایت خوش شکل تھیں۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم بدر کی مہم پر تھے کہ فوت ہو گئیں۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام بھجوایا۔ جب آپ کو اس کا علم ہوا تو فرمایا، اے عمر! میں تمہیں عثمان سے بہتر آدمی کی نشاندہی کرتا ہوں۔ اور اسی طرح عثمان کو تم سے بہتر آدمی کا پتہ دیتا ہوں۔ کہا، درست ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے فرمایا، تو اپنی بیٹی کا مجھ سے نکاح کر دے اور میں اپنی بیٹی ام کلثوم کو عثمان سے بیاہ دیتا ہوں۔ روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا، اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر میری سو بیٹیاں ہوتیں اور آگے پیچھے مرتی چلی جاتیں، تو میں ہر دوسری کو تجھ سے بیاہتا چلا جاتا۔ یہ جبریل علیہ السلام موجود ہیں جو کہہ رہے ہیں، کہ خدا کا حکم ہے کہ میں ام کلثوم کو

تجھ سے بیاہ دوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ نکاح ہجرت کے تیسرے سال کیا تھا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہجرت کے نویں سال وفات پا گئیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر پر بیٹھ گئے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بعثت کے ایک سال بعد (جب آپ اکتالیس برس کے تھے) پیدا ہوئیں۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبوّت سے پانچ برس پہلے پیدا ہوئیں، ایک مرفوع روایت کے مطابق صاحبزادی کا نام فاطمہ اس لیے رکھا گیا، کہ خدا نے ان کو اور ان کی اولاد کو قیامت کے دن جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا ہے۔ اور بتول اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے عہد کی عورتوں سے فضل، دین اور حسب و نسب کے لحاظ سے ممتاز ہیں۔ اور ایک روایت کی رُو سے انہیں اس لیے بتول کہتے ہیں، کہ انہوں نے دنیا سے قطع تعلق کر کے خدا سے رشتہ جوڑ لیا تھا۔ آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے، بامر اللہ، ہجرت کے دوسرے سال بیاہ دیا۔ اس وقت ان کی عمر پندرہ سال اور پانچ مہینے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی عمر اکیس سال اور پانچ مہینے تھی۔ ابو عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی افضل ترین اولاد تھیں۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کو سب سے عزیز تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے منہ پر بوسہ دیتے اور ان کی زبان کو چوستے تھے۔ جب آپ سفر پر روانہ ہوتے، تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات فرماتے، اور جب واپس تشریف لاتے، تو سب سے پہلے ان کے یہاں تشریف لے جاتے۔ آپ نے فرمایا، فاطمہ میرے دل کا ٹکڑا ہے، جس نے اسے ناراض کیا، اس نے خدا کو ناراض کیا۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔ آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، کیا تجھے یہ بات پسند نہیں، کہ تو تمام مومن عورتوں کی سردار بنا دی جائے۔ یہ

مسلم کی روایت ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں افضل النساء مذکور ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا منگل وار کے دن، رمضان کی چار تاریخ کو ہجرت کے گیارہویں سال فوت ہوگئیں۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے ان کے تین لڑکے (حسن، حسین اور محسن تھے اور محسن جو بچپن میں فوت ہو گئے تھے) اور دو لڑکیاں حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی نسل، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے دو بیٹوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما سے چلی اور دنیا میں پھیل گئی۔

جناب ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے، جو ہجرت کے آٹھویں سال ذوالحجہ کے مہینے میں پیدا ہوئے تھے۔ حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آزاد کردہ غلام ابورافع رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ ان کی دایہ تھیں۔ جب ابورافع نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان (ابراہیم) کی ولادت کی خوشخبری دی، آپ نے انہیں ایک غلام عطا کیا، اور ساتویں دن دو مینڈھوں سے ان کا عقیقہ کیا۔ ابوہند نے بچّے کا سر مونڈھا، اور آپ نے اسی دن ان کا نام رکھا اور ان کے بالوں کے وزن کے برابر مساکین کو چاندی دی، اور بال زمین میں دفنا دیئے۔

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، آج رات میرے گھر ایک بچّہ پیدا ہوا ہے، جس کا نام میں نے اپنے باپ کے نام پر ابراہیم تجویز کیا ہے اور انصار نے بچے کو دودھ پلانے کے سلسلے میں رغبت کا اظہار کیا، تاکہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو خدمت کا وقت مل سکے۔ آپ نے بچے کو ام بردہ زوجہ براء بن اوس رضی اللہ عنہما کے سپرد کیا۔ وہ اپنے بچے کا (جس کا تعلق بنو مازن بن نجار سے تھا) دودھ پلاتی تھیں، اور پھر ماں کو واپس کر دیتی تھیں۔ آپ نے دودھ پلائی کو ایک قطعہ زمین جس میں کھجوریں

تھیں، دیا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ میں نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا، جو اولاد پر رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے زیادہ مہربان ہو۔ حضرت ابراہیم کی رضاعت کا انتظام مضافاتِ مدینہ (بالائی حصے) میں تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں جاتے اس گھر میں داخل ہوتے۔ حضرت ابراہیم کے رضائی باپ لوہار تھے، انہیں (بچے کو) چومتے اور پھر واپس آجاتے۔ یہ حاتم کی روایت ہے۔ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ آپ بچے کو سونگھتے بھی تھے۔

حضرت ابراہیم ستّر دن کے بعد فوت ہو گئے۔ ایک روایت میں اس سے زیادہ دنوں کا ذکر ہے۔ نمازِ جنازہ جنت البقیع میں پڑھی گئی۔ فرمایا، ہم اسے اپنے پیشرو عثمان بن مظعون کے پاس دفن کریں گے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر کے ایک کنارے پر بیٹھ گئے، اور قبر پر چھڑکاؤ کیا گیا، اور نشان لگایا گیا، یہ پہلی قبر تھی، جس پر چھڑکاؤ ہوا تھا۔ (رضی اللہ عنہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا، اور انہیں لے کر نخل آئے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے ابراہیم آخری دموں پر تھے۔ حضور نبی کریم نے انہیں اٹھا کر گود میں رکھا، آپ کے آنسو جاری تھے، فرمایا، اے ابراہیم، ہم تیری وجہ سے غمگین ہیں۔ آنکھیں روتی ہیں، دل مغموم ہے اور ہم کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں۔ حضرت ابراہیم کی وفات کے دن سورج گرہن تھا۔ لوگ کہنے لگے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کی وفات کی وجہ سے ہے۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، سورج اور چاند اللہ کی نشانیاں ہیں کسی کی موت سے ان میں گہن نہیں آتا۔ یہ شیخین کی روایت ہے۔ حضرت ابن عباس

سے روایت ہے، کہ جب حضرت ابراہیم فوت ہوئے، فرمایا، اسے دودھ پلانے والی جنت میں مل جائے گی۔ اگر وہ زندہ رہتا۔ تو سچا نبی ہوتا۔ اور اگر وہ زندہ رہتا، تو میں اس کے ننھیال (قبطیوں) کو آزاد کر دیتا۔ اور کوئی قبطی بھی غلام نہ بنایا جاتا۔

فصلِ سوم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ طاہرات اور کنیزیں

قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے :۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ [1]۔ اس آیت سے ان کے نکاح کی حرمت، خلوت و جلوت میں ان کے لازمی احترام، باقی عورتوں پر ان کی فضیلت نیز نیکیوں پر دُگنا ثواب اور خطاؤں پر دُگنا عذاب اور سوائے حجاب کے ان سے کوئی بات پوچھنے کی ممانعت کا ذکر ہے۔

ازواجِ مطہرات میں سب سے بلند رتبہ حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما ہیں اور اس میں اختلاف ہے کہ دونوں میں کون افضل ہے، نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، بہرحال اس پر اتفاق ہے کہ ان کی تعداد گیارہ تھی۔ ان میں سے چھ خدیجہ بنت خویلد، عائشہ بنت حضرت ابوبکر، حفصہ بنت حضرت عمر، امِ حبیبہ بنت ابوسفیان، امِ سلمہ بنت ابی امیہ اور سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہم قریش سے تھیں اور چار زینب بنت جحش، میمونہ بنت الحارث، زینب بنت خزیمہ اور جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہم عرب تھیں اور ایک صفیہ بنت حُیَیّ رضی اللہ عنہا غیر عرب تھیں۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے، تو اس وقت تعداد نو تھی۔

---

[1] احزاب : ۶

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا، تو وہ بیوہ تھیں اور ان کی عمر چالیس برس تھی، اور حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی عمر پچیس برس تھی۔ آپ نے ان کا مہر بیس اونٹ مقرر کیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ مہر کی مقدار بارہ اوقیہ سونا تجویز ہوئی تھی۔ عورتوں میں سب سے پہلے آپ ایمان لائیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدیجہ رضی اللہ عنہا کو خدا کی طرف سے اور میری طرف سے سلام کہیے۔ اور انہیں جنت میں ایک ایسے گھر کی بشارت دیجئے، جو موتیوں کا بنا ہوا ہے۔ جس میں نہ شور و شغب ہے، نہ کوئی اور تکلیف۔ جب بھی کوئی شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تردید یا تکذیب کرتا، اور آپ کو اس کا دکھ ہوتا، تو واپسی پر ام المومنین رضی اللہ عنہا آپ کی دلداری کرتیں جس سے دکھ میں کمی ہو جاتی۔ آپ کی تصدیق کر کے لوگوں کی بدسلوکی کے رنج کو ہلکا کرتیں، تاآنکہ وہ فوت ہو گئیں۔ حضرت شیخ الاسلام شرح البہجہ میں لکھتے ہیں کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سب سے افضل ہیں۔ البتہ ان دونوں میں کون افضل ہے اس میں اختلاف ہے۔ ابن عماد رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کے قائل ہیں۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ ایک دفعہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس فقرے (کہ خدا نے آپ کو خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بہتر بیویاں دی ہیں) کے جواب میں فرمایا تھا بخدا ایسا نہیں ہے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا مجھ پر ایمان لائی، جب لوگوں نے انکار کیا۔ اس نے تصدیق کی جب لوگوں نے تکذیب کی، اس نے اپنا مال مجھے دیا، جب لوگوں نے رکاوٹیں پیدا کیں۔ ابن داؤد سے پوچھا گیا، تو انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت دی۔ اور نیز ان کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، اس بنا پر میں حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے دل کے ٹکڑے کا کسی اور سے موازنہ نہیں کرتا۔ نیز آپ کا یہ قول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت پر دال ہے :۔ اَمَا تَرْضِیْنَ اَنْ تَکُوْنِی سَیِّدَۃَ نِسَاءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ اِلَّا مَرْیَمَ ۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ جس بات کو ہم پسند کرتے ہیں اور خدا کو گواہ ٹھہراتے ہیں وہ یہ ہے کہ پہلا نمبر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا، دوسرا نمبر ان کی ماں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اور تیسرا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ ابوامامہ بن نقاش کی رائے ہے کہ قبولِ اسلام میں پہل اور ابتدائے اسلام میں ان کی خدمات، ارتکابِ خطرات، امداد اور استقلال کی بنا پر جس میں ان کی ذات اور مال شریک تھا، کوئی بھی، عائشہ رضی اللہ عنہا ہوں یا کوئی اور، ان کا مدِمقابل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح دین کی امتِ محمدیہ میں اشاعت اور تبلیغ کی رو سے جو اُن کا امتیازی وصف ہے۔ نہ تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور نہ کوئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مثیل ہو سکتا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ہجرت سے تین سال پہلے مکہ میں انتقال فرمایا اور حجون میں دفن ہوئیں۔ اس وقت ان کی عمر پینسٹھ برس تھی۔ اس زمانے میں نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جاتی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ان کی مدتِ قیام پچیس برس تھی۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا قدیم الاسلام ہیں، جنہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ پہلے اپنے عمزاد بھائی سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بیاہی گئی تھیں۔ دونوں ساتھ ایمان لائے۔ اور دونوں نے حبشہ کی ہجرتِ ثانیہ میں حصہ لیا۔ جب مکے لوٹیں تو ان کے شوہر فوت ہو گئے اور حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ان سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد نکاح کر لیا حضرت سودہ کا یہ نکاح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عقد سے پہلے ہوا تھا بعض کی رائے ہے کہ بعد میں ہوا تھا جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عمر زیادہ ہو گئی، تو آپ نے طلاق کا ارادہ کیا لیکن حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے کہنے پر آپ نے ارادہ بدل لیا، اور انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے مدینے میں چون ہجری میں شوال کے مہینے میں وفات پائی۔

حضرت عائشہ سے نکاح:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ نے چار سو درہم مہر پر نکاح کیا۔ یہ واقعہ نبوت کے دسویں سال ہجرت کے تین برس پہلے شوال میں وقوع پذیر ہوا، اس وقت ان کی عمر چھ برس تھی۔ ہجرت کے دوسرے سال شوال میں جبکہ ان کی عمر نو برس تھی رخصتی ہوئی۔ حضرت ابوعمرو کہتے ہیں، چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح ان سے شوال کے مہینے میں ہوا تھا، اور رخصتی بھی شوال میں ہوئی تھی۔ اس لیے ہماری خواہش ہوتی کہ عورتیں اپنے دوستوں اور عزیزوں کو ملنے اسی مہینے میں جایا کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کو تمام ازواج سے زیادہ محبوب تھیں۔ چنانچہ جب وہ کسی چیز کا تقاضا کرتیں، حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم مان لیتے۔ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ میں نے متواتر تین رات خواب میں دیکھا کہ فرشتہ تجھے ایک سفید ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر لایا، کہنے لگا، یہ آپ کی زوجہ ہیں، میں نے تیرے چہرے سے پردہ ہٹایا اور کہا، کہ اگر یہ اللہ کی مرضی ہے، تو ٹھیک ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مدتِ قیام نو سال تھی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ان کی عمر اٹھارہ برس تھی۔ ان کے سوا اور کسی باکرہ عورت سے آپ نے نکاح نہیں کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فقیہہ، عالم اور فصیح البیان تھیں۔ حضور نبی کریم

کی احادیث بکثرت یاد تھیں۔ ایام العرب اور اشعارِ عرب سے واقف تھیں۔ صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت نے ان سے احادیث روایت کیں، انہوں نے مدینہ منورہ میں چھیاسٹھ برس کی عمر میں، منگوار کے دن، رمضان المبارک کی سترہ تاریخ کو اٹھاون ہجری میں وفات پائی۔ اور اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نام پر ان کی کنیت ام عبداللہ تھی۔ ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا:۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے پہلے وہ خُنَیس بن حذافہ کی بیوی تھیں۔ ان کے ساتھ ہجرت کی۔ ان کے شوہر غزوۂ بدر کے بعد فوت ہو گئے تھے، پھر آپ نے ان سے ہجرت کے تیسرے سال نکاح کر لیا۔ ایک بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں ایک طلاق دے کر رجوع کر لیا تھا، کیونکہ وحی نازل ہوئی تھی، اور ارشاد ہوا تھا کہ حفصہ کو واپس لے لیجئے، کیونکہ وہ صوم وصلوٰۃ کی حد سے زیادہ شائق ہیں، اور ہم نے ان سے آپ کا جنت میں نکاح کر دیا ہے۔ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے ان سے احادیث کی روایت کی۔ انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ہجرت کے پینتالیسویں سال شعبان کے مہینے میں جب وہ ساٹھ سال کی ہو چکی تھیں، وفات پائی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا:۔ ان کا نام ہند تھا۔ وہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے پہلے حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں، وہ پہلی خاتون تھیں، جنہوں نے اپنے خاوند کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی اور پھر مدینہ میں ہجرت کر کے جانے والی بھی وہ پہلی خاتون تھیں۔ ان کے شوہر ہجرت کے چوتھے سال فوت ہو گئے تھے۔ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام بھجوایا، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر حضورِ اکرم

نے پیغام بھجوایا۔ توانہوں نے بہ صد مسرت قبول کرلیا۔ اور اپنے بیٹے سے کہا، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے میرا نکاح پڑھا دو۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نہایت خوبصورت خاتون تھیں۔ انہوں نے چوراسی سال کی عمر میں انسٹھ ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا:۔ ان کا نام رملہ تھا اور عبید اللہ بن جحش کی زوجہ تھیں۔ حبشہ کی ہجرتِ ثانیہ میں دونوں نے حبشہ کو ہجرت کی لیکن عبد اللہ نے عیسائیت قبول کرلی اور مرتد ہوگیا اور وہیں مرگیا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیۃ الضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی شاہ حبشہ کے پاس بھیجا، تاکہ آپ کی طرف سے انہیں پیغامِ نکاح بھجوائے، چنانچہ نجاشی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیاہ دیا اور چار سو دینار بطورِ مہر مقرر کیے۔

نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور باقی مسلمانوں کو جو ان دنوں وہاں تھے طلب کیا۔ نجاشی نے خطبہ پڑھا:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهَيْمِنِ الْعَزِيْزِ الْجَبَّارِ[1]۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ[2]۔ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اَجَبْتُ اِلٰى مَا دَعٰى اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَزَوَّجْتُهٗ اُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ اَبُوْسُفْيَانَ فَبَارَكَ اللّٰهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

نجاشی نے دینار خالد بن سعید بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے حوالے کیے، جو انہوں نے لے لیے۔ پھر انہوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا۔ تو نجاشی نے کہا، ابھی بیٹھے رہو، کیونکہ سنتِ انبیاء یہ ہے کہ جب وہ نکاح کرتے ہیں، تو نکاح کے بعد کھانا کھلاتے

---

[1] الحشر: ۲۳ [2] التوبہ: ۳۳

ہیں، چنانچہ کھانا منگوایا گیا۔ مہمانوں نے کھایا اور رخصت ہو گئے۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے مدینے میں ہجرت کے چوالیسویں سال وفات پائی۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا:۔ ان کی والدہ کا نام امیہ بنت عبد المطلب تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ سے کی تھی۔ کچھ عرصہ ان کے پاس رہیں۔ بعد میں طلاق ہو گئی۔ جب عدت گزر گئی، حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے حضرت زید سے کہا، جاؤ اور اس سے میرا ذکر کرو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ میں زینب رضی اللہ عنہا کے پاس گیا۔ دروازے کی طرف پیٹھ کر کے میں نے کہا: اے زینب! مجھے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے، تاکہ آپ کا پیغام پہنچاؤں کہنے لگی، میں اس باب میں کسی سے کوئی بات نہیں کروں گی، جب تک خدائی حکم نہ آجائے۔ اس پر قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:۔ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا[1]۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آئے، اور بغیر اجازت اندر چلے گئے۔ یہ روایت مسلم کی ہے۔ حضرت زینت رضی اللہ عنہا باقی ازواج پر فخر کیا کرتیں۔ اور کہتیں، کہ تمہیں تو تمہارے بزرگوں نے بیاہا ہے اور مجھے خدا نے سات آسمانوں کے اوپر بیاہا۔ یہ نکاح ہجرت کے پانچویں سال ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے بارے میں کہا تھا: میں نے معاملاتِ دین میں ان سے بہتر خاتون نہیں دیکھی۔ خدا سے ڈرنے والی، راست گو، اقربا سے صلہ رحمی کرنے والی، خدا کی راہ میں خیرات کرنے والی۔ اور ایسے اعمال کی بجا آوری میں، جو خدا کے قرب کا باعث بن سکتے تھے۔ اپنے آپ پر حد درجہ سخت گیر تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد ازواجِ مطہرات میں سے سب سے پہلے وہ فوت ہوئیں۔ انہوں نے مدینے میں ہجرت کے بیسویں سال ترپن برس کی عمر میں وفات پائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

---

[1] احزاب

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا:۔ ان کے شوہر کا نام عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ تھا، جو اُحد کی لڑائی میں شہید ہو گئے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے تین ہجری میں نکاح کیا، مگر وہ دو تین ماہ کے بعد فوت ہو گئیں۔ اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ وہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی از طرف مادر بہن تھیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا:۔ وہ پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ کی زوجہ تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے، ہجری کے ساتویں سال فتح خیبر کے بعد، جب عمرے کا احرام باندھا ہوا تھا، نکاح کیا۔ جناب میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بارے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اختیار دے رکھا تھا۔ انہوں نے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے حالتِ احرام میں نکاح کر دیا۔ جب آپ واپس آئے، تو بہ مقامِ سرف جو مکے سے دس میل کے فاصلہ پر ہے ازدواجی تعلقات قائم کیے۔ ابنِ اسحاق راوی ہیں، کہ یہ وہ خاتون ہیں، جنہوں نے اپنا آپ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش دیا تھا۔ واقعہ یوں ہے، کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیغام انہیں موصول ہُوا، تو وہ اونٹ پر سوار تھیں۔ کہنے لگیں کہ یہ اونٹ اور اس کا سوار ہر دو اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔ انہوں نے سرف کے مقام پر اکاون ہجری میں وفات پائی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا:۔ ان کے شوہر کا نام مسافع بن صفوان تھا۔ اور وہ غزوہ مریسیع میں ہجرت کے پانچویں سال ثابت بن قیس انصاری کے حصے میں آئی تھیں۔ انہوں نے ان سے مکاتبت کر لی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگیں، یارسول اللہ! میں جُویریہ بنت حارث

ہوں۔ اور جو صورتِ حال مجھے پیش آئی ہے، وہ آپ کو معلوم ہے۔ اور میں ثابت بن قیس کے حصّے میں آئی ہوں۔ اور میں نے مکاتبت کرلی ہے، میں آپ سے زرِ کتابت مانگنے آئی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر میں اس سے بہتر تجویز کروں تو! انہوں نے پوچھا، وہ کیا ہے؟ فرمایا، میں تیرا زرِ کتابت ادا کرکے تجھ سے نکاح کرلوں۔ کہنے لگیں ٹھیک ہے۔ اہلِ لشکر کو معلوم ہوا، کہ حضور علیہ التحیہ والتسلیم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا ہے، انہوں نے سارے قیدی حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے سسرال ہونے کی وجہ سے آزاد کردیئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں، کہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی خاتون بھی اپنے قبیلے کے لیے اتنی عظیم برکت کا سبب نہ بن سکی، ان کی وجہ سے بنو مصطلق کے کم از کم سو خاندان آزاد کردیئے گئے۔ اس وقت ان کی عمر بیس برس تھی۔ اور جب وہ چھپن ہجری میں فوت ہوئیں تو ان کی عمر پینسٹھ برس تھی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا:۔ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کے خاندان سے تھیں اور کنانہ بن ابی الحقیق کی (جو خیبر کی جنگ میں مارا گیا تھا) زوجہ تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کیا اور جنگی قیدی جمع کیے تو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے اور ایک لونڈی کے لیے درخواست کی، فرمایا، جاؤ اور لے لو۔ انہوں نے صفیہ بنت حیی کا انتخاب کیا۔ اتنے میں ایک شخص نے آکر عرض کی، یا رسول اللہ! آپ نے صفیہ (جو بنو قریظہ اور بنو نضیر کے سردار کی بیٹی ہے) دحیہ کو دے دی، حالانکہ وہ آپ کے لیے موزوں ہے۔ فرمایا، اسے میرے پاس بھیجو۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے دیکھ کر دحیہ رضی اللہ عنہ کو کہا، جاؤ، تم کوئی اور ڈھونڈھ لو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جناب صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کردیا، اور نکاح کرلیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی راستے ہی میں تھے، کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے تیار کیا۔ اور رات کو آپ کے سامنے پیش کیا۔ دوسری صبح ان کی حیثیت دلہن کی تھی۔ فرمایا جس کے پاس بھی کوئی زائد چیز ہو، لے آؤ۔ آپ نے کپڑا بچھایا، لوگ چھوٹی چھوٹی چیزیں لے آئے، کوئی کھجور لایا، کوئی تیل لایا، پھر حلوہ بنایا گیا یہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے پچاس ہجری میں رمضان المبارک کے مہینے میں بہ عہدِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ یہ فہرست ہے ان ازواجِ مطہرات کی جن کے آپ سے تعلقاتِ ازدواجی قائم تھے اور تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے۔

روایت میں ہے، کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ خواتین کے علاوہ بھی کئی اور خواتین سے نکاح کیا اور ان کی تعداد بارہ ہے۔ پہلی اُم شریک رضی اللہ عنہا ہیں، جنہوں نے اپنا آپ حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو بخش دیا تھا مگر آپ نے قبل از جماع ہی طلاق دے دی تھی۔ چنانچہ انہوں نے تامرگ شادی نہ کی۔

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا بھی ان عورتوں سے ہیں جنہوں نے اپنا آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بخش دیا تھا۔ اسی طرح خولہ بنت ہذیل رضی اللہ عنہا نے بھی اپنا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش دیا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی نکاح کیا تھا لیکن وہ آپ کے پاس آنے سے پہلے ہی فوت ہوگئیں۔ تیسری خاتون عمرہ بنت یزید رضی اللہ عنہا تھیں، جنہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی تھی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ انہیں تین کپڑے دے دیں۔ چوتھی اسماء بنت نعمان رضی اللہ عنہا تھیں، آپ نے ان سے نکاح کیا، جب آپ نے اپنے پاس بلایا، تو کسی کے بہکانے پر کہنے لگیں، اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنکَ۔ آپ نے فرمایا، تو نے درست پناہ مانگی ہے۔ آپ نے اسے

واپس کر دیا۔ وہ ساری زندگی اپنے آپ کو بدبخت کہا کرتی تھیں۔ پانچویں ملیکہ بنت کعب رضی اللہ عنہا تھیں بعض لوگ اس خاتون کے نکاح کے منکر ہیں۔ چھٹی فاطمہ بنت ضحاک رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان سے نکاح کیا لیکن آپ نے علیٰحدگی اختیار کر لی۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس خاتون کے باپ نے عرض کی تھی۔ ابھی تک اس سے جماع کی نوبت نہیں آئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے اس کی ضرورت ہی نہیں۔ ساتویں عالیہ بنت ظبیان رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ نے ان سے نکاح کیا اور کچھ عرصہ آپ کے ساتھ رہیں، پھر طلاق ہو گئی۔ آٹھویں قتیلہ بنت قیس تھیں۔ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے سے پہلے ہی فوت ہو گئی تھیں۔ نویں سنا بنت اسماء رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ بھی حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمت میں نہ آسکیں اور فوت ہو گئیں۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق آپ نے خلوت سے پہلے ہی طلاق دے دی تھی۔ دسویں شراف بنت خلیفہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ جو دحیہ الکلبی رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے نکاح کیا لیکن خلوت سے پہلے ہی فوت ہو گئیں۔ گیارہویں لیلیٰ بنت خطیم رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ نے ان سے نکاح کیا۔ لیکن وہ دوسری ازواج کے وجود کو برداشت نہ کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے علیٰحدگی کی درخواست کی، آپ نے انہیں علیٰحدہ کر دیا۔ اور انہیں بھیڑیا کھا گیا۔ بارہویں بنو غفار کی ایک عورت تھی۔ جس سے آپ نے نکاح کیا۔ اس کے پہلو میں ایک سفید نشان دیکھا۔ آپ نے اسے واپس بھیج دیا۔ لیکن جو کچھ اسے دیا تھا، واپس نہ لیا۔ یہ ذکر ہے، ان خواتین کا جن سے آپ نے نکاح کیا اور اپنی زندگی ہی میں انہیں علیٰحدہ کر دیا۔ بعض کو قبل از خلوت اور بعض کو بعد از خلوت۔

یہ روایت بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے کئی عورتوں کو نکاح کا پیغام بھی بھجوایا تھا ان میں سے ایک خاتون مُرّہ بن عوف تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے

والد کو پیغام بھجوایا۔ باپ نے کہلا بھیجا، کہ لڑکی کو برص کی بیماری ہے، حالانکہ یہ بات غلط تھی، جب گھر واپس آیا۔ تو دیکھا کہ لڑکی کو واقعی برص ہو گیا ہے۔ دوسری ایک قریشی لڑکی تھی، اس کا نام سودہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نکاح کا پیغام بھجوایا، اس کے کئی بچے تھے، کہنے لگی، میں ڈرتی ہوں، کہ یہ آپ کے سر کے گرد بیٹھ کر چیخیں گے، چلائیں گے۔ آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی اور علیحدہ کر دیا۔ تیسری صفیہ بنت بشامہ تھی، یہ لڑکی جنگی قیدیوں میں آئی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے اور خاوند میں انتخاب کا موقعہ دیا۔ اس نے خاوند کو ترجیح دی۔ چوتھی کا نام مذکور نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے نکاح کا پیغام بھجوایا۔ اس نے کہلا بھیجا، میں اپنے باپ سے مشورہ کرنا چاہتی ہوں۔ آپ نے اجازت دے دی۔ پھر وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آگئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم نے تیرے بغیر لحاف پا لیا ہے۔ پانچویں ام ہانی فاختہ بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہمشیرہ تھیں، آپ نے پیغام بھجوایا، کہنے لگیں، میں بال بچے دار ہوں۔ انہوں نے معذرت کی، آپ نے قبول فرمالی۔ چھٹی ضباعہ بنت عامر رضی اللہ عنہا تھیں، آپ نے انہیں ان کے بیٹے حضرت سلمہ بن ہاشم کی معرفت پیغام بھجوایا۔ تاکہ اسے مشورہ دے۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو کسی نے بتایا کہ ضباعہ نے گھمنڈ کا اظہار کیا ہے، جب بیٹا ماں کی رضامندی لے کر واپس آیا، تو آپ نے سکوت فرمایا اور نکاح نہ ہو سکا۔ ساتویں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی امامہ تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیش کی گئی، تو آپ نے فرمایا، یہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔ آٹھویں عزّہ بنت ابو سفیان تھیں۔ جسے ان کی بہن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا، فرمایا یہ اپنی بہن کی وجہ سے مجھ پر حلال نہیں۔

روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے بنو جندع کی ایک عورت سے

جو جُندب بن ضمرہ کی لڑکی تھی، نکاح کیا، لیکن اس سے خلوت کی نوبت نہ آئی۔ بعض راوی اس روایت کو غلط کہتے ہیں۔ یہ ان عورتوں کی فہرست ہے، جن سے آپ نے نکاح کیا، یا نکاح کا پیغام بھجوایا۔ یا جن سے خلوت کی یا نہ کی۔ اور یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کا ذکر کیا گیا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈیوں کی تعداد چار تھی۔ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا جو حضرت ابراہیم کی والدہ تھیں، جنہیں مقوقس حاکم سکندریہ نے بطور تحفہ بھیجا تھا، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں سولہ ہجری میں فوت ہوئیں اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

دوسری ریحانہ قرظیہ رضی اللہ عنہا ہیں، جو حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی وفات سے پہلے دس ہجری میں فوت ہوئیں۔ اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ تیسری زینب بنت جحش تھیں، جنہوں نے اپنا آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش دیا تھا۔ چوتھی کسی غزوے میں قید ہو کر آئی تھیں۔

فصلِ چہارم

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں، پھوپھیوں

رضاعی بھائیوں اور دادیوں کے بارے میں

ذخائر العقبیٰ کا مصنف:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقربا کے مناقب میں لکھتا ہے، کہ آپ کے بارہ چچا تھے اور حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے والد ماجد حضرت عبد اللہ، جناب عبد المطلب کے تیرھویں فرزند تھے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:۔ الحارث۔ ابوطالب (نام عبد مناف تھا) زبیر دان

کی کنیت ابوالحارث تھی) حمزہ، ابولہب (نام عبدالعزیٰ تھا) غیداق، مقوم، ضرار، عباس، قثم، عبدالکعبہ اور حجل (نام مغیرہ تھا) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعمارہ اور ابویعلیٰ تھی۔ وہ بعثت کے دوسرے سال اسلام لائے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ چھٹے سال۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ کہ خدا کے ہاں ساتویں آسمان پر مرقوم ہے، کہ حمزہ اللہ اور اس کے رسول کے شیر ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ میرے چچاؤں میں حمزہ رضی اللہ عنہ سب سے بہتر ہیں۔ اور آپ نے سب سے پہلے جو علم ترتیب دیا، وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے تھا۔ اور سب سے پہلی فوجی مہم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بھیجی گئی تھی، غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں حاضر تھے، آخر الذکر جنگ میں وحشی کے ہاتھوں شہید ہو گئے تھے، جب آپ نے انہیں اس حالت میں دیکھا، تو رو پڑے اور جب ان کے ناک کان کٹے دیکھے، تو آپ کی چیخیں نکل گئیں۔ فرمایا مجھے کبھی ایسی مصیبت پیش نہیں آئی، اور میں نے کبھی ایسا دردناک منظر نہیں دیکھا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو اس شدت سے کبھی روتے نہیں دیکھا جیسا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر۔ آپ نے انہیں قبلہ رخ رکھا پھر نماز جنازہ کے لیے کھڑے ہوئے اور اس شدت سے روئے، کہ ہچکی بندھ گئی۔ فرمایا، اے حمزہ! اے میرے چچا! اے اللہ اور رسول کے شیر! اے حمزہ خیرات کرنے والے، مصائب کو رفع کرنے والے اور رسول کی ذات سے تکالیف دور کرنے والے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر جنازے میں چار تکبیریں کہتے تھے لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے ستر تکبیریں کہیں، شہادت کے دن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی عمر انسٹھ برس تھی۔ انہیں اور ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے، میں حیران

ہوں، کہ حضرت حمزہ کا قاتل کیسے نجات پائے گا۔ تا آنکہ وہ کثرت شراب نوشی سے مر گیا۔ ابنِ ہشام راوی ہیں، مجھے معلوم ہوا کہ وحشی کو ہمیشہ شراب نوشی کی وجہ سے حد ماری جاتی تھی، اس کا نام رجسٹر سے نکال دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے، مجھے یقین تھا کہ خدا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کو ہرگز نہ چھوڑے گا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ:- حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالفضل تھی، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو یا تین سال بڑے تھے، قریش کے رؤسا سے تھے۔ مسجدِ حرام کی دیکھ بھال ان کے سپرد تھی، فتح خیبر سے پہلے ایمان لائے۔ وہ اسلام کو چھپائے رہے اور فتح مکہ کے دن اس کا اظہار کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از قبولِ اسلام ان کی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، "عباس میرا چچا اور میرے باپ کا بھائی ہے۔ جس نے اسے تکلیف دی، مجھے تکلیف دی"۔ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا، چچا جان! کل آپ اور آپ کے بیٹے میرے آنے تک گھر سے باہر نہ جائیں، کیونکہ مجھے آپ سے کام ہے۔ جب آپ تشریف لائے، تو آپ نے ان سب کو ایک کپڑا اوڑھا دیا، پھر فرمایا:- اے خدا یہ میرا چچا اور میرے باپ کا بھائی ہے اور یہ سب لوگ میرے اہلِ بیت ہیں، تو انہیں نارِ جہنم سے اس طرح ڈھانپ لے، جس طرح کہ میں نے اس کپڑے سے ڈھانپ لیا ہے۔ یہ دعا سن کر دروازوں کی چوکھٹوں اور گھر کی دیواروں نے آمین آمین کہی۔ یہ روایت ابنِ غیلان وغیرہ کی ہے۔

ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں چادر اوڑھا دی، اس کے بعد بہ ایں انداز دعا مانگی: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِہٖ مَغْفِرَۃً ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً لَا تُغَادِرُ ذُنْبًا، اَللّٰھُمَّ احْفَظْہُ فِیْ وَلَدِہٖ۔
نیز ترمذی سے روایت ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے

فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہو گا، جب تک کہ وہ تم سے اللہ اور اس کے رسول کے لیے محبت نہیں کرے گا۔ پھر فرمایا، اے لوگو! جس نے میرے چچا کو دکھ دیا اس نے مجھے دکھ دیا۔ کیونکہ ہر آدمی کا چچا، اس کے باپ کا بھائی ہوتا ہے۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی دعا کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے اور ان کے احباب کے لیے دہرایا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اٹھاسی برس کی عمر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں تینتیس ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے چچاؤں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سب سے چھوٹے اور حارث سب سے بڑے تھے۔ ان میں صرف حضرت عباس اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما ایمان لائے تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں جو حضرت عبد المطلب کی صاحبزادیاں تھیں، ان کی تعداد چھ تھی۔ عاتکہ، امیمہ، البیضاء (جن کی کنیت ام حکیم تھی)، برہ، صفیہ اور اروی۔ حضرت صفیہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں جو بہ اتفاق ایمان لائیں۔ غزوہ خندق میں موجود تھیں، اور ایک یہودی کو قتل کیا تھا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا تھا۔ آپ نے مدینہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بیس ہجری میں تہتر برس کی عمر میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ عاتکہ اور اروی کے ایمان میں اختلاف ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دادیوں کی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دادیاں: تعداد چودہ تھی۔ ام عبد اللہ فاطمہ بنت عمرو المخزومی۔ ام عبد المطلب سلمی بنت عمرو النجاری۔ ام ہاشم عاتکہ بنت مرہ سلیمی،

ام عبد مناف عاتکہ بنت فالج السلیمی - ام قصی فاطمہ بنت سعد الازدی - ام کلاب نعم بنت سُرَیہ الکنانی - ام مرہ وحشیہ بنت شیبان الفہمی - ام کعب سلمی بنت محارب الفہمی - ام لویؔ وحشیہ بنت مُدرج الکنانی - ام غالب سلمی بنت سعد الہذلی - ام فہر جندلہ بنت حارث جرہمی - ام مالک ہند بنت عُدوان القیسیہ اور ام النضر برہ بنت مرۃ المتری -

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نانیاں :- ام آمنہ برّہ بنت عبدالعزیٰ - حضرت آمنہ کے والد کی ماں عاتکہ بنت اوقص السلیمی، اس کے باپ کی کنیت ابوکبشہ تھی - (اور اسی شخص کی وجہ سے لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے) کیونکہ یہ شعری کی پرستش کرتا تھا - اور عرب اس کی پرستش نہیں کرتے تھے بعض لوگ کہتے ہیں، کہ ابوکبشہ حارث بن عبدالعزیٰ کی کنیت تھی، جو آپ کا رضاعی باپ تھا - اور حضرت حلیمہ سعدیہ کا شوہر تھا - ام برّہ جو حضرت آمنہ کی والدہ تھیں ان کی کنیت ام حبیبہ تھی اور والد کا نام اسد تھا - اور والدہ برّہ بنت عوف تھی - یہ تینوں قریش سے تھیں، یہ ام برّہ قلابہ بنت حارث ہذلی تھی اور اس کی ماں کا نام ہند بنت یربوع الثقفی تھا - عرب کے ہر قبیلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسبی تعلق تھا - ابن ہشام وغیرہ کی رائے ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم تمام بنی آدم میں ماں اور باپ ہر دو کے لحاظ سے حسباً و نسباً افضل و اشرف ہیں -

رضاعی بھائی :- آپ کے رضاعی بھائی، حضرت حمزہ اور ابوسلمہ بن عبدالاسد ہیں (جنہیں ثویبہ، ابولہب کی لونڈی نے ایک ساتھ اپنے بیٹے مسروح کا دودھ پلایا تھا) نیز ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب جسے حضرت حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا تھا - اور عبداللہ، آنیسہ، حذافہ (جسے شیما بھی کہتے ہیں) یہ تینوں حضرت حلیمہ کی اولاد تھے - روایت میں ہے، کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر نے بنو ہوازن پر حملہ کیا، تو جنگی قیدیوں میں شیما بھی تھیں، کہنے لگیں، میں تمہارے آقا کی بہن ہوں، جب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس لائی گئی تو کہنے لگی، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کی بہن ہوں حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے مرحبا کہا اور بیٹھنے کو چادر بچھائی، اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔ فرمایا اگر تمہاری مرضی ہو، تو میرے پاس پورے احترام اور اعزاز کے ساتھ قیام کرو اگر اپنے قبیلے کو واپس جانا چاہتی ہو، تو میں تمہیں واپس پہنچا دوں گا۔ کہنے لگیں، میں اپنے قبیلے میں واپس جانا چاہتی ہوں مسلمان ہوگئیں اور آپ نے تین غلام ایک کنیز، اونٹ اور بکریاں عطا کیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ بنت ذُوَیب بنو ہوازن سے تھیں، انہوں نے آپ کو دودھ پلایا اور وہ مدت پوری کی۔

، آپ تعظیماً کھڑے ہوئے اور ان کے بیٹھنے کو چادر بچھائی۔

اسی طرح ثویبہ ابولہب کی لونڈی تھی۔ اس کے اسلام کے بارے میں اختلاف ہے، جیسے کہ حلیمہ اور ان کے شوہر کے اسلام کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد ثُوَیبہ اکثر حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پاس آتی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم احترام سے پیش آتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کی خبر سن کر ابولہب نے ثُوَیبہ کو آزاد کر دیا تھا۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم مدینے سے کپڑے اور کچھ رقم بھیجا کرتے تھے، تاآنکہ وہ فتح خیبر کے بعد فوت ہوگئیں۔

ام ایمن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ تھیں، نام برکہ بنت ثعلبہ تھا، اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی ماں تھیں۔ دونوں ہجرتوں حبشہ اور مدینہ میں شریک تھیں۔ ام ایمن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد کی کنیز تھیں، ایک روایت میں ہے، آپ کی والدہ یا جدہ کی۔ ان کی وفات کے بعد حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو ان کی وراثت منتقل ہوئی تھی۔ فرمایا کرتے، ام ایمن میری اصلی ماں کے بعد میری ماں ہے۔ شیما بنت حلیمہ سعدیہ بھی ماں کے ساتھ بچپن میں آپ کی خدمت کیا کرتی تھیں۔

فصلِ پنجم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمتگاروں، پاسبانوں، غلاموں، خانگی اخراجات کے مہتمم نیز آپکی مہر (انگوٹھی)، پاپوش مبارک، مسواک رکھنے والے آپ کے وکیل بار اور گردن مارنے والوں کے حالات

حضورِ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے خدمت گاروں میں حضرت انس بن مالک الانصاری، ربیعہ بن کعب الاسلمی، ایمن بن ام ایمن، عبداللہ بن مسعود ہذلی، اسلع بن شریک، عقبہ بن عامر، سعد حضرت ابوبکر کے غلام تھے، حضرت ابوذر غفاری، مہاجر جو حضرت ام سلمہ کے غلام تھے۔ حنین جو عبداللہ کے والد تھے اور جو حضرت عباس کے غلام تھے، نعیم بن ربیعہ، ابوالحمراء، بلال بن حارث اور ابوالسمح ایاد تھے۔ عورتوں میں برکہ ام ایمن جو حضرت اسامہ بن زید کی والدہ تھیں، خولہ جو حفص کی دادی تھیں۔ سلمی ام رافع جو ابو رافع کی بیوی تھیں، میمونہ بنت سعد اور ام عیاش جو حضرت رقیہ کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجرموں کی گردنیں مارنے والے مندرجہ ذیل حضرات تھے:۔ حضرت علی، زبیر بن عوام، مقداد بن عمرو، محمد بن مسلمہ، عاصم بن ثابت، ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہم۔ حضرت قیس بن سعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے شحنہ (کوتوال) کا کام دیتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے خانگی اخراجات کے ذمہ دار تھے۔ حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ آپ کی مُہر کے محافظ تھے۔ حضرت ابن مسعود مسواک اور جوتے اور ابو رافع اسلم آپ کے مال و متاع کے انچارج تھے۔

آپ کے پاسبان سعد بن معاذ (جو بنو اوس کے سردار تھے) محمد بن مسلمہ، زبیر بن

العوام، بلال، مغیرہ بن شعبہ، عباد بن بشر تھے۔ بدر کے دن حضرت ابوبکر نے جھونپڑی کے نیچے آپ کی پاسبانی کی خدمت انجام دی تھی۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی فہرست یہ ہے۔ اسامہ اور ان کے والد زید بن حارثہ، جن سے آپ کو بہت پیار تھا۔ ثوبان۔ ابوکبشہ اوس، شقران (جن کا نام صالح الحبشی تھا) رباح الاسود النوبی، اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اکیلے ہوتے تھے، تو کبھی کبھی وکیل کی خدمت بھی سرانجام دیتے تھے۔ یسار (ریوڑ چراتے تھے) زید ابو یسار، مدعم عبد اسود، ابو رافع، رفاعہ بن زید الجذامی، سفینہ، مابور القبطی، واقد، ابو واقد، انجشۃ الهادی، سلمان فارسی، شمعون بن زید، ابو ریحانہ اور ابوبکرہ نفیع بن حارث رضی اللہ عنہم۔

اور خواتین میں سے ام ایمن، سلمیٰ ام رافع زوجۂ ابو رافع، ماریہ، ریحانہ، قیصر ماریہ کی بہن وغیرہ رضی اللہ عنہن۔

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی تعداد تینتالیس اور لونڈیوں کی تعداد گیارہ تھی۔

فصل ششم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذنوں، حدی خوانوں شاعروں اور خطیبوں کا تذکرہ

حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے مؤذنوں کی تعداد چار تھی۔ دو مدینہ طیبہ میں حضرت بلال بن رباح اور عمرو بن مکتوم نابینا اور قبا میں سعد القرظ نے (جو عمار کے غلام تھے) اذان دی۔ اور مکے میں ابو محذورہ اوس الجمحی نے۔

آپ کے شعراء جو دینِ اسلام کا دفاع بھی کرتے تھے، حضرت کعب بن مالک،

عبداللہ بن رواحہ اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم تھے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ، عامر بن اکوع اور انجشۃ غلام حبشی اور براء بن مالک رضی اللہ عنہم آگے آگے دوڑتے تھے۔

فصلِ ہفتم

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے امرا، قاصدوں، کاتبوں اور ان خطوط کے بارے میں جو آپ نے بادشاہوں کو لکھے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب حسبِ ذیل حضرات تھے:۔ حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعید بن عاص اور ان کے دو بیٹے ابان اور خالد، سعد بن ابی وقاص، عامر بن فہیرہ، عبداللہ بن ارقم، ابی بن کعب، ثابت بن قیس، حنظلہ بن ربیع، ابوسفیان صخر بن حرب اور ان کے دو فرزند معاویہ اور یزید، زید بن ثابت، شرجیل بن حسنہ، علاء بن حضرمی، خالد بن ولید، عمرو بن العاص، المغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن رواحہ، معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی، حذیفہ بن یمان، حویطب بن عبدالعزیٰ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے حضرت معاویہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما زیادہ عرصے تک حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے منسلک رہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس تشریف لائے، تو آپ نے ہرقل روم کو خط لکھوایا۔ لوگوں نے کہا کہ اہلِ روم، جب تک خط پر مُہر نہ لگی ہو، اسے نہیں پڑھتے چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چاندی کی مہر بنوائی۔ اور اس پر محمد رسول اللہ اوپر نیچے تین سطروں میں لکھا، اور مکتوب پر مہر لگائی۔ ہرقل کو جو خط لکھا گیا، وہ حسبِ ذیل تھا:۔

۱۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ از جانب محمد رسول اللہ۔ ہرقل شاہِ روم کی طرف۔ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔ میں آپ کو قبولِ اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جائیے، تاکہ خدا کے غضب سے بچ سکیں، اللہ آپ کو دوگنا نیک بدلہ دے گا۔ اگر آپ نے قبولِ حق سے روگردانی کی، تو عوام کا گناہ آپ کے سر ہو گا، اس کے بعد یہ آیت تحریر فرمائی:۔ یَا اَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اِلٰی آخِرہٖ[1] یہ بخاری کی روایت ہے۔

آپ نے حضرت دحیۃ الکلبی رضی اللہ عنہ کو خط دے کر قیصرِ روم کی طرف روانہ فرمایا، جب خط پڑھا گیا تو قیصر کے بھتیجے کو بہت غصہ آیا۔ قیصر سے کہنے لگا، ذرا خط مجھے دیجئے، پوچھا تم کیا کرو گے۔ کہنے لگا خط کی ابتدا میں اپنا نام تحریر کیا ہے اور آپ کو صاحب الروم لکھتے ہیں، چچا نے جواب دیا، تمہاری عقل ناپختہ ہے، کیا تم اس شخص کا خط پھینک دینا چاہتے ہو جس پر جبریل کا نزول ہوتا ہے۔ اگر وہ خدا کے پیغمبر ہیں، تو یہ ان کا حق ہے، کہ خط کو اپنے نام سے شروع کریں۔ اور اس میں کیا شبہ ہے، کہ میں صاحب الروم ہوں۔ اس کے بعد ان کی پذیرائی اور تعظیم و تکریم کا حکم دیا۔

۲۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے کسریٰ کو بھی خط لکھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ از جانب محمد رسول اللہ کسریٰ شاہِ فارس کے نام۔ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔ اس شخص پر سلام جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اللہ اور رسول پر ایمان لایا اور اس نے خدا کی توحید اور محمدؐ کی عبودیت اور رسالت کی تصدیق کی۔ میں تمہیں خدائے عزوجل کی دعوت دیتا ہوں، کہ میں تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، تاکہ میں ان لوگوں کو جو زندہ ہیں خدا کے خوف سے ڈراؤں۔ اور کافروں کے بارے میں اللہ کا فیصلہ درست ثابت ہو۔ اسلام قبول کرو، تاکہ ہر بلا سے محفوظ رہو۔ اور اگر تم نے انکار کیا، تو مجوس کی گمراہی کا گناہ تمہارے سر ہو گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو خط دے کر کسریٰ کی طرف روانہ کیا۔ جب خط پڑھ کر سنایا گیا، تو اس نے پھاڑ دیا۔ جب

[1] آل عمران: ۶۴

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا، تو آپ نے فرمایا، اس کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ کتاب الاموال میں عُمیر بن اسحاق سے روایت ہے کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے کسریٰ اور قیصر کو خطوط لکھے لیکن جب کسریٰ نے خط کو پڑھا، تو پھاڑ دیا، مگر جب قیصر نے پڑھا، اس نے تہ کر دیا اور اس کی تکریم کی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بہرحال ایرانی، وہ تباہ ہو جائیں گے، لیکن رومی، انہیں کچھ مہلت مل جائے گی۔ روایت ہے، کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کسریٰ کے جواب کا علم ہوا، تو آپ نے فرمایا، ان کا ملک تباہ ہوگیا، اور ہرقل کا جواب آیا، آپ نے فرمایا، ان کا ملک بچ گیا ہے۔

۳۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے نجاشی کو لکھا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ از جانب محمد رسول اللہ، نجاشی شاہ حبشہ کے نام۔ اما بعد۔ میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس کے بغیر اور کوئی خدا نہیں۔ وہ مالک، قدوس سلامتی عطا کرنے والا، امن دینے والا اور نگہبانی کرنے والا ہے۔ اور میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم، روح اللہ اور اللہ کا وہ کلمہ ہیں، جو مریم بتول طیبہ اور محفوظہ میں ڈالا گیا، اور وہ عیسیٰ سے حاملہ ہوگئیں، اور اسے خدا نے اپنی روح اور پھونک سے آدم کی طرح پیدا کیا تھا۔ اور میں آپ کو خدائے واحد لاشریک کی طرف بلاتا ہوں۔ اور خدا کی اطاعت پر آپ کو موالات کی دعوت دیتا ہوں، آپ میری اطاعت کریں، اور مجھ پر ایمان لائیں۔ کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں، اور میں آپ کو اور آپ کے لشکر کو خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے خدا کا حکم پہنچا دیا ہے، اور نصیحت کر دی ہے۔ میری نصیحت مان لیجئے۔ میں اپنے عمزاد بھائی جعفر کو چند اور مسلمانوں کی معیت میں بھیج رہا ہوں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

یہ مکتوب حضرت عمرو بن امیۃ الضمری کی معرفت بھیجا گیا۔ خط پڑھ کر نجاشی نے کہا، میں شہادت دیتا ہوں، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ نبی امی ہیں جن کا اہلِ کتاب کو انتظار ہے۔

جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے گدھے کے سوار کی بشارت دی تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اونٹ کے سوار کی بشارت دی۔ پھر نجاشی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب کا جواب دیا:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کے نام، نجاشی اصحمہ کی جانب سے۔ "السلام علیک یارسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ وہ خدا جس نے مجھے قبول اسلام کی ہدایت کی، اس کے بغیر اور کوئی خدا نہیں۔ اما بعد۔ یارسول اللہ! آپ کا مکتوب گرامی موصول ہوا۔ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ مجھے زمین و آسمان کے خدا کی قسم کہ مسیح علیہ السلام جیسا کہ آپ نے لکھا ہے اس سے ایک ذرا بھر بھی زیادہ نہیں ہیں۔ اور جو دین آپ دے کر بھیجے گئے ہیں، مجھے اس کا بھی صحیح علم ہے، میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے صادق اور تصدیق کردہ رسول ہیں۔ میں آپ سے اور آپ کے عمزاد سے بیعت کرتا ہوں، اور میں خدائے جہاں کے نام پر ان (جعفر) سے بیعت کرتا ہوں۔ اور میں اپنا بیٹا آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ کی خواہش ہوئی، تو میں خود بھی حاضر ہوں گا، کیونکہ میں شہادت دیتا ہوں کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں، وہ حق ہے۔ والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ" اس کے بعد نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساٹھ آدمیوں کے ساتھ، اس خط کے بعد جو اس نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا، روانہ کیا۔ لیکن شہزادہ اور اس کی پارٹی سمندر میں غرق ہو گئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی جن کی تعداد ستر تھی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پہنچ گئے۔ انہوں نے اون کے کپڑے پہن رکھے تھے، ان میں سے باسٹھ حبشہ کے تھے اور آٹھ شامی۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے انہیں سورہ یٰسین آخر تک پڑھ کر سنائی۔ جب انہوں نے سنی، تو رو پڑے، اسلام لے آئے۔ کہنے لگے، جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اترتا تھا، اس سے کتنا ملتا جلتا ہے۔ قرآن پاک کی یہ آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے:۔ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى[1]۔ کیونکہ یہ سب لوگ عبادت گاہوں سے متعلق تھے۔

---

[1] مائدہ ۵ : ۸۲

۴۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس جو مصر اور اسکندریہ کا بادشاہ تھا، مندرجہ ذیل خط تحریر فرمایا :۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ از جانب محمد رسول اللہ، مقوقس شاہِ قبط کے نام۔ سَلامٌ علیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدیٰ ۔ اما بعد، مَیں آپ کو قبولِ اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ، تاکہ مصائب سے محفوظ رہو۔ خدا آپ کو دوگنا بدلہ دے گا۔ اگر آپ نے قبولِ دعوت سے اعراض کیا تو قبطیوں کا گناہ آپ کے سر۔ اے اہلِ کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان ایک سی ہے، کہ ہم خدا کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اس سے کسی کو شریک نہ بنائیں۔ اور ہم خدا کے بغیر ایک دوسرے کو آقا نہ تسلیم کریں۔ اگر تم اس کو نہیں مانتے، تو اتنا تو کہہ دو، کہ ہم (مسلمان) اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔"

آپ نے یہ مکتوب حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو دے کر روانہ کیا۔ مقوقس نے وہ خط لے کر ہاتھی دانت کی ایک ڈبیا میں رکھا اور ایک کنیز کی تحویل میں دے دیا۔ پھر ایک کاتب کو جو عربی لکھ لیتا تھا بلایا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواباً لکھا :۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ محمد رسول اللہ کے نام مقوقس کی طرف سے، جو قبطیوں کا بادشاہ ہے۔ اما بعد، مَیں نے آپ کا خط پڑھا۔ جو کچھ آپ نے لکھا اور جس چیز کی طرف آپ نے بلایا، مَیں نے اسے سمجھ لیا ہے، مجھے معلوم تھا، کہ ایک نبی کا آنا باقی ہے اور میرا خیال تھا، کہ وہ شام میں پیدا ہو گا۔ مَیں نے آپ کے قاصد کا احترام کیا۔ مَیں آپ کو دو لونڈیاں بھیج رہا ہوں، جن کا ہمارے ہاں خاص مقام ہے، اسی طرح ایک خلعت اور ایک خچر بھی سواری کے لیے روانہ کر رہا ہوں۔" اس کے علاوہ اس نے اور کچھ نہ لکھا اور نہ اسلام ہی لایا۔

۵۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے منذر بن ساوی کو ایک مکتوب لکھا اور قبولِ اسلام کی دعوت دی، اور حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو یہ خط دے کر بھیجا، منذر

نے جواب میں تحریر کیا :۔

اما بعد : یارسول اللہ! میں نے آپ کا خط اہلِ بحرین کو پڑھ کر سنایا۔ ان میں بعض لوگ ایسے ہیں جو اسلام کو پسند کرتے ہیں اور اسے اچھا جانتے ہیں اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے، اور کچھ ایسے ہیں، جو اسے ناپسند کرتے ہیں، اور میرے علاقے میں یہودی اور مجوسی بھی ہیں۔ آپ اس سلسلے میں اپنی دعوت کو واضح فرمائیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں تحریر فرمایا :۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، از جانب محمدؐ رسول اللہ بنام منذر بن ساوی۔ سلام علیک۔ میں آپ کے سامنے اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس کے بغیر اور کوئی خدا نہیں اور نیز میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے بغیر اور کوئی خدا نہیں اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ اما بعد۔ میں خدائے عزّوجل کا ذکر آپ کے سامنے کرتا ہوں، جو شخص بھی نصیحت سنتا ہے، وہ اپنے فائدے کے لیے ایسا کرتا ہے، جو شخص میرے قاصدوں اور ان کے احکام کو مانتا ہے، وہ میری اطاعت کرتا ہے اور جو شخص ان کی خیرخواہی کرتا ہے، وہ میری خیرخواہی کرتا ہے۔ اور میرے قاصدوں نے آپ کے سامنے خیر کی حقیقت واضح کر دی ہے۔ اور میں نے جہاں تک آپ کی قوم کا تعلق ہے، آپ سے امداد کی خواہش کی ہے۔ مسلمانوں نے جو کچھ مان لیا ہے، انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیجیے۔ خطاکاروں سے جو خطائیں پیشتر ازیں صادر ہو چکی ہیں، ان سے میں درگذر کرتا ہوں۔ جب تک آپ سیدھے راستے پر چلیں گے، ہم آپ کو اپنے منصب سے معزول نہیں کریں گے۔ جو لوگ یہودیت اور مجوسیت پر قائم رہیں گے انہیں جزیہ ادا کرنا پڑیگا۔"

۶۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص کو ایک خط دے کر عمان کے دو امیروں کی طرف روانہ کیا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، از جانب محمد رسول اللہ جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جلندی کے دو بیٹوں جیفر اور عبد کے نام :۔ سلامٌ علیٰ من اتبع الھدیٰ، امّا بعد، میں

آپ دونوں کو قبولِ اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ آپ دونوں اسلام قبول کرلیں، تو آپ محفوظ ہوگئے۔ کیونکہ میں تمام مخلوق کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں، تاکہ میں زندہ انسانوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں اور خدائی حکم (فیصلہ) کافروں کے بارے میں درست ثابت ہو۔ اگر آپ دونوں اسلام قبول کرلیں، تو حکومت آپ کے پاس رہے گی، اور اگر آپ نے اسلام کو ماننے سے انکار کیا، تو آپ کا ملک آپ سے لے لیا جائے گا۔ اور میرا لشکر آپ کے گھر کے صحن میں آ اترے گا۔ اور میری نبوت آپ کی سلطنت پر غالب آجائے گی۔" یہ مکتوب حضرت ابی بن کعب نے تحریر کرکے مہر لگائی۔ وہ دونوں مسلمان ہوگئے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا، مجھے صدقات جمع کرنے دو، اور اسی طرح ان کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ مجھ پر چھوڑ دو۔ اور جو شخص مجھ سے مخالفت کرے، میری امداد کرو۔

۷۔ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے یمامہ کے حاکم ہوذہ بن علی کو ایک مکتوب لکھا اور حضرت سلیط بن عمرو العامری کو دے کر روانہ کیا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ از طرف محمد رسول اللہ، ہوذہ بن علی کے نام۔ السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے، کہ میرا دین اقصائے عالم (انسانوں اور حیوانوں) پر غالب آجائے گا۔ اسلام لے آؤ گے تو محفوظ ہو جاؤ گے، اور جو کچھ آپ کے قبضۂ اختیار میں ہے وہ آپ کے پاس ہی رہنے دیا جائے گا۔ جب حضرت سلیط رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مہر کردہ خط لے کر اس کے پاس آئے، وہ ان سے احترام کے ساتھ پیش آیا اور خوش آمدید کہی۔ جب مکتوب پڑھا گیا تو صاف انکار سے گریز کیا اور جواباً رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ جس دین کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں وہ کتنا اچھا اور عمدہ ہے، یہ عرب میرے منصب سے ڈرتے ہیں، آپ میرے ذمہ کوئی خدمت سپرد کردیں، تو میں وہ کام کرتا رہوں گا۔" حضرت سلیط رضی اللہ عنہ کو اس نے انعام اور ہجر کی بنی ہوئی خلعت سے نوازا۔ وہ یہ خط لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آئے، آپ کو حالات بتائے

اور اس کا خط پڑھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر وہ مجھ سے زمین کا ایک ٹکڑا بھی مانگتا، جب بھی میں نہ دیتا۔ جو کچھ اس کے پاس ہے، وہ تباہ و برباد ہو۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ سے واپس آئے، تو جبریل علیہ السلام نے آکر اطلاع دی، کہ ہوذہ مرگیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ یمامہ میں جلدی ہی ایک کذاب پیدا ہوگا، جو نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ مگر میرے بعد قتل ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۸۔ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے حارث بن ابی شمر الغسانی کو جو دمشق میں رہتا تھا مندرجہ ذیل خط روانہ فرمایا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، از جانب محمد رسول اللہ بہ نام حارث بن ابی شمر الغسانی اس شخص پر سلام جو سیدھے راستے پر چلے، خدا پر ایمان لائے اور تصدیق کرے، اور میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ خدائے واحد لاشریک پر ایمان لائیں۔ آپ کا ملک آپ کے پاس ہی رہے گا۔" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ خط شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو دے کر روانہ کیا، مگر وہ اسلام نہ لایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا ملک تباہ و برباد ہو۔

ایک دفعہ تمیم بن اوس الداری اپنے قبیلے کے چھ آدمی لے کر حاضرِ خدمت ہوا، وہ مسلمان ہو گئے اور درخواست کی کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم انہیں شام میں کچھ زمین عطا فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست منظور کر لی، اور حسبِ ذیل فرمان تحریر کر دیا:۔

۱۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ وہ فرمان ہے جس میں اس بخشش کا ذکر ہے جو محمد رسول اللہ نے اس زمین سے جو خدا نے انہیں عطا کی ہے، داریین کو دی ہے۔ چنانچہ انہیں بیت عینون، حبرون، مرطوم، بیت ابراہیم اور وہ لوگ جو یہاں رہتے تھے، ابدالآباد تک انہیں دے رہا ہوں۔" حضرات

عباس، خزیمہ بن قیس، شرجبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم بطور شاہد اور کاتب وہاں موجود تھے۔

نیز فرمایا، کہ جب تمہیں معلوم ہو، کہ میں واپس مدینے پہنچ گیا ہوں، تو تم وہاں پھر میرے پاس آنا۔ کیونکہ یہ فرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک سے واپسی کے موقعہ پر لکھا ہوا تھا۔ جب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم واپس مدینے پہنچ گئے، تو یہ لوگ پھر حاضر ہوئے، اور درخواست کی، کہ انہیں نیا فرمان عطا کیا جائے، چنانچہ وہ فرمان حسب ذیل تھا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ فرمان ہے جو محمد رسول اللہ نے تمیم الداری اور اس کے ساتھیوں کو عطا کیا ہے۔ میں انہیں عطا کر رہا ہوں، بیت عین جبرون، مرطوم اور بیت ابراہیم مع ان کے پست و بلند اور ان لوگوں کے جو وہاں ہیں، یہ عطا دائمی ہے۔ میں اس فرمان کا نفاذ کر رہا ہوں اور یہ مقامات انہیں اور ان کی آنے والی نسلوں کو ہمیشہ کے لیے دے رہا ہوں۔ جو انہیں ایذا دے گا، خدا اسے ایذا دے گا۔"

(اس فرمان پر حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کی شہادت ہے)

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے اور انہوں نے بطرف شام ایک لشکر روانہ کیا، تو انہوں نے اس سلسلے میں انہیں خط لکھا۔

جب یوحنا بن رؤیہ حاکم ایلہ، تبوک میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش ہوا، اور جزیہ کی ادائگی پر آپ سے صلح کر لی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ فرمان لکھ کر دیا:۔

۲۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ فرمان امن، اللہ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو اللہ کے رسول ہیں، یوحنا بن رویہ، اہل ایلہ، ان کے علما اور

باقی لوگوں کے لیے ہے۔ ان کی سلامتی کی ذمہ داری بحر و بر میں اللہ اور اس کے رسول کے سپرد ہے۔ نیز ان لوگوں کے لیے بھی جو اہلِ شام، اہلِ یمن اور اہلِ بحر سے اس کے ساتھ ہیں، اگر ان میں سے کوئی شخص کسی جرم کا ارتکاب کرے گا، تو اس کا مال اس کی جان کے آڑے نہیں آسکے گا۔ اور جو شخص بھی لوگوں سے اس کے مال کو اچک لے گا، وہ اس کے لیے حلال ہو گا۔ اور کسی کو اس امر کی اجازت نہ ہو گی، کہ وہ جس چشمے پر جانا چاہیں، یا بحر و بر میں جس راستے پر چلنا چاہیں، کوئی انہیں روکے۔"

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ حربا اور اذرح کو بھی ایسا ہی امان نامہ لکھ کر دیا۔ جب وہ لوگ بہ مقام تبوک حاضر ہوئے، اور جزیہ ادا کیا :۔

۳:۔ یہ فرمان ہے محمد رسول اللہ کی طرف سے اہلِ حربا اور اذرح کے نام کہ انہیں اللہ اور اس کی رسول کی امان حاصل ہے اور انہیں ہر سال رجب کے مہینے میں ایک سو دینار (صاف ستھرے) ادا کرنا ہوں گے اور مسلمان رعایا سے اور نیز ان مسلمانوں سے جو خوف کی حالت میں ان کی پناہ میں آئیں، حسن سلوک اور احسان کا خدا نگراں ہو گا۔"

حسین بن عبداللہ بن ضمیرہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دادے کو مندرجہ ذیل فرمان لکھ کر دیا، کاتب تھے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔

۴:۔ "یہ فرمان ہے از جانب محمد رسول اللہ، ابو ضمیرہ اور اس کے خاندان کے لیے کہ رسول اللہ نے انہیں آزاد فرما دیا ہے اور ان کا شمار قبائلِ عرب میں سے ہے۔ اگر وہ چاہیں، تو ہمارے پاس ٹھہر سکتے ہیں اور اگر وہ اپنے قبیلے میں واپس جانا چاہیں، تو سوائے جائز بات کے ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اور جس مسلمان سے بھی ان کی ملاقات

ہو، وہ دوسروں کو ان سے حُسنِ سلوک کا مشورہ دے۔"

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خطوط کے علاوہ بھی زکات اور احکامِ شریعت کے بارے میں خطوط تحریر فرمائے۔

حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے امراء میں سے ایک تھے باذان بن ساسان جو بہرام کی اولاد سے تھے جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یمن کی حکومت عطا کی تھی صنعا کی حکومت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو اور حضرموت کی زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ کو زُبید اور عدن کی، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن میں جَنَد (شہر کا نام) کی ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو نجران کی، ان کے بیٹے یزید کو تیمار کی، عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکّہ کی (نیز ہجرت کے آٹھویں سال حج اور اس کے لوازمات، کا درو بست) حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو یمن میں انفصالِ مقدمات کی، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو عمان اور اس سے متعلق علاقوں کی اور حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو ہجرت کے نویں سال میں اقامتِ حج کی امارت عطا کی۔ ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو روانہ فرمایا، جنہوں نے سورۂ برأت کا اعلان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع صدقات کے لیے ایک بڑی جماعت کو مقرر فرمایا تھا۔

روایت میں ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت کے ساتویں سال ایک دن میں چھ آدمی بطور سفیر روانہ کیے۔ ان میں سے ہر آدمی، ان لوگوں کی زبان میں گفتگو کر سکتا تھا، جہاں اسے بھیجا گیا تھا۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پہلے سفیر جنہیں آپ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی طرف بھیجا گیا۔ حضرت عمرو بن امیۃ الضمری رضی اللہ عنہ تھے، اسی طرح حضرات دحیہ بن خلیفۃ الکلبی رضی اللہ عنہ کو قیصرِ روم کی طرف عبداللہ السہمی کو کسریٰ ایران کی طرف، حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس کی طرف۔ شجاع بن وہب کو ملک بلقار کی طرف حارث بن ابی شمر الغسانی اور سلیط بن عمرو العامری کو ہوذہ اور ثمامہ بن

اثال کی طرف، حضرت عمرو بن العاص کو عمان میں جیفر و عبد کی طرف جو جلندی کے بیٹے تھے، علاء بن حضرمی کو منذر بن ساوی شاہ بحرین کی طرف، مہاجر بن ابی امیۃ المخزومی کو حارث بن عبد کلال حمیری کی طرف یمن میں، ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو یمن میں (جب آپ تبوک سے واپس آئے) اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی وہیں روانہ کیا۔ جریر بن عبداللہ کو ذوالکلاع اور ذوعمر کی طرف عمرو بن امیۃ الضمری کو مسیلمہ بن کذاب کی طرف روانہ کیا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فروہ بن عمرو کو جو معان میں قیصر کا عامل تھا، خط لکھا اور اسلام کی دعوت دی، چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے اسلام کی اطلاع دی، اور حضرت مسعود بن سعد کے ہاتھ حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو ایک سیاہ رنگ کا خچر جس کا نام فضہ تھا، ایک گھوڑا ظرب نامی اور ایک گدھا جس کا نام یعفور تھا، روانہ کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے کپڑے، ایک قبا جو ریشمی اور مطلا تھی روانہ کی۔ آپ نے ہدیے قبول کر لیے اور حضرت مسعود رضی اللہ عنہ کو بارہ اوقیہ چاندی دی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عینیہ بن حصن الفزاری رضی اللہ عنہ کو ہجرت کے نویں سال محرم کے مہینے میں بنو تمیم کی طرف اور بریدہ رضی اللہ عنہ کو بنو اسلم اور غفار کی طرف، عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو بنو سلیم اور مزینہ کی طرف اور رافع بن مکیث کو بنو جہینہ کی طرف، حضرت عمرو بن العاص کو فزارہ کی طرف، ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کو بنو کلاب کی طرف، بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ کو بنو کعب کی طرف اور حضرت عبداللہ بن لتیبیہ کو بنو ذبیان کی طرف بھیجا۔ نیز آپ نے بنو سعد ہذیم کے ایک آدمی کو اس کی قوم کی طرف بطور سفیر روانہ فرمایا۔

فصلِ ہشتم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آلاتِ حرب کا ذکر

(زرہیں، کمانیں، کمربند اور ڈھالیں)

تلواریں :- رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پاس نو تلواریں تھیں۔ (۱) ماثور یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی تلوار ہے۔ (۲) العضب۔ (۳) ذوالفقار اس تلوار کے درمیان میں دندانے تھے۔ (۴) قلعی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تلوار قلع کے مقام سے جو صحرا تھا، ملی تھی۔ (۵) البتار۔ کاٹنے والی (۶) الحتف۔ موت (۷) مخذم۔ کاٹنے والی (۸) رسوب۔ جو پیٹ میں گھس جاتی ہے۔ (۹) قضیب۔ یہ سب تلواروں سے عمدہ تھی۔

زرہیں :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زرہوں کی تعداد سات تھی۔ (۱) ذات الفضول (۲) ذات الوشاح (۳) ذات الحواشی (۴) السغدیہ جو ایک شہر کی طرف منسوب ہے۔ (۵) فضّہ (۶) البترا۔ یہ چھوٹی سی تھی (۷) خرنق۔ جس کے معنی بچۂ خرگوش ہے۔

کمانیں :- آپ کی کمانوں کی تعداد چھ تھی۔ (۱) الزورا۔ (۲) الروحار (۳) الصفرا، (۴) شوحط (۵) کتوم (۶) سداد۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ترکش تھا، جس کا نام کافور تھا۔ آپ کے پاس چمڑے کا ایک کمر بند تھا۔ جس میں چاندی کے تین حلقے تھے، چاندی کا

بکل تھا، اور ایک کنارہ بھی چاندی کا تھا۔

ڈھالیں :- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک سپر کا نام زلوق، کیونکہ ہتھیار اس پر پھسل جاتا تھا۔ دوسری ڈھال کا نام فتق تھا۔ ایک اور ڈھال تھی جو آپ کو بطور ہدیہ دی گئی تھی، جس پر عقاب یا مینڈھے کی شکل بنی ہوئی تھی، نبی پاک نے اس پر ہاتھ رکھا، اور وہ غائب ہوگئی۔

نیزے :- ایک کا نام مثوی تھا۔ کیونکہ وہ مضروب کو جکڑ لیتا تھا۔ دوسرا متثنی تھا تھا۔ ان کے علاوہ دو اور تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بڑا سا نیزہ تھا جس کا نام بیضاء تھا۔ نیز ایک اور چھوٹا سا نیزہ تھا، جس کا نام عنزہ تھا۔

خود :- آپ کے پاس لوہے کا ایک خود تھا جس کا نام بسوغ تھا۔ اور ایک خود کا نام موشح تھا۔

خرگاہ :- حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پاس ایک بڑا خیمہ تھا۔ جس کا نام الکن تھا۔

عصا :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گز بھر کا ایک عصا تھا، جسے لے کر آپ چلتے تھے، اور جب سوار ہوتے، تو اپنے سامنے رکھ لیتے۔ اس کے علاوہ آپ کے پاس ایک اور چھوٹا سا عصا بھی تھا جس کا نام عرجون (کھجور کی شاخ) تھا، نیز شوحط کی چھڑی بھی تھی، جس کا نام ممشوق تھا۔

اثاثہ :- آپ کے پاس ایک پیالہ تھا جس کا نام ریان تھا۔ دوسرے کا نام مغیث تھا، نیز ایک اور پیالہ تھا جس پر لوہے کا ملمع تھا اور تین جگہ چاندی کی زنجیر لگی ہوئی تھی۔ ایک اور پیالہ پرانی لکڑی کا تھا اور دوسرا شیشے کا تھا، ایک اور برتن پتھر کا تھا جس کا نام مخضب تھا، ایک کوزہ تھا جس کا نام صادرہ تھا۔ ایک

لگن بھی تانبے کی، نہانے کا برتن تھا، جو پیتل کا تھا تیل کی بوتل ہاتھی دانت کی تھی۔ سکندریہ کی ایک تھیلی تھی جس میں شیشہ رکھا جاتا۔ ہاتھی دانت کی ایک کنگھی تھی۔ سرمہ دانی تھی، جس سے آپ سوتے وقت آنکھوں میں سرمہ لگاتے تھے۔ ایک قینچی تھی۔ اور ایک مسواک۔ ایک کاسہ تھا، جس کا نام غزار تھا اور جس کے ساتھ چار کنڈے لگے ہوئے تھے۔ ایک صاع تھا اور ایک رطل۔ ایک پیوند دار چادر تھی۔ آپ کے چارپائی کے پایے، ساگوان کے تھے اور چمڑے کا ایک گدا تھا، جس میں کھجور کے پتے تھے۔ ایک لوہے کی انگشتری تھی، جس پر چاندی کا ملمع تھا۔ ایک چاندی کی انگوٹھی تھی، جس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا، جسے آپ اپنے دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے، روایت ہے کہ پہلے آپ دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے، پھر اسے بائیں ہاتھ میں پہننے لگے، جس پر محمّد رسول اللہ منقوش تھا۔ نجاشی نے دو عدد سادہ موزے روانہ کئے، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہن لیے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سبز دیبا کا ایک جبّہ تھا۔ ایک اور جبّہ چادر سے تیار کیا گیا تھا۔ ایک تیسرا جبّہ بھی تھا، جسے آپ لڑائی میں پہنتے تھے، ایک پگڑی تھی سحاب نام، دوسری کالے رنگ کی تھی، اور ایک چادر تھی۔

فصل نمبر

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں، اونٹنیوں اور چارپایوں کے بارے میں

گھوڑے:- رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے ایک گھوڑے کا نام سکب (تیز رفتار) تھا۔ دوسرے کا نام مرتجز تھا، کیونکہ اس کے ہنہنانے کی آواز عمدہ تھی، تیسرے کا نام ظرب تھا۔ بوجہ اپنی قوت اور ٹانگوں کی سختی اور مضبوطی کے۔ چوتھے کا نام لحیف تھا بوجہ اس کی فربہی اور بلند قامتی کے۔ پانچواں لزاز تھا، کیونکہ اس کا جسم بہت گٹھا ہوا اور ہاتھ پاؤں سخت تھے۔ چھٹا ورد تھا۔ ساتواں سبحہ (کیونکہ رفتار میں

ہاتھ پاؤں تیزی سے ہلاتا تھا، آٹھواں بحر جو مرتجز تھا۔ نواں سجل (اس لفظ کے معنی انڈیلنا ہے) دسواں ذو اللّمۃ۔ گیارہواں ذو العقال۔ بارہواں السرحال۔ تیرھواں الطرف۔ چودھواں مرتجل۔ پندرہواں المراح (تیز رو) سولہواں مُلاوح۔ سترہواں مندوب۔ اٹھارہواں النجیب۔ انیسواں یعبوب۔ بیسواں یعسوب۔

خچر:۔ ۱۔ دُلدل، جو سفید رنگ کا تھا۔ ۲۔ فضہ۔ ۳۔ جو حاکم ایلہ نے آپ کو پیش کیا تھا۔ ۴۔ جو دومۃ الجندل سے آپ کو بھیجا گیا تھا۔ ۵۔ نجاشی نے بطور تحفہ ارسال کیا تھا۔

گدھے:۔ ۱۔ عُفیر۔ ۲۔ یعفور۔ ۳۔ تیسرا گدھا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے پیش کیا تھا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سواری کی تھی۔

اونٹنیاں:۔ القصوار۔ اسی پر آپ نے ہجرت کی تھی۔ (۲) عضباء (جس کے کان چرے ہوئے ہوں) ۳۔ جدعاء (جس کی ناک کٹی ہوئی ہو) ان دو اونٹنیوں میں کوئی نقص نہیں تھا، یہ نام یونہی پڑ گئے تھے۔ ۴۔ بدر کے دن حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو غنیمت میں ابوجہل کا اونٹ ملا تھا جس کی ناک میں چاندی کا حلقہ تھا اور جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن، مشرکین کو چڑانے کے لیے، اللہ کی راہ میں قربان کر دیا تھا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پینتالیس اونٹنیاں تھیں جو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھیجی تھیں۔ جن میں سے بعض کے نام حسب ذیل تھے:۔ (۱) اطلال (۲) اطراف (۳) بُرودہ (۴) برکہ (۵) بغوم (۶) حناء (۷) زمزم (۸) ریاء (۹) سعدیہ (۱۰) سقیاء (۱۱) سمراء (۱۲) الشقراء (۱۳) عجرہ (۱۴) عریس (۱۵) غوثہ (یا غیثہ)۔ (۱۶) قمر (۱۷) مَروہ (۱۸) مُہرہ (۱۹) ورشہ (۲۰) یسیرہ۔

اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سو گوسپند اور سات بکریاں

تھیں جنہیں ام ایمن رضی اللہ عنہا چراتی تھیں۔

فصل دہم

ان وفود کی وجہ سے جو ہجرت کے نویں سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس سال کو سنۃ الوفود (وفود کا سال) کہا جاتا ہے۔ جب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم شوال کے مہینے میں طائف سے جعرانہ کو، جہاں بنو ہوازن کے قیدی محبوس تھے، واپس تشریف لائے، تو آپ کے پاس ان کا نو آدمیوں کا وفد حاضر ہوا، جو اسلام لے آئے اور بیعت کے بعد کہنے لگے: یارسول اللہ! ہمارے جو آدمی گرفتار ہوئے ہیں، ان خواتین میں مائیں ہیں بہنیں ہیں، پھوپھیاں ہیں خالائیں ہیں۔ فرمایا "ہر چند پہلے سے ایک لحاظ سے تقسیم تو ہو چکی ہے لیکن پھر بھی کوشش کروں گا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ دو چیزوں (قیدی اور مال و متاع) میں سے کون سی چیز تمہیں زیادہ عزیز ہے۔" انہوں نے عرض کی، "یارسول اللہ! آپ نے ہمیں اولاد اور مال میں انتخاب کا حق دیا ہے، اس بنا پر اولاد ہی قابل ترجیح ہے اور اسی لیے ہم بکریوں اور اونٹوں کا نام ہی نہیں لیتے۔" حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، اس میں جو کچھ میرا حصہ اور بنو عبدالمطلب کا حصہ ہے، وہ تو تمہارا ہو ہی گیا۔" اس پر قریش بول اٹھے، کہ ہم بھی اپنا حصہ اللہ اور رسول کے حوالے کرتے ہیں، انصار نے کہا، ہم بھی اپنا حصہ اللہ اور رسول کے سپرد کرتے ہیں۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آئے، تو بنو ثقیف کا وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ ان لوگوں کے بارے میں صورت حال کچھ اس طرح ہے کہ جب آپ طائف کا محاصرہ اٹھا کر مدینے کو لوٹ چلے، تو صحابہ نے عرض کی، "یارسول اللہ!

بنو ثقیف کے خلاف (دربارِ خداوندی میں) بددعا فرمایئے۔" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، "اے خدا! تو بنو ثقیف کو ہدایت کر اور انہیں میرے پاس بھیج۔ جب نبی کریم طائف سے روانہ ہوئے تو عروہ بن مسعود آپ کے تعاقب میں روانہ ہو پڑے اور وہ آپ کے مدینے میں داخل ہونے سے پہلے پہنچ گئے، وہ اسلام لے آئے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے قبیلے میں لوٹ جانے کی اجازت طلب کی۔ چنانچہ ان لوگوں نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ پھر انہوں نے چھ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ان کے لیے مسجدِ نبوی کے ایک پہلو میں ایک خیمہ نصب کرا دیا۔ چنانچہ خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ طرفین میں میانجی کی خدمت سر انجام دیتے تھے۔ آخر کار وہ اسلام لے آئے اور انہوں نے گزارش کی، کہ لات کے مندر طاغیہ کو ان کے لیے چھوڑ دیا جائے، اور تین سال تک نہ گرایا جائے، لیکن آپ نے انکار کر دیا، پھر درخواست کی، کہ انہیں نماز نہ پڑھنے کی اجازت دی جائے اور نیز یہ کہ وہ اپنے بتوں کو خود نہیں توڑیں گے، فرمایا، آخر الذکر کو ماننے میں کوئی حرج نہیں، رہی معافیٔ نماز، سو جس دین میں نماز نہ ہو، اس میں اور کون سی خوبی ہو سکتی ہے۔ جب وہ اسلام لے آئے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان لکھا جا چکا، تو آپ نے حضرت عثمان بن عاص رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا، اگرچہ وہ عمر میں سب سے چھوٹے تھے، لیکن احکامِ اسلام میں غور و خوض کرنے اور تدریسِ قرآن میں سب سے بڑھ کر تھے۔ بنو ثقیف اپنے گھروں کو واپس ہو گئے، اور ابو سفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما، طاغیہ کے انہدام کے لیے ان کے ساتھ تھے۔ جب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے، تو وہ طاغیہ کی چھت پر کدال لے کر چڑھ گئے، وہ کدال سے مندر کو گرا رہے تھے اور بنو ثقیف کی عورتیں حسرت سے آہ و زاری کر رہی تھیں۔ مندر کے گرانے کے بعد حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اس کے روپے پیسے اور زیورات پر قبضہ کر لیا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ثقیف کو مندرجہ ذیل فرمان لکھ کر دیا :۔

رسولِ کریم کا فرمان

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے مومنوں کو یہ حکم دیا جاتا ہے، کہ وادیٔ وَج کے خار دار درخت اور اس کا شکار حرام ہے درخت نہ کاٹے جائیں۔ اور جو شخص کوئی ایسی حرکت کرتا پکڑا جائے اسے دُرّے لگائے جائیں۔ اور اس کے کپڑے اتار لیے جائیں۔ لیکن اگر وہ سرکشی کرے، تو اسے گرفتار کر کے محمدؐ رسول اللہ کے پاس لایا جائے، کیونکہ یہ آپ کا حکم ہے، جسے خالد بن سعید نے آپ کے فرمان کے مطابق قلمبند کیا ہے۔ کوئی شخص اس سے تجاوز نہ کرے، کیونکہ اس طرح وہ اپنے نفس پر ظلم کا مرتکب ہوگا۔"

وفدِ بنی عامر :۔ ابنِ اسحاق سے روایت ہے، جب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم تبوک کی مہم سے فارغ ہوئے، اور بنو ثقیف ایمان لے آئے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر لی تو عرب کے ہر کونے سے وفود کا تانتا بندھ گیا، اور لوگ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ شامل ہوتے گئے، چنانچہ بنو عامر کا وفد بھی حاضر ہوا، جن میں عامر بن طفیل، اربد بن قیس اور جبار بن سلمی شامل تھے۔ یہ تینوں قوم کے سردار تھے اور نہایت شر پسند۔ خدا کا دشمن عامر بن طفیل، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے کے ارادے سے آیا تھا۔ اس نے اربد سے کہا، جب ہم محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس پہنچیں گے، تو میں ان کا چہرہ تم سے دوسری طرف پھیرنے کی کوشش کروں گا۔ جب میں ایسا کروں، تو تم تلوار سے ان پر حملہ کر دینا۔ عامر نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باتوں میں لگا لیا اور کہنے لگا، "بخدا ہم گھوڑ سواروں اور پیادوں سے آپ کو چار

طرف سے گھیر میں گے۔" جب وہ چلا گیا، تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا، "اے خدا! تو مجھے عامر بن طفیل کے شر سے بچا۔" جب وہ باہر نکلے تو عامر نے اربد سے کہا۔ "ارے کم بخت! جو کچھ میں نے کہا تھا، تو نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟" کہنے لگا "جب بھی میں نے تمہارے کہنے پر عمل کا ارادہ کیا، تو میں نے تجھے اپنے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان حائل پایا، تو کیا میں تجھے تلوار سے قتل کر دیتا؟" ابھی وہ راستے ہی میں تھے، کہ عامر بن طفیل پر طاعون کا حملہ ہوا اور وہ مرگیا۔

وفد عبدالقیس:- یہ ایک بڑے قبیلے کا نام ہے، جو بحرین میں مقیم تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ نے پوچھا "تمہارا تعلق کس قبیلے سے ہے؟" کہا، "ربیعہ سے"۔ آپ نے فرمایا، "ہم خوش آمدید کہتے ہیں اس وفد کو جسے نہ کسی رسوائی سے واسطہ پڑا ہے اور نہ ندامت سے۔" انہوں نے گزارش کی، "یا رسول اللہ! ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا ایک قبیلہ حائل ہے اور ہم آپ تک صرف حج کے مہینے میں ہی پہنچ سکتے ہیں۔ آپ ہمیں کوئی ایسا حکم دے دیں، کہ جس پر ہم خود عمل کریں اور ان لوگوں کو جو ہم سے دور ہیں، انہیں بھی اس پر عمل کے لیے کہیں، تاکہ ہم جنت میں داخل ہو سکیں۔" فرمایا، میں تمہیں چار باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے روکتا ہوں۔ اول خدائے واحد پر ایمان کا حکم دیتا ہوں۔ جانتے ہو، ایمان باللہ کیا ہے؟ یعنی شہادت دینا، کہ خدا کے بغیر اور کوئی خدا نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ (نیز) نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا اور رمضان میں روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ دینا۔

اسی طرح چار چیزوں سے روکتا ہوں۔ ۱۔ دُبّا، (خشک کدو میں انگور ڈالتے جب خمیر اٹھتا تو شراب بن جاتی)، ۲۔ نقیر (کھجور کی جڑ کسی چیز سے کھود کر اندر سے کھوکھلا کر دیتے، اور پھر تازہ کھجور بھر دیتے اور شراب تیار کر لیتے۔ حنتم (سبز رنگ کے گھڑے

میں شراب ڈالتے تھے)، ۴۔ مُزفت (جن برتنوں میں رال لگائی جاتی تھی)۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں، کہ چار اوامر میں پہلا حکم اقامت نماز ہے، اور شہادتین کا ذکر صرف بہ غرض تبرک ہے، کیونکہ یہ لوگ شہادتین کے پہلے سے قائل تھے۔

وفد بنو حنیفہ :۔ وفد بنو حنیفہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور مسیلمہ کذاب بھی ان میں شامل تھا۔ وہ اسے آپ کے پاس لائے، اور اس نے اپنے آپ کو کپڑوں میں چھپا رکھا تھا۔ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے، اور آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک چھڑی تھی۔ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا، تو انہوں نے اسے کپڑے اوڑھا رکھے تھے۔ اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گفتگو کی اور پھر درخواست کی، کہ اپنے بعد مجھے اپنا خلیفہ نامزد فرمایئے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تو مجھ سے یہ چھڑی مانگے، تو تجھے نہیں دوں گا۔

جب وہ لوگ واپس یمامہ میں پہنچے، تو خدا کا دشمن مسیلمہ مرتد ہو گیا اور نبی بن بیٹھا اور کہنے لگا، کہ نبوت میں مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حصہ دار بنایا گیا ہے، پھر لگا مسجع فقرے گھڑنے۔ جب اس نے سنا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک کنوئیں میں پانی کی کلی ڈالی، تو کنوئیں کا پانی زیادہ ہو گیا تھا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی آنکھ میں لعابِ دہن ڈالا، کیونکہ انہیں آنکھ میں درد تھا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ تندرست ہو گئی تھی۔ اس لعین نے ایک کنوئیں میں تھوکا، تو پانی خشک ہو گیا، اور ایک تندرست آنکھ میں لعابِ دہن لگایا، تو وہ اندھی ہو گئی۔ اسی طرح ایک دودھ دینے والی بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا، تو اس کا دودھ خشک ہو گیا۔ پھر اس ملعون نے اپنی قوم کو نماز معاف کر دی اور شراب اور زنا حلال کر دیا۔ با ایں ہمہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا قائل تھا۔ اس نے ایک خط میں رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو

یوں مخاطب کیا تھا :۔

"مسیلمہ سے جو خدا کا رسول ہے، محمد رسول اللہ کے نام۔
مَیں نبوّت میں آپ کا شریک ہوں۔ نصف نبوّت ہماری ہے اور
نصف قریش کی۔"

جب قاصد یہ خط حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا، تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا :۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمدّ رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ اس پر سلام جو سیدھے راستے پر چلتا ہے۔ اما بعد، زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، وارث بناتا ہے اور عاقبت پرہیزگاروں کی ہے۔"

وفدِ بنی طے :۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنو طے کا وفد بھی حاضر ہوا، جس میں ان کا سردار زید الخیل بھی تھا۔ حضور نبیٔ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے انہیں اسلام کی دعوت دی، جو انہوں نے قبول کر لی، اور نہایت اچھی طرح اس پر عمل پیرا ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ میرے سامنے عرب کے جس آدمی کے بھی اوصاف بیان کیے گئے، جب وہ مجھ سے آکر ملا، تو مَیں نے اسے جو کچھ سنا تھا اس سے کمتر پایا، سوائے زید کے جس کے تمام اوصاف مجھ تک نہیں پہنچائے گئے، چنانچہ آپ نے ان کا نام زید الخیر رکھ دیا۔

وفدِ بنی کندہ :۔ یہ وفد ساٹھ یا اسیّ سواروں پر مشتمل تھا۔ جو مسجدِ نبوی میں حاضرِ خدمت ہوا۔ انہوں نے سر کے بال کندھوں تک بڑھائے ہوئے تھے اور منقش چادروں کے جبّے پہن رکھے تھے جن کے سنجاب ریشمی تھے۔ آپ نے دریافت کیا، "کیا تم نے اسلام قبول نہیں کیا؟" کہنے لگے، کیا ہے۔ فرمایا، یہ ریشمی

بُجّے تم نے گردنوں میں کیوں ڈال رکھے ہیں، یہ سن کر انہوں نے بجّے پھاڑ ڈالے اور اتار کر پھینک دیئے۔

وفد اشعری :- حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اشعریوں اور اہلِ یمن کا وفد حاضر ہوا۔ حافظ ابنِ حجر کی رائے ہے کہ یہ لوگ یمنی تھے اور بنو حمیر سے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس ایسے لوگ آرہے ہیں، جو تم سے زیادہ رقیق القلب ہیں، چنانچہ اشعری ذیل کا رجز پڑھتے ہوئے آئے :-

غَدًا نَلْقِي الاَحِبَّہ مُحَمَّدًا وَحِزْبَہٗ

کل ہماری ملاقات احباب محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گروہ) سے ہوگی۔

امام مسلم نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے مندرجہ ذیل الفاظ نقل کیے ہیں۔ "اہلِ یمن آئے ہیں جن کے دل زیادہ نرم ہیں۔ ایمان یمنی ہے اور حکمت یمانی ہے۔ بکریاں چرانے والے متواضع ہوتے ہیں اور اونٹ چرانے والے زور سے بولنے والے بدو، جو مشرق کی طرف رہتے ہیں، مغرور اور متکبر ہوتے ہیں۔

انہوں نے گزارش کی، یارسول اللہ! ہم دین سیکھنے آئے ہیں، اور ہم اس کے متعلق ہی آپ سے درخواست کرتے ہیں۔ فرمایا، خدا موجود تھا، اور اس کے بغیر کسی چیز کا وجود نہ تھا۔ اور خدا کا عرش پانی پر تھا۔ اور اس نے ہر چیز کا نام لوحِ محفوظ پر لکھ دیا۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

وفد بنو ازد :- صرد بن عبداللہ ازدی، بنو ازد کا وفد لے کر حاضرِ خدمت ہوا، چنانچہ وہ صدقِ دل سے اسلام لے آئے۔ آپ نے اسے قبیلے کی امارت عطا کی، اور حکم دیا، کہ اہلِ ایمان کو ساتھ لے کر یمنی اہلِ شرک سے جہاد

کریں. چنانچہ انہوں نے اہلِ جرش سے خوب جنگ کی۔ انہوں نے اپنے دو آدمی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے ہوئے تھے۔ اتفاقاً ان کی حاضری میں آپ نے فرمایا، کہ اللہ کے اونٹ شکر کے مقام پر ذبح کیے جا رہے ہیں (یہ اس مقام کا نام تھا جہاں خوں ریزی ہو رہی تھی) وہ اپنے قبیلے کی طرف لوٹے۔ تو انہیں معلوم ہوا کہ اس دن انہیں اس مصیبت سے اس وقت پالا پڑا تھا، جس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مندرجہ بالا فقرہ استعمال کیا تھا. پھر بنو جرش کا وفد خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر ایمان لے آیا، اور آپ نے ان کی بستیوں کے نواح میں ایک چراگاہ انہیں عنایت کر دی۔

وفدِ بنو حارث بن کعب :- رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمت میں نجران سے حارث بن کعب کا وفد حاضر ہوا۔ آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجا تھا، اور فرمایا تھا، کہ انہیں لڑنے سے پہلے تین دفعہ اسلام کی دعوت دو. چنانچہ وہ روانہ ہوئے اور وہاں جا پہنچے۔ پھر سواروں کو متعین فرمایا، جو اِدھر اُدھر پھیل گئے، تاکہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ وہ ہر طرف کہتے پھرتے تھے، "لوگو! ایمان قبول کرو، کہ اسی میں تمہارے بچاؤ کی ضمانت ہے" بعدہٗ حضرت خالد رضی اللہ عنہ خدمتِ اقدس میں ان کے وفد کے ساتھ حاضر ہوئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا، "تم اپنے دشمنوں کو کس طریقے سے مغلوب کر لیتے ہو" عرض کی، "یا رسول اللہ! ہم متحد ہو جاتے ہیں، افتراق چھوڑ دیتے اور کسی سے بے انصافی میں پہل نہیں کرتے" فرمایا "درست ہے" پھر آپ نے قیس بن الحصین کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور وہ اپنے قبیلے کو لوٹ گئے۔

وفدِ ہمدان :- ہمدان کا وفد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چھوٹی چھوٹی یمنی چادریں اوڑھے اور عدنی پگڑیاں باندھے، مہری اور ارحبی اونٹوں پر سوار حاضر ہوئے۔ اور مالک بن النمط آپ کے سامنے رجز پڑھ رہا تھا.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک فرمان عطا کیا، اور جو کچھ انہوں نے مانگا تھا، وہ اس میں لکھ دیا گیا۔ نیز حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے مالک بن مُنطر رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔

وفد مزینہ:۔ امام بیہقی، نعمان بن مُقرّن سے راوی ہیں، کہ ہم مزینہ کے چار سو آدمیوں کی معیت میں حاضرِ خدمت ہوئے، جب ہم نے واپسی کا ارادہ کیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، "اے عمر! ان لوگوں کے زادِ سفر کا بندوبست کرو۔ انہوں نے جواب دیا، یا رسول اللہ! میرے پاس کھجوروں کے سوا اور کچھ نہیں، اور میرا خیال ہے، کہ اس قلیل مقدار سے ان لوگوں کا کام نہیں چلے گا" فرمایا، جاؤ اور ان کے زادِ سفر کا انتظام کرو" حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں ساتھ لے کر اپنے گھر کو آئے اور ایک بالاخانے پر لے گئے۔ جب وہ اندر گئے، وہاں سیاہی مائل اونٹ کے رنگ کی کھجوریں رکھی تھیں، چنانچہ انہوں نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق اٹھا لیں۔ نعمان بن مقرن راوی ہیں، کہ میں سب سے پیچھے تھا، میں نے دیکھا تو یوں معلوم ہوا، گویا کسی نے ایک کھجور بھی وہاں سے نہیں اٹھائی تھی۔

وفد بنو دوس:۔ بنو دَوس کا وفد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہ مقام خیبر حاضر ہوا۔ حضرت طفیل بن عمرو الدوسی راوی ہیں، کہ میں مکّے آیا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی وہیں تھے۔ مگر قریش مکّہ نے مجھے آپ کی سرگرمیوں سے سخت ڈرا دیا، اور مشورہ دیا، کہ نہ تو میں آپ سے بات کروں اور نہ ہی آپ کی بات سنوں۔ ایک دن میں نے آپ کو کعبے میں نماز پڑھتے دیکھا، اور آپ کی زبان سے نہایت عمدہ کلام سنا۔ میں ٹھہر گیا، تا آنکہ آپ اپنے گھر کو چل دیئے۔ میں پیچھے پیچھے چلا آیا، جب گھر پہنچے تو میں نے گزارش کی، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، آپ کی قوم نے مجھ سے آپ کے بارے میں کئی ایسی ویسی باتیں کی ہیں، اور بخدا انہوں نے مجھے آپ کی

سرگرمیوں سے اتنا ڈرایا کہ میں نے کانوں میں روئی ٹھونس لی، تاکہ آپ کی کوئی بات میرے کانوں میں نہ پڑ جائے، لیکن خدا کو یہ بات نہ بھائی اور اس نے مجھے آپ کا فصیح و بلیغ کلام سنا دیا۔ آپ اپنی دعوت پیش کیجئے۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کو میرے سامنے پیش کیا اور قرآنِ پاک کی تلاوت فرمائی۔ بخدا میں نے اس سے بڑھ کر عمدہ کلام اور متوازن و مبنی احکام کبھی نہیں سُنے تھے۔ چنانچہ میں اسلام لے آیا اور کلمہ شہادت پڑھا۔ پھر میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! میں اپنے قبیلے کا امیر ہوں، اور اب واپس جا رہا ہوں، تاکہ انہیں دینِ اسلام کی طرف بلاؤں۔ آپ دعا فرمائیں، کہ خدا مجھے کوئی نشان (ثبوت) عطا کرے۔ اس کے بعد میں اپنی قوم کی طرف روانہ ہو پڑا جب میں گھاٹی (کی چوٹی) پر سامنے آیا، تو وہاں جو لوگ موجود تھے، وہ میری آنکھوں کے درمیان دیئے کی طرح نور دیکھ رہے تھے، میں نے دعا کی، "اے خدا، میرے چہرے کے علاوہ کسی اور جگہ اسے نمایاں کر، مبادا میری قوم یہ کہنا شروع کر دے، کہ چونکہ میں نے ان کا دین چھوڑ دیا ہے، اس لیے میری شکل مسخ ہو گئی ہے۔" چنانچہ وہاں سے یہ نور ہٹ گیا، اور میرے کوڑے سے لیمپ کی طرح لٹک گیا۔ میں گھاٹی سے اترا اور ان کے پاس پہنچ گیا۔ اور ان میں گھل مل گیا۔ پھر میں نے اپنے باپ کو اسلام کی دعوت دی، چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔ پھر بیوی کو دعوت دی، وہ بھی اسلام لے آئی۔ پھر میں نے اپنے قبیلے کو دعوت دی، وہ پس و پیش میں پڑ گئے۔ میں حاضرِ خدمت ہوا، اور عرض گزاری۔ "یا رسول اللہ! بنو دوس کے معاملے میں مجھ پر اہلِ قبیلہ کی خواہش زنا غالب آگئی ہے (یعنی وہ ڈرتے ہیں، کہ اگر اسلام لے آئے، تو انہیں اس شغل سے دست بردار ہونا پڑے گا) پس آپ ان کے خلاف بد دعا کریں۔" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اے خدا تو بنو دوس کو ہدایت دے۔" پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہا، "اپنے قبیلے کو واپس جاؤ اور انہیں اللہ کی طرف بلاؤ اور نرمی سے پیش آؤ۔" میں واپس آگیا اور انہیں خدائی دین کی طرف بلاتا رہا، کچھ

عرصے کے بعد میں آپ کی خدمت میں بہ مقام خیبر حاضر ہوا، اور ہم مدینے میں ستّر یا اسّی خاندانوں کو لیے آ گئے۔ پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے۔ چنانچہ آپ نے باقی مسلمانوں کے ساتھ مالِ غنیمت سے حصّہ عطا کیا۔

وفدِ نجران :- یہ نجران کے نصاریٰ کا وفد تھا۔ جو ساٹھ سواروں پر مشتمل تھا، ان کا امیر عاقب تھا۔ اور مجلس شوریٰ کا سردار عبدالمسیح تھا، اور ان کی سواریوں (سفروں) اور اجتماعات کا منصرم سید کہلاتا تھا جس کا نام ایہم تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کا نام شرحبیل تھا، کنیت ابوحارثہ تھی اور بجر بن وائل کا بھائی تھا۔ وہ ان میں معزز شمار ہوتا تھا، اور اس نے ان کی کتابیں پڑھ رکھی تھیں۔ روم کے بادشاہ نصرانی تھے۔ انہوں نے اسے شان و شوکت اور حکومت دے رکھی تھی۔ وہ متقدمین کی کتابوں کے مطالعے کی وجہ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت، آپ کے اوصاف اور خوبیوں سے اچھی طرح واقف تھا لیکن جہالت کی وجہ سے نصرانیت پر ڈٹا رہا، کیونکہ وہ لوگ اس کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے انہیں قبولِ اسلام کی دعوت دی اور قرآنِ حکیم کی تلاوت کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر میری باتوں کو نہیں مانتے ہو، تو آؤ میں تم سے مباہلہ کرتا ہوں۔ شرحبیل نے اپنے رفقاء سے کہا، کہ اگر آپ فی الحقیقت نبی ہیں، اور ہم ان سے مباہلہ کرتے ہیں، تو نہ ہم اور نہ ہماری اولاد ابدی طور پر خدائی عذاب سے بچ سکے گی۔ چنانچہ انہوں نے دو ہزار جبّوں کی ادائیگی پر صلح کر لی۔ ایک ہزار ماہِ رجب میں اور ایک ہزار ماہِ صفر میں ادا کریں گے اور ہر جبّے کے ساتھ ایک اوقیہ چاندی ہوگی۔

قاصدِ فروہ :- فروہ بن عمرو الجذامی (جو اسلام قبول کر چکا تھا) کا قاصد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ایک سفید خچر بطورِ تحفہ پیش کیا۔

ضمام بن ثعلبہ :۔ ضمام بن ثعلبہ، جسے بنو سعد بن بکر نے بھیجا تھا، خدمت اقدس میں حاضر ہوُا۔ امام بخاری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، کہ ہم ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، کہ ایک شتر سوار آیا، جس نے اپنا اونٹ مسجد کے پاس بٹھایا، پھر اس کے پاؤں باندھے اور کہنے لگا، تم میں محمدؐ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ ہم نے جواب میں کہا، یہ صاحب جو سفید رنگ کے ہیں اور تکیہ لگائے بیٹھے ہیں (محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) وہ شخص کہنے لگا، "اے عبدالمطلب کے فرزند!" فرمایا، "میں نے تیری بات سُن لی ہے۔" کہنے لگا، "میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں اور اس باب میں ذرا سخت لہجہ اپناؤں گا، اس لیے آپ دل سے بُرا نہ مانیے گا۔" فرمایا، "جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو، پوچھو۔" کہنے لگا، "میں آپ کو اپنے خدا اور اپنے بزرگوں کے خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا فی الواقع آپ کو خدا نے تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے؟" فرمایا، "ہاں ایسا ہی ہے۔" پھر کہا، "میں پھر آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا اس نے حکم دیا ہے کہ دن رات میں پانچ نمازیں پڑھی جائیں۔" فرمایا، "درست ہے۔" پھر پوچھا، "میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا اس نے حکم دیا ہے، کہ سال میں ایک مہینے کے روزے رکھے جائیں۔" فرمایا، "ٹھیک ہے۔" پھر پوچھا، "میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا اس نے حکم دیا ہے، کہ امرا سے صدقہ وصول کر کے، غربا میں تقسیم کیا جائے۔" فرمایا، "ایسا ہی ہے۔" کہنے لگا "آپ جو دین لائے ہیں میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔" پھر وہ اپنے قبیلے کو واپس چلا گیا۔ اور وہ سب مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، ہمیں معلوم نہیں، کہ کسی قوم کا رئیس وفد ضمام بن ثعلبہ سے بہتر ہوُا ہو گا۔

طارق بن عبداللہ محاربی اور اس کے قبیلے کے لوگ،
وفد بنی محارب :- کھجوریں خریدنے کے لیے مدینے آئے۔ جب وہ لوگ مدینے کی بستی اور باغات کے قریب آئے، تو ان کی ملاقات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (جنہیں وہ نہیں جانتے تھے) سے ہو گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے کھجوروں کے بدلے میں ایک سرخ اونٹ خریدا، اور لے کر چل دیئے۔ جب آپ مدینے کے مکانات اور باغات کے پیچھے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ تو ہمیں خیال آیا، کہ ہم نے کیا غلطی کی ہے، کہ ایک ایسے شخص کو اونٹ بیچ دیا ہے، جسے ہم جانتے ہی نہیں اور قیمت وصول ہی نہیں کی۔ چنانچہ ایک عورت نے جو ہمارے ساتھ تھی، کہا، تم ایک دوسرے کو الزام نہ دو، میں نے جس شخص کا چہرہ دیکھا ہے، وہ کبھی آپ کو دھوکا نہیں دے گا۔ میں نے چودھویں کے چاند سے ملتا جلتا اور کوئی چہرہ ایسا نہیں دیکھا۔ اتنے میں ایک آدمی آیا، کہنے لگا، میں رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا قاصد ہوں، یہ ہے تمہاری کھجور، خوب پیٹ بھر کر کھاؤ، اور پھر اچھی طرح وزن کر لو، چنانچہ ہم نے خوب پیٹ بھر کر کھائیں اور اچھی طرح تول لیں۔ اس کے بعد ہم شہر گئے۔ جب مسجد میں داخل ہوئے، تو دیکھا، کہ آپ منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے۔ ہم آپ کا خطبہ سننے لگ گئے فرما رہے تھے، "خدا کے نام پہ صدقہ دیا کرو۔ کہ اس میں تمہاری بھلائی ہے، اور دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنو تجیب کا وفد حاضر ہوا۔
وفد تجیب :- وہ تیرہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ وہ اپنے ساتھ فرض زکات کے کچھ مویشی بھی لائے تھے۔ آپ اس سے خوش ہوئے اور مناسب پذیرائی فرمائی۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، کہ وہ اچھی طرح مہمان نوازی کریں۔ پھر برائے رخصت خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا، کہ باقی وفود کے مقابلے میں ان سے بہتر سلوک کیا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا

کہ تم میں سے کوئی آدمی رہ تو نہیں گیا، کہنے لگے، ہمارے ساتھ ایک لڑکا بھی ہے، جسے ہم اپنی سواریوں کے پاس چھوڑ آئے ہیں۔ وہ سب سے کم عمر ہے، فرمایا، اسے بھی لاؤ۔ جب وہ حاضرِ خدمت ہوا، تو کہنے لگا، "یارسول اللہ! میں اپنے گھر سے اس لیے آیا تھا۔ کہ آپ میرے لیے دعا فرمائیں، کہ خدا مجھے مغفرت عطا کرے، مجھ پر رحم فرمائے، اور میرے دل کو دولتِ قناعت سے نوازے۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، اے اللہ! تو اسے معاف کر، اس پر رحم کر اور اسے قناعت عطا کر۔ پھر آپ نے اسے بھی وہی کچھ دیا، جو باقی ارکان وفد کو دیا تھا۔ اس کے بعد وہ لوگ اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

بعد میں یہ لوگ ہجرت کے دسویں سال بہ مقامِ منیٰ دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لڑکے کے متعلق دریافت فرمایا، انہوں نے کہا یارسول اللہ! ہم نے کوئی ایسا آدمی، جو اللہ کے رزق پر شاکر ہو، نہ دیکھا، نہ سنا۔ اگر لوگ اس کے سامنے دنیا بھر کی اشیا بانٹنے بیٹھ جائیں، وہ نہ ادھر دیکھے گا اور نہ توجہ کرے گا۔

وفد بنی سعد ہذیم :- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنو سعد ہذیم کا وفد حاضر ہوا۔ علامہ واقدی نے ابن النعمان سے اور انہوں نے اپنے والد سے، جو بنو سعد ہذیم سے تھے، روایت کی، کہ ہم اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس برغرض بیعت آئے، بعدہٗ ہم اپنی سواریوں کی طرف، جہاں ہم اپنے ایک کم عمر ساتھی کو چھوڑ آئے تھے، لوٹ گئے۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے پھر کسی شخص کو ہماری تلاش میں روانہ کیا، چنانچہ ہم پھر حاضر ہوئے۔ ہمارے کم عمر ساتھی نے آگے بڑھ کر آپ سے اسلام پر بیعت کی، ہم نے کہا، یارسول اللہ! یہ جوان سب سے چھوٹا ہے اور ہمارا خدمت گار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

خدا تجھے برکت دے۔ اَصْغَرُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ۔ میرا والد راوی ہے، کہ بخدا وہ لڑکا رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی دعا کے طفیل ہم سب سے اچھا تھا، اور معاملاتِ دین میں زیادہ باخبر تھا۔ بعدہٗ آپ نے اسے ہمارا امیر بنا دیا۔ چنانچہ وہ ہمیں نماز پڑھایا کرتا تھا۔ کچھ دنوں بعد ہم اپنے قبیلے میں لوٹ آئے، اور خدا نے ہماری قوم کو نعمتِ اسلام سے نوازا۔

وفد بنی فزارہ :- جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی مہم سے واپس لوٹے تو بنو فزارہ دس بارہ آدمیوں کے ساتھ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ لاغر اور کمزور اونٹنیوں پر سوار تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے ان کی بستیوں کے بارے میں دریافت فرمایا، ایک کہنے لگا، یارسول اللہ! ہمارا علاقہ خشک سالی کی زد میں ہے، مویشی مر گئے ہیں، گرد و نواح میں قحط پڑ گیا ہے، اور بال بچے کمزور ہو گئے ہیں، آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری امداد کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور دعا فرمائی۔

وفد بنی اسد :- بنو اسد کا وفد، جو دس گروہوں پر مشتمل تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ ان کے ترجمان نے کہا، یارسول اللہ! ہم شہادت دیتے ہیں کہ خداوند واحد لاشریک ہے، اور آپ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ہم خود بخود حاضر ہوئے ہیں۔ حالانکہ آپ نے ہمیں بلانے کے لیے کسی کو نہیں بھیجا، اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی :- يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ، قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ۔ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰاكُمْ لِلْاِيْمَانِ ، اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ[1]۔

وفد بہراء :- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یمن سے بہراء کا وفد آیا، جو تیرہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ جب وہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ

[1] حجرات ۱۷ : ۱

کے دروازے پر آئے، انہوں نے مرحبا کہی اور حیس (حلوے) کا ایک پیالہ پیش کیا، اہلِ وفد نے اس سے پیٹ بھر کھایا۔ جب پیالہ واپس کیا گیا۔ تو ابھی تک اس میں تھوڑا سا حلوہ تھا۔ اسے انہوں نے ایک چھوٹے سے برتن میں جمع کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے۔ چنانچہ آپ نے مع اہلِ خانہ کے اس سے پیٹ بھر کر کھایا۔ پھر وہ خود اور مہمان جب تک مدینے میں ٹھہرے رہے وہی حلوہ کھاتے اور لوٹا دیتے، اور حلوہ کم نہ ہوتا۔ آخر مہمانوں نے یہ کہنا شروع کر دیا۔ اے ابو معبد! آپ نے ہمیں ایسا پسندیدہ ترین حلوہ کھلایا، جیسا کہ ہمیں کمتر ہی کبھی نصیب ہوتا ہے۔ اس پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے انہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ساری بات بتا دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیالے سے کھایا ہے اور پھر واپس کیا ہے، چنانچہ یہ (معجزہ) آپ کی انگلیوں کی برکت کا ممنون ہے۔ یہ سُن کر وہ لوگ کہنے لگے، "ہم شہادت دیتے ہیں، کہ آپ اللہ کے رسول ہیں،" اس سے ان کا یقین اور پختہ ہو گیا۔ انہوں نے چند دن قیام کیا، اور ضروری احکام سیکھے۔ پھر وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے طالبِ رخصت ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، کہ انہیں تحائف دیئے جائیں، چنانچہ وہ لوگ اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

وفد عُذرہ:- بنو عذرہ کا وفد جس میں بارہ آدمی تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے انہیں خوش آمدید کہی، وہ اسلام لے آئے اور آپ نے انہیں شام کی فتح اور ہرقل کی شکست کی خوشخبری دی، آپ نے انہیں انعام دیا اور وہ گھروں کو لوٹ گئے۔

وفد بلی:- آپ کی خدمت میں بنو بَلِی کا وفد حاضر ہوا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، "اس خدا کا شکر ہے جس نے تم کو قبولِ اسلام کی طرف،

راہ نمائی کی۔ جو شخص بحالتِ کفر مرے گا، وہ جہنمی ہے۔" بعد از حُسنِ سلوک، وہ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

وفد بنی مرہ:- بنو مرہ کا وفد جس میں تیرہ آدمی تھے، حاضرِ خدمت ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، تمہارے علاقے کا کیا حال ہے۔ کہنے لگے، یا رسول اللہ! ہم سخت بدحال ہیں، ہمارے لیے دعا فرمائیے۔ فرمایا، اے خدا، تو انہیں بارش سے نواز۔ چند دنوں کے قیام کے بعد وہ واپس ہوئے اور آپ نے انہیں تحائف دیئے۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا، کہ جس دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے لیے دعا کی تھی وہاں بارش برس گئی تھی۔

وفد خولان:- خولان کے وفد میں دس آدمی تھے، عرض کی، "یا رسول اللہ! ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اس کے رسول کی تصدیق کی ہے اور آپ تک آنے کے لیے ہم نے اونٹوں کو دوڑایا ہے، اور سخت اور نرم زمین کو طے کیا ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کا احسان ہے، کہ ہمیں آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم نے میری طرف سفر کا جو ذکر کیا ہے، اس کے بدلے میں خدا تمہیں اونٹ کے ہر قدم کا جو اس نے اٹھایا ہے۔ ایک نیکی کا ثواب دیگا۔ رہی تمہاری یہ بات کہ تم مجھے ملنے آئے ہو۔ جو شخص مجھے ملنے مدینے آئے گا، وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں جگہ پائے گا۔" اس کے بعد آپ نے انہیں احکامِ دین سکھائے۔ اور حکم دیا، "وعدہ پورا کرو، امانت ادا کرو، ہمسائے سے اچھا سلوک کرو، اور کسی سے بے انصافی نہ کرو۔" پھر آپ نے انہیں تحفے تحائف دیئے۔ وہ واپس چلے گئے۔ اور اس بُت کو، جس کی وہ پرستش کرتے تھے، توڑ دیا۔

وفد محارب:- جن دنوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبائلِ عرب میں جا جا کر اسلام پیش کرتے تھے، یہ لوگ آپ سے نہایت بدخوئی اور درشت

مزاجی سے پیش آتے تھے۔ ان میں سے دس آدمی حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پاس آئے، وہ ایمان لے آئے اور پھر اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

وفد صداء :- صداء کا وفد جو پندرہ آدمیوں پر مشتمل تھا، ایمان لے آئے، آپ نے ان کو انعامات سے نوازا اور وہ واپس چلے گئے اور اسلام ان میں پھیل گیا۔

وفد غسان :- غسانیوں کا وفد تین آدمیوں پر مشتمل تھا، ایمان لے آئے۔ آپ نے ان کو انعامات سے نوازا اور پھر وہ واپس لوٹ گئے۔

وفد سلامان :- بنو سلامان کے وفد میں سات آدمی تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا، اور خدمتِ اقدس میں گزارش کی "یارسول اللہ! ہمارے علاقے میں زبردست قحط ہے"۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، انہوں نے رخصت طلب کی، آپ نے انہیں تحائف سے نوازا، وہ واپس چلے گئے۔ وہاں جا کر دیکھا، کہ جس دن رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے دعا فرمائی تھی، اسی دن وہاں پہ بارش ہو گئی تھی۔

وفد بنی عبس :- حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنو عبس کے وفد نے حاضر ہو کر عرض کی، کہ ہمارے پاس آپ کے قاری آئے اور ہمیں بتایا، کہ وہ شخص جو ہجرت نہیں کرے گا، اس کا اسلام بے وزن ہے، حالانکہ ہم لوگوں کا مال و متاع ہے، مویشی ہیں، اگر ہجرت کے بغیر اسلام کی کوئی حیثیت نہیں، تو ہم ان اشیاء کو بیچ کر ہجرت کر لیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم جس مقام پر بھی ہو، اللہ سے ڈرتے رہو۔ تمہارے اعمال کی حیثیت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

وفد بنی غامد:۔ بنو غامد کے دس آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا، اور آپ نے احکامِ شریعت لکھ کر ان کے حوالے کیے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انہیں قرآنِ پاک پڑھائیں، پھر آپ نے انعام و اکرام کے بعد انہیں رخصت کر دیا۔

وفد بنی ازد:۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمت میں بنو ازد کا وفد حاضر ہوا۔ علقمہ بن یزید بن سوید الازدی سے روایت ہے، کہ میرے باپ نے میرے دادے سے روایت کی، کہ مَیں بھی اس وفد میں جو سات آدمیوں پر مشتمل تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب ہم نے آپ سے گفتگو کی تو آپ نے ہمارے طور طریقے اور رنگ ڈھنگ دیکھ کر دریافت فرمایا، کہ تم کون ہو۔ عرض کی کہ مسلمان ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا، کہ ہر قول کی حقیقت ہوتی ہے، تمہارے اس ادعا اور ایمان کا کیا ثبوت ہے۔ ہم نے جواب دیا، پندرہ اوصاف، جن میں پانچ وہ ہیں، جن پر ایمان لانے کا حکم آپ کے معلموں نے دیا ہے اور پانچ وہ ہیں جن پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور پانچ وہ ہیں جو زمانۂ جاہلیت سے ہمیں ورثے میں ملے ہیں، ہم ان پر بھی عمل پیرا ہیں۔ ہاں ان میں سے آپ کو کوئی وصف ناپسند ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا، وہ پانچ وصف کون سے ہیں، جن کا حکم میرے معلمین نے دیا ہے۔ انہوں نے کہا۔ اللہ، فرشتوں، کتابوں، انبیاء اور موت کے بعد زندگی پر ایمان لانا۔ پھر دریافت فرمایا، وہ پانچ اوصاف، جن پر عمل کرنے کا حکم ملا ہے کون کون سے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، اوّل یہ کہ ہم خدا کی وحدانیت کا اقرار کریں۔ نماز پڑھیں۔ زکات دیں۔ رمضان کے روزے رکھیں اور اگر استطاعت ہو تو حج کریں۔ اچھا وہ اوصاف جو تمہیں جاہلیت سے وراثت میں ملے ہیں، کیا کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، فراخی میں شکر، مصیبت میں صبر، تلخی تقدیر پر رضا، دشمن کے مقابلے میں

ثابت قدمی اور دشمنوں کے خلاف شماتت سے دست برداری" یہ سُن کر حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، یہ لوگ حکما اور علما، ہیں، اور قریب تھا کہ انہیں اپنے تفقہ کی وجہ سے نبوت مل جاتی۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، "مَیں مزید پانچ خوبیوں کا اضافہ کرتا ہوں، تاکہ بیس پوری ہو جائیں۔ اور جیسا کہ تم نے بیان کیا ہے، اگر یہ بات درست ہے، تو مَیں تمہیں نصیحت کرتا ہوں، کہ جو چیز تم نہیں کھاتے، وہ ذخیرہ مت کرو۔ جس میں تمہیں سکونت نہیں کرنی اُس کی تعمیر مت کرو، جو چیز کل تم سے لے لی جائے گی، اس کی تمنا مت کرو، اور صرف اس چیز کی خواہش کرو، جو کل تمہارے سامنے آئے گی، اور جہاں تم ہمیشہ رہو گے۔" یہ وفد واپس چلا گیا۔ ان لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کو یاد رکھا اور اس پر عمل کیا۔

وفد بنی منتفق :- بنو منتفق کا وفد دربارِ رسالت میں حاضر ہوا۔ عاصم بن لقیط راوی ہے کہ لقیط بن عامر اپنے ایک دوست نہیک بن عاصم بن مالک کی معیت میں بطور وفد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ بیان کرتا ہے، کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھ چکے، تو ہمارا وفد پیش ہوا۔ آپ تقریر کے لیے اٹھے اور فرمایا۔ اے لوگو! مَیں گزشتہ چار دن سے خاموش تھا تاکہ تم آج میری بات کو سنو۔ پھر فرمایا، کیا تم میں کوئی ایسا آدمی ہے، جسے اس کی قوم نے اس لیے میرے پاس بھیجا ہو، کہ وہ معلوم کرے کہ مَیں کیا کہتا ہوں۔ اور پھر اسے اپنی باتوں یا اپنے ساتھی کی گفتگو نے (اپنے مشن سے) غافل کر دیا ہو، دیکھو، مَیں مامور ہوں کہ احکام الٰہی کی تبلیغ کروں۔ میری بات بہ غور سنو اور میری گفتگو (جس میں حشر نشر اور جنت و جہنم کا ذکر تھا) کو لوگوں تک پہنچاؤ۔

راوی بیان کرتا ہے، مَیں نے دریافت کیا، یارسول اللہ! ہم کس بات پہ آپ کی بیعت کریں۔ آپ نے ہاتھ آگے بڑھایا اور فرمایا، "نماز پڑھو، زکات ادا کرو اور

کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ۔"

وفد بنی نخع :۔ جو وفود خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تھے، بنو نخع کا وفد جو دو سو افراد پر مشتمل تھا، سب سے آخری تھا۔ یہ لوگ مہمان خانے میں اترے، ان میں سے ایک شخص نے جس کا نام زرارہ بن عمرو تھا، عرض کی، یارسول اللہ! میں نے اس سفر کے دوران میں ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔" فرمایا " وہ کیا" کہنے لگا، "میں نے دیکھا، کہ ایک گدھی (جسے میں گھر چھوڑ آیا تھا) نے بکری کا بچہ جنا، جو سرخ رنگ کا ہے، مائل بہ سیاہی۔" آپ نے پوچھا، کیا تم کسی ایسی کنیز کو جو حاملہ تھی، چھوڑ آئے ہو؟" کہنے لگا، "جی ہاں" فرمایا، "اس نے بچہ جنا ہے، جو تمہارا بیٹا ہے۔" اس نے عرض کیا "یارسول اللہ! سرخی مائل بہ سیاہی سے کیا مراد ہے۔" فرمایا، "ذرا قریب آجاؤ۔" اس نے تعمیل کی، تو فرمایا، "کیا تمہیں برص ہے، جسے چھپائے پھرتے ہو"؟ عرض کی، "یارسول اللہ! اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے کہ اس کا کسی کو علم نہیں، اور میں نے آپ کے بغیر کسی کو بھی بتایا نہیں۔" آپ نے فرمایا "یہ وہی چیز ہے۔"

میں نے پھر عرض کی "یارسول اللہ! میں نے نعمان بن منذر کو دیکھا، کہ اس نے سونے کے دو بالے اور ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن یا ہاتھی دانت کے دو کنگن پہن رکھے ہیں۔" فرمایا، "اس سے مراد عرب کا ملک ہے، جو اپنی سابقہ رونق اور تر و تازگی کو پھر حاصل کرے گا۔" اس نے پھر کہا، "یارسول اللہ! میں نے ایک سفید بالوں والی بڑھیا کو زمین سے نکلتے دیکھا، فرمایا، "یہ دنیا کا بقیہ حصّہ ہے۔" پھر کہا، "یارسول اللہ! میں نے زمین سے ایسی آگ کو نکلتے دیکھا، جو میرے اور میرے بیٹے عمرو کے درمیان حائل ہوگئی۔" فرمایا، "یہ فتنہ آخر الزمان ہے۔" اس نے دریافت کیا "یارسول اللہ! فتنے سے کیا مراد ہے؟" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "لوگ اپنے امام کو قتل کر دیں گے۔" پھر حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اپنی انگلیوں کو ادھر ادھر بدلا، " ایک بدکن

انسان یہ سمجھ بیٹھے گا، کہ وہ نیکو کار ہے، اور مومن، مومن کے خون کو پانی سے زیادہ شیریں خیال کرے گا۔ اگر تیرا بیٹا مر گیا تو فتنہ تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گا، اور تم مر گئے تو تمہارا بیٹا اس کی لپیٹ میں آجائے گا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! دعا فرمایئے، "کہ میں اس سے بچ جاؤں" چنانچہ وہ فوت ہو گیا اور اس کا بیٹا زندہ رہا۔ یہ (اس کا بیٹا) ان لوگوں میں شامل تھا، جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معزول کیا تھا۔

باب سوم

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ خلقت و جمالِ صورت نیز آپ کے پاکیزہ اخلاق اور پسندیدہ اوصاف اور ان خوبیوں (مقدس خصائل) اور ان صفات کے بارے میں، جن کی آدمی کو زندگی میں ضرورت ہوتی ہے۔

فصلِ اوّل

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ خلقت اور جمالِ صورت کے بارے میں

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمانِ کامل کی ایک شرط یہ ہے، کہ آدمی کو اس بات پر ایمان ہو، کہ خدا نے آپ کے جسم مبارک کو ایسی صورت میں پیدا کیا ہے، کہ کسی آدمی کو بھی نہ تو پہلے ایسا جسم دیا گیا ہے اور نہ بعد میں دیا جائیگا۔
البوصیری نے کیا خوب کہا ہے :۔

فَهُوَ الَّذِی تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهُ ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِیْبًا بَارِئُ النَّسَمِ
مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِیْكٍ فِی مَحَاسِنِهٖ فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِیْهِ غَیْرُ مُنْقَسِمِ

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایسی ہے، جو معناً اور صورتاً مکمل ہے، پھر خدا نے جو انسانوں کا خالق ہے آپ کو اپنا حبیب منتخب فرمالیا۔
آپ کے اوصاف میں کوئی اور انسان شریک نہیں، اور آپ کا جوہرِ حسن

غیر منقسم ہے۔

علامہ قرطبی کا قول ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوصاف ہم پر ظاہر نہیں کیے گئے۔ کیونکہ اگر آپ کے تمام اوصاف ظاہر کر دیئے جاتے تو ہماری آنکھیں انہیں دیکھنے کی تاب نہ لاسکتیں۔

چہرہ مبارک :- امام بخاری اور امام مسلم حضرت براء سے راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شکل وصورت میں سب انسانوں سے خوبصورت اور اخلاق و اطوار میں سب سے بہتر تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ مَیں نے آپ سے بڑھ کر حسین ترین انسان نہیں دیکھا۔ یوں معلوم ہوتا ہے، گویا آپ کا چہرہ سورج تھا۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا، کہ کیا رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا چہرہ تلوار کی طرح چمکتا تھا، انہوں نے جواب دیا نہیں، بلکہ چاند کی طرح۔ یہ روایت امام بخاری نے بیان کی ہے۔ امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، کہ کسی نے ان سے پوچھا، کہ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرہ تلوار کی طرح تھا؟ انہوں نے کہا، نہیں، بلکہ سورج اور چاند کی طرح تھا، اور گول تھا۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مَیں نے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو چاندنی رات میں سرخ رنگ کی چادر اوڑھے دیکھا، مَیں کبھی آپ کے چہرے کو دیکھتا تھا اور کبھی چاند کو، بخدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری نگاہ میں چاند سے زیادہ خوبصورت تھے۔ امام ترمذی وغیرہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت کی ہے، وہ آپ کی تعریف میں فرمایا کرتے تھے، کہ آپ کے گال نہ تو بہت پھولے ہوئے تھے اور نہ آپ کا چہرہ بہت زیادہ گول تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار ابھرے ہوئے نہیں تھے۔ اور ان میں تھوڑی سی طوالت تھی۔ امام بخاری نے کعب بن مالک

سے روایت کی ہے، کہ جب حضور اکرم مسرور ہوتے، تو آپ کا چہرہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا اور ہم اسی سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انبساط کا اندازہ لگاتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں، کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے، تو آپ کے رخسار یوں چمک اٹھتے، گویا وہ چاند کا حصّہ ہیں۔ علامہ طبرانی نے حضرت جبیر بن مطعم سے روایت کی ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہماری طرف التفات فرمائی، تو آپ کا چہرہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ یہ اس وقت کا نقشہ ہے، جب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی آدمی کی طرف ازراہِ مسرت توجہ فرماتے تھے۔

حضرت ابوبکر الصدیق اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہما راوی ہیں، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ، چاند کا قرص معلوم ہوتا۔ امام بیہقی نے ابواسحاق ہمدانی کی معرفت، ہمدان کی ایک خاتون سے روایت کی ہے، جس نے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے ساتھ حج کیا تھا۔ میں نے اسے کہا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حلیہ بیان کرو۔ اس نے کہا، یوں سمجھو، کہ جیسے چودھویں کا چاند ہو، میں نے نہ پہلے ایسا چہرہ کبھی دیکھا تھا نہ بعد ازاں۔ دارمی وغیرہ نے ابوعبیدہ سے روایت کی ہے کہ میں نے ربیع بنت معوذ سے درخواست کی، کہ میرے سامنے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان فرمایئے۔ کہنے لگیں، کہ اگر آپ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا ہوتا، تو آپ کو یوں معلوم ہوتا، گویا سورج نکل آیا ہے، امام مسلم حضرت ابوالطفیل سے راوی ہیں، ان سے کسی نے کہا، کہ آپ ہمیں حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا حلیہ بتائیں۔ انہوں نے کہا، کہ آپ کا چہرہ سفید اور ملیح تھا۔ اور جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات پر خوش ہوتے، تو آپ کا چہرہ شیشے کی طرح دمک اٹھتا، اور دیواروں کا عکس آپ کے چہرہ میں نمایاں ہوجاتا۔ ابن ابوہالہ کی روایت ہے، کہ آپ کا چہرہ اس طرح چمکتا تھا جس طرح چودھویں کا چاند۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں :- اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی آنکھوں کے بارے میں فرمایا ہے :

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی[1] - امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے اندھیرے میں اس طرح دیکھ لیتے تھے، جس طرح دن کی روشنی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کیا تم یہ سمجھتے ہو، کہ میں یہاں قبلہ رُخ ہوتا ہوں ؟ حالانکہ تمہارا رکوع اور سجود مجھ سے مخفی نہیں ہوتا، اور میں پیٹھ پیچھے دیکھ لیتا ہوں۔ یہ امام بخاری اور مسلم کی روایت ہے۔ اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں، اس لیے رکوع و سجود میں تم مجھ سے آگے نہ بڑھا کرو، کیونکہ میں تمہیں اپنے سامنے اور پیچھے دیکھ لیتا ہوں۔ حضرت مجاہد قرآن پاک کی اس آیت (اَلَّذِیْ یَرَاکَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِیْنَ)[2] کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے کھڑی صفوں کو یوں دیکھ لیتے تھے، جس طرح اپنے سامنے والوں کو۔ قاضی عیاض شفا میں لکھتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ثریا ستاروں کے جھرمٹ میں گیارہ ستارے نظر آتے تھے۔ جب آپ کسی چیز کو دیکھتے، تو اسے اچھی طرح دیکھتے، آپ نگاہیں جھکائے رکھتے، اور آسمان کی طرف دیکھنے سے زیادہ تر زمین کی طرف دیکھتے۔ اور اکثر آپ پوری توجہ سے اشیار کا ملاحظہ فرماتے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ راوی ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور پلکیں لمبی تھیں، اور آنکھوں میں سرخی کی آمیزش تھی، یہ روایت بیہقی کی ہے۔ حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا دہانہ

[1] النجم : ۱۷ [2] الشعراء : ۲۱۹

کشادہ اور آنکھیں بڑی تھیں، اور پاؤں پر گوشت کم تھا۔ امام ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حلیہ یوں بیان کرتے تھے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ گول تھا، رنگ سفید تھا مائل بہ سرخی، آنکھیں بڑی اور پلکیں لمبی تھیں۔ نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ روایت بھی منسوب ہے کہ آپ کی پتلیاں سیاہ اور پلکیں لمبی تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ مجھے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے یمن کو روانہ فرمایا، وہاں ایک یہودی عالم سے میری ملاقات ہوئی، وہ مجھے کہنے لگا، کہ رسولِ کریم کا حلیہ بیان کرو، میں نے کہا۔ آپ نہ بہت لمبے قد کے ہیں اور نہ پست قد ہیں۔ اتنا کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔ اس پر وہ یہودی عالم کہنے لگا۔ کہ جو بات آپ نے کہی، اس سے مجھے یاد آگیا، کہ آپ کی آنکھوں میں سرخی ہے، اور ڈاڑھی خوبصورت ہے، میں نے کہا، بالکل آپ کا یہی حلیہ ہے۔ میں نے اپنے بزرگوں کی کتابوں میں یہی حلیہ پڑھا ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ خدا کے پیغمبر ہیں اور تمام دُنیا کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کان: - حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو میں دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے، اور جو میں سنتا ہوں، تم نہیں سنتے۔ آسمان سے آواز آتی رہتی ہے، اور وہ مجبور ہے، کہ اس سے آواز آئے، کیونکہ اس میں چار انگشت کے برابر بھی کوئی ایسی جگہ نہیں ہے، کہ جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ پیشانی رکھے اللہ کو سجدہ نہ کر رہا ہو۔ یہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے، ترمذی کی روایت ہے۔ ابو نعیم، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں، کہ ایک دفعہ صحابہ کرام کے درمیان حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم تشریف فرما تھے، پوچھا، "جو کچھ میں سن رہا ہوں، آیا تم بھی سُن رہے ہو" عرض کی، "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

ہم تو کچھ نہیں سُن رہے۔" فرمایا، میں آسمان کے چٹخنے کی آواز سُن رہا ہوں، اور تم اسے ملامت نہیں کر سکتے، کیونکہ اس میں بالشت بھر جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدے میں نہ پڑا ہو، یا قیام میں نہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی:- حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں، کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی پیشانی کھلی تھی، اور بھویں جُڑی ہوئی تھیں۔ امام بیہقی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ میں سے کسی کی زبانی بیان کیا ہے، کہ میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ کا جسم خوبصورت، پیشانی کشادہ اور بھویں پتلی تھیں۔ ابن ابی ہالہ کی روایت ہے، کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بھویں کمان کی طرح لمبی اور جھکی ہوئی تھیں، اور ان پر گھنے بال تھے۔ دونوں میں زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ ان کے درمیان ایک رگ تھی، جو غصے کے وقت اُبھر آتی تھی۔

حضرت مقاتل بن حیان سے روایت ہے، کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی، اور فرمایا، اے عیسیٰ! میری بات سنو اور اس پر عمل کرو۔ اے مریم طاہرہ عذرا اور بتول کے بیٹے! میں نے تمہیں بغیر از مرد کے پیدا کیا، اور اہلِ عالم کے لیے قدرت کا ایک نشان بنایا۔ تم میری عبادت کرو اور مجھ پر توکل کرو۔ تم اہلِ سوران کو خوش خبری دو، کہ میں خدا ہوں ہمیشہ زندہ رہنے والا اور دائم و قائم۔ اس نبی کی تصدیق کرو، جو اونٹ پر سوار ہوں گے، زرہ پہنیں گے، پگڑی باندھیں گے، پاؤں میں جوتے ہوں گے اور ہاتھ میں عصا۔ سر کے بال گھنگھریالے ہوں گے، پیشانی کشادہ، بھویں باہم پیوستہ، پلکیں لمبی، آنکھیں بڑی اور سیاہ، ناک اونچی، رخسار ابھرے ہوئے، ڈاڑھی گھنی، چہرے پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح، اور آپ سے کستوری کی خوشبو آئے گی، اور آپ کی گردن چاندی کی صراحی کی طرح ہو گی۔ اور ابن اثیر لکھتے ہیں، کہ

ابنِ ابی ہالہ کے قول کے مطابق آپ کی بھویں مکمل تھیں، لیکن باہم پیوستہ نہیں تھیں۔ ابنِ ابی ہالہ یہ بھی لکھتے ہیں، کہ آپ کا سر بڑا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کی ہڈیوں کے جوڑ مضبوط تھے (مثلاً گھٹنے، کہنیاں اور کندھے وغیرہ)۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دہان :۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دہانہ چوڑا تھا، آپ گفتگو کو شروع کرتے یا ختم کرتے تو منہ کھول کر (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر بات کو پوری وضاحت سے بیان فرماتے) عربوں میں کشادہ دہانہ کو اچھا سمجھا جاتا، اور تنگیٔ دہن کو ناپسند کرتے تھے۔ ابنِ ابی ہالہ کی روایت کی رُو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت آبدار اور جُدا جُدا تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ آپ کے اگلے دو دانت چمکیلے اور روشن تھے اور جب حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم گفتگو کرتے، تو یوں معلوم ہوتا، گویا ان سے نور نکل رہا ہے۔ اسے ترمذی نے بیان کیا ہے۔ طبرانی راوی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹ نہایت خوبصورت اور باچھیں نہایت لطیف تھیں۔ حضرت ابو قرصانہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ میں نے، میری ماں اور خالہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیعت کی۔ جب ہم گھر واپس لوٹے، تو میری ماں اور خالہ کہنے لگیں، اے بیٹے! ہم نے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے زیادہ خوبصورت چہرے والا، صاف ستھرے کپڑوں والا، نرم گفتگو کرنے والا کوئی انسان نہیں دیکھا، اور یوں معلوم ہوتا تھا۔ گویا آپ کے منہ سے نور نکلتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آبِ دہن :۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے خیبر کے دن فرمایا، میں کل عَلَم ایک ایسے شخص کے حوالے کروں گا جس کے ہاتھوں خدا خیبر کے قلعے کو فتح کرائے گا، جو اللہ اور رسول کو چاہتا ہے، اور

اللہ اور رسول اسے چاہتے ہیں۔ جب دوسرا دن آیا، سب لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بایں امید حاضر ہوئے، تاکہ آپ عَلَم ان کے حوالے کریں۔ آپ نے دریافت فرمایا، علی کہاں ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آنکھیں دُکھتی ہیں۔ فرمایا، بلواؤ۔ چنانچہ لوگ انہیں لے آئے۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ان کی آنکھوں میں لعابِ دہن لگایا، اور وہ یوں تندرست ہو گئے، گویا انہیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ اسی طرح آپ نے ایک کنوئیں میں کُلی کا پانی پھینکا، چنانچہ اس سے کستوری کی خوشبو آنے لگی۔ نیز آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر کے کنوئیں میں آبِ دہن پھینکا، اور سارے مدینے میں اس سے شیریں تر اور کوئی کنواں نہ تھا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عاشورے کے دن اپنے اور حضرت فاطمہ کے شیرخوار بچوں کو طلب فرما کر ان کے منہ میں لعابِ دہن ڈالتے، اور ان کی ماؤں کو کہہ دیتے کہ شام تک انہیں دودھ نہ پلایا جائے، چنانچہ آپ کا لعابِ دہن انہیں کافی ثابت ہوتا۔ یہ روایت بیہقی نے بیان کی ہے۔

جناب عمیرہ بنت مسعود رضی اللہ عنہا خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں۔ وہ اور ان کی بہنیں جن کی تعداد پانچ تھی، بہ غرضِ بیعت آئی تھیں۔ دیکھا کہ آپ خشک گوشت کھا رہے تھے۔ ان کے لیے آپ نے تھوڑا سا گوشت چبایا، چنانچہ ان سب نے ایک ایک ٹکڑا منہ میں ڈال لیا۔ نتیجتاً مرتے دم تک ان کے منہ سے بدبو نہیں آئی۔ یہ طبرانی کی روایت ہے۔

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کی پیٹھ اور پیٹ پر زہرباد تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنا آبِ دہن ہاتھ پر ڈال کر ان کی پیٹھ اور پیٹ پر لگا دیا۔ وہاں سے کستوری کی خوشبو سے لطیف تر خوشبو آتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو سخت پیاس لگی تھی۔ آپ نے اپنی زبان انہیں چُسائی، اور پیاس بجھ گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت:- مخلوقِ خدا میں سب سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، زیادہ فصیح البیان اور شیریں کلام تھے۔ گویا آپ کی گفتگو دلوں کو قابو کر لیتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم تمہاری طرح جلدی جلدی نہیں بولتے تھے، آپ کی گفتگو کا انداز ایسا تھا، اگر گننے والا الفاظ گننا چاہتا تو گن لیتا۔ حضور نبی کریم علیہ التحیہ والتسلیم ہر بات کو تین دفعہ دہراتے، تاکہ مطلب اچھی طرح سمجھا جا سکے۔ فرماتے، مَیں افصح العرب ہوں، اور اہلِ جنت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں گفتگو کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا، یارسول اللہ! آپ اتنے فصیح کس طرح ہو گئے، حالانکہ ہمیں چھوڑ کر آپ کبھی باہر نہیں گئے۔ فرمایا، مجھے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان سکھائی گئی ہے۔ جبریل یہ زبان لے کر آئے اور مجھے پڑھا گئے۔ یہ ابونعیم کی روایت ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت فرمایا، یارسول اللہ! ہم ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں، اور ایک ہی شہر میں پرورش پائی ہے، بایں ہمہ آپ ایسی زبان میں گفتگو فرماتے ہیں، جس میں سے اکثر حصّہ سمجھا نہیں جا سکتا۔ فرمایا، میری تربیت اللہ نے کی ہے۔ اور اچھے طریقے سے کی ہے، اور مَیں نے بچپن بنو سعد بن بکر میں گزارا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ! مَیں عرب میں پھرا ہوں اور عربوں کے فصحا سے گفتگو کی ہے، آپ سے فصیح تر مَیں نے کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ فرمایا، میرے خدا نے میری تربیّت کی، اور بچپن بنو سعد میں گزارا ہے۔ بہر حال یہ روایت کہ مَیں ان لوگوں میں سے جو ضاد بولتے ہیں، سب سے فصیح ہوں۔ ابنِ کثیر کے مطابق درست نہیں، لیکن اس کا مفہوم درست ہے۔

اکثر لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سادہ، مختصر اور عمدہ اقوال جمع کیے

ہیں، کہ دیوان بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور قاضی عیاض کی کتاب الشفا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایسے مقولے مذکور ہیں جن سے بیمار دلوں کو شفا ہوتی ہے۔

رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے اقوال:۔ (۱) آدمی جسے چاہتا ہے، اس کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ (۲) اسلام لاؤ، تاکہ (جہنم سے) بچ جاؤ۔ (۳) اسلام لاؤ، تاکہ اللہ تمہیں دوگنا اجر دے۔ (۴) سعادت مند وہ ہے، جو دوسرے کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے۔ (۵) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول جسے قاضی عیاض نے بیان کیا ہے، "اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" عمل کا مدار نیت پر ہے، شیخین (بخاری اور مسلم) نے بیان کیا ہے۔ (۶) عامل کو اپنے عمل سے وہی کچھ حاصل ہوگا جو اس کی نیّت ہے۔ (۷) مومن کی نیّت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ طبرانی کی روایت ہے۔ (۸) بیٹا باپ کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہے۔ (۹) تمام شکار، حمارِ وحشی کے پیٹ میں ہے۔ (۱۰) لڑائی فریب ہے۔ (۱۱) تم کوڑا کرکٹ پر اُگنے والی سبزی سے احتیاط برتو۔ (یعنی ایسی خوبصورت چیز سے جو ناپاک مقام میں پیدا ہوئی ہے)۔ (۱۲) انصار میرا استر اور میرا راز ہیں (۱۳) ظالم اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔ (۱۴) طاقتور وہ نہیں جو لوگوں پر زیادتی کرے، بلکہ وہ ہے جو بہ حالتِ غضب اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔ (۱۵) خبر مشاہدہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ (۱۶) مجالس (انجمنوں) کا مدار امانت پر ہے۔ (۱۷) مصائب کا تعلق گفتگو سے ہے۔ (۱۸) بُرائی سے پرہیز کرنا صدقہ ہے۔ (۱۹) بخل (کنجوسی) سے بڑھ کر کوئی مرض نہیں۔ (۲۰) اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں رہی۔ (۲۱) حیا ہر حالت میں خوبی ہے۔ (۲۲) جھوٹی قسم ملک کو تباہ و برباد کر دیتی ہے (۲۳) قوم کا سردار ان کا خدمت گزار ہوتا ہے۔ (۲۴) مبنی بر علم فضیلت اس فضیلت سے جو عبادت پر مبنی ہو، بہتر ہے۔ (۲۵) گھوڑے کی پیشانی میں بھلائی

ہے۔ (۲۶) جرم کی سزا میں جلدی کرنا چاہیئے۔ (۲۷) بعض الفاظ میں جادو کی تاثیر ہوتی ہے اور بعض علوم جہالت سے بدتر ہیں اور بعض اشعار حکمت ہیں۔ (۲۸) صحت اور فارغ البالی دونوں نعمتیں ہیں۔ (۲۹) اپنی خواہشات کو چھپا کر رکھو، کیونکہ ہر بھلائی سے لوگ حسد کرتے ہیں۔ (۳۰) مکر اور فریب کا گھر جہنم ہے۔ (۳۱) جو ہمیں دھوکا دے گا وہ ہم میں سے نہیں۔ (۳۲) جس سے مشورہ لیا جائے، وہ امین ہے۔ (۳۳) ندامت توبہ ہے۔ (۳۴) نیکی کی طرف راہ نمائی کرنے والا ایسا ہے، جیسے کہ خود نیکی کرنے والا۔ (۳۵) چیز کی محبّت تجھے بہرہ اور گونگا بنا دے گی۔ (۳۶) مانگی ہوئی چیز واپس لوٹانی چاہیئے۔ (۳۷) المنحہ (ایسا جانور جس کا دودھ، پشم یا بچہ کسی کو دیا جائے) مردود ہے۔ (۳۸) قوم کا لیڈر ضامن ہے (یعنی ذمہ دار ہے)۔ (۳۹) اور قرض واجب الادا ہے۔ (۴۰) تیرے رب نے اس کو اچھا جانا، نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے، کہ خدا نے اس کو پسند کیا اور بہتر جانا۔ (۴۱) صبر کرتے کرتے وہ مر گیا (یعنی اس نے بہت دکھ اٹھائے)۔ (۴۲) مسئول (جس سے دریافت کیا جائے) سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ (۴۳) اپنے اہل وعیال کو ادب سکھاتے وقت، لاٹھی کو بچا کر نہ رکھو۔ یہ روایت امام احمد نے بیان کی ہے، یعنی تو انہیں ادب سکھانے اور خدا کی عبادت کیلئے اکٹھا کرنے کو ترک مت کر، اس سے مراد فی الواقع سزا دینا نہیں، بلکہ غرض تمثیل ہے۔ (۴۴) بلاشبہ وہ اشیاء جنہیں موسم بہار اگاتا ہے، وہ نفخ شکم پیدا کر کے، آدمی کو ہلاک کر دیتی ہیں، یا ہلاکت کے قریب پہنچا دیتی ہے۔ اس سے مراد وہ آدمی ہے، جو مال دنیا جمع کرنے میں منہمک ہے اور اشیائے دنیا میں سے کوئی چیز اسے دنیا کو دھتکارنے سے روکتی ہے۔ (۴۵) بہترین سرمایہ وہ آنکھ ہے، جو کسی سوئی ہوئی آنکھ (غافل آدمی) کے لیے جاگتی ہے یعنی پانی کا وہ چشمہ جو دن رات بہتا رہتا ہے، لیکن اس کا آقا سویا رہتا ہے۔ (۴۶) آدمی کا بہترین مال، کثیر النسل گھوڑے اور گنجان کھجوروں والا راستہ

ہے۔ (۴۷) جو شخص عمل میں سُست ہے، اس کا نسب اسے تیز رو نہیں بنا سکتا۔ (۴۸) ایک دن چھوڑ کر ملاقات کرو، تاکہ محبت زیادہ ہو۔ (۴۹) اگر تم مال سے لوگوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے، تو اخلاق سے رسائی حاصل کرو۔ (۵۰) بدخوئی اعمال کو یوں تباہ کر دیتی ہے جس طرح سِرکہ شہد کو۔ (۵۱) بلاشبہ دین مشکل ہے، اس میں نرمی سے نفوذ کرو اور اللہ کی عبادت میں اپنے نفس پر سختی نہ کرو، کیونکہ جو سوار، اس امید پر (کہ اس کی سواری بھاری بوجھ لادنے سے تیز چلنا شروع کر دے گی) سفر پر روانہ ہوتا ہے، وہ نہ تو سفر طے کر سکتا ہے اور نہ سواری کی پیٹھ پر ٹھیک سے بیٹھ سکتا ہے۔

(۵۲) دینِ اسلام آسان ہے، جو شخص بھی اسے مضبوطی سے پکڑے گا، دین اس پر غلبہ پالے گا۔ (۵۳) عقل مند وہ ہے، جو اپنے نفس کو دین سکھائے، اور مابعد الموت کے لیے اس پر عمل کرے۔ اور عاجز وہ ہے، جو اپنی خواہشاتِ نفس کی پابندی کرے، اور ان کی تکمیل کی خدا سے تمنا رکھے۔ (۵۴) جس چیز کی خواہش تیرے دل میں پیدا ہو، اسے چھوڑ دے۔ (۵۵) عورتوں سے ان کے جمال، مال، دین اور حسب و نسب کی خاطر نکاح کیا جاتا ہے تمہیں دیندار عورت کو ترجیح دینا چاہیئے۔ (تجھے اس سے برکت حاصل ہو گی) اور اگر تُو نے اس کے خلاف عمل کیا، تو تجھے رسوائی ہو گی۔ (۵۶) سردی کا موسم مومن کی بہار ہے، دن چھوٹے ہوتے ہیں، وہ روزہ رکھتا ہے، راتیں لمبی ہوتی ہیں، وہ قیام و قعود میں بسر کرتا ہے۔ (۵۷) قناعت ایسا مال ہے، جو کبھی ختم نہیں ہوتا، اور ایسا خزانہ ہے جو فنا نہیں ہوتا۔ (۵۸) جس نے بھی استخارہ کیا، وہ نا امید نہیں ہو گا، اور جس نے مشورہ کیا وہ نادم نہیں ہو گا۔ اور جس نے کفایت شعاری، کی وہ محتاج نہیں ہو (۵۹) اخراجات میں کفایت شعاری، نصفِ خوش حالی ہے۔ اور لوگوں سے حُسنِ سلوک نصفِ دین ہے اور

حُسنِ دریافت نصفِ عقل ہے۔ (۶۰) تدبیر سے بہتر کوئی عقل نہیں، اور اجتنابِ رذائل سے بڑھ کر کوئی پارسائی نہیں، اور حُسنِ خلق سے بلند تر کوئی حسب و نسب نہیں۔ (۶۱) مسلم وہ ہے، جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ ہوں۔ اور مہاجر وہ ہے، جس نے حرام اعمال ترک کر دیئے۔ (۶۲) تدبیر نصف خوشحالی اور مروّت نصف عقل ہے، غم نصفِ پیری ہے اور چھوٹا کنبہ ایک دولت مندی ہے۔ (۶۳) جس نے تمہارے پاس کوئی امانت رکھی ہے اسے واپس کر، اور اگر کوئی تجھ سے خیانت کرے تو تُو اس سے خیانت نہ کر۔ (۶۴) دودھ طبیعت کو بدل دیتا ہے (۶۵) جس میں امانت نہیں، اس میں دین نہیں، اور جو پابندِ عہد نہیں، اس میں دین نہیں۔ یہ امام احمد کی روایت ہے۔ (۶۶) عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں (۶۷) عہد کا نباہ شرطِ ایمان ہے۔ (۶۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ایک بڑھیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ میرے پاس تشریف فرما تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا، "تُو کون ہے" کہنے لگی "بنو مزن کی جثامہ" فرمایا، "تُو حسانہ ہے، تم کیسی ہو، تمہارا کیا حال ہے اور کس طرح بسر کی" کہنے لگی بہ خیر و عافیت میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں" جب وہ چلی گئی، میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! آپ نے اس بڑھیا کو نہایت اچھے طریقے سے خوش آمدید کہی، فرمایا، یہ عورت خدیجہ کی زندگی میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی اور حُسنِ سلوک ایمان کی شرط ہے۔ (۶۹) فصاحتِ بیان، انسان کا جمال ہے۔ یہ قضاعی کی روایت ہے۔ (۷۰) دو حریص آدمی ایسے ہیں، جن کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا، طالبِ علم اور طالبِ دنیا۔ یہ طبرانی کی روایت ہے۔ (۷۱) جہالت سے بڑھ کر اور کوئی افلاس نہیں، اور عقل سے بڑھ کر اور کوئی مال نہیں۔ اور غرور سے بڑھ کر اور کوئی وحشت نہیں۔ یہ ابنِ ماجہ کی روایت ہے۔ (۷۲) زیادتی فراموش نہیں ہوتی، نیکی پرانی نہیں ہوتی، اور نیکی کا بدلہ دینے والا مرتا نہیں، جو تمہارا جی

چاہے، ویسے ہو جاؤ۔ (۷۳) علم اور حلم کے اجتماع سے بہتر اور کوئی اجتماع نہیں۔ یہ عسکری کی روایت ہے۔ (۷۴) زمین کے خفیہ حصوں میں رزق کی تلاش کرو (مراد کھیتی باڑی ہے) یہ روایت شریح۔ (۷۵) دنیا میں یوں گزارا کرو، گویا تم غریب الوطن یا مسافر ہو اور اپنے آپ کو اہلِ قبور میں سے شمار کرو، یہ بیہقی کی روایت ہے۔ (۷۶) نیک عمل، برائیوں کے مقامات سے بچاتے ہیں۔ (۷۷) خفیہ طور پر صدقہ دینا، اللہ کی آتشِ غضب کو بجھا دیتا ہے۔ (۷۸) صلہ رحمی سے عمر بڑھتی ہے۔ یہ طبرانی کی روایت ہے۔ (۷۹) عفو سے آدمی کی عزت بڑھتی ہے اور تواضع سے بلندی نصیب ہوتی ہے، اور صدقے سے مال کم نہیں ہوتا، یہ مسلم کی روایت ہے۔ (۸۰) اے خدا میں دولت کے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں۔ (۸۱) اے اللہ میں کانوں، آنکھوں، زبان، دل اور منی کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ (۸۲) حاکم نے شکل سے روایت کی ہے، دنیا متاعِ حاضر ہے، جس سے نیک اور برا آدمی دونوں فائدہ اٹھاتے ہیں اور آخرت سچا وعدہ ہے جہاں بادشاہ عادل کی حکومت ہوگی۔ جو حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دے گا۔ پس تم آخرت کے بندے بنو اور دنیا کے بندے نہ بنو۔ کیونکہ ہر ماں کا بچہ اس کے پیچھے چلتا ہے، یہ ابونعیم کی روایت ہے۔ (۸۳) بربنائے دستاویزات وہ شخص سب سے زیادہ خسارے میں رہے گا، جو اپنی آخرت کو دوسرے کی دنیا کے لیے غارت کر دے۔ اسے ابنِ نجار نے عبداللہ بن عامہ سے روایت کیا ہے۔ (۸۴) از روئے دستاویز بدبخت ترین آدمی وہ ہے جس نے اپنی عمر خواہشات کے تعاقب میں صرف کر دی لیکن زمانے نے اس کی خواہشات کے مطابق اس سے مساعدت نہ کی، چنانچہ وہ دنیا سے بغیر توشہ (سفر) کے روانہ ہوا، اور خدا کے سامنے ایسی حالت میں پیش ہوا، کہ اس کے پاس اپنی کوتاہی کی کوئی دلیل نہ تھی۔ (۸۵) مصائب کو چھپانا، نیکی کا خزانہ ہے۔ (۸۶) قسم کھانے کا نتیجہ یا تو قسم کو توڑنا ہوتا ہے یا ندامت ہوتی ہے۔ یہ ابویعلی کی روایت

(۸۷) اپنے بھائی کی تکلیف پر اظہارِ خوشی نہ کر، مبادا خدا اسے معاف کر دے اور تجھے پکڑ لے۔ (ترمذی)۔ (۸۸) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا، جو کچھ تجھے پیش آ رہا ہے، اس پر قلم تقدیر چل چکا ہے۔ (۸۹) آج گھوڑ دوڑ ہے، کل (آخرت) مسابقت ہوگی، اور نتیجہ جنت ہے۔ اور جو داخل نار ہوا، وہ تباہ ہوگیا۔ (۹۰) جو شخص میری خاطر اپنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے، مَیں اسے خدا سے جنت دلانے کی ضمانت دیتا ہوں۔ (بخاری)

یہ اقوال اور اسی طرح کے اور غیر محدود اقوال اس امر کی شہادت ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فصاحت و بلاغت کے اس درجے پر سرفراز تھے، کہ کسی اور کے وہاں پہنچنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور آپ اس مرتبے پر فائز تھے، کہ آپ کی عظمت کا صحیح اندازہ لگانا بھی ممکن نہیں۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بلاغت کی مثالوں میں سے ایک مثال یہ ہے کہ آپ کے شریعت کے متفرق احکام اور اسلام کے قواعد صرف چار احادیث میں بیان کر دیئے۔ (۱) اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (شیخین) (۲) اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ (مسلم) (۳) اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ۔ (۴) لَا یَکْمُلُ اِیْمَانُ الْمَرْءِ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔ (شیخین)۔ حدیثِ اول عبادات کے چوتھے حصے پر حاوی ہے۔ حدیثِ ثانی معاملات کے چوتھے حصے پر۔ ثالث، حکومت اور مقدمات کے فیصلوں کے چوتھے حصے پر اور رابع، آداب اور حسنِ معاشرت (جس میں جرائم کی سزا بھی شامل ہے) پر حاوی ہے۔ (ابن اثیر)۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات:۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت یہ تھی، کہ باوجودیکہ عربوں کی مقامی زبانیں ان کے الفاظ کی تراکیب اور بیان کے اسلوب

مختلف تھے، بایں ہمہ آپ مخاطب کی زبان میں اس سے فصیح تر گفتگو کر سکتے تھے، حالانکہ کوئی شخص بھی اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبان میں بآسانی گفتگو نہیں کر سکتا، بلکہ جب وہ دوسرے کی بات سنتے ہیں تو گویا ایک عرب عجمی زبان سن رہا ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت خدائی قدرت اور الٰہی بخشش کی ممنون تھی۔ کیونکہ آپ تمام دنیا اور تمام مخلوق سیاہ اور سرخ کی طرف مبعوث ہوئے تھے، اور ہر دوسری زبان بولنے والا انسان سوائے رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے اہلِ زبان سے کمتر اور پست تر ہوتا ہے، کیونکہ آپ مخاطب کی زبان میں اس سے فصیح تر گفتگو فرما سکتے تھے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے سزاوار بھی تھے، کیونکہ آپ تمام عمدہ انسانی اوصاف میں غیر معمولی طور پر سب انسانوں سے بہتر تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز:-

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، کہ خدا نے جب کبھی کسی نبی کو بھیجا، تو اسے حُسنِ صورت اور خوبی آواز سے نوازا، جب تمہارے نبی کی بعثت کا وقت آیا، تو اس کو بھی ان اوصاف سے نوازا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بات کرتے، تو آپ کے اگلے دانتوں سے نور نکلتا دکھائی دیتا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز اتنی دُور تک سُنی جا سکتی کہ دوسرے کی آواز نہ سنی جاتی۔ حضرت برار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ جب حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم خطبہ دیتے، تو نقابوں میں مستور عورتیں بھی سن لیتیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک جمعے کو منبر پر تشریف فرما ہوئے، حاضرین کو حکم دیا، کہ بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت بنو غنم میں تھے، آپ کی آواز سُن لی اور بیٹھ گئے۔ حضرت عبدالرحمان بن معاذ تیمی راوی ہیں، کہ حضرت رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے منیٰ میں خطبہ دیا، خدا

نے ہمارے کان کھول دیئے، چنانچہ ہم نے اپنے گھروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سُن لی تھی۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ ہم آدھی رات کو حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی قرأت، (جب آپ کعبے میں ہوتے تھے اور میں اپنی چارپائی پر ہوتی تھی) سُن لیتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی :۔

امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، کہ میں نے کبھی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل طور پر ایسے انداز میں کبھی ہنستے نہیں دیکھا، کہ آپ کے تالو کا اوپر کا حصہ دیکھا جاسکے۔ بلکہ آپ صرف تبسم فرماتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ مواقع کے قصے میں، جو رمضان میں پیش آیا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس زور سے ہنسے تھے، کہ آپ کی ڈاڑھیں نظر آگئی تھیں (بخاری)۔ حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ اکثر و بیشتر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی تبسم تک محصور رہتی۔ اور دانت اولوں کی طرح چمکتے تھے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں، کہ اس موضوع پر تمام احادیث کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اکثر حالات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبسم پر اکتفا فرماتے، اور کبھی اس سے بڑھتے، تو ہنسی کی نوبت آتی۔ ابن بطال راوی ہیں کہ جس ذات اقدس کی اعمال و افعال میں اقتداء کی جانا چاہیئے، اسے ہنسی پر مواظبت زیب نہیں دیتی تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے، تو دیواروں پر عکس یوں دیکھا جاسکتا جس طرح سورج کی کرنیں ہوں۔ امام مسلم کی روایت ہے، کہ جب کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل ہوتی، تو جب تک یہ کیفیت رفع نہ ہو جاتی، تو آپ تبسم نہ فرماتے اور نہ ہنستے، بلکہ جب آپ خطبہ دیتے، یا قیامت کا ذکر فرماتے، تو آپ جوش میں آجاتے اور آواز اونچی ہو جاتی، گویا آپ کسی لشکر کو ہدایات جاری کر رہے ہیں،

فرماتے۔ صَبَّحَکُمْ وَمَسَّاکُمْ۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گریہ:۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا رونا بھی ہنسی سے ملتا جلتا تھا۔ نہ چیخ ہوتی اور نہ آواز ہی زور سے نکلتی جس طرح کہ آپ کی ہنسی قہقہہ کی شکل اختیار نہیں کرتی تھی۔ روتے وقت آنکھیں ڈبڈبا جاتیں اور آنسو بہنا شروع ہو جاتے۔ آپ کے سینے سے آواز نکلتی سنی جاتی، جب آپ کو کسی میت پر رحم آتا، یا امت پر از جہت خوفِ الٰہی یا بربنائے شفقت گریہ کرتے۔ یا قرآنِ پاک تلاوت کرتے وقت بالخصوص رات کو دورانِ نماز میں اللہ کے ڈر سے روتے تھے۔

خدا نے آپ کو جمائیوں سے محفوظ رکھا تھا۔ اور کبھی کسی نبی نے جمائی نہیں لی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ:۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں کی سبھی لوگوں نے تعریف کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی گداز اور انگلیاں موٹی تھیں، آپ کے بازو پُر گوشت اور ہاتھ چوڑے تھے۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ایک دفعہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے گال کو چھوا، وہ کہتے ہیں، کہ میں نے ٹھنڈک اور ایسی خوشبو محسوس کی، گویا کہ طبلہ عطار سے نکلا ہو۔ (مسلم) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و ٓ ہ سے مصافحہ کرتا، یا میرا جسم آپ کے جسم کو چھو جاتا، تو بعد میں، اپنے ہاتھوں کو سونگ ؒ تا، تو اس کی خوشبو کستوری سے بہتر ہوتی۔ حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا۔ وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے ہاتھ ریشم

اور دیبا سے زیادہ نرم تھے۔ ابن بطال رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ آپ کی ہتھیلیاں پُرگوشت تھیں، اور باوجود ضخامت نرم تھیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک سفر میں مجھے اپنے پیچھے سواری پر بٹھالیا۔ میں نے آپ کے جسم سے زیادہ نرم کوئی چیز نہیں چھوئی تھی۔ غزوۂ حنین میں حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر زخم آگیا، اور ان کے چہرے اور سینے پر خون بہہ نکلا، آپ نے اپنے ہاتھ سے ان کے چہرے اور سینے سے خون کو صاف کیا اور دعا فرمائی۔ چنانچہ آپ کے ہاتھ کے اثر سے ان کے چہرے سے سینے تک جہاں آپ نے چھوا تھا، وہ حصۂ جسم یوں سفید ہوگیا تھا، جیسا کہ گھوڑے کا ماتھا سفید ہوتا ہے۔ (حاکم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدلوک ابو سفیان کے سر کو چھوا، چنانچہ جہاں تک آپ نے چھوا تھا، وہ جگہ تو سیاہ رہی یعنی اس جگہ کے بال سفید نہ ہوئے اور باقی بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہوگئی۔ (بخاری) حضرت ابو زید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضور علیہ التحیۃ والتسلیم نے میرے سر اور داڑھی پر ہاتھ پھیرا، فرمایا، اے خدا! تو اسے حُسن عطا فرما۔ روایت ہے، کہ ان کی عمر سو سال سے زیادہ ہوگئی تھی، اور داڑھی میں کوئی سفید بال نہ تھا۔ اور ان کا چہرہ اسی طرح تر و تازہ رہا اور موت تک کوئی جھُری نمودار نہ ہوئی (بیہقی) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حنظلہ بن حذیم رضی اللہ عنہ کے سر کو ہاتھ سے چھوا، فرمایا، برکت ہو، پھر یہ حالت ہو گئی، کہ ان کے پاس بکریاں جن کے تھنوں میں ورم ہوتا، نیز اونٹ اور انسان جو اس تکلیف میں مبتلا ہوتے، لائے جاتے، تو وہ اپنے ہاتھ پر پھونک مار کر اپنے سر کو چھُوتے اور پھر "بِسْمِ اللّٰہِ عَلٰی اَثَرِ یَدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ" پڑھ کر متورم مقام کو چھُوتے تو تکلیف رفع ہو جاتی۔ (امام احمد) صحابہ کی ایک جماعت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کا ذکر کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم دعا میں ہاتھوں کو اتنا اونچا لے جاتے، کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نمایاں ہو جاتی۔ طبری راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے، کہ سب لوگوں کی بغلوں کا رنگ جسم کے رنگ سے مختلف ہوتا ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے مستثنیٰ تھے۔ بنو حریش کے ایک شخص راوی ہیں، کہ ایک دفعہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھینچا، اور آپ کی بغل کے پسینے کا ایک قطرہ مجھ پر ٹپکا، وہ کستوری کی طرح خوشبو دار تھا۔ (بزاز)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک سی دھاری تھی۔ بہ قول بیہقی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینے کے بالائی حصے سے ناف تک کھجور کی چھڑی کی طرح بال تھے، اس کے علاوہ سینے اور پیٹ پر کوئی بال نہ تھا۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے آپ کے پیٹ کے متعلق کہا، کہ میں نے جب بھی حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے شکم کو دیکھا تو مجھے ایسا معلوم ہوا، کہ وہ ایک ایسی دہری تحریر ہے، جس کے الفاظ باہم ملے ہوئے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ ایسا سفید تھا، گویا کہ چاندی سے ڈھالا گیا ہو۔ بال نہ سیدھے نہ گھنگھریالے۔ شکم کشادہ اور کندھے کی ہڈیاں مضبوط تھیں۔ امام احمد محرش الکعبی سے راوی ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جعرانہ سے عمرے کا احرام باندھا، میں نے دیکھا، کہ آپ کی پیٹھ پگھلی ہوئی چاندی کی طرح ہے، امام بخاری کی روایت ہے کہ آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، کہ آپ کا سینہ چوڑا تھا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل:- یہ بات درست ہے، کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے شق صدر کی خدمت

انجام دی تھی، اور اس سے گوشت کا ایک لوتھڑا نکال پھینکا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا تھا، کہ یہ آپ کے اندر شیطان کا حصہ ہے، پھر اسے زمزم کے پانی سے سونے کے تھال میں دھویا تھا، اور جوڑ کر اپنی جگہ پر رکھ دیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ میں نے سلائی کا نشان آپ کے سینے پر دیکھا تھا۔ (مسلم)، ایک روایت میں ہے کہ شق صدر کئی دفعہ وقوع پذیر ہوا۔

رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی قوتِ مردمی:- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی گیارہ ازواج مطہرات کے پاس دن رات کے ایک گھنٹے میں آتے جاتے تھے۔ راوی کہتا ہے، کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، کہ کیا آپ میں اتنی طاقت تھی، وہ کہنے لگے، ہم باہم گفتگو کیا کرتے تھے، کہ آپ کو تیس آدمیوں کی طاقت مردمی دی گئی تھی۔ (بخاری) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آپ میں چالیس آدمیوں کی طاقت تھی۔ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ آپ میں اتنی طاقت تھی، جتنی کہ جنت میں ہر آدمی کو دی جائے گی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ جنت میں ہر آدمی کو اتنی اتنی طاقت دی جائے گی، میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! کیا وہ اسے نباہ لے گا، فرمایا، اسے سو آدمیوں کے برابر قوتِ رجولیت دی جائے گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے احتلام سے محفوظ رکھا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ کسی نبی کو احتلام نہیں ہوتا کیونکہ اس کا تعلق شیطان سے ہے۔ (طبرانی)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں:- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاؤں کی سب لوگوں نے تعریف کی ہے۔ آپ کے پاؤں پُرگوشت اور انگلیاں مضبوط تھیں۔ حضرت میمونہ بنت کردم

راوی ہیں۔ میں نے آپ کو دیکھا، چنانچہ میں ابھی تک آپ کے پاؤں کی انگلیوں کو نہیں بھول سکی، انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سب سے لمبی تھی۔ (امام احمد) حضرت ابنِ ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کے درمیانی حصے میں خم نہیں تھا، اور چلتے وقت پاؤں جم کر زمین پر پڑھتے تھے۔ عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پاؤں بہت خوبصورت تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قد مبارک:۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو چھوٹے تھے نہ لمبے، بلکہ آپ کا قد طول کے قریب تر تھا۔ (بیہقی) بعض اور راویوں نے یوں بیان کیا ہے، کہ آپ نہ بہت لمبے تھے، نہ چھوٹے۔ یعنی نہ حد سے زیادہ لمبے تھے کہ قد بے قابو معلوم ہو۔ حضرت ابنِ ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ آپ معتدل القامت آدمی سے لمبے معلوم ہوتے، اور بے تحاشا لمبے تڑنگے آدمی سے چھوٹے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں، کہ آپ نہ تو حد سے زیادہ لمبے تھے، اور نہ بالکل ٹھگنے تھے۔ جب آپ اکیلے چلتے، تو متوسط القامت دکھائی دیتے، اور جب آپ کے ساتھ کوئی اونچے قد والا چلتا، تو آپ اس سے لمبے معلوم ہوتے۔ کبھی دو لمبے آدمی آپ کے دونوں طرف چلتے تو آپ ان سے لمبے دکھائی دیتے۔ لیکن جب وہ علیحدہ ہو جاتے، تو آپ متوسط القامت معلوم ہوتے (بیہقی وغیرہ) ابنِ سبع نے آپ کی خصوصیات میں، اس امر کا اضافہ کیا ہے، کہ جب حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم مجلس میں بیٹھے ہوتے، تو آپ کے کندھے تمام حاضرین سے اونچے دکھائی دیتے۔ حضرت ابنِ ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ کا جسم گٹھیلا اور اعضا مربوط اور مضبوط تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک:۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک بالوں کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا، دو قسم کے بالوں میں سے درمیانہ قسم کے بال تھے، نہ سیدھے نہ گھنگھریالے اور پُر پیچ، جو آپ کے کانوں اور کندھوں کے درمیان لٹکتے رہتے۔ ایک اور روایت میں ہے، کہ نہ بالکل سیدھے اور نہ گھنگھریالے تھے، اور آپ کے کانوں اور گردن کے درمیان لٹکے رہتے۔ اور دوسری روایت میں ہے، کہ کانوں اور گردن کے نصف حصے تک تھے۔ (بخاری و مسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے کاندھے سے اوپر اور کانوں کی لَو سے نیچے تھے۔ (ترمذی) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کانوں تک تھے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، کہ کندھے تک تھے۔ رمثہ کی روایت کے مطابق کندھوں تک پہنچتے تھے۔ ایک راوی کی روایت ہے، کہ میں نے کندھوں تک لٹکے ہوئے بال، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بالوں سے بہتر نہیں دیکھے۔

قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں، کہ ان روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے، کہ سامنے کے جو بال کانوں تک پہنچتے، وہ کانوں کی لوؤں تک ہوتے تھے اور جو پچھلی طرف ہوتے وہ گردن تک لٹکے رہتے۔ ایک روایت کی رو سے ان کا تعلق مختلف اوقات سے تھا جب آپ چند دن ان بالوں کو چھوٹا نہ کراتے، تو کندھوں تک لٹک جاتے اور جب کٹوا دیتے، تو کانوں کی لوؤں تک رہ جاتے۔ چنانچہ اسی بناء پر لمبے چھوٹے ہوتے رہتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سر کے بالوں کو کھلا چھوڑ دیتے، اور مشرکین مکہ مانگ نکالا کرتے، چونکہ اہلِ کتاب بالوں کو کھلا چھوڑ دیتے تھے، اس لیے آپ ایسے معاملات ہیں، جن میں کوئی واضح حکم موجود نہ ہوتا، ان سے موافقت کو پسند کرتے تھے۔ بعد میں آپ نے مانگ نکالنا شروع کر دی۔ (ترمذی و مسلم) علما کی رائے ہے، کہ مانگ نکالنا سنت ہے، کیونکہ بعد میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر رجوع فرمایا تھا۔ مگر صحیح بات یہ ہے، کہ مانگ نکالنا اور نہ نکالنا دونوں جائز ہیں لیکن مانگ نکالنا بہتر ہے۔

حضرت امِ ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں تشریف لائے، اور آپ کے سر پر چار چوٹیاں تھیں۔ (ترمذی) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ڈاڑھی میں چند سفید بال تھے۔ ایک دوسری روایت میں ہے، کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے بڑھاپے کی ایک معمولی جھلک دیکھی تھی۔ ایک اور روایت میں ہے، کہ اگر میں چاہتا، تو آپ کے سر کے سفید بال شمار کر لیتا۔ اور آپ خضاب نہیں لگاتے تھے، اور سفیدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لبوں کے نیچے اور ٹھوڑی کے اوپر کے بالوں، کنپٹیوں اور سر کے متفرق بالوں میں تھوڑی سی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کے سر اور ڈاڑھی میں سترہ یا اٹھارہ سفید بال تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ کل بیس بال تھے۔ صحیحین میں روایت ہے، کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کو دیکھا، کہ آپ مہندی سے بالوں کو رنگ رہے تھے۔ امام نووی فرماتے ہیں، کہ مختار مذہب یہ ہے، کہ کبھی رنگ لیتے اور اکثر چھوڑ دیتے۔ چنانچہ جس نے جو کچھ دیکھا، وہی کہہ دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ آپ اکثر سر پر تیل لگاتے اور ڈاڑھی میں کنگھی فرماتے۔ (بغوی) حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ میں نے حجام کو دیکھا، کہ وہ آپ کی حجامت کر رہا تھا اور

صحابہ آپ کا طواف کر رہے تھے بایں غرض کہ آپ کے بال ان کے ہاتھوں میں گریں۔ (مسلم)، ایسی کوئی روایت نہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر حج یا عُمرے کی عبادت کے سوا کبھی منڈوایا ہو۔ اس بنا پر، بالوں کو سر پر چھوڑ دینا سنّت ہے اور جو صاحب علم منکر ہو، وہ سزا کا مستحق ہے۔ اور جو شخص بال نہ رکھ سکے، اسے مونڈا دینے کی اجازت ہے۔

حضرت محمد بن سیرین سے روایت ہے، کہ میں نے عبیدہ سے کہا، کہ میرے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بال مبارک ہے، جو مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دیا تھا، وہ کہنے لگے، کہ اگر میرے پاس رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبارک بال ہو، تو میں اسے دنیا اور مافیہا سے بہتر سمجھوں گا۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ڈاڑھی کو طول و عرض سے کاٹتے تھے۔ (ترمذی) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ آپ مونچھوں کو کاٹتے تھے۔ موہائے زہار کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونے کا لیپ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ بال بڑھ جاتے تو مونڈ دیتے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چونے کا لیپ لگاتے، تو ابتدا موہائے زہار سے کرتے اور باقی جسم پر اہلِ خانہ لیپ کر دیتے۔ اور حمام میں داخل ہونے کی روایت موضوع ہے امام بیہقی نے جعفر الباقر سے روایت کی ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز ناخن اور مونچھیں کٹوانے کو بہتر خیال فرماتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک اور کنگھی کو ہمیشہ اپنے پاس رکھتے۔ اور جب داڑھی میں کنگھی کرتے، تو شیشہ دیکھ لیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک سرمہ دانی تھی، جس سے آپ رات کو سونے سے پہلے تین دفعہ دونوں آنکھوں میں باری باری سرمہ لگاتے۔

(ترمذی) امام احمد راوی ہیں، کہ آپ سلائی سے سرمہ ڈالا کرتے۔ یہ سرمچو سرخ مائل بہ سیاہی پتھر سے بنا ہوا تھا۔ حضرت محمد بن علی سے روایت ہے، مَیں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا، کیا حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم خوشبو کا استعمال کرتے تھے، انہوں نے فرمایا، کستوری اور عنبر کا استعمال فرماتے تھے، اور یہ ایسی خوشبو ہے، جس کا رنگ نہیں ہوتا۔ اور جو مردوں کے لیے موزوں ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار:۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے، کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چلتے، گویا آپ چڑھائی سے اترائی کی طرف جا رہے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ جب آپ چلتے اور قدم اٹھاتے تو پورا قدم ٹکاتے۔ اور مَیں نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے بڑھ کر سبک رفتار کوئی آدمی نہیں دیکھا، گویا زمین خود لپٹی چلی آتی۔ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہمقدم ہونے کی کوشش کرتے تھے، مگر آپ کو کوئی زحمت نہیں ہوتی تھی۔ نیز روایت ہے، کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چلتے، تو جسم کو اچھی طرح تھام کر چلتے۔ اور ادھر اُدھر لڑکھڑاتے نہیں تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چلتے، تو پوری قوت سے چلتے۔ حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ جب آپ چلتے تو پوری قوت سے چلتے، زور سے پاؤں اٹھاتے اور نرمی سے زمین پہ قدم رکھتے۔ آپ سریع رفتار تھے، اور یوں چلتے، گویا اونچی جگہ سے اتر رہے ہیں۔ یہ ہے رفتار اولوالعزم، ذی ہمت اور بہادر لوگوں کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفتار معتدل اور اعضاء کے لیے آرام دہ تھی۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم جب صحابہ کے ساتھ چلتے، تو وہ آپ کے آگے چلتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے ہوتے، فرمایا، میرے پیچھے فرشتوں کے لیے جگہ چھوڑ دو، ایک غزوے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیدل سفر کیا، آپ کی ایک انگلی زخمی ہوگئی اور

اس سے خون بہہ نکلا، فرمایا، "تو ایک انگلی ہی تو ہے، اور یہ ہے تیرا حال اللہ کی راہ میں" (ابوداؤد)

دھوپ ہوتی یا چاندنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں ہوتا تھا۔ (ترمذی، ابن سبع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور تھے، اس لیے دھوپ ہوتی یا چاندنی، آپ کا سایہ نہیں ہوتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ :۔ تمام صحابہ کرام نے بالاجماع آپ کا رنگ سفید بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ آپ کو ابیض ایملیح کہتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے سفید رنگ کے تھے، کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے چہرے کی سفیدی اور بالوں کی بھرپور سیاہی بھلائی نہیں جا سکتی۔ طبرانی نے ابوالطفیل سے یہ روایت بیان کی۔ حضرت ابوطالب کا ایک شعر ہے :۔

وَاَبْيَضُ يُسْتَسْقِى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ　　　ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

(ترجمہ) اس کا رنگ سفید ہے، اور بادل کو اس کے طفیل پانی پلایا جاتا ہے۔ (تاکہ وہ دنیا کو سیراب کرے) وہ یتیموں کا مربی اور رانڈ عورتوں کا محافظ ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا قول ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ مائل بہ سرخی تھا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ کا رنگ روشن اور صاف تھا۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ آپ کا رنگ چونے کی طرح سفید نہیں تھا۔ نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ کا رنگ سفید گندمی تھا۔ بہ قولِ بیہقی سمرہ سے مراد وہ رنگ ہے، جو سورج اور ہوا کے سامنے ہو، جس طرح کہ چہرہ اور گردن، لیکن جسم کا وہ حصہ جو کپڑوں کے نیچے تھا، وہ بہت زیادہ سفید تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہوا، پسینہ اور فضلات :- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت یہ تھی، کہ

آپ کے جسم سے خوشبو کے استعمال کے بغیر، خوشبو آتی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ میں نے رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے جسم کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی خوشبو (کستوری ہو یا عنبر) نہیں سونگھی۔ (امام احمد) ام عاصم سے جو عتبہ بن فرقد السلمی کی بیوی تھیں، روایت کی ہے، کہ عروہ رضی اللہ عنہ کی ہم چار بیویاں تھیں۔ ہماری یہ کوشش ہوتی، کہ ہم ایسی (عمدہ) خوشبو کا استعمال کریں، کہ دوسری (سوکن) سے بہتر ہو۔ عتبہ کسی خوشبو کا استعمال نہیں کرتے تھے، ہاں البتہ داڑھی کو تیل لگاتے۔ مگر بایں ہمہ ان سے ہم سے بہتر خوشبو آتی۔ چنانچہ جب گھر سے باہر جاتے، تو لوگ کہتے کہ ہم نے عتبہ کی خوشبو سے بہتر کبھی کوئی خوشبو سونگھی ہی نہیں۔ ایک دن میں نے اس سے پوچھا، کہ ہم بھی عمدہ سے عمدہ خوشبو کا استعمال کرتی ہیں، لیکن پھر بھی تمہاری خوشبو زیادہ ہوتی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا، کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے زمانے میں مجھے زہر باد ہو گیا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور تکلیف بیان کی۔ فرمایا، کپڑے اتارو، میں نے کپڑے اتارے اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا، آپ نے اپنے ہاتھ پر پھونک ماری، پھر آپ نے اپنا ہاتھ میری پیٹھ اور پیٹ پر پھیرا، چنانچہ اس دن سے یہ خوشبو مجھ میں پیدا ہو گئی ہے۔ (طبرانی)

اسی طرح ایک شخص کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے، کہ اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ اور اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلے میں (میک اپ کے لیے)، آپ سے امداد کا طالب ہوا۔ آپ نے فرمایا، ایک شیشی لے آؤ۔ اس میں آپ نے اپنے پسینے کے چند قطرے ڈال دیئے، فرمایا، لڑکی کو کہنا، کہ وہ اسے بطور خوشبو کے استعمال کرے، چنانچہ جب وہ اس خوشبو کو استعمال کرتی، تو سارے شہر میں خوشبو پھیل جاتی۔ لوگ انہیں خوشبو والوں کا گھر

کہتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ جب بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کی کسی گلی سے گزرتے، تو لوگ آپ کی خوشبو سے اندازہ لگاتے، کہ وہاں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گزر ہوا ہے۔ (ابو یعلی وغیرہ) اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا چہرہ نہایت دلکش اور آپ کا رنگ نہایت دلفریب تھا۔ چنانچہ جس شخص نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حُلیہ بیان کیا، اس نے آپ کے چہرے کو چودھویں کے چاند سے تشبیہ دی۔ اور پسینے کے قطرے موتی کی طرح تھے، جو خالص کستوری کی طرح خوشبودار تھے۔ (ابو نعیم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، ہمارے گھر تشریف لائے، اور قیلولہ فرمایا، اس اثنار میں آپ کو پسینہ آگیا۔ میری ماں شیشی اٹھالائی۔ اور آپ کا پسینہ اس میں جمع کرنے لگی۔ اتنے میں رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم جاگ اٹھے۔ پوچھا، ام سلیم! تو کیا کر رہی تھی، میری ماں نے کہا، یا رسول اللہ! یہ آپ کا پسینہ ہے، جسے ہم اپنے خوشبودار تیل میں ملادیں گے، کیونکہ یہ سب خوشبوؤں سے زیادہ خوشبودار ہے۔ (مسلم) قاضی عیاض لکھتے ہیں، کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا از روئے رضاعت آپ کی محرم تھیں۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گال کو ہاتھ لگایا، تو میں نے اس طرح ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی، جس طرح کہ ہاتھ طبلۂ عطار سے نکلا ہو۔

نیز مروی ہے، کہ خواہ آپ نے خوشبو کو چھوا ہوتا، یا نہ چھوا ہوتا، آپ جس آدمی سے بھی مصافحہ فرماتے، اس آدمی کو دن بھر اپنے ہاتھ سے خوشبو آتی رہتی، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس بچے کے سر پر ہاتھ رکھتے، وہ اس خوشبو کی وجہ سے بچوں میں پہچانا جاسکتا۔ قاضی عیاض نے اس روایت کو مؤرخین اور اصحابِ سیرت کی طرف منسوب کیا ہے۔ کہ جب بھی آپ حوائج ضروریہ کا ارادہ فرماتے، زمین پھٹ جاتی اور آپ کے پیشاب اور پاخانے کو نگل لیتی، اور وہاں سے خوشبو آنے لگتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ قریش کے ایک لڑکے نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصد لی، جب فارغ ہوا، تو آپ کا خون لے کر دیوار کے پیچھے چلا گیا، اِدھر اُدھر دیکھا، جب کوئی آدمی نظر نہ آیا، تو خون کو پی لیا۔ جب فارغ ہو کر آیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی، فرمایا، ارے تُو نے میرے خون کا کیا کیا، اس نے عرض کی، یارسول اللہ! میں نے دیوار کے پیچھے دفن کر دیا ہے۔ فرمایا، کہاں؟ کہنے لگا، یارسول اللہ! مجھے آپ کے لہو کو گرانے پہ دریغ ہوا، چنانچہ مَیں نے اسے اپنے پیٹ میں ڈال لیا ہے، فرمایا، جاؤ، تم نے خود کو جہنم کی آگ سے بچا لیا ہے۔ اسی طرح مذکور ہے، کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (غزوۂ احد) میں زخمی ہو گئے، تو حضرت ابوسعید خدری کے والد حضرت مالک رضی اللہ عنہ نے منہ سے خون کو چوس لیا، اور زخم کو اتنا صاف کیا کہ وہ سفید دکھائی دینے لگا۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، خون کو تھوک دو، اس نے عرض کی، بخدا میں ہرگز نہیں تھوکوں گا، پھر نگل لیا۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جو شخص کسی جنتی کی زیارت کرنا چاہتا ہے وہ اس شخص کو دیکھ لے۔ چنانچہ حضرت مالک رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ایک دفعہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد کرائی۔ اپنا خون مجھے دیا اور فرمایا، کہ جاؤ، اسے زمین میں دبا دو۔ مَیں خون لے کر گیا، اور پی لیا۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پاس گیا تو آپ نے خون کے بارے میں دریافت کیا، مَیں نے کہا، کہ مَیں نے زمین میں دفن کر دیا ہے، فرمایا، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ تُو نے پی لیا ہے، مَیں نے کہا، آپ نے درست فرمایا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، حیف ہے تیرے لیے لوگوں کی طرف سے، اور حیف ہے لوگوں کو تیری طرف سے (ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں) تجھے آگ نہیں چھوئے گی۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو ایک برتن میں پیشاب کرنے کے لیے اٹھے، اس میں پیشاب کیا۔ رات کو مجھے پیاس لگی، اٹھی اور نادانستہ طور پر پیشاب پی لیا۔ صبح ہوئی، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اے ام ایمن، اٹھو، اور جو کچھ اس برتن میں ہے، اسے گرادو، میں نے عرض کی یارسول اللہ! وہ تو میں نے پی لیا ہے۔ یہ سن کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنا ہنسے، کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں۔ پھر فرمایا، تجھے دردِ شکم کی کبھی شکایت نہیں ہوگی۔ ان احادیث سے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے بول اور خون کی طہارت ثابت ہوتی ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن حجر لکھتے ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضلات کی طہارت کے بارے میں بہ کثرت احادیث مروی ہیں، اور ائمہ دین نے اسے آپ کی خصوصیات میں شمار کیا ہے۔ امام نووی نے قاضی حسین سے روایت بیان کی ہے، کہ صحیح تر روایت یہی ہے، کہ آپ کے فضلات پاک اور صاف ہیں، یہی مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جیسا کہ علامہ عینی نے بیان کیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے۔ بہ غرض جواز آپ نے بہ حالت قیام بھی پیشاب کیا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیت الخلا کو جاتے، تو اللّٰھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث۔ پڑھتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے جاتے، تو جب تک زمین کے قریب نہ پہنچ جاتے، کپڑا نہ اٹھاتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، جب آپ بیت الخلاء سے نکلتے، تو فرماتے۔ غُفْرَانَکَ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضورِ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم بعد از فراغت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ۔ پڑھتے۔ نیز آپ نے فرمایا، جس وقت تم قضائے حاجت کے لیے جاؤ، تو قبلے کی طرف نہ تو منہ کرو

اور نہ پیٹھ۔ بلکہ مشرق یا مغرب کو رخ پھیر لو۔ (بخاری) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ آپ پانی سے استنجا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ آپ تین پتھروں سے استنجا کرتے تھے۔

فصلِ دوم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات

حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم فرمایا کرتے، اے اللہ! جس طرح تُو نے میرے جسم کو خوبصورت بنایا ہے، میرے اخلاق و اطوار کو بھی سنوار دے۔ (امام احمد وغیرہ) امام مسلم نے ایک حدیث میں بیان کیا ہے، آپ نے دعا کی، اے خدا تُو مجھے بہترین اخلاق کی طرف رہنمائی فرما، کیونکہ تیرے بغیر اور کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔ چونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام وہ اخلاقِ کمال، جنہیں نہ تو شمار کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کی حد ہی مقرر کی جا سکتی ہے، موجود تھے۔ اسی لیے خدا نے آپ کو قرآن حکیم میں وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ[۵] کہہ کر ممتاز فرمایا۔ اور حسن خلق ایسی ذاتی خوبی ہے، کہ جس کی وجہ سے "موصوف بہ ایں صفت" سے نہایت عمدہ اعمال سرزد ہوتے ہیں، اور چونکہ آپ کی ذاتِ مقدس میں بہترین اخلاق جمع تھے، اس لیے آپ کا خلق عظیم تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ خدا نے مجھے بہترین اخلاق اور عمدہ افعال سے سرفراز فرمایا۔ (طبرانی) حضرت امام مالک نے موطا میں تحریر فرمایا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، میں بہترین اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنُ۔ یعنی جس طرح الفاظ

۵۔ سورہ قلم : ۴

قرآن کے معانی کی کوئی حد نہیں، اسی طرح آپ کے اوصافِ جمیلہ کی بھی جو آپ کے خُلقِ عظیم کی دلیل تھے، کوئی حد نہ تھی۔ کیونکہ ہر حالت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نہ کوئی عمدہ خصلت اور پاکیزہ عادت کا ظہور ہوتا رہتا تھا۔ اور آپ پر مختلف علوم و معارف کا خدا کی طرف سے وقتاً فوقتاً، جو فیضان ہوتا رہتا تھا، اس کا علم خدا کے بغیر اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ نیز آپ کے اخلاقِ جمیلہ کا احصا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے، کیونکہ آپ کی فطرتِ مقدسہ کی تخلیق ہی اخلاقِ کریمہ پر ہوئی تھی۔ اور ان عادات کا اکتساب نفس کی ریاضت اور کوشش کا ثمرہ نہیں تھا۔ بلکہ یہ اللہ کا کرم تھا، یہی وجہ ہے کہ معارفِ الٰہیہ کے انوار آپ کے دل پر ہمیشہ جلوہ ریز ہوتے رہتے۔ تاآنکہ آپ انتہائے بلندی اور اعلیٰ ترین مقام پر پہنچ گئے۔ ان خصائلِ حمیدہ کی بنیاد (اصل) کمالِ عقل ہے، کیونکہ عقل ہی کی وجہ سے فضائل کا اکتساب اور رذائل سے اجتناب کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایسا روحانی کمال ہے، کہ نفس جس کے وسیلے سے علوم ضروریہ اور نظریہ کا ادراک کر سکتا ہے، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، کمالِ عقل کے اس انتہائی درجے پر فائز تھے، جہاں تک آپ کے بغیر کسی اور کی رسائی ممکن نہیں۔ حضرت وہب بن منبہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اکہتر کتابوں میں پڑھا ہے، کہ خداوند تعالیٰ نے ابتدائے عالم سے انتہائے عالم تک، تمام انسانوں کو جو عقل عطا فرمائی ہے، وہ آپ کی عقل کے مقابلے میں ایسی ہے، جیسے کہ ریت کا ایک ذرہ، تمام دنیا کی ریت کے مقابلے میں اور نیز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقل اور رائے میں سب لوگوں سے بڑھ کر ہیں۔ (ابونعیم اور ابن عساکر نے حلیہ میں روایت کی ہے) عوارف المعارف میں بعض علماء کی زبانی مذکور ہے، کہ عقل اور فہم کے سو حصے ہیں، جن میں سے ننانوے حصے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئے ہیں اور ایک حصہ باقی تمام مومنوں کو۔ اور جو شخص بھی حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی ان تدابیر پر، جو آپ نے وحشی تہذیب

سے نفرت کرنے والوں اور انسانوں سے بھاگنے والے عربوں کو رام کرنے، ان کے مظالم برداشت کرنے اور ان کے دکھ سہنے میں استعمال کیے ہیں، غور کرے گا (کہ وہ لوگ کس طرح آپ کے مطیع ہو گئے، اور آپ کے گرد جمع ہو گئے، اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر، اپنے عزیزوں، بیٹوں اور بزرگوں سے جنگیں کیں۔ اور آپ کو اپنی ذات پر ترجیح دی، اور آپ کی خاطر اپنے وطن اور دوستوں کو چھوڑ دیا حالانکہ انہیں اس سے پہلے ایسا سابقہ نہیں پڑا تھا، اور نہ ایسی کتابوں کا مطالعہ ہی کیا تھا، جن میں گزرے ہوئے لوگوں کے حالات مذکور ہوں) تو یہ بات ثابت ہو جائے گی، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام دنیا سے زیادہ عقل مند تھے۔ اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل تمام دنیا کی عقلوں سے وسیع تر تھی، اسی لیے آپ کے اخلاقِ فاضلہ بھی اتنے وسیع تھے، کہ جنہیں کوئی چیز محدود نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ آپ کے حلم اور عفو (حالانکہ آپ میں انتقام کا حوصلہ تھا) اور نیز صبر کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اور آپ کے صبر اور عفو کی یہی مثال کافی تھی۔ جو آپ کے خلاف جنگ کرنے والے کافروں کے ہاتھوں سے آپ کو مصائب اور زخموں کی صورت میں پیش آیا، اور احد کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو دانت شہید ہوئے اور چہرہ مبارک زخمی ہو گیا، اور خون بہنے لگا، جس سے صحابہ کرام کو سخت رنج پہنچا تھا، اور بد دعا کی درخواست کی تھی، جس پر آپ نے فرمایا تھا، مجھے لعان بنا کر نہیں بھیجا گیا، بلکہ رحمت اور شفقت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر دعا فرمائی اے خدا! تو میری قوم کو ہدایت کر۔ کیونکہ وہ نادان ہے۔

بلاشبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف اسباب کی بنا پر، جن کا تعلق صرف خدائی احکام سے ہوتا تھا، غصہ بھی آتا تھا لیکن جن باتوں کا تعلق آپ کی ذات سے ہوتا، ان میں حضور صبر اور عفو سے کام لیتے تھے۔ حاکم نے حضرت زید بن سعنہ سے جو کبار علمائے یہود سے اسلام لائے تھے، روایت کی ہے، کہ نبوت کی کوئی ایسی علامت

نہ تھی، جسے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس میں مشاہدہ نہ کیا ہو۔ مگر دو باتیں ایسی تھیں، جن کے تجربے کی ابھی نوبت نہیں آئی تھی، (۱) آپ کے حلم کو غضب پر فوقیت حاصل ہو۔ (۲) اور شدتِ غضب میں بھی آپ کے حلم میں اضافہ ہو۔ چنانچہ میں آپ سے نرمی اور ملائمت سے پیش آتا تھا۔ تاکہ اس خلط ملط سے مجھے آپ کے حلم اور غضب کا اندازہ لگ سکے۔ چنانچہ میں نے آپ سے کچھ کھجور (بسلسلہ بیع میعادی) خریدی اور رقم ادا کردی۔ ابھی اس میعاد کے دو تین دن باقی تھے، کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، اور آپ کی قمیص اور چادر کے پلّو کو پکڑ کر غضب آلود آنکھوں سے آپ کو دیکھا، اور کہا، "محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ میرا حق ادا نہیں کریں گے۔ بخدا اے بنو مطلب! تم لوگ بڑے ہی نادہند ہو" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے،" اے دشمنِ خدا! ہاں، جو کچھ میں سُن رہا ہوں، کیا اس کا خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے؟ بخدا اگر مجھے کسی چیز سے محرومی کا ڈر نہ ہوتا تو میں تلوار سے تیرا سر علیٰحدہ کر دیتا" حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو، سکونِ شفقت اور تبسم سے دیکھتے رہے، پھر فرمایا، "اے عمر! ہم دونوں کو، تم سے اس سلوک کے برعکس کسی اور سلوک کی زیادہ ضرورت تھی، تم مجھے حسنِ ادا کے لیے کہتے اور اس سے حسنِ تقاضا کے لیے، اس کا حق فوراً ادا کر دو، بیس صاع (پیمانہ) اپنی درشت کلامی کے بدلے میں مزید دے دو" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعمیل کی، اس پر میں نے کہا، نبوّت کی ہر علامت میں جب بھی میں آپ سے ملتا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرے میں ملاحظہ کرتا چلا آرہا تھا، لیکن دو باتوں کا مجھے علم نہیں ہو سکا تھا۔ چنانچہ میں نے انہیں آزما دیکھا، میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ میرا رب ہے، اسلام میرا دین ہے اور محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نبی ہیں"

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ میں حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا، اور آپ نے، ایک نجرانی چادر جس کے حاشیے کھردرے تھے، اوڑھی

ہوئی تھی۔ اتنے میں ایک بدّو نے آپ کو آلیا۔ اور آپ کی چادر کو پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا، میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر نگاہ ڈالی، دیکھا کہ جھٹکے سے وہاں نشان پڑ گیا تھا۔ پھر کہنے لگا، اے محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے پاس جو خدا کا مال ہے، مجھے اس میں سے کچھ عنایت کیجئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی طرف توجہ فرمائی مسکرائے، اور اس کی خواہش پوری کر دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو درشت گو تھے اور نہ بیہودہ گو، اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے، بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر فرماتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حاضری کی اجازت طلب کی۔ جب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اسے دیکھا، فرمایا، کیسا بُرا قرابت دار اور کیسا بُرا رشتہ دار ہے۔ جب وہ بیٹھ گیا، تو آپ اس سے بہ کشادہ پیشانی و خوش روئی متوجہ ہوئے۔ جب وہ چلا گیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب آپ نے اس آدمی کو دیکھا تھا، تو اس کے بارے میں یوں اظہار خیال فرمایا تھا، لیکن بعد میں آپ نے خوش خلقی اور خوش مزاجی کا اظہار فرمایا۔ آپ نے جواب دیا، اے عائشہ! تُو نے مجھے کبھی درشت گوئی کرتے دیکھا ہے۔ بخدا قیامت کے دن وہ شخص بدترین انسان شمار ہوگا جسے لوگ بوجہ درشت گوئی چھوڑ گئے ہوں۔ (بخاری)، ابن بطال راوی ہیں، کہ یہ شخص عیینہ بن حصن الغزاری تھا اور اس کا لقب احمق مطاع تھا۔

مخرمہ بن نوفل کے بارے میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایسی ہی روایت مذکور ہے۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں، کہ عیینہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ (واللہ اعلم)، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور اس کے بعد بھی اس سے ایسے افعال سرزد ہوتے رہے، جو اس کے ضعف ایمان پر دلالت کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی بھی کسی مسلمان کو بالصراحت بُرا بھلا نہیں کہا تھا۔ اور نہ کبھی کسی آدمی کو سوائے

اجرائے حدودِ الٰہی کے اپنے ہاتھ سے سزا دی تھی۔ نیز آپ نے کبھی بھی کسی کی درخواست کو (بشرطیکہ گناہ نہ ہو) رد نہیں فرمایا تھا۔ اور نہ کبھی آپ نے کسی سے اپنی ذات کا انتقام (سوائے حدود اللہ کی نگہداشت کے) لیا تھا۔ (بہ روایت حاکم)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق کا ایک وہ نمونہ بھی ہے، جو آپ ان منافقین سے روا رکھتے تھے، جو پیٹھ پیچھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھ دیتے، اور سامنے بیٹھے ہوتے، تو خوشامد کرتے اور یہ ایسی حرکت ہے، جس سے اگر عنایتِ الٰہی شامل نہ ہو تو انسانی طبائع نفرت کرتی ہیں۔ اور جب بھی حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے ان کے خلاف سختی کی اجازت مانگی جاتی، آپ ان پر رحمت کا ایک اور دروازہ کھول دیتے۔ اسی طرح آپ کا حسنِ سلوک، تواضع اور انکسار جس کا اظہار آپ اپنے اہل و عیال، خادموں اور صحابہ کرام سے فرمایا کرتے، آپ کی خوش سیرتی اور بلند اخلاقی کی نہایت عمدہ مثال ہے آپ کی تواضع اور انکسار کی وضاحت کے لیے یہ مثال ہی کافی ہے کہ جب آپ کو نبی ملک اور نبی عبد میں انتخاب کا موقعہ دیا گیا، تو آپ نے آخر الذکر کو ترجیح دی۔ چنانچہ اس انکسار کے بدلے میں خدا نے آپ کو یہ امتیاز بخشا، کہ قیامت کے دن سب سے پہلے آپ کی قبر شق ہوگی۔ نیز آپ پہلے شفیع اور پہلے مشفع ہوں گے۔ اس کے بعد کبھی بھی آپ نے زندگی بھر تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھایا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میرے بارے میں (نصرانیوں کی طرح دربارۂ عیسیٰ بن مریم) مبالغہ نہ کرنا، کیونکہ میں بندہ ہوں، اس لیے تم مجھے عبدہٗ و رسولہٗ ہی کہنا۔ (ترمذی) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تواضع کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ آپ نے کبھی کسی خادم کو نہیں جھڑکا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں بیس سال خدمتِ اقدس میں حاضر رہا، آپ نے کبھی مجھے اف تک نہ کہی، اور اگر کوئی کام کیا تو کبھی نہیں کہا کہ کیوں کیا اور اگر چھوڑ دیا، تو کبھی نہیں کہا کہ کیوں چھوڑ دیا۔ نیز آپ نے اپنے غلاموں

اور لونڈیوں میں سے بھی کسی کو نہیں مارا۔ اور یہ ایسی خوبی ہے، کہ جب تک خدائی تائید شاملِ حال نہ ہو، تب تک انسانی طبائع کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

مسلم کی روایت ہے، کہ راوی نے اپنے اہل و عیال پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شفیق تر کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں، کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کسی مرد یا عورت کو سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے سزا دیتے نہیں دیکھا۔ اور نہ کبھی ایسا واقعہ پیش آیا، کہ کسی نے آپ کو دکھ دیا ہو، اور آپ نے اس سے (سوائے حدود الٰہی کی نگہداشت کے) انتقام لیا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی شخص نے دریافت کیا، کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندرون خانہ تشریف فرما ہوتے تو آپ کا سلوک (رویہ) کیسا ہوتا تھا؟ انہوں نے جواب دیا۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم حد درجہ نرم گو، متبسم اور خوش خلق ہوتے تھے، اور اصحاب کے درمیان بیٹھتے، تو کبھی پاؤں نہ پھیلاتے تھے۔ یہ روایت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ خوش خلق تر اور کوئی آدمی نہ تھا۔ اور جب بھی کوئی شخص آپ کو بلاتا، تو جواب میں لبیک فرماتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے امام احمد وغیرہ نے روایت کی ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑوں کو سیتے، جوتوں کی مرمت کرتے اور پانی کا ڈول کھینچتے، کپڑوں کو دھوتے، بکریوں کا دودھ دوہتے اور اپنے سارے کام کرتے تھے۔ اور ان امور کا تعین مختلف اوقات میں کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ امر ثابت ہے، کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پاس خادم ہوتے تھے، چنانچہ کبھی یہ کام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود انجام دیتے، کبھی کوئی اور کر دیتا اور کبھی مل جل کر کر لیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی گدھے پر سوار ہوتے، تو اپنے پیچھے کسی آدمی کو بٹھا لیتے۔ چنانچہ بنو قریظہ کے خلاف حملے کے دن آپ گدھے پر سوار تھے، جس کے گلے میں کھجور کی رسی تھی۔ (ترمذی) حضرت قیس بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے یہاں تشریف لائے، جب واپسی کا ارادہ فرمایا، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایک گدھے کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب لائے، اس کی پیٹھ پر ایک کپڑا ڈالا اور حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سوار ہوئے۔ پھر سعد نے کہا، اے قیس! تم آپ کا ساتھ دو، اس پر آپ نے فرمایا، قیس تم بھی سوار ہو جاؤ، مگر میں نے انکار کر دیا، آپ نے فرمایا، یا سوار ہو یا واپس چلے جاؤ۔ ایک روایت میں ہے، میرے آگے بیٹھو، کیونکہ سواری کے مالک کا آگے بیٹھنے کا حق فائق ہے (ابو داؤد وغیرہ) بعض اوقات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم کی بعض خواتین کو بعض اوقات معاذ بن جبل کو اور بعض اوقات اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھایا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واردِ مکہ ہوئے، تو بنو عبدالمطلب کے لڑکے بالے آپ کے استقبال کو راستے پر کھڑے تھے، حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ایک کو آگے اور ایک کو پیچھے بٹھا لیا۔

علامہ طبری نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح میں لکھا ہے، کہ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ننگی پیٹھ والے گدھے پر قبا کو روانہ ہوئے اور حضرت ابوہریرہؓ ساتھ تھے۔ فرمایا، ابوہریرہ! تمہیں بھی ساتھ بٹھالوں۔ انہوں نے کہا، یارسول اللہ! جیسے آپ کی مرضی ہو۔ فرمایا، سوار ہو جاؤ۔ حضرت ابوہریرہ سوار ہونے کو کودے لیکن کامیاب نہ ہوئے، انہوں نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو پکڑا اور دونوں نیچے گر پڑے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پھر سوار ہوئے۔ پھر پوچھا، ابوہریرہ! تم بھی سوار ہونا چاہتے ہو۔ کہنے لگے، یارسول اللہ! جیسے آپ کی مرضی ہو، فرمایا، سوار ہو جاؤ لیکن پھر ناکام رہے، پھر آپ کو پکڑا، اور دونوں نیچے گر پڑے، پھر دریافت فرمایا، ابوہریرہ! تمہیں بھی بٹھالوں۔ عرض کی، نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخدا میں آپ کو پھر گرا دوں گا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مذکور ہے، کہ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

سفر کر رہے تھے، صحابہ کو حکم دیا، کہ ایک بکری پکائی جائے۔ ایک آدمی نے کہا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذبح کرنے کا کام میرے ذمہ، دوسرے نے کہا، کھال میں اتاروں گا، تیسرے نے کہا، میں پکاؤں گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، میں لکڑیاں اکٹھی کروں گا۔ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! ہم آپ کا کام کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا، میں جانتا ہوں، کہ تم میرا کام کر دو گے، لیکن میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں، کہ خود کو تم سے ممیز شمار کروں، اور خدا اس آدمی کو ناپسند کرتا ہے، جو ساتھیوں میں خود کو ممتاز جانے۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ نجاشی کا وفد حاضرِ خدمت ہوا، حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ان کی خاطر داری میں اکثر مصروف رہتے تھے۔ صحابہ نے کہا، یارسول اللہ! ہم آپ کی جگہ یہ کام کر دیں گے۔ فرمایا، یہ لوگ ہمارے ساتھیوں سے با احترام پیش آئے تھے، اس لیے میں اس کا بدلہ دینا چاہتا ہوں۔ ایک دفعہ ایک عورت جس کی عقل میں فتور تھا، حاضرِ خدمت ہوئی۔ کہنے لگی، مجھے آپ سے ایک کام ہے، فرمایا، تو مجھے مدینے کے جس محلے میں لے جانا چاہتی ہے، لے چل، تاکہ میں تمہاری ضرورت پوری کر دوں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ چل دیئے، تا آنکہ اس کا کام کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن الحمسا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بعثت سے پہلے میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ خرید و فروخت کی، آپ کا کچھ بقایا میرے ذمہ رہ گیا، میں نے آپ سے وعدہ کیا، کہ میں ابھی یہیں وہ رقم لے کر آتا ہوں۔ میں بھول گیا، اور تین دن کے بعد یاد آیا، آ کر دیکھا، تو آپ وہاں موجود تھے، فرمایا، تو نے مجھے بڑی تکلیف دی۔ میں تین دن سے یہاں بیٹھا تیرا انتظار کر رہا ہوں۔ (ابوداؤد)

حضرت ابی اوفی رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رانڈ عورتوں اور مساکین کے ساتھ، ان کی حاجت روائی کے لیے چلنے میں، کوئی باک نہیں ہوتا تھا۔ (نسائی)، بخاری شریف میں مذکور ہے، کہ اگر کوئی کنیز، حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا ہاتھ

پکڑ لیتی تو جہاں چاہتی، آپ کو لے جاتی۔ امام احمد کی روایت ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حاجت روائی کے لیے اس کے ساتھ چل دیتے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسن (جب ابھی بچے تھے) آ گئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہ سلسلۂ نماز سجدے میں تھے، وہ آپ کی پیٹھ پر بیٹھ گئے، آپ اس وقت تک سجدے میں رہے، جب تک حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اتر نہ گئے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے، صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! آپ نے سجدے میں بہت دیر کی، فرمایا، میرا یہ بیٹا پیٹھ پر سوار ہو گیا تھا، میں نے مناسب نہ جانا، کہ جلدی میں اسے اتار دوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مریضوں کی عیادت فرماتے اور جنازے میں شریک ہوتے۔ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک بوسیدہ پالان پر سفرِ حج کیا، اور آپ کے جسم پر جو چادر تھی وہ بہ مشکل چار درہم کی ہو گی۔ فرمایا، اے اللہ! تو اسے ایسا حج بنا، جس میں ریاکاری ہو نہ نمائش۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے فارغ ہوتے، تو مدینے کے ملازمین خانہ برتنوں میں پانی ڈالے برائے تبرک حاضر ہوتے اور حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ہر برتن میں ہاتھ ڈالتے، بارہا سردیوں کی صبح کو برتن لاتے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا ہاتھ ٹھنڈے پانی میں ڈبوتے۔ (مسلم)

ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپ کا سلوک نہایت عمدہ تھا، اور آپ ان کے حقِ زوجیت بہتر ادا فرماتے۔ امام نووی سے مروی ہے، کہ آپ نے اس عمل پر موظبت فرمائی، بایں ہمہ شب بیداری کو بھی کبھی ترک نہیں کیا۔ آپ اپنے وظیفۂ عبادت اور حقِ زوجیت سے بیک وقت عہدہ برآ ہوتے۔ نیز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی لڑکیوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کھیلنے کے لیے بھیجا کرتے۔ اور جب ام المؤمنین کسی برتن سے پانی پیتیں، تو آپ بھی اسی برتن سے، جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے منہ رکھا تھا، منہ رکھ کر پانی پیتے۔ (بخاری و مسلم) اور جب ام المؤمنین کوئی ہڈی سے

گوشت نوچتیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہ ہڈی لے کر اپنا منہ وہیں رکھتے جہاں انہوں نے اپنا منہ رکھا تھا۔ (مسلم) آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں سر رکھ کر آرام فرماتے اور بحالتِ روزہ بھی انہیں چومتے۔ (بخاری ومسلم) ایک دفعہ چند حبشی مسجد میں کچھ کرتب دکھا رہے تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے کندھوں پر سہارا لیے دیکھ رہی تھیں (بخاری) ایک روایت میں ہے، کہ آپ نے دوڑ میں حضرت عائشہ سے مقابلہ کیا، وہ جیت گئیں، پھر مقابلہ کیا، پھر جیت گئیں، پھر مقابلہ کیا تو آپ جیت گئے۔ فرمایا، یہ جیت ان سب کا جواب ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ہم ایک دن حضرت عائشہ کے حجرے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر تھے۔ کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے ایک پیالہ جس میں گوشت اور روٹی (ثرید) تھی، آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا گیا، فرمایا، سب کھاؤ، چنانچہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور ہم سب نے ہاتھ ڈالا اور کھانا شروع کر دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کھانا پکانے میں مصروف تھیں، انہوں نے وہ پیالہ جو آپ کو بھیجا گیا تھا، دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ جلدی جلدی کھانا پکایا، اور لا کر رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے سامنے رکھ دیا، اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا پیالہ اٹھا لیا، اور توڑ دیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، بسم اللہ کرو اور کھاؤ، تمہاری ماں کو رشک آگیا ہے، پھر آپ نے یہ کہہ کر وہ پیالہ اٹھا کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا، فرمایا یہ لو پیالے کے بدلے میں پیالہ اور کھانے کے بدلے میں کھانا۔ (طبرانی) امام احمد راوی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک ایسا ہی واقعہ ام المؤمنین حضرت صفیہ کے ساتھ بھی پیش آیا، حضرت عائشہ راوی ہیں کہ میں رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے لیے خزیرہ (گوشت اور آٹے کو ملا کر پکاتے) پکا کر لائی اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کھانے کو کہا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان بیٹھے تھے لیکن اس نے انکار کیا، میں

نے پھر کہا، اس نے پھر انکار کیا۔ مَیں نے کہا، کہ اگر تُو نہیں کھائے گی، تو مَیں تیرے منہ پر مَل دوں گی، اس نے پھر انکار کیا، چنانچہ مَیں نے ہاتھ خزیرے کے پیالے میں ڈالا اور اس کے منہ پر مَل دیا۔ یہ دیکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہنس پڑے۔ اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکڑا اور سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا، کہ میرے منہ پر لیپ کر دے۔ چنانچہ حضرت سودہ نے میرے منہ پر لیپ کر دیا، اور آپ خوب ہنسے۔ فی الجملہ جس شخص نے بھی، اپنے اہل وعیال اور احباب سے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے سلوک پر غور کیا اور نیز درویشوں، راندۂ عورتوں، یتیموں اور مہمانوں سے حُسنِ معاملہ کو پیشِ نظر رکھا، اسے معلوم ہو گیا، کہ آپ رقت قلب اور نرمی مزاج کے اس درجے پر پہنچے ہوئے تھے، کہ کوئی آدمی وہاں تک پہنچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے برعکس آپ خدائی حدود اور حقوق اللہ کی نگہداشت اور معاملاتِ دین میں اتنے متشدد تھے، کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیتے تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اپنے اصحاب سے ہنسی مذاق بھی فرمایا کرتے تھے، زہیر نامی ایک شخص ایسے تھے، جو صحرا کی ایسی اشیاء جو کسی ندرت کی حامل ہوتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں تحفۃً پیش کیا کرتے۔ معاوضۃً حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں شہر کی نادر اشیاء بطورِ ہدیہ پیش کر دیا کرتے، آپ فرماتے، زہیر ہمارا صحرا ہے اور ہم اس کا شہر ہیں۔ اور حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو اس سے پیار تھا۔ ایک دن آپ بازار کو تشریف لے گئے، زہیر کو وہاں کھڑا پایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے سے گئے اور دونوں ہاتھوں سے انہیں سینے سے بھینچ لیا۔ حضرت زہیر رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا پتہ چل گیا تھا۔ چنانچہ وہ حصولِ برکت کے لیے اپنی پیٹھ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے رگڑنے لگ گئے۔ آپ نے فرمایا، اس غلام کو کون خریدے گا۔ اس پر حضرت زہیر رضی اللہ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ! اس لحاظ سے تو مَیں کھوٹا سکّہ ہوں۔

آپ نے فرمایا لیکن تم اللہ کے یہاں تو قیمتی ہو۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گھی اور شہد کی کپی بطور تحفے کے لایا، جب اس کے مالک نے اس سے تقاضا کیا، تو وہ اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لایا، اور درخواست کی، کہ اس شخص کے مال کی قیمت ادا فرما دیجئے۔ آپ نے یہ سن کر تبسم فرمایا، اور ادائیگی کا حکم دیا اور قیمت ادا کر دی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی دل لگی سے بھی دل بہلاتے، مگر وہ بات بھر بھی مبنی بر حقیقت ہوتی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ایک سادہ لوح شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سواری کی درخواست کی۔ فرمایا، میں تجھے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ اس نے عرض کی، یا رسول اللہ! اونٹنی کے بچے سے میرا کیا بنے گا! فرمایا، ارے کیا اونٹ، اونٹنی کا بچہ نہیں ہوتا۔ (ترمذی) امام ترمذی، حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بڑھیا نے درخواست کی، یا رسول اللہ! دعا فرمایئے، کہ خدا مجھے جنت عطا فرمائے۔ فرمایا، اے بڑھیا! بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی۔ وہ واپس ہوئی اور روتی جا رہی تھی۔ فرمایا، اسے جا کر بتاؤ، کہ جب وہ بہشت میں داخل ہوگی، تو بوڑھی نہیں رہے گی، "ارشادِ باری ہے، "ہم نے انہیں ازسرِ نو پیدا کیا، اور پھر سے باکرہ عورتیں بنا دیا" اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے صحابہ سے دل لگی کرتے، صلاح و مشورہ اور بات چیت میں ان سے مل بیٹھتے اور شریکِ صحبت ہوتے ان کے بچوں سے پیار کرتے اور اپنی گود میں بٹھا لیتے۔ صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! آپ ہم سے ہنسی مذاق بھی کرتے ہیں؟ فرمایا، یہ درست ہے، لیکن میں بات ٹھیک کہتا ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی خوش اخلاق تھے، ابو عمیر نامی میرا ایک بھائی تھا۔ اس کے پاس ایک چھوٹا سا پرندہ (بلبل) تھا۔ جس سے وہ کھیلتا تھا۔ وہ پرندہ مر گیا۔ ایک دن وہ خدمتِ اقدس میں آیا، آپ

نے اسے مغموم پایا۔ دریافت فرمایا۔ کیا بات ہے۔ لوگوں نے کہا، یارسول اللہ! اس کا بلبل مرگیا ہے۔ فرمایا۔ یا ابا عمیر ما فعل النغیر۔ (اے ابوعمیر، بلبل نے یہ کیا کیا۔ محمود بن ربیع پانچ برس کا ہوگا، کہ آپ نے اس کے منہ پر منہ سے پانی پھینکا۔ ایک دفعہ زینب بنت ام سلمہ، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیب تھیں، آپ کے غسل خانے میں گھس آئیں، تو آپ نے ان کے منہ پر کلی کا پانی پھینکا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اگرچہ وہ بڑھیا ہوگئی تھیں لیکن جوانی کی رونق، اسی طرح ان کے چہرے پر باقی رہی۔

باوجود دل لگی اور مزاح کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہیبت اور پُر رعب انسان تھے۔ ایک دفعہ ایک آدمی، خدمتِ اقدس میں ہوا، وہ ہیبت سے کانپنے لگ گیا۔ فرمایا، گھبراؤ مت، میں نہ تو بادشاہ ہوں اور نہ کوئی جابر حاکم ہوں۔ بلکہ قریش کی ایسی عورت کا بیٹا ہوں، جو مکے میں خشک گوشت کھاتی تھی۔ اس آدمی نے اپنی ضرورت بیان کی۔ بعدازاں حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اٹھے، فرمایا:۔ اے لوگو! مجھے بہ ذریعہ وحی حکم دیا گیا ہے، کہ تم تواضع کرو، اور لوگوں سے بہ انکسار پیش آؤ تاکہ کوئی شخص دوسرے کے خلاف بغاوت نہ کرے، اور کوئی شخص دوسرے سے بہ تکبر پیش نہ آئے، اور اللہ کے بندو، بھائی بھائی بن کر رہو۔ جب قیلہ بنت مخرمہ نے آپ کو مسجد میں بہ اندازِ خاص بیٹھا دیکھا، تو ڈر سے کانپنے لگی۔ (ابوداؤد) امام مسلم، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص راوی ہیں، کہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حاضر رہا لیکن حیا اور تعظیم سے کبھی آنکھ بھر کر آپ کو نہیں دیکھا۔ اگر کہا جائے، کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حلیہ بیان کروں تو نہ کرسکوں گا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی مجالس کا موضوعِ سخن اللہ کا ذکر ہوتا اور آیاتِ قرآن کی تلاوت سے یا ان رموز و حکم سے جو خدا نے آپ سکھائی تھیں، نیکیوں کی ترغیب اور گناہوں سے اجتناب کی دعوت دیتے تھے۔ اسی طرح امورِ دین میں

حسبِ فرمانِ الٰہی، نصیحت فرماتے، وعظ کہتے، حکایات بیان کرتے، اور مناسب اور موزوں انداز میں اللہ کی طرف بلاتے، نیز اللہ کی نعمتوں کی بشارت دیتے اور خدائی عذاب سے ڈراتے۔ اسی وجہ سے ان مجالس میں صحابہ کرام پر رقت طاری رہتی۔ دنیا سے نفرت اور آخرت سے محبت پیدا ہوتی، امام احمد، حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں، ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی، یارسول اللہ! کیا وجہ ہے، جب تک ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں، ہمارے دل نرم ہوتے ہیں، دنیا سے نفرت ہوتی ہے اور ہم آخرت کے بندے ہوتے ہیں، لیکن جونہی آپ کی صحبت سے علیحدہ ہوتے ہیں، اپنے اہل وعیال کے خیر و شر میں لگ جاتے ہیں، بچوں سے اُنس کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اگر تم میری محفل سے نکلنے کے بعد بھی سابقہ حالت پہ قائم رہ سکتے، تو فرشتے تمہاری زیارت کو تمہارے گھروں میں آتے۔

رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے انکسار کا یہ عالم تھا، کہ کبھی بھی کسی کھانے پینے کی چیز میں عیب چینی نہیں کی، اگر خواہش ہوئی، تو کھا پی لی ورنہ چھوڑ دی۔ (بخاری و مسلم)، آپ کی اس عادت کا تعلق مباح طعام سے تھا، اگر کھانے پینے کی چیز حرام ہوتی، تو آپ اسے ناپسند فرماتے، بُرا جانتے اور اس سے منع کرتے۔ اسی طرح نہ آپ نے کوئی دربان رکھا ہوا تھا اور نہ چوکیدار، جب آپ کو دو باتوں میں انتخاب کا موقع دیا جاتا، تو آپ (بشرطیکہ گناہ نہ ہوتا)، آسان تر بات کو پسند فرماتے اور اگر گناہ ہوتا، تو اس سے سخت پرہیز کرتے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیا:۔ بخاری شریف میں ابوسعید خدری سے روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پردہ نشین کنواری لڑکیوں سے زیادہ شرمیلے تھے۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں، کہ حضورِ اکرم

بوجہ حیا کسی شخص کے چہرے کو ٹکٹکی باندھ کر نہیں دیکھ سکتے تھے اور فرمایا کرتے، کہ حیا کا نتیجہ ہمیشہ اچھا ہوتا ہے اور وہ جزوِ ایمان ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خشیۃ اللہ :- حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَیں تم سب میں سے اللہ سے زیادہ ڈرتا ہوں، اور میرے دل میں اس کا زبردست خوف رہتا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا، مَیں تم سب سے اسرارِ قدرت سے زیادہ واقف ہوں اور اللہ سے زیادہ ڈرتا ہوں۔ (بخاری) اسی طرح آپ سے روایت ہے، فرمایا، اگر تمہیں ان باتوں کا علم ہوتا، جن کا علم مجھے حاصل ہے، تو تم زیادہ روتے اور تھوڑا ہنستے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو بوجہ گریہ آپ کے اندر سے اس طرح آواز آتی جیسی کہ ہنڈیا سے ابلتے وقت آواز آتی ہے۔

حضورِ اکرم کی شجاعت، قوت اور مردانگی :- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب لوگوں سے زیادہ حسین، زیادہ سخی اور زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ کسی وجہ سے اہلِ مدینہ ڈر گئے، چنانچہ لوگ اس آواز کی طرف تفتیشِ حال کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں انہیں رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم واپس آتے ملے، جو ان لوگوں سے پہلے اس آواز کی طرف دریافتِ حال کے لیے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے بلا زین گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تلوار گردن میں حمائل کر رکھی تھی، اور فرما رہے تھے، مت ڈرو (بخاری وغیرہ) ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ اہلِ مدینہ (رات کو) ڈر گئے۔ پس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر، جو رُک رُک کر چلتا تھا، سوار ہوئے، جب واپس تشریف لائے تو گھوڑا بالکل رواں ہو چکا تھا، چنانچہ اس کے بعد وہ کبھی بھی نہیں رکا۔ حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ آپ سے دلیر تر اور عالی ظرف تر آدمی میں نے نہیں دیکھا۔

ابن اسحاق نے اپنی کتاب میں اور بعض اور لوگوں نے بھی یہ بات بیان کی ہے کہ مکے میں ایک طاقتور آدمی تھا، جو بہت اچھی کشتی لڑتا تھا۔ ایک دن اتفاقاً مکے کی ایک گھاٹی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا آمنا سامنا ہو گیا۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا" اے رکانہ! کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا، اور کیوں میری دعوت کو قبول نہیں کرتا" رکانہ نے جواب میں کہا" اے محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کوئی ایسا ثبوت ہے، جو آپ کی صداقت پر دلالت کرے؟ فرمایا" اگر میں تجھے کشتی میں پچھاڑ لوں، تو کیا تو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے گا" اس نے کہا" ہاں ضرور" فرمایا "لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ کہنے لگا" تیار ہوں" اس پر رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے قریب ہو کر اسے پکڑا اور پچھاڑ دیا۔ رکانہ حیران رہ گیا، چنانچہ آپ سے دوبارہ کشتی لڑنے کی درخواست کی، دوسری اور تیسری دفعہ بھی وہی صورت حال پیش آئی، رکانہ حیرت سے سوچنے لگ گیا، اور کہنے لگا۔ کہ آپ نے مجھے تعجب میں ڈال دیا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں ابوجعفر محمد ابن رکانہ سے روایت کی ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (میرے باپ کے سوا) ایک جماعت کو جن میں ابوالاسود الجمحی بھی شامل تھا، پچھاڑا تھا۔ رکانہ بڑا زور آور تھا، اور اس کی قوت کا یہ عالم تھا، کہ وہ بیل کی کھال پر کھڑا ہو جاتا اور دس آدمی اسے کونوں سے پکڑ کر، اس کے پاؤں کے نیچے سے کھینچنے کی کوشش کرتے، کھال پھٹ جاتی لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ سرکتا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دعوتِ مبارزت دی، اس نے کہا، اگر آپ نے مجھے پچھاڑ دیا، تو میں ایمان لے آؤں گا۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اسے پچھاڑ دیا، لیکن وہ ایمان نہ لایا۔ صحیح بخاری میں حضرت براء سے مروی ہے، کہ ان سے بنو قیس کے ایک آدمی نے پوچھا، کیا تم لوگ حنین کے دن رسولِ اکرم

کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، کہا درست ہے، لیکن رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نہیں بھاگے تھے۔ بنو ہوازن بڑے اچھے تیر انداز تھے جب ہم ان پر حملہ آور ہوئے تو وہ آگے سے ہٹ گئے۔ اس پر ہم مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے، چنانچہ تیروں سے ہمارا استقبال ہوا۔ بدو اور وہ لوگ جنہیں تم جانتے ہی ہو بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سفید خچر پر سوار دیکھا اور ابو سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے اس کی رسّی پکڑ رکھی تھی اور آپ مندرجہ ذیل شعر پڑھ رہے تھے :-

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

اور زبردست شجاعت کی یہ حیران کن مثال ہے، کیونکہ ایسے دن، جب گھمسان کا رَن پڑ رہا ہو۔ اور لشکر فرار ہو گیا ہو، اور آپ ایک ایسے خچر پر سوار ہوں، جو نہ تو تیز چل سکتا ہے، نہ حملہ کر سکتا ہے اور نہ بھاگ سکتا ہے، اور بایں ہمہ ان کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہیں اور بہ آوازِ بلند اپنا نام لے رہے ہیں تاکہ جو لوگ آپ کو نہیں جانتے انہیں بھی معلوم ہو جائے اور ایک حدیث میں ہے، کہ جب لڑائی کی آگ بھڑک اٹھتی تھی، ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پناہ میں آجایا کرتے تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی اور کرم :- حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حسین ترین، بہادر ترین اور فیاض ترین آدمی تھے (بخاری و مسلم)، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو چیز بھی طلب کی جاتی، آپ (بے محابا) دے دیتے۔ آپ کے پاس ایک شخص آیا، آپ نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان بکریوں کا ایک ریوڑ عطا فرمایا۔ وہ اپنے قبیلے میں واپس گیا، تو کہنے لگا، اے لوگو! ایمان لے آؤ، کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا کچھ دیتے ہیں، کہ ناداری کا کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ نیز مروی ہے کہ صفوان بن امیہ نے کہا، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے مجھے بہت کچھ عطا کیا، مگر بایں ہمہ وہ میرے نزدیک ابغض الناس تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی عطا کا سلسلہ جاری رہا، تا آنکہ وہ میرے دل میں احب الناس (عزیز ترین انسان) بن گئے۔ ابن شہاب راوی ہیں کہ آپ نے اسے حنین کے دن ایک سو بکریاں دیں، پھر سو اور تیسری بار بھی سو بکریاں عطا کیں۔ واقدی کے مغازی میں مذکور ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان کو اس دن ایک وادی عطا فرمائی، جو بکریوں اور اونٹوں سے بھری ہوئی تھی۔ صفوان سے مروی ہے کہ ایسی فیاضی ایک نبی ہی کر سکتا ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی کی وجہ یہ تھی کہ آپ جانتے تھے کہ صفوان کی بیماری اس علاج کے بغیر رفع نہیں ہو سکے گی۔ اس دوا کا نام احسان ہے۔ آپ نے اس سے اس کا علاج کیا، تا آنکہ کفر کا مرض زائل ہو گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب بھی آپ کے اوصاف بیان کرتے، تو اَجْوَدُ النَّاسِ کَفًّا اور اَصْدَقُ النَّاسِ لَہْجَۃً کے الفاظ استعمال کرتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت میں مذکور ہے، آپ نے فرمایا، میں انسانوں میں فیاض ترین انسان ہوں۔ اور بلاشبہ آپ علی الاطلاق اسی طرح فیاض ترین انسان ہیں، جس طرح کہ تمام اوصافِ حمیدہ میں آپ افضل، اعلم، اشجع اور اکمل ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیز بھی مانگی جاتی کبھی انکار نہ فرماتے۔ (بخاری و مسلم) یعنی اشیائے دنیا سے جو چیز بھی مانگی جاتی، آپ درخواست رد نہ فرماتے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں، کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس دینے کو کافی ہوتا تو دے دیتے، ورنہ خاموش ہو جاتے۔

حضرت ابن حنفیہ راوی ہیں کہ جب رسولِ کریم لیہ التحیۃ والتسلیم سے کوئی چیز طلب کی جاتی اور آپ کا ارادہ دینے کا ہوتا، تو 'ہاں' کہہ دیتے، ورنہ خاموش ہو جاتے۔

امام ترمذی راوی ہیں، کہ ایک دفعہ آپ کے پاس نوّے ہزار درہم لائے گئے اور ایک چٹائی پہ ڈال دیئے گئے۔ پھر آپ تقسیم کے لیے اٹھے، اور کسی سائل کے سوال کو رد نہ فرمایا، تا آنکہ آپ فارغ ہو گئے۔ روایت ہے، کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر کہا، یا رسول اللہ!

میرے پاس کچھ بھی نہیں، فرمایا، اس وقت میرے پاس بھی کچھ نہیں، لیکن تم یہ درخواست مجھے فروخت کر دو جب کوئی چیز آئے گی، ہم قیمت ادا کردیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ! آپ کو خدا نے اس چیز کا مکلف تو نہیں ٹھہرایا، جو آپ کے پاس نہ ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کو ناپسند فرمایا، اتنے میں ایک انصاری بول پڑا، یارسول اللہ! خوب خرچ کیجئے۔ اور کمی کے اندیشے کو دل سے نکال دیجئے۔ آپ نے تبسم فرمایا، اور چہرۂ اقدس پر پسندیدگی کے آثار نمودار ہوئے۔ فرمایا، مجھے اسی بات کا حکم ملا ہے۔ ابن فارس نے اپنی کتاب در بارہ اسماء النبی میں لکھا ہے :۔ کہ حنین کے دن آپ کے پاس ایک عورت آئی جس نے ایسے اشعار پڑھے، جن میں بنو ہوازن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام رضاعت کا تذکرہ تھا۔ چنانچہ آپ نے، جو کچھ ان سے چھینا گیا تھا، واپس کر دیا، اور نیز اور بہت کچھ دیا۔ جب اس دن کی فیاضی کا اندازہ لگایا گیا، تو میزان پانچ کروڑ درہم نکلی، ابن دحیہ راوی ہیں کہ یہ فیاضی کی ایسی مثال ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔

بخاری شریف میں مذکور ہے، کہ ایک دفعہ بحرین سے مال لایا گیا، فرمایا، کہ مسجد میں ڈال دو، اس سے پہلے اتنا مال کبھی نہیں آیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، مگر اس طرف نگاہ بھی نہ ڈالی۔ جب نماز پڑھ چکے، تو آکر وہاں بیٹھ گئے اور بغیر دیکھے دیتے چلے گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آئے، اور درخواست پیش کی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اتنا کچھ دیا جتنا کہ وہ اٹھا سکتے تھے۔ آپ وہاں بیٹھے رہے، تا آنکہ سب کچھ ختم ہو گیا۔ ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ یہ ایک لاکھ درہم تھے، جو علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے بطور خراج بحرین روانہ کیے تھے۔ اور یہ پہلا واقعہ تھا، کہ آپ کے پاس باہر سے مال لایا گیا تھا۔ اور اسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ پر لاد کر لائے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "جابر! اپنا اونٹ مجھے بیچ دو۔" انہوں نے عرض کی، "یارسول اللہ! مفت حاضر ہے۔" فرمایا "نہیں بیچ دو۔" چنانچہ انہوں نے تعمیل کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، کہ قیمت ادا کر دو، چنانچہ قیمت ادا کر دی گئی، پھر فرما
"جابر! قیمت اور اونٹ دونوں لے جاؤ، دعا ہے کہ خدا دونوں اشیاء تیرے لیے مبارک
کرے"۔ گویا یہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی طرف سے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے
قول کا جواب تھا، "یارسول اللہ! مفت حاضر ہے"۔ آپ نے قیمت ادا کر دی، اور او
بھی لوٹا دیا۔ اور دعائے برکت اس کے علاوہ تھی۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم ہر دو میں موجود
ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی صرف اللہ اور اس کی رضا کی خاطر تھی، کیونکہ
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انفاق کبھی تو کسی فقیر یا محتاج کی امداد کے لیے، کبھی محض فی سبیل اللہ
اور کبھی ایسے لوگوں کو، جو اسلام لاکر اسلام کی تقویت کا باعث بن سکتے، مائل بہ اسلام کرنے
کے لیے ہوتا تھا۔ اور آپ دوسروں کو اپنی ذات اور اولاد پر ترجیح دیتے تھے اور اس
فراوانی سے لوگوں کو دیتے تھے، کہ کسریٰ و قیصر بھی مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
خود درویشانہ زندگی گزارتے تھے، اور مہینوں آپ کے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ اور بارہا
آپ نے اپنے شکم مبارک پر بھوک کی وجہ سے پتھر باندھے۔ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے پاس جنگی قیدی آئے اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے آپ سے گھر کے کام
کاج کی شکایت کی، اور ایک خادم طلب کیا، تاکہ خانگی امور میں ان کی امداد کر سکے۔
حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنابِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تسبیح، تمہید اور تکبیر (سبحان اللہ،
الحمدللہ اور اللہ اکبر) پڑھنے کا حکم دیا۔ نیز فرمایا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں تو خادم
دے دوں اور اصحابِ صفہ کو چھوڑ دوں، جن کے پیٹ بھوک سے سکڑ گئے ہیں۔

ایک دفعہ ایک عورت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چادر لائی۔
اور کہنے لگی، کہ میں یہ چادر آپ کے لیے لائی ہوں۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے
لے لی، کہ آپ کو اس کی ضرورت تھی۔ صحابہ میں سے ایک شخص نے، آپ کو وہ چادر

اوڑھے دیکھا، تو کہنے لگا، یارسول اللہ! یہ چادر آپ کو کتنی بھلی معلوم ہوتی ہے، مجھے عطا فرما دیجئے، فرمایا ٹھیک ہے. جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر چلے گئے، تو صحابہ کرام نے اسے ملامت کی، کہ جب تم نے دیکھ لیا تھا، کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے وہ چادر بوجۂ ضرورت لی تھی تو تم نے آپ سے مانگ کر اچھی بات نہ کی، کیونکہ تم جانتے تھے، کہ جب بھی آپ سے کوئی چیز مانگی جاتی ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انکار نہیں فرماتے۔ (بخاری شریف) بہر حال حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم تمام اوصافِ کمال ہیں تمام انسانوں سے افضل اور اخلاقِ عالیہ میں ان سے اکمل ہیں۔

فصل سوم

اس فصل میں ان اشیاء کا ذکر ہے، جن کی ضرورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آتی رہی، از قسم غذا، لباس، شادی اور ان کے متعلقات وغیرہ۔ یہ فصل چار حصوں پر مشتمل ہے۔

حصّہ اول

اس حصّے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکل و شرب کا ذکر ہے، تمہیں یہ بات یاد رکھنا چاہیئے، کہ شکم پری وہ بدعت ہے، جس کا ظہور قرنِ اوّل کے بعد ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے، کہ انسان کے لیے شکم پری سے بڑھ کر اور کوئی شر نہیں۔ آدمی کو چند لقمے ہی کافی ہیں، جو اس کی کمر کو سیدھا رکھ سکیں۔ اگر کسی انسان پر اس کی نفسانیت غالب آ جائے، تو ایک حصّہ کھانے کے لیے، ایک پینے کے لیے اور ایک حصّہ سانس کے لیے مخصوص ہونا چاہیئے۔ حافظ ابن حجر، قرطبی سے راوی ہیں، کہ اگر بقراط بھی اس تقسیم کو سُن لیتا، تو اس حکمت پر سر دھنتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ آپ نے کبھی بھی پیٹ بھر کر نہ کھایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہلِ خانہ سے کبھی کھانا مانگا نہ اس کی اشتہا کی۔ اگر کھلا دیتے، کھا لیتے۔ اور جو کچھ کھلاتے، قبول فرما لیتے، اور جو چیز پلاتے پی لیتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے

اہلِ بیت نے کسی موقعہ پر بھی زندگی بھر متواتر تین دن تک پیٹ بھر کر نہیں کھایا (بخاری و
مسلم) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور
اہلِ بیت متواتر کئی کئی رات بھوکے سو جاتے اور انہیں کھانے کو کچھ نہ ملتا۔ اور ان کا کھانا
جو کی روٹی تھی۔ (ترمذی) صحیح مسلم میں مذکور ہے، کہ اہلِ بیت نے کبھی بھی متواتر دو دن گندم
کی روٹی نہیں کھائی۔ مگر کہ ایک دن صرف کھجور پر گزارا کرنا پڑتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر کبھی بھی ایک دن میں دو کھانے نہیں کھائے۔
اگر آپ نے کھجور کھالی، تو جَو نہیں کھائے اور جَو کھا لیے تو کھجور نہیں کھائی۔ حضرت امام حسن
رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبے میں ارشاد
فرمایا، کہ میرے اہلِ بیت پر مشکل ہی سے کوئی ایسا دن آیا ہوگا، کہ ان کے پاس ایک
صاع غلّہ موجود ہو۔ اور اہلِ بیت کے نو گھر تھے، بخدا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصد
خدائی رزق کی کمی کا شکوہ نہیں تھا، بلکہ اپنی امت کو حوصلہ دلانا منظور تھا (دمیاطی) حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے تین چیزیں پسند
تھیں، خوشبو، عورت اور کھانا۔ دو چیزیں آپ کو مل گئیں یعنی خوشبو اور عورت، لیکن کھانا
(بہ افراط) میسر نہ ہو سکا۔ (دمیاطی) شمائل ترمذی میں نعمان بن بشیر سے مذکور ہے۔
مَیں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت میں دیکھا، کہ آپ کے پاس پیٹ بھرنے
کو ادنیٰ درجے کی کھجور بھی نہ تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اہلِ بیت
پر مہینے گزر جاتے، اور ہمارے گھروں میں آگ نہ جلتی، پیٹ بھرنے کو پانی ہوتا اور کھجور۔
حضرت عتبہ بن غزوان سے روایت ہے، کہ میرے سمیت ہم سات آدمی تھے، اور ہماری
خوراک ببول کے پتے تھے، جن سے ہماری باچھیں چھل گئی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اے میرے بھانجے، ہم تین تین مہینے متواتر انتظار
کرتے، اور اہلِ بیت کے حجروں میں آگ نہ جلتی۔ مَیں نے دریافت کیا، خالہ جان! آپ

زندہ کیونکر رہتیں، کہنے لگیں، پانی پی کر اور کھجور کھا کر۔ ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند انصار ہمسائے تھے، جن کے پاس شیر دار اونٹنیاں تھیں، وہ آپ کو ان کا دودھ پینے کو بھیج دیتے تھے۔ (بخاری و مسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے زندگی بھر ایک دن میں دو دفعہ روٹی اور زیتون کا تیل کبھی نہیں کھایا۔ (مسلم) حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، مجھے علم نہیں، آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر میں کبھی میدے کی روٹی یا بکری کا صاف ستھرا دھویا ہوا گوشت دیکھا ہوگا۔ ابو حازم سے روایت ہے، میں نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کیا آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں سفید میدہ دیکھا تھا، انہوں نے جواب دیا نہیں۔ میں نے پوچھا، کیا آپ جَو کے آٹے کو چھانتے تھے؟ کہا نہیں، بلکہ ہم پھونک مار کر صاف کر لیا کرتے۔ (بخاری) ایک روایت میں ہے، کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چھلنی تھی؟ انہوں نے کہا، حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ابتدائے بعثت سے وفات تک چھلنی نہیں دیکھی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور کی وفات کے وقت میرے پاس جَو کے آٹے کے بغیر جو لکڑی کے تسلے میں تھا کوئی اور ایسی چیز، جسے کوئی انسان کھا سکے، نہیں تھی۔ میں اسے کافی عرصہ کھاتی رہی۔ آخر ایک دن اس کا وزن کیا، تو آٹا ختم ہو گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا اور آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جَو کے بدلے میں گرو تھی۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ایک دن آپ گھر سے نکلے کہ راستے میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہو گئی۔ دریافت فرمایا، "اس وقت تمہیں کس ضرورت نے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا؟" عرض کیا، "بھوک نے یا رسول اللہ۔" مجھے اس ذات کی قسم، جس کے قبضے میں میری جان ہے، کہ مجھے بھی اسی چیز نے گھر سے

الا ہے، جس نے تمہیں نکالا۔" آپ انہیں ایک انصاری کے گھر لائے، مگر وہ گھر پر نہ
جب اس کی بیوی نے آپ کو دیکھا، تو مرحبا کہی۔ پوچھا، تمہارے میاں کدھر ہیں؟
ں کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ ہمارے لیے ٹھنڈا پانی لینے گئے ہیں۔" اتنے میں
انصاری آگیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو دیکھ کر کہنے لگا،
"بخدا آج بطور میزبان کے مجھ سے بہتر کوئی نہیں۔" چنانچہ وہ گیا، اور کھجوروں کا ایک خوشہ
لایا، جس میں تروتازہ اور عمدہ کھجوریں تھیں۔ آپ نے وہ ٹہنی اٹھائی اور فرمایا کھاؤ۔ پھر
انصاری کو حکم دیا، ایک آدھ بکری کا بندوبست کرو، اس نے بکری ذبح کی، سب نے
گوشت اور کھجوریں کھائیں اور پانی پیا۔ جب سب سیر ہو گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو فرمایا، "بخدا تم سے قیامت کے دن اس نعمت
کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔ تم گھر سے بھوکے نکلے اور واپس ہوئے تو اس نعمت
سے بہرہ اندوز ہو چکے تھے۔" (مسلم) حضرت طلحہ بن نافع سے روایت ہے کہ میں نے حضرت
جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا، کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے ہاتھ سے
پکڑ کر گھر لے گئے۔ آپ کے سامنے روٹی کا ایک ٹکڑا لایا گیا، پوچھا، کیا سالن نہیں، عرض
کیا، سالن تو نہیں، تھوڑا سا سرکہ ہے، فرمایا، سرکہ نہایت عمدہ سالن ہے۔ حضرت جابر
راوی ہیں، جب سے میں نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے یہ فقرہ سنا ہے، مجھے سرکہ
اچھا لگتا ہے، جناب طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ جب سے میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ
سے یہ بات سُنی ہے، مجھے بھی سرکہ اچھا لگنے لگ گیا ہے، یہ مسلم کی روایت ہے، ابن بجیر
راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دن بھوک نے اتنا سخت ستایا، کہ آپ نے
پیٹ پر پتھر باندھ لیا۔ پھر فرمایا، خبردار، دنیا میں کئی لوگ ایسے ہیں، جو دنیا میں کھاتے پیتے
ہیں اور عیش و عشرت سے زندگی گزارتے ہیں۔ وہ قیامت کے دن بھوکے اور مفلس ہوں
گے، نیز کئی ایسے لوگ ہیں، جو اپنے نفس کا احترام کرتے ہیں، حالانکہ فی الحقیقت وہ

اسے ذلیل کرتے ہیں، اسی طرح کئی ایسے لوگ ہیں، جو اپنے نفس کو ذلیل کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ فی الحقیقت اس کے احترام میں اضافہ کرتے ہیں۔ (بہ روایت ابن ابی الدنیا)

حضرت انس، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں، کہ ہم نے رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمت میں بھوک کی شکایت کی، اور اپنے پیٹ پر بندھے پتھروں سے کپڑا اٹھایا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا اٹھایا، تو آپ نے دو پتھر باندھ رکھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "مجھے اللہ کی راہ میں ایسے خطرات سے پالا پڑا، کہ کسی اور کو ان سے پالا نہیں پڑا ہوگا، مجھے اس کی وجہ سے ایسے دکھ دیئے گئے، کہ کسی اور انسان کو اتنے دکھ نہیں دیئے گئے ہوں گے، اور اسی طرح مجھ پر کئی مہینے ایسے گزرے، کہ دن ہو یا رات کھانے کو، سوائے اس مقدارِ قلیل کے جو حضرت بلال بغل میں دلبے رآتے۔ اور کسی آدمی کو کھانے کو کچھ میسر نہ آتا۔" (ترمذی) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے بارے میں ایسی روایات کہ وہ کئی کئی دن بھوکے رہتے تھے، مشتبہ معلوم ہوتی ہیں۔ حالانکہ یہ بات ثابت ہے، کہ آپ اہلِ بیت کے لیے سال بھر کا راشن جمع کر لیتے تھے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اصحاب میں سے چار صحابہ کو مالِ غنیمت سے ایک ہزار اونٹ دیئے تھے اور آپ عمرہ کے موقعہ پر ستر قربانی کے اونٹ ساتھ لے گئے تھے، جنہیں آپ نے ذبح کر کے مساکین کو کھلا دیا تھا، اور نیز آپ نے ایک بدو کو بکریوں کا ایک ریوڑ عطا کیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ ازیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم ایسے لوگ بھی موجود تھے، جو حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے حکم پر اپنی جانیں اور مال قربان کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے صدقے کا حکم دیا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نصف مال اٹھا لائے تھے۔ اسی طرح صحابہ کو جیشِ عسرت (غزوۂ تبوک) کے سلسلے میں تیاری پر اکسایا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار

اونٹ پیش کیے۔ امام طبری نے اس کا جواب، جیساکہ فتح الباری میں مذکور ہے، یہ دیا ہے، کہ ان امور کا تعلق مختلف حالات سے تھا، نہ کہ افلاس اور تنگیٔ رزق سے، بلکہ کبھی اس سے ایثار مراد ہوتا اور کبھی شکم پری اور پرخوری سے نفرت مقصود ہوتی۔ اور باوجودیکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مالی وسعت اور فراوانی حاصل تھی۔ آپ کو قلت اور تنگی پسند تھی۔ امام ترمذی نے ابو امامہ سے روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ خدا نے پیش کش کی، کہ مکہّ کی پہاڑیاں میرے لیے سونا بنا دے، لیکن مَیں نے کہا، اللہ میاں نہیں۔ مَیں ایک دن کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا۔ جس دن بھوکا ہوں گا، تو تیرے دربار میں تضرع کروں گا اور تیرے نام کا ذکر کروں گا اور جس دن کھانا کھاؤں گا، تو مَیں تیرا شکر ادا کروں گا اور تیری تعریف کروں گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکور ہے، کہ ایک دن رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم حضرت جبریل کے ساتھ کوہِ صفا پر تشریف فرما تھے، آپ نے جبریل علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہا، "اس ذات کی قسم، جس کا تو فرستادہ ہے، کہ اہلِ بیت محمدؐ پر بمشکل ہی کوئی ایسی شام آئی ہو گی، کہ ان کے پاس مٹھی بھر آٹا ہو یا کف بھر ستو۔" آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے، کہ آسمانوں میں مَیں نے ایسے دھماکے کی آواز سنی کہ مَیں ڈر گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبریل سے پوچھا، کہ کیا خدا نے قیامِ قیامت کا حکم دے دیا ہے، جبریل علیہ السلام نے جواب دیا نہیں، بلکہ جوں ہی اس نے آپ کی بات سنی، اسرافیل کو نزول کا حکم دیا، اتنے میں اسرافیل بھی آ گئے۔ کہا، "یارسول اللہ! خدا نے آپ کی بات سن لی ہے، چنانچہ اس نے ارضی خزانوں کی چابیاں دے کر مجھے روانہ کیا ہے، اگر آپ چاہیں، تو مَیں سرزمینِ مکہّ کی پہاڑیوں کو زمرد، یاقوت، سونا اور چاندی میں تبدیل کر کے آپ کے ساتھ روانہ کر دوں، نیز آپ کو اختیار ہے، چاہیں تو آپ کو نبی ملک یا نبی عبد بنا دوں، جبریل نے اشارہ کیا، کہ انکسار اختیار کیجیے، اور نبی عبد کی خواہش کیجیے، چنانچہ آپ نے تین دفعہ

نبی عبد کے الفاظ استعمال فرمائے۔ (طبرانی بہ سند حسن)

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی ایک طرح کے کھانے پر اکتفا نہیں فرماتے تھے۔ کیونکہ ایسی عادت طبیعت کے لیے حد درجہ مضر ہے، خواہ وہ غذا کتنی ہی افضل اور عمدہ کیوں نہ ہو۔ بلکہ آپ حسب عادت اہل شہر، گوشت، روٹی، میوہ جات اور کھجور وغیرہ سبھی کچھ تناول فرماتے۔ آپ کو حلوہ اور شہد بہت مرغوب تھا (بخاری) علامہ ثعالبی فقہ اللغۃ میں رقمطراز ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حلوہ، جو آپ کو مرغوب تھا، مجیع کہلاتا تھا، اور وہ کھجور کو دودھ میں بھگو کر تیار کرتے تھے۔ (فتح الباری) یہ روایت درست نہیں ہے کہ آپ نے شکر دیکھی تھی۔ حضرت عبداللہ بن سلام راوی ہیں، کہ ایک دفعہ ایک کاروانِ تجارت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اونٹ بھی تھا جس پر میدہ، گھی اور شہد بار تھا حضرت عثمان اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور آپ نے دعائے برکت فرمائی، پھر آپ نے دیگچہ منگوایا، آگ پر رکھا اور اس میں آٹا، گھی اور شہد ڈالا، اور پھر ہلایا جب پک گیا، یا پکنے کے قریب آگیا، تو اتار لیا گیا۔ آپ نے فرمایا، کھاؤ۔ ایرانی اس کھانے کو خبیص کہتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈھے کا گوشت بھی کھایا۔ ابو رافع سے روایت ہے کہ مجھے ایک آدمی نے بکری کا گوشت بطور تحفہ دیا، مَیں نے اسے ہنڈیا میں ڈالا، اتنے میں آپ تشریف لے آئے، پوچھا" ابو رافع کیا ہے؟" عرض کیا، "یارسول اللہ! بکری کا گوشت کسی نے بطور تحفہ دیا تھا، جسے مَیں نے ہنڈیا میں پکایا ہے۔" فرمایا، ابو رافع اس کا بازو مجھے دو، مَیں نے پیش کر دیا، پھر فرمایا، ابو رافع دوسرا بازو دو، مَیں نے پیش کر دیا، پھر فرمایا ابو رافع بکری کا بازو لاؤ، مَیں نے عرض کیا، یارسول اللہ! بکری کے دو ہی بازو ہوتے ہیں۔ فرمایا، اگر تم خاموش رہتے اور مجھے بازو پیش کر دیتے، تو یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہتا، جب تک تم مہرِ سکوت نہ توڑتے۔ پھر آپ نے پانی منگوایا، منہ میں کُلی کی،

انگلیوں کے پورے دھوئے، پھر اٹھ کر نماز ادا کی (امام احمد) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں، کہ جانور کے بازو کا گوشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا مرغوب نہ تھا لیکن چونکہ گوشت ایک دن چھوڑ کر میسر آتا تھا۔ آپ کو بازو کے گوشت کی جلدی اس لیے ہوتی تھی، کہ وہ جلدی پک جاتا تھا۔ (ترمذی)، اسی طرح آپ کو گردن کا گوشت پسند تھا۔ ضباعۃ بنت زبیر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ اس نے اپنے گھر میں ایک بکری ذبح کی۔ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے کہلا بھیجا، کہ مجھے بھی اپنی بکری کا گوشت کھلانا، کہنے لگیں، کہ اب تو صرف گردن رہ گئی ہے اور مجھے شرم آتی ہے، کہ گردن آپ کی خدمت میں بھیجوں، قاصد نے واپس آکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا، فرمایا، اسے کہو، کہ وہی بھیج دے۔ کیونکہ گردن ہی بکری کی رہنمائی کرتی ہے، نیز گردن بھلائی (صحت) کے قریب تر اور بیماری سے دور تر ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت مرغوب تھا۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضور بکری کے شانے سے جو آپ کے ہاتھ میں تھا، گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے۔ اتنے میں نماز کے لیے آپ کو بلایا گیا، چنانچہ آپ بکری کا شانہ اور چھری جس سے گوشت کاٹ رہے تھے، پھینک دی۔ نماز ادا کی، اور وضو نہیں کیا (کلی مراد ہے) آپ نے بھنا ہوا گوشت بھی کھایا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ انہوں نے بھنا ہوا جانور کا پہلو (پسلیاں) آپ کو پیش کیں، اور آپ نے خشک گوشت بھی کھایا، جیسا کہ ایک شخص سے مروی ہے، کہ میں نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے لیے ایک بکری ذبح کی اور ہم بحالتِ سفر تھے، فرمایا، اس کا گوشت پکاؤ، چنانچہ میں مدینہ تک وہ گوشت آپ کو کھلاتا رہا۔ آپ نے بھنی ہوئی کلیجی بھی کھائی، آپ نے مرغی کا گوشت بھی کھایا (بخاری، مسلم) نیز آپ نے گورخر کا گوشت بھی کھایا، سفر اور حضر میں آپ نے اونٹ کا گوشت بھی کھایا، بروایت بخاری و مسلم آپ نے خرگوش کا گوشت بھی کھایا، آپ نے سمندری جانوروں کا گوشت تناول فرمایا (مسلم)، آپ نے ثرید کھایا (ثرید اسے کہتے ہیں، کہ گوشت کے سالن میں

بوٹیوں سمیت، روٹی کو بھگو دیتے ہیں) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کھانوں میں سے ثرید روٹی کا ہو یا کھجور کا زیادہ مرغوب تھا۔ آپ گھی ملا کر کھاتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روٹی روغن زیتون سے کھائی۔ آپ نے کدّو کا سالن کھایا۔ اور اسے بہت پسند فرماتے، اور برتن میں ادھر اُدھر تلاش کرتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ اس دن سے میں بھی اسے پسند کرنے لگ گیا۔ (مسلم) امام نووی کی رائے ہے، کہ کدّو کو پسند کرنا مستحب ہے، اور اسی طرح وہ تمام اشیا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھیں۔ اسی طرح آپ نے چقندر کو جَو کے ساتھ کھایا۔ (ترمذی) آپ کے لیے چقندر پر زیتون کا تیل، کالی مرچ اور مصالحے چھڑک دیتے۔ آپ نے خزیرہ بھی تناول فرمایا، یہ حلوے کی طرح آٹے سے تیار کیا جاتا ہے، لیکن یہ اس سے رقیق تر ہوتا ہے (طبری) اور آپ نے دودھ کا پنیر جس سے مکھن نکال لیا جاتا ہے، کھایا، نیز آپ نے تر اور خشک کھجور بھی کھائی (مسلم) آپ نے پیلو کھائے (مسلم) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تبوک کے موقعہ پر پنیر کا ایک ٹکڑا لایا گیا، آپ نے چھری طلب کی، پھر بسم اللہ پڑھ کر اسے کاٹا (ابو داؤد) آپ نے کھیرے کو کھجور سے ملا کر کھایا اور فرمایا کہ اس کی سردی اس کی گرمی کو، اور اس کی گرمی اس کی سردی کو زائل کرتی ہے (ابو داؤد وغیرہ) طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن جعفر سے روایت کی ہے، کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دائیں ہاتھ میں ککڑی دیکھی، آپ کبھی ککڑی کھاتے اور کبھی کھجور۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھجور اور خربوزے کو ملا کر کھاتے دیکھا (ابو نعیم) حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کھجور کو مکھن سے ملا کر کھاتے اور اسے پسند فرماتے۔ آپ نے کھجور اور دودھ کو اطیبین (دو پاکیزہ اشیا) کے نام سے یاد فرمایا۔ (امام احمد) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تک ممکن ہوتا، روٹی کو سالن کے ساتھ کھاتے۔ کبھی یہ سالن گوشت ہوتا اور آپ اسے اہل دنیا و آخرت کے لیے

اسید الطعام کہتے۔ کبھی کھیرے سے کبھی کھجور سے تناول فرماتے، آپ نے ایک دفعہ جَو کی روٹی پر کھجور رکھ کر فرمایا، کہ یہ اس کا سالن ہے (ابو داؤد) کبھی سرکے کے ساتھ کھاتے اور فرماتے، کہ سرکہ بڑا عمدہ سالن ہے (مسلم) رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی عادت تھی، کہ جب پھل بکنے کو شہر میں آتا، تو خریدتے، لیکن کچا کچا پھل نہیں کھاتے تھے۔ اور یہی راز تھا آپ کی صحت کا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں۔ کہ میں نے آپ کو بیل سے انگور توڑ کر کھاتے دیکھا۔ پیاز کے بارے میں ابوداؤد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں، کہ ان سے پیاز کے بارے میں دریافت کیا گیا، انہوں نے جواب دیا، کہ آخری کھانا جو آپ نے کھایا، اس میں پکی ہوئی پیاز شامل تھی، اور بخاری اور مسلم میں ہے کہ آپ نے پیاز کھانے والے کو مسجد میں داخل ہونے سے منع فرمایا۔ آپ نے تھوم کو دائمی طور پر ترک کر دیا تھا، کیونکہ آپ کو فرشتوں اور جبریل علیہ السلام کے آنے کا ہر وقت انتظار رہتا تھا۔

امام ترمذی راوی ہیں کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم تین انگلیوں سے کھاتے تھے، اور جب کھانے سے فارغ ہو چکتے، تو انگلیوں کو تین دفعہ چاٹتے۔ اور مسلم کی روایت میں ہے، کہ ہاتھ صاف کرنے سے پہلے اسے چاٹتے تھے۔ کعب بن عُجرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ میں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین انگلیوں سے کھاتے دیکھا (انگوٹھے، انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی سے) پھر میں نے دیکھا، کہ انہیں صاف کرنے سے پہلے تین دفعہ چاٹتے تھے، اول درمیانی انگلی کو، پھر انگشتِ شہادت کو اور پھر انگوٹھے کو۔ نیز میں نے آپ کو پانچ انگلیوں سے کھاتے دیکھا۔ آپ تکیہ لگا کر نہیں کھاتے تھے، روایت صحیح میں ہے فرمایا، میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا۔ (بخاری) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، میں بندہ ہوں اور بیٹھتا ہوں جس طرح آدمی بیٹھتے ہیں، اور کھاتا ہوں، جس طرح آدمی کھاتے ہیں۔ آپ کی خدمت میں بکری پیش کی گئی، چنانچہ آپ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور کھانا کھایا، ایک

بدو کہنے لگا، کہ یہ بیٹھنے کا کون سا طریقہ ہے؟ فرمایا، خدا نے مجھے کریم (نرم خو) بنایا ہے اور جبار اور مغرور نہیں بنایا۔ (طبرانی) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں، کہ کھانے کے لیے بیٹھنے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ گھٹنوں کے بل بیٹھے اور دونوں پاؤں باہر نکال دے۔ یا دایاں پاؤں کھڑا کر کے بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ اور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی عادت یہ تھی، کہ جب کھانا کھانے بیٹھتے تو اولاً بسم اللہ پڑھتے اور آخر میں حمد پڑھتے اور فرماتے تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنٰى عَنْهُ رَبَّنَا۔ (ترمذی) اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی، کہ وہ ہر معاملے میں خدا کے نام سے طالب برکت ہوتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ارے لڑکے بسم اللہ پڑھو اور دائیں ہاتھ سے اپنے سامنے سے کھاؤ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا پیش کیا گیا، میزبان نے کہا، یا رسول اللہ! کیا ہم وضو کا بندوبست کریں۔ فرمایا، مجھے صرف نماز کے لیے وضو کا حکم دیا گیا ہے (ترمذی) آپ سے مروی ہے، فرمایا، کھانے کی برکت اس میں ہے، کہ ابتدا میں وضو کیا جائے اور آخر میں بھی، پہلے وضو سے مراد شرعی وضو ہے اور آخری سے مراد ہاتھ منہ صاف کرنا ہے، آپ گرم کھانا نہیں کھاتے تھے، ایک پیالہ لایا گیا، جو ابل رہا تھا۔ فرمایا، خدا ہمیں آگ نہیں کھلائے گا۔ (طبرانی) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بوئے دہن اور گرم کھانے کو ناپسند فرماتے، اور ارشاد فرماتے، کھانا ٹھنڈا کر کے کھاؤ، کہ اس میں برکت ہے اور یاد رکھو، کہ گرم کھانے میں کوئی برکت نہیں۔ (ابونعیم) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دسترخوان پر بیٹھ کر کبھی کھانا نہیں کھایا اور نہ کبھی میدے کی روٹی کھائی۔ (ترمذی) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس لکڑی کا ایک پیالہ تھا جس پر لوہا مڑھا ہوا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ میں آپ کو اسی پیالے میں پانی، نبیذ اور شہد پلاتا تھا۔ بخاری شریف میں مذکور ہے، کہ اس میں سوراخ ہو گیا تھا، جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے چاندی سے بند کر دیا تھا۔ نبیذ اس پانی کو کہتے ہیں، جسے میٹھا کرنے

کے یلے اس میں کھجور ڈال دیتے تھے اور یہ طاقت کے لیے بڑا مفید ہے۔ لیکن تین دن کے بعد اسے نشے کے خدشے کے پیش نظر آپ اسے نہیں پیتے تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اشیائے شرب:۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے میٹھا پانی لایا جاتا۔ اور آپ کے لیے میٹھا پانی ان گھروں سے جہاں میٹھے کنوئیں تھے، لایا جاتا تھا (ابو داؤد) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہد کو ٹھنڈے پانی میں ملا کر پیتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو ٹھنڈا میٹھا پانی مرغوب تھا (ترمذی) اس سے مراد شہد کا پانی (یا وہ پانی کہ جس میں کھجور ڈال دی جاتی تھی) ہو سکتا ہے۔ اوّل شب میں کھجور پانی میں ڈال دی جاتی اور آپ صبح کو پی لیتے۔ اسی طرح اس شام کو اور تیسرے دن عصر تک استعمال فرماتے، اگر اس سے کچھ بچ جاتا، تو غلام پی لیتا، یا گرا دیا جاتا۔ (مسلم) آپ کبھی تو خالص دودھ نوش فرماتے اور کبھی ٹھنڈے پانی میں ملا کر۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک انصاری کے گھر تشریف لے گئے" اور آپ کے ساتھ ایک ساتھی بھی تھا۔ آپ نے سلام کہا۔ اس انصاری نے جواب دیا، وہ اپنی حویلی میں پانی نکال رہا تھا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، کیا تمہارے پاس رات کا ٹھنڈا پانی ہے تو فبہا ورنہ ہم آگے چلیں۔ اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ! رات کا پانی ہے۔ آپ وہاں سے سائبان کے نیچے تشریف لے گئے، پھر ایک پیالے میں پانی انڈیلا، اور پھر ایک ٹھلیا سے اس میں دودھ ڈالا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا۔ (بخاری) امام ابن قیم راوی ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کھانے کے بعد پانی نہیں پیتے تھے، تاکہ باعثِ خرابی نہ ہو، بالخصوص جب پانی گرم ہو یا ٹھنڈا ہو۔ کیونکہ وہ زیادہ باعثِ خرابی ہوتا ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹھ کر پانی پیتے تھے اور یہ آپ کی عادت تھی۔ (مسلم) نیز مروی ہے، کہ آپ نے کھڑا ہو کر پانی پینے

سے منع فرمایا۔ بخاری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے مروی ہے کہ آپ نے کھڑے کھڑے پانی پیا، پھر کہا، کہ لوگ بہ حالت قیام پانی پینے کو مکروہ خیال کرتے ہیں حالانکہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں پانی پیتے دیکھا، جس حالت میں کہ میں نے پیا۔ اس پر نہی سے مراد ناپسندیدگی ہے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بحالت قیام پانی پینا بیانِ جواز کے لیے ہے۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم پانی پینے کے دوران میں، تین دفعہ سانس لیتے تھے۔ اور فرماتے، اس طریقے سے اچھی طرح خوراک ہضم ہوتی ہے۔ اور یہ طریقہ عمدہ تر اور موزوں تر ہے (مسلم)، اور سانس لینے سے مراد پانی کے برتن کو منہ سے ہٹانا، اور پھر برتن سے باہر سانس لینا اور پھر سے پانی پینا مراد ہے۔ آپ تین بار سانس لیتے تھے، اور جب برتن کو منہ کے قریب لاتے تو بسم اللہ پڑھتے اور جب منہ سے ہٹاتے تو الحمد للہ کہتے اور تین بار اس عمل کو دہراتے۔ اور جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی جاتی اور کوئی آدمی آپ کے ساتھ ہو لیتا، تو میزبان کو بتلا دیتے، کہ فلاں شخص ہمارے پیچھے آگیا ہے، اور اگر تیری مرضی نہ ہوگی، تو لوٹ جائے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مہمانوں کے پاس بار بار تشریف لے جاتے اور کھانے کے متعلق دریافت فرماتے، اور جب آپ کسی جماعت کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے، تو آخر تک شریکِ طعام رہتے (بیہقی) اور جب بھی آپ کسی آدمی کے ہاں مہمان ہوتے، تو جب تک ان کے لیے دعائے خیر نہ فرماتے، روانہ نہ ہوتے۔ عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ کے یہاں آپ نے دعا فرمائی۔ اے خدا تو ان کے رزق میں برکت فرما، انہیں معاف کر اور ان پر رحم فرما (مسلم)، سعد رضی اللہ عنہ کے گھر میں آپ نے دعا فرمائی۔ "تمہارے یہاں روزہ داروں نے افطار کیا اور نیک لوگوں نے تمہارا کھانا کھایا اور فرشتوں نے تم پر صلوٰۃ بھیجی"۔ (ابوداؤد) ایک دفعہ جناب سعد رضی اللہ عنہ نے آپ کو دودھ پلایا، آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی، "اے خدا تو اسے جوانی سے تمتع کا موقعہ دے"۔ اس شخص پر اسّی برس گزر گئے اور اس

نے ایک بال بھی سفید نہ دیکھا۔ (ابن السنی)

حصّہ دوم

حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لباس اور بستر کے متعلق

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لباس :- رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم لباس میں توسیع کے قائل تھے اور نہ کسی خاص طرز کے لباس میں اختصار سے اسے تنگ کر دینا پسند کرتے اور نہ نفیس اور قیمتی کپڑے کی خواہش رکھتے۔ بلکہ جو آسانی سے مل جاتا اسے استعمال فرماتے۔ اور لباس کے بارے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصول یہ تھا، کہ لباس مکمل بدن کے لیے مفید اور ہلکا ہو۔ اسی لیے آپ کی پگڑی نہ تو اتنی بڑی ہوتی کہ اس کا اٹھانا باعثِ تکلیف ہو اور نہ اتنی چھوٹی کہ وہ سر کو گرمی اور سردی سے بچانے میں ناکام رہے۔ یہی حالت تھی چادروں اور تہہ بندوں کی۔ آپ اپنی آستینوں کو نہ تو لمبا رکھتے تھے نہ کھلا، بلکہ آپ کی آستین کلائی تک ہوتی۔ آپ کی قمیض اور تہہ بند پنڈلیوں کے نصف تک ہوتیں نہ کہ ٹخنوں کے نیچے تک۔ امام ترمذی اشعث بن سلیم سے راوی ہیں، کہ میں نے اپنی پھوپھی سے سنا، اس نے اپنے چچا سے روایت کی ہے، کہ میں ایک دفعہ مدینے میں جا رہا تھا، کہ مجھے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی، کہا، تہ بند کو اوپر اٹھاؤ، کہ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اور اس سے کپڑے کی عمر بڑھتی ہے، میں نے دیکھا تو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ چادر ہی تو ہے، فرمایا کیا میں تیرے لیے نمونہ نہیں ہوں! میں نے دیکھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تہ بند نصف ساق تک تھا۔

رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی ایک پگڑی کا نام سحاب تھا، جس کے نیچے آپ

ایک ٹوپی رکھتے جو پگڑی سے چمٹی رہتی (قلنسوہ اس پردے کو کہتے ہیں، جو پیٹ کی طرح ابھرا ہوتا ہے اور سر کو ڈھانپ لیتا ہے) امام ترمذی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، فتح مکہ کے موقعہ پر شہر میں داخل ہوئے، اور آپ کے سر پر سیاہ رنگ کی پگڑی تھی۔ اور بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ آپ مکے میں فتح کے دن داخل ہوئے اور آپ کے سر پر خود تھا (خود وہ لوہے کی ٹوپی ہے، جو سر کے مطابق زرہ کے ساتھ تیار کی جاتی ہے) دونوں حدیثوں میں اجتماع کی یہ صورت ہے، کہ پگڑی خود کے اوپر تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم پگڑی باندھتے تو پگڑی کے پیچوں کو سر کے گرد گھماتے، پیچھے سے اسے مضبوط کرتے اور شملہ کندھوں کے درمیان چھوڑ دیتے۔ (ابنِ حبان)۔ ابنِ ابی شیبہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک پگڑی بندھائی اور شملہ میرے کندھے پر ڈال دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ خدا نے بدر اور حنین کے دن عمامہ پوش فرشتوں سے میری امداد فرمائی، جو ایسی ہی پگڑیاں پہنے ہوئے تھے۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ پگڑی مسلمانوں اور مشرکوں میں مابہ الامتیاز ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پاس ایک سفید ٹوپی بھی تھی۔ (دمیاطی) ابوکبشہ انماری راوی ہیں، کہ آپ کے پاس کئی ٹوپیاں تھیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ صحابہ کرام کی ٹوپیاں سر سے ملی ہوتی تھیں نہ کہ اٹھی ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قمیص سب کپڑوں سے زیادہ پسند تھی۔ (ترمذی) حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا اور نیز معاویہ بن قرہ نے اپنے باپ سے روایت کی، کہ میں مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ حضورِ اکرم کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوا، اور آپ کی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں نے اپنا ہاتھ اندر داخل کر کے مُہرِ نبوت کو چھوا (ترمذی) حضرت انس رضی اللہ عنہ

سے روایت ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ چادر زیادہ مرغوبِ خاطر ہوتی، جس میں ذرا سی سُرخی ہوتی۔ ابو رمثہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا، کہ آپ نے سبز رنگ کی دو چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ ابو یعلی نے اپنے باپ سے روایت کی کہ انہوں نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو کعبے کا طواف کرتے دیکھا اور آپ نے سبز چادر اوڑھ رکھی تھی (ابو داؤد) مغیرہ بن شعبہ راوی ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رومی جبہ تنگ آستینوں والا زیبِ تن فرمایا (ترمذی) حضرت ابو ذر راوی ہیں، کہ مَیں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور آپ سفید کپڑوں میں ملبوس تھے۔ (بخاری) حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ التحیۃ والتسلیم گرم کپڑے زیبِ تن فرمایا کرتے تھے، آپ کے پاس مضبوط بنی ہوئی چادر تھی، جسے آپ اوڑھتے تھے۔ فرمایا کرتے میں بندہ ہوں اور اسی طرح کپڑے پہنتا ہوں، جس طرح اور بندے پہنتے ہیں۔ (بخاری ومسلم) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو ایک چاندنی رات میں دیکھا کہ آپ سرخ کپڑوں میں ملبوس تھے۔ مَیں کبھی آپ کو دیکھتا اور کبھی چاند کو۔ چنانچہ آپ مجھے چاند سے زیادہ خوبصورت دکھائی دیئے (دارمی اور ترمذی) ابو جحیفہ راوی ہیں کہ مَیں نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو سرخ کپڑے پہنے دیکھا، یوں معلوم ہوتا ہے، گویا مَیں آپ کی پنڈلیوں سے چمک دیکھ رہا ہوں۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ مَیں نے سرخ کپڑوں میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ (ترمذی) بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ مَیں نے آپ کو سرخ کپڑوں میں ملبوس دیکھا، اور آپ سے دلکش تر مَیں نے اور کوئی آدمی نہیں دیکھا، ابو داؤد کی روایت میں ہے، کہ مَیں نے کسی ایسے شخص کو جس کے سر کے بال کانوں تک ہوں، سرخ کپڑوں میں رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے حسین تر نہیں دیکھا۔ نسائی کی روایت میں ہے، کہ مَیں نے سرخ کپڑوں میں ملبوس کسی شخص کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ دل کش

نہیں دیکھا۔ (اور حلۃ کا لفظ تہ بند اور چادر کے لیے استعمال ہُوا ہے۔ اور حلہ دو کپڑوں کو یا ایسے کپڑے کو جس میں استر بھی ہو، کہتے ہیں)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تہ بند:-

ابو بردہ بن ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ ہمارے لیے ایک کملی اور ایک چادر نکال لائیں اور کہنے لگیں، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ان دو کپڑوں ہی میں فوت ہوئے تھے۔ ایک روایت میں کسائً ملبدًا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ابنِ اثیر نے کسائً مرقعاً کی ترکیب استعمال کی ہے، اور ملبد اس کپڑے کو کہتے ہیں، جو درمیان میں اور کناروں پر اتنا دبیز ہو جائے، کہ نمدا معلوم ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ ایک دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت گھر سے نکلے، اور آپ نے ایک شال اوڑھی ہوئی تھی، جس پر کالے بالوں سے اونٹوں کے کجاووں کی تصاویر کاڑھی ہوئی تھیں۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ جاندار اشیاء کی تصاویر حرام ہیں۔ حضرت عروہ راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کا طول چار ہاتھ اور عرض دو ہاتھ اور ایک بالشت ہوتا تھا۔ ان ہی سے روایت ہے، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا وہ کپڑا، جسے پہن کر وفود سے ملنے تشریف لے جاتے، سبز رنگ کی چادر تھی، جس کا طول چار ہاتھ اور عرض دو ہاتھ اور ایک بالشت تھا۔ محمّد بن ہلال سے روایت ہے، کہ مَیں نے ہشام بن عبد الملک کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر اوڑھے دیکھا، جس کے دو حاشیے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا، اور آپ نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی، جس سے آواز (جو عموماً نئے کپڑے سے نکلتی ہے) آ رہی تھی۔ یزید بن ابی حبیب سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تہ بند کو آگے سے لٹکا دیتے اور پیچھے سے اوپر اٹھا لیتے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

تہ بند کو ناف سے نیچے باندھتے اور ناف دکھائی دیتی رہتی اور میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ ازار بند ناف سے اوپر باندھتے۔ (دمیاطی) اسماء بنت ابو بکر سے روایت ہے، کہ وہ ایک جبہ طیالسانی (ایک چادر جو قاضی اور علماء کندھے پر ڈال لیتے تھے) جو ایرانی طرز کا تھا، نکال لائیں، جس میں دیبا کا ایک ٹکڑا جیب کی جگہ لگا ہوا تھا اور اس کے بازوؤں پر دیبا کے کف لگے ہوئے تھے، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہنے لگیں، کہ یہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا جبہ ہے، جو آپ کی وفات کے وقت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا، آپ اسے زیبِ تن فرمایا کرتے تھے۔ میں نے اسے قابو کر لیا۔ ہم اسے دھو کر مریضوں کو پلاتے ہیں اور یوں ان کی شفایابی کی تمنا کرتے ہیں۔ اور چونکہ آپ کے جسم سے ہر وقت خوشبو آتی تھی، اور اس کی علامت یہ تھی، کہ آپ کے کپڑے میلے نہیں ہوتے تھے، اور نیز مروی ہے کہ آپ کے کپڑوں میں جوئیں نہیں ہوتی تھیں۔ فخر الدین رازی لکھتے ہیں، کہ مکھی آپ کے کپڑوں پر نہیں بیٹھتی تھی، اور مچھر آپ کے خون کو نہیں چوستا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آپ اکثر سر کو ڈھانپ رکھتے تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی:- بخاری اور مسلم میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جسے آپ ہاتھ میں پہنتے تھے۔ پھر وہی انگوٹھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ تاآنکہ اریس کے کنوئیں میں گر گئی۔ نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چاندی کی انگوٹھی پہنی جس میں سیاہ رنگ کا نگینہ تھا، اور آپ انگوٹھی کے نگینے کا رخ ہتھیلی کی طرف رکھتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم

نے قیصرِ روم، کسریٰ اور نجاشی کو خطوط لکھے۔ لوگوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! وہ مُہر کے بغیر کوئی خط وصول نہیں کرتے، آپ کے لیے انگوٹھی ڈھالی گئی اور اس پر "محمد رسول اللہ" کے الفاظ کندہ کیے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں اسے پہنے رکھا، کیونکہ انہیں اسی طرح اس کی ضرورت پڑتی تھی، جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ضرورت پڑتی۔ اسی طرح حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما بھی صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی، جسے دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔ اور اس کے نگینے کا رُخ ہتھیلی کی طرف ہوتا تھا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر سونے کی انگوٹھیاں بنوانا شروع کر دیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے، اپنی انگوٹھی پھینک دی اور سونے کی انگوٹھیاں پہننے سے منع کر دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور نگینے کا کام بھی چاندی سے لیا (بخاری و مسلم) صحیح مسلم میں ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگوٹھی کا نگینہ کالا تھا، یعنی وہ شبہ یمانی یا عقیق ہوتا جس کی کان حبشہ یا یمن میں تھی۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی اور اس پر محمد رسول اللہ نقش کرایا۔ اور لوگوں سے فرمایا، کہ میں نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی ہے جس میں محمد رسول اللہ نقش کرایا ہے، کوئی اور آدمی یہ الفاظ نقش نہ کرائے۔ بخاری اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ کی انگوٹھی کی عبارت محمد رسول اللہ تین سطروں میں تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی (چھنگلیا) میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ حماد بن ابوسلمہ سے روایت ہے، کہ میں نے ابنِ ابی رافع کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا، کہنے لگے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے (امام احمد) رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم انگوٹھی ہاتھ میں پہنتے

تھے۔ بعض اوقات باہر نکلتے، تو اس میں برائے یادداشت دھاگہ بندھا ہوتا تھا۔ (ابن عدی وغیرہ)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شلوار:۔ بعض علما. بالجزم اس امر کے قائل ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شلوار نہیں پہنی۔ اور ابو یعلی موصلی کی حدیث میں بہ سند ضعیف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ میں ایک دن رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے ساتھ بازار میں گیا۔ آپ بزازوں کے پاس بیٹھ گئے، اور چار درہم سے ایک شلوار خریدی۔ اہل بازار نے ایک تولنے والا رکھا ہوا تھا، جو تولتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے فرمایا، اِتَّزِنْ وَارْجِحْ۔ تولا کہنے لگا، میں نے یہ الفاظ پہلے کبھی کسی سے نہیں سنے۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا، تمہارے دین کے ضعف اور کمزوری کی یہی دلیل کافی ہے، کہ تم اپنے پیغمبر کو نہیں پہچانتے ہو۔ اس پر اس نے ترازو پھینک دیا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی طرف لپکا۔ تاکہ اسے چوم لے۔ آپ نے ہاتھ کھینچ لیا، اور فرمایا، ارے میاں! یہ حرکت تو عجمی لوگ اپنے بادشاہوں کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔ میں بادشاہ نہیں، بلکہ تمہاری طرح کا انسان ہوں۔ اس کے بعد اس آدمی نے شلوار کو تولا اور تھوڑی سی رعایت بھی کی۔ آپ نے شلوار اٹھا لی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ میں اٹھانے کو آگے بڑھا، تو آپ نے فرمایا، چیز کے مالک کو چاہیئے، کہ وہ خود اسے اٹھائے، ہاں اگر وہ کمزور ہو، تو چاہیئے، کہ مسلمان بھائی اس کی امداد کرے۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا آپ اسے پہنیں گے؟ فرمایا، ہاں سفر، حضر میں، دن اور رات کو۔ کیونکہ مجھے ستر کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے موزوں تر اور کوئی چیز نہیں۔

بہرحال اتنی بات یقینی ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شلوار خرید فرمائی تھی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موزے:۔ ترمذی نے حضرت بریدہؓ سے روایت کی ہے، کہ شاہِ نجاشی نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو سادہ سیاہ رنگ کے موزے تحفتاً روانہ کیے۔ آپ نے پہنے، وضو کیا اور ان پر مسح کیا۔ اسی طرح مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ دحیہ الکلبی نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دو موزے بطور تحفہ بھیجے تھے، جنہیں آپ نے پہنا تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جوتے:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ آپ کے جوتے میں دو قبال تھے، اور قبال اس تسمے کو کہتے ہیں، جو دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے۔ عبید بن جریج سے روایت ہے، میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا، آپ سبتی جوتا کیوں پہنتے ہیں، انہوں نے جواب دیا، میں نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو ایسا جوتا پہنے دیکھا جس میں بال نہیں تھے، آپ انہی میں وضو کرتے تھے، میں بھی ویسے ہی جوتے پہننا پسند کرتا ہوں۔ عمرو بن حُریث سے روایت ہے، کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دو رنگے جوتوں میں نماز پڑھتے دیکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ جس حد تک آپ کا بس چلتا، چلنے، جوتا پہننے اور طہارت میں دائیں حصہ جسم کو ترجیح دیتے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں کی تمثیل کئی لوگوں کو مرغوب تھی، اس تمثیل کی خوبی، فائدے اور برکتوں کی مثالوں میں سے ایک وہ ہے، جسے ابو جعفر احمد بن عبدالمجید نے جو ایک صالح بزرگ تھے، بیان کیا ہے، کہ میں نے اس کی برکتوں کا ذکر بعض طلبہ سے کیا، چنانچہ وہ ایک دن آیا کہنے لگا کہ کل میں نے اس جوتے کی برکت کی ایک عجیب مثال مشاہدہ کی، کہ میری بیوی کو درد کا ایسا سخت دورہ پڑا، کہ مرنے کے قریب پہنچ گئی، میں نے جوتے کو درد کی جگہ پر رکھ کر دعا کی، کہ اے اللہ! تو مجھے اس جوتے کے مالک کی برکت کا مشاہدہ کرا۔ خدا نے اسے فوری شفا عطا کی۔ اسی طرح

کی ایک اور مثال ابو اسحاق سلمی اندلسی نے جو ابن الحاج کے نام سے مشہور ہیں بیان کی ہے، وہ راوی ہیں، کہ ابوالقاسم بن محمد نے بتایا، کہ یہ بات آزمائی ہوئی ہے، کہ جس نے بھی اس طرح کا جوتا اپنے پاس رکھا وہ باغیوں کے شر اور دشمن کی عداوت سے نیز سرکش شیطان کی شیطنت اور حاسد کی نظر بد سے محفوظ رہا۔ اور اگر حاملہ عورت اسے اپنے دائیں ہاتھ میں تھام رکھے، اور شدید دردِ زہ میں مبتلا ہو، اللہ اس کی مشکل کو آسان کر دے گا۔ ابوبکر قرطبی نے کیا خوب کہا ہے :۔

(۱) وَ نَعْلٍ خَضَعْنَا هَيْبَةً لِبَهَائِهَا. وَاِنَّا مَتیٰ نَخْضَعُ لَهَا اَبَدًا نَعْلُوا

یہ وہ جوتا ہے، کہ جس کی ہیبت کے سامنے ہم سر تسلیم خم کرتے، اور ہم جب بھی اس کے سامنے سر جھکاتے ہیں، اس کے طفیل ابدی عروج حاصل کرتے ہیں۔

(۲) فَضَعْهَا عَلیٰ اَعْلَی الْمَفَارِقِ، اِنَّهَا حَقِیْقَتُهَا تَاجٌ وَصُوْرَتُهَا نَعْلٌ

اس (جوتے کو) کو اپنے سر کے اوپر رکھ، کیونکہ اگرچہ وہ دیکھنے کو جوتا ہے، لیکن دراصل وہ تاج ہے۔

(۳) بِاَخْمَصِ خَیْرِ الْخَلْقِ حَازَتْ مَزِیَّةً عَلَی التَّاجِ حَتّٰی بَاهَتِ الْمَفْرِقَ الرِّجْلُ

اس جوتے نے تاج پر اس ذات کی وجہ سے جو تمام مخلوق سے بہتر ہے، فضیلت حاصل کی، جو گرمسنہ شکم تھی تا آنکہ پاؤں کو سر پر فضیلت حاصل ہوگئی۔

(۴) طَرِیْقُ الْهُدیٰ عَنْهَا اسْتَنَارَتْ لِمُبْصِرٍ وَاِنَّ بِحَارَ الْجُوْدِ مِنْ فَیْضِهَا حَلُّوْا

ان جوتوں کی وجہ سے، دیکھنے والے کے سامنے ہدایت کا راستہ چمک اٹھا ہے اور اس کے فیض کے مقابلے میں فیاضی کے سمندر تحلیل ہو گئے ہیں (یا فیاضی کے سمندر اس کے فیض سے جاری ہو گئے ہیں)۔

(۵) سَلُوْنَا وَلٰکِنْ عَنْ سِوَاهَا فَاِنَّنَا نَهِیْمُ بِمَعْنَاهَا الْغَرِیْبِ وَمَا نَسْلُوْا

ہم اس کے بغیر (ہر چیز کو) بھول جاتے ہیں، لیکن جب ہم اس کے حیران کن

معنی (حقیقت) پر فریفتہ ہو جاتے ہیں، تو پھر نہیں بھولتے۔

(۶) فَمَا شَاقَنَا مُذْ رَاقَنَا رَسْمُ عِزِّهَا   حَمِيْمٌ وَلَا مَالٌ كَرِيْمٌ وَلَا نَسْلُ

جب سے ہم اس کی رسمی عزت پر فدا ہوئے ہیں، نہ تو کوئی دوست نہ کسی کی مالی فیاضی اور نہ عالی نسبی لبھا سکتی ہے۔

(۷) شِفَاءٌ لِذِي سُقْمٍ رِجَاءٌ لِبَائِسٍ   أَمَانٌ لِذِي خَوْفٍ كَذَا يُحْسَبُ الْفَضْلُ

یہ بیمار کی شفا ہے اور مایوس کی امید ہے، اور ڈرنے والے کے لیے امن کا پیغام ہے، انہی باتوں سے فضیلت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر:-

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلئے بستر سے اتنا کچھ ہی لیا، جتنا کہ آپ کو ضرورت تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بستر جس پر آپ آرام فرماتے تھے، ایک گدا تھا، جس میں کھجور کے پتے ڈالے گئے تھے (بخاری و مسلم، بیہقی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں، کہ انصار کی ایک عورت مجھ سے ملنے آئی، اس نے دیکھا، کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا بستر دری کا ایک ٹکڑا ہے، اس نے مجھے ایک گدا بھیجا جس میں اون پڑی ہوئی تھی۔ اتنے میں آپ تشریف لے آئے، پوچھا "عائشہ یہ کیا ہے" میں نے کہا، "یا رسول اللہ! فلاں انصاری عورت آئی تھی، اس نے آپ کا بستر دیکھا، تو (گھر جا کر) یہ بھیج دیا" فرمایا عائشہ واپس کر دو، بخدا اگر میں خواہش کروں، تو وہ میرے ساتھ سونے چاندی کے پہاڑ چلا دے" طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ایک بالاخانے میں تھے جو حمام کی طرح گرم تھا اور آپ ایک چٹائی پر دراز تھے۔ اور اس کے نشانات جسم رسول پر نمایاں تھے۔ میں رونے لگ پڑا، فرمایا، "عبد اللہ! کیوں رو رہے ہو؟" میں

نے کہا، "یارسول اللہ! قیصر اور کسریٰ تو ریشم دیبا اور حریر کو پاؤں تلے روند رہے ہیں اور آپ اس چٹائی پر دراز ہیں جس کے نشانات آپ کے پہلو میں نمایاں ہیں۔" فرمایا، "رہو مت، ان کے لیے دنیا ہے اور ہمارے لیے آخرت۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ چٹائی پر آرام فرما رہے تھے، میں بیٹھ گیا، آپ نے چادر اوڑھ رکھی تھی، اس کے علاوہ جسم مبارک پر اور کچھ نہ تھا، اور چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو میں نمایاں تھے۔ اور ایک لٹکتے تھیلے میں مٹھی بھر جَو کے ستو تھے۔ میری آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ فرمایا، "عمر! کیوں رو رہے ہیں" عرض کیا، "یارسول اللہ! کیوں نہ روؤں، اس چٹائی کے نشانِ آپ کے جسم پر نمایاں ہیں اور یہ ہے آپ کا توشہ خانہ، جس میں مجھے وہی کچھ دکھائی دے رہا ہے جو اس میں ہے، اور ادھر قیصر و کسریٰ ہیں جو عیش و عشرت میں بسر کر رہے ہیں، آپ اللہ کے برگزیدہ نبی ہیں اور یہ ہے آپ کی کل متاع۔" فرمایا، "عمر! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ہمارے لیے آخرت ہو اور ان کے لیے دنیا۔ صحیح مسلم میں آپ کے الفاظ بایں انداز مذکور ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی اور ایک بالاخانے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ایک کھجور کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور جسم مبارک کا کچھ حصہ مٹی پر تھا۔ آپ کے سر کے نیچے تکیہ تھا، جس میں کھجور کے پتے تھے، اور آپ کے سر کے اوپر کچے چمڑے کا ایک تھیلا تھا، اور بالاخانے کے ایک کونے میں کیکر کی چھال رکھی تھی۔ میں نے السلام علیکم کہا اور بیٹھ گیا۔ عرض کیا، "یارسول اللہ! آپ اللہ کے برگزیدہ نبی ہیں۔ مگر قیصر و کسریٰ سونے کے تختوں اور دیباؤ حریر کے فرش پر آرام کر رہے ہیں۔" فرمایا "عمر! وہ لوگ ہیں، کہ دنیا ہی میں انہیں مسرتیں عطا کر دی گئی ہیں اور وہ جلدی ختم ہو جائیں گی اور ہم وہ لوگ ہیں، کہ ہماری مسرتیں دوسری دنیا تک مؤخر کر دی گئی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چارپائی بردی کے پتوں سے بُنی ہوئی تھی اور اس پر ایک سیاہ رنگ کی دُہری چادر بچھی ہوئی تھی، جس میں ہم نے بردی کے پتے بھر رکھے تھے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما آگئے، آپ سوئے ہوئے تھے۔ جب انہیں دیکھا، سیدھے ہو کر بیٹھ گئے انہوں نے دیکھا، کہ چارپائی کے نشان آپ کے جسم پر نمایاں تھے۔ کہنے لگے "یارسول اللہ! کیا آپ کے بستر اور چارپائی کا کھردرا پن آپ کو تکلیف نہیں دیتا۔ حالانکہ قیصر و کسریٰ دیبا اور حریر کے بستروں پر محوِ استراحت ہیں" فرمایا، ایسا مت کہو، کیونکہ ان کے بستر جہنم کی آگ میں ہیں اور میرا بستر اور پلنگ آخر کار جنت میں ہوگا۔ (ابنِ حبان)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی بستر اور پلنگ کی پرواہ نہیں کی۔ اگر میسر آگیا فبہا ورنہ زمین پر لیٹ جاتے۔ آپ (سردیوں میں) لحاف اوڑھتے تھے۔ آپ نے فرمایا میں جب بھی ان خواتین کے ساتھ لحاف میں ہوتا ہوں، تو جبریل نہیں آتے، ہاں! عائشہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

حصّۂ سوم

حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے طور و اطوار دربارۂ ازدواجِ خود

آپ نے فرمایا، مجھے تمہاری دنیا سے عورتیں اور خوشبو پسند ہے، اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے لوگوں سے چار چیزوں میں فضیلت حاصل ہے۔ جوانمردی، شجاعت، کثرتِ

جماع اور شدتِ گرفت. حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رات کے ایک گھنٹے میں تمام ازواج کے پاس جاتے تھے. جب کہ ان کی تعداد گیارہ تھی. حضرت قتادہ راوی ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیا آپ میں اتنی طاقت تھی، انہوں نے کہا، ہم آپس میں کہا کرتے کہ آپ میں تیس آدمیوں کی طاقت تھی، (بخاری) طاؤس اور مجاہد سے مروی ہے کہ آپ کو جماع میں چالیس آدمیوں کی طاقت حاصل تھی۔ اور مجاہد کی ایک روایت میں مذکور ہے، کہ آپ کو چالیس سے کچھ زیادہ جنتی آدمیوں کی طاقت دی گئی تھی۔ (بہ روایت حارث بن اسامہ) اور امام احمد، زید بن ارقم سے راوی ہیں، کہ جنت کے ایک آدمی کو سو آدمیوں جتنی کھانے پینے اور جماع کی طاقت دی جائے گی. صفوان بن سلیم سے روایت ہے، آپ نے فرمایا، کہ جبریل میرے پاس ایک ہنڈیا لائے جس سے میں نے کھایا، اور مجھے جماع میں چالیس آدمیوں کی طاقت مل گئی۔ (ابنِ سعد) جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان لوگوں سے تھے، جنہیں جماع کی اتنی زیادہ طاقت حاصل تھی، تو آپ کو اتنی زیادہ خواتین سے نکاح کی اجازت دی گئی، جتنی کسی اور کو نہیں دی گئی. حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، تم نکاح کیے جاؤ، کیونکہ اس امت میں بہتر آدمی وہی ہے، جس کی بیویاں زیادہ ہیں. رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی مثال سے یہی بات واضح ہوتی ہے۔

حصۂ چہارم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیند کے بارے میں

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اوّلِ شب کو سو جاتے اور آدھی رات کے بعد جلدی ہی جاگ اٹھتے، مسواک کرکے وضو کرتے، اور ضرورت سے زیادہ نیند نہیں کرتے تھے.

اور جتنی ضرورت ہوتی اس سے اپنے آپ کو محروم نہ رکھتے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دائیں پہلو پر ذکرِ خدا کے بعد سو جاتے، تا آنکہ آپ کی آنکھیں بند ہو جاتیں مگر اپنے پیٹ کو کھانے پینے کی اشیاء سے (بے تحاشا) نہ بھرتے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر کبھی چمڑے پر کبھی چٹائی پر اور کبھی زمین پر لیٹ جاتے۔ آپ کا بستر ایک گدا تھا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوتے۔ نیز آپ کا بستر کھردرا تھا۔ جب حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم بستر پر لیٹتے، اپنی ہتھیلی دائیں گال کے نیچے رکھتے اور فرماتے، اے خدا تو مجھے اپنے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ جب آپ رات کو آرام فرماتے، تو دائیں پہلو پر لیٹ جاتے، اور جب طلوعِ صبح سے پہلے لیٹتے تو اپنا بازو کھڑا کر کے سر کو ہتھیلی پر رکھ دیتے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں، جب آپ سو جاتے، تو سانس کی آواز آتی رہتی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ جب آپ بستر پر لیٹتے تو فرماتے بِاسْمِکَ اَللّٰھُمَّ اَمُوْتُ وَاَحْیَا۔ حضرت عائشہ راوی ہیں کہ حضور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو جوڑ کر قل ھو اللہ۔ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے اور ان پر پھونکتے اور پھر جہاں تک آپ کے ہاتھ پہنچ سکتے، جسم پر پھیرتے، ابتدا سر اور منہ سے فرماتے اور اسی طرح اپنے جسم کے اگلے حصے پر۔ اور تین دفعہ ایسا کرتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم بستر پر لیٹتے تو فرماتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَکَفَانَا وَآوَانَا فَکَمْ مِمَّنْ لَا کَافِیَ لَہٗ وَلَا مُؤْوِیَ (ترمذی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سوتیں اور دل نہیں سوتا تھا۔ (بخاری) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں ذکر کیا ہے جب انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا، کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں۔

بابِ چہارم

حضورِ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان معجزات کے بارے میں جو آپ کی نبوّت اور رسالت کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں، اور نیز آپ کی ان مخصوص علامات اور عجیب وغریب کرامات کے بارے میں جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے مختص ہیں، اور یہ دو فصلوں پر مشتمل ہے۔

فصلِ اوّل

اس فصل میں آپ کے معجزات کا ذکر ہے: تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ کی نبوّت کی دلیلیں کافی ہیں، اور آپ سے ظہورِ معجزات کی خبریں مشہور ہیں۔ چنانچہ توریت، انجیل اور باقی آسمانی کتابوں میں بھی آپ کا ذکر اور اوصاف اور نیز عرب سے آپ کا ظہور مذکور ہے۔ نیز وہ حیران کن واقعات جو آپ کی ولادت اور بعثت سے پہلے ظہور پذیر ہوئے، جنہوں نے کفر کے غلبے کو توڑا اور کفار کی شان وشوکت کو کمزور کر دیا، عربوں کی عظمت کی تائید کی اور ان کے ذکر کو شہرت بخشی، مثلاً اصحابِ فیل کا قصہ اور اللہ کا وہ عذاب جو اصحابِ فیل پر نازل ہوا۔ نیز آتشکدۂ فارس کی آگ کا بجھ جانا، ایوانِ کسریٰ کے کنگروں کا گرنا، ساوہ کی جھیل کا خشک ہونا، پارسی علماء کے خواب اور غیب کی وہ پُراسرار آوازیں جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے سنی گئیں۔ نیز ان اصنام

کا جن کی پرستش کی جاتی تھی، خود بخود منہ کے بل اوندھے گر پڑنا اور نیز وہ مشہور و عجیب واقعات جو آپ کی ولادت، بچپن اور اس کے بعد کے وہ حالات جو آپ کی بعثت تک وقتاً فوقتاً پیش آتے رہے حالانکہ نہ تو آپ کے پاس مال و متاع تھا کہ لالچ کی وجہ سے لوگوں کے دل آپ کی طرف مائل ہوں، نہ قوت تھی، تاکہ لوگ خوف کھائیں اور نہ کوئی ایسی امدادی جماعت ہی موجود تھی، جو آپ کی رائے یا اس دین کی، جس کی طرف آپ بلا رہے ہیں، تائید کرے۔ یہ لوگ بتوں کی پرستش اور ازلام (وہ تیر جن سے یہ لوگ فال لیتے تھے) کی تعظیم پر متفق تھے۔ اور دورِ جاہلیت کے قاعدے کے ماتحت تعصب، حمیت، عداوت، بغاوت، خوں ریزی اور لوٹ مار پر پورے استقلال سے ڈٹے ہوئے تھے، چنانچہ نہ تو الفتِ دین انہیں متحد کر سکتی اور نہ عاقبت کا خوف اور عذاب کا ڈر ہی انہیں بداعمالیوں سے روک سکتا تھا۔ بہرحال رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ان کے دلوں کو جوڑا، ان کے اختلافات کو مٹایا، تا آنکہ ان کے خیالات میں اتفاق پیدا ہو گیا، دل متحد ہو گئے ایک دوسرے کی مساعی میں شریک ہو گئے اور وہ یوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معاونت میں یک جان اور آپ کی اطاعت میں ایک فرد بن گئے۔ ان لوگوں نے اپنے گھر بار کو چھوڑ دیا اور آپ کی محبت میں قبیلے اور کنبے کو ترک کر دیا، دل و جان سے آپ کی امداد کی، اور آپ کے حکم کی لاج رکھنے کے لیے انہوں نے اپنے سینوں پر دشمن کی تلواروں کے وار سہے۔ حالانکہ نہ تو آپ کے پاس دنیا تھی، جسے آپ نے ان کے سامنے کھول کر رکھ دیا ہو، نہ مال تھا، جسے آپ نے ان پر نچھاور کیا ہو، اور نہ کوئی ایسی غرض ہی تھی، جسے فی الفور پورا کرنے کا آپ نے انہیں لالچ دلایا ہو۔ یا مہماتِ دنیا سے کوئی ایسا کام پیش آیا ہو، جس نے انہیں پریشان کر رکھا ہو۔ بلکہ الٹا یہ آپ کی شان تھی، کہ آپ کے دین میں شامل ہو کر غنی فقیر ہو جاتا اور شریف (فی الوقت) ذلیل سمجھا جاتا۔ کیا جس ذاتِ مقدس کے طور طریقے ایسے ہوں، وہ از روئے عقل و خرد ان

چیزوں میں ایسا جوڑ پیدا کر سکتا ہے، یا ایسا مجموعۂ واقعات اسے پیش آسکتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا، اور جس کی خاطر یہ تمام وقائع وقوع پذیر ہوئے، ایسا نہیں ہو سکتا اور کسی عقلمند آدمی کو بھی اس بارے میں شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ یہ خدائی حکم ہے، اور غالب آسمانی عمل ہے، جو معمولاتِ زندگی کے خلاف ہے اور جہاں تک انسانی عقل کو رسائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور ان پر اسی ذات کو قدرت حاصل ہے، جو خالق اور امر کا مالک ہے، اور رب العالمین کی شان اعلیٰ اور ارفع ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل :- یہ حقیقت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے اور اپنے ہاتھ سے لکھ نہیں سکتے تھے۔ آپ ان پڑھوں کی قوم میں پیدا ہوئے اور ان میں ہی تربیت پائی اور وہاں کوئی ایسا عالم جو عہدِ گزشتہ کے حالات سے باخبر ہو، موجود نہیں تھا، اور نہ سفر کر کے آپ نے کسی ایسے پڑھے لکھے آدمی کے پاس جا کر زانوئے تلمذ تہ کیا، جو آپ کو ان حالات سے آگاہ کرتا۔ آپ نے ان لوگوں کو توریت، انجیل اور گزشتہ امتوں کے حالات بتائے، حالانکہ ان کتابوں کے نام مٹ گئے تھے اور وہ امورِ دفترِ پارینہ ہو گئے تھے اور ان میں تحریف کر دی گئی تھی، اور جو لوگ ابھی تک ان کتابوں سے چمٹے ہوئے تھے اور جنہیں صحیح و غلط بات کا علم تھا ان کی تعداد تھوڑی تھی، پھر اقوامِ مخالفہ کے ہر فریق نے اس طریقے سے آپ کا دفاع کیا، کہ اگر فاضل کلامی علماء اور لائق نقاد حیلہ گر جمع بھی ہو جاتے، تو اس کا توڑ نہ کر سکتے۔ اور یہ حقیقت اس امر کی بہترین دلیل ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت خدائی عطیہ ہے۔

قرآنِ حکیم خود حضورِ اکرم کی نبوت کی دلیل ہے :- اعجازِ قرآن نے مخالفین کو ایسا اکسایا اور انہیں

معارضے کی دعوت دی، اور فرمایا، اس جیسی ایک سورت تصنیف کر کے لاؤ تو۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ اور اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر رہے۔ بعض علماء کی رائے ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ عرب کے سامنے جو کلام پیش کیا اور جس کی مثال وہ پیش نہ کر سکے، وہ احیائے موتی، مادر زاد اندھوں اور لولے لنگڑے لوگوں کی شفایابی سے کہیں زیادہ واضح اور روشن دلیل ہے۔ کیونکہ قرآن نے ان فصیح اور بلیغ اہلِ زبان لوگوں کے سامنے ایسا کلام پیش کیا، جس کے مفہوم کو وہ سمجھ سکتے تھے، چنانچہ انہیں اپنی بے بسی پر اس سے زیادہ حیرت ہوئی، جتنی کہ ان لوگوں کو ہوئی تھی، جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو مُردے زندہ کرتے دیکھا تھا، کیونکہ انہیں نہ تو مُردوں کو زندہ کرنے اور نہ اندھوں اور کوڑھیوں کی شفا میں دلچسپی تھی، اور نہ انہیں اس کا علم ہی تھا۔ بخلاف ایں، قریش کلام فصیح، بلاغت اور خطابت کو جانتے تھے۔ پس اس سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ اس معاملے میں ان کا عجز اس بنا پر تھا، کہ آپ کی نبوت اور رسالت کی حقیقت واضح ہو جائے۔ چنانچہ یہ ایک حتمی دلیل اور واضح حجت ہے۔ ابو سلیمان خطابی فرماتے ہیں، "حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد کے عقل مند ترین انسان تھے، بلکہ خدا کی مخلوق میں مطلقاً عاقل ترین انسان تھے۔ اور جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو پہلے ہی بتا دیا تھا آپ کو یقین تھا کہ وہ اس کی مثال نہیں لا سکیں گے (فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا)[۱] اگر آپ کو اس بات کا علم نہ ہوتا، کہ یہ قرآن خدائے غیب داں کی طرف سے اتارا جا رہا ہے اور جو کچھ آپ کو بتایا جا رہا ہے، وہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا، تو آپ کی عقل کسی ایسی چیز کے متعلق، جو فی ذاتہٖ ممکن الوقوع ہے، یہ کہنے کی جرأت نہ کرتی، کہ ایسا نہیں ہوگا۔" ایسے معاملات میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے، یہ اس کی نہایت عمدہ اور واضح مثال ہے۔ کیونکہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے معارضے سے پہلے ان کے عجز اور نارسائی کا ڈنکے کی چوٹ اعلان کر دیا تھا، اور نیز صاف صاف کہہ دیا تھا، کہ ان میں سے کوئی شخص بھی

---

[۱] بقرہ ۲۴

باوجود فراوانی ادعا اور شدید جد و جہد کے اس منزل کے قریب بھی نہیں پھٹک سکے گا۔ اور انہیں جن باتوں کا علم تھا، آپ کو ان کا علم تھا (قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ، لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا)[۵۱] چونکہ وہ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، اس لیے ان کی سرکش ہمتیں اور باغی طبیعتیں خوں ریزی اور قطع رحمی پر آمادہ ہوگئیں۔

بعض ایسے واقعات بھی ہیں، کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ایسے مشرکین کے سامنے جو فصیح و بلیغ تھے، قرآنِ حکیم کی بعض آیات تلاوت فرمائیں، اور انہوں نے اعجازِ قرآن کا اقرار کیا۔ مثلاً حضرت محمد بن کعب راوی ہیں، کہ مجھے بتایا گیا، کہ ایک دن عتبہ بن ربیعہ قریش کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد الحرام میں اکیلے تھے۔ کہنے لگا، اے قریش! کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ میں اس آدمی (رسولِ کریم) کے پاس جاؤں اور بعض باتیں اس کے سامنے پیش کروں، ممکن ہے، وہ بعض باتیں مان لے اور ہمارے خلاف زبان درازی سے رک جائے۔ قریش نے کہا درست ہے۔ چنانچہ عتبہ اٹھ کر رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پاس گیا، آپ سے بات چیت کی اور آپ کو مال وغیرہ کی پیشکش کی۔ جب وہ بات کہہ چکا، تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابوالولید! تم اپنی بات کہہ چکے۔ کہنے لگا ہاں، فرمایا، اب میری بات سنو۔ آپ نے تلاوت شروع کی:۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ حٰمٓ۔ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ۔[۵۲] آپ پڑھتے چلے گئے، جب عتبہ نے سنا تو متوجہ ہوگیا اور اپنے دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے رکھ کر ان پر سہارا لیا اور سننے لگ گیا، تاآنکہ آپ نے آیتِ سجدہ پر پہنچ کر سجدہ کیا۔ پھر عتبہ سے مخاطب ہو کر دریافت کیا، ابوالولید! سنا تم نے؟ کہنے لگا "ہاں محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) سنا، اچھا آپ اپنا مشن جاری رکھیں" عتبہ اٹھ کر اپنے احباب کی طرف چل دیا۔ وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے

---

۵۱ الاسراء : ۸۸
۵۲ السجدہ : ۱-۳

لگے، "بخدا ولید جو منہ لے کر گیا تھا، اس سے مختلف منہ لیے واپس آرہا ہے۔" جب بیٹھ چکا، انہوں نے پوچھا "ابوالولید کہو، تمہاری ملاقات کیسی رہی" کہنے لگا، "بخدا میں نے ایسا کلام سنا ہے، کہ اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا، وہ نہ شعر ہے نہ جادو ہے نہ کہانت ہے۔ اے قریش! میری بات مان لو اور اس آدمی اور اس کے کاروبار سے کوئی تعلق نہ رکھو، کیونکہ جو کلام میں نے اس سے سنا ہے مجھے ڈر ہے، کہ اس کا انجام کوئی عظیم واقعہ نہ ہو، اس پر اس نے جو جواب دیا، وہ نہ تو شعر تھا، نہ سحر تھا، نہ کہانت تھی۔ چنانچہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ آیت پڑھی :- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ حٰمٓ۔ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ چنانچہ جب وہ اس آیت (فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ[1]) پر پہنچا، تو میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور رحم کی درخواست کی کہ وہ رک جائے، اور تم جانتے ہو، کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی چیز کہتا ہے، تو غلط نہیں کہتا، چنانچہ میں ڈر گیا کہ کہیں تم پر عذاب نازل نہ ہو جائے۔ (بیہقی وغیرہ)

ولید بن مغیرہ کے واقعے میں جو قریش کا فصیح سردار تھا، عکرمہ سے مروی ہے، اس نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے قرآنِ پاک سنانے کی درخواست کی۔ آپ نے پڑھا :- اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ[2] - آیت کے آخر تک۔ ولید نے کہا، پھر پڑھیے، آپ نے پھر پڑھا، کہنے لگا، "بخدا اس میں ایک خاص لذت اور کشش ہے اور بلاشبہ اس کا اعلیٰ حصہ مفید اور ادنیٰ حصہ معانی سے لبریز ہے اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔" پھر اپنی قوم سے کہنے لگا، کہ تم میں مجھ سے بڑھ کر کوئی شعر فہم نہیں، اور نہ کوئی ایسا ہے، جو بہتر رجز جانتا ہو، یا جنوں کے اشعار کا مجھ سے زیادہ عالم ہو، کیونکہ جو کچھ وہ کہتا ہے، وہ ان میں سے کسی سے بھی میل نہیں کھاتا بلکہ جو کچھ وہ کہتا ہے، اس میں ایک خاص مزہ

---

[1] السجدہ : ۱۴ [2] نحل : ۹۰

اور لطف ہے، اور اس کا اعلیٰ پر از نفع اور ادنیٰ تر و تازہ ہے اور بلاشبہ وہ کلام سب سے بہتر ہے اور کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اسی طرح ایک دوسرے واقعے میں مذکور ہے، کہ جب قریش موسم حج میں جمع ہوئے اور وفود کا آنا جانا شروع ہو گیا، تو ولید نے کہا، کہ اس بارے میں کوئی متفقہ فیصلہ کر لو، تاکہ تم ایک دوسرے کی تکذیب نہ کرتے پھرو۔ قریش کہنے لگے، ہم کہیں گے یہ شخص کاہن ہے، ولید نے کہا، بخدا وہ کاہن نہیں، کیونکہ اس کا زمزمہ اور سجع ویسا نہیں۔ کہنے لگے، مجنون (دیوانہ) کہیں گے۔ وہ دیوانہ بھی نہیں، کیونکہ اس میں دیوانوں والی سوک ہے نہ توہمات ہیں۔ اچھا شاعر کہہ دیں گے، بخدا وہ شاعر بھی نہیں، کیونکہ میں شعر کی ہر قسم سے، رجز ہو یا ہجو، قریضہ (باہم دگر شعر پڑھنا) ہو یا بسوطہ (مسرت انگیز) یا مقبوضہ۔ (پریشان کن) ہو، اچھی طرح واقف ہوں۔ وہ کہنے لگے، ہم کہیں گے، وہ جادوگر ہے ولید نے کہا، وہ جادوگر بھی نہیں، کیونکہ اس میں نہ جادوگروں کی پھونکیں ہیں نہ گرہیں ہیں۔ انہوں نے دریافت کیا، پھر ہم کیا کہیں؟ اس نے کہا، تم ان باتوں میں سے جو کچھ بھی کہو گے، میں اتنا جانتا ہوں، وہ غلط ہے (ابن اسحاق اور بیہقی)۔

جب بنو سلمہ کے نوجوان طبقے نے اسلام قبول کیا، تو عمرو بن الجموح نے اپنے بیٹے سے دریافت کیا، جو کچھ تو نے اس آدمی (رسولِ اکرم) کا کلام سنا، وہ مجھے بھی سنا۔ اس نے سورۂ فاتحہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ تک پڑھ کر سنائی۔ کہنے لگا، کتنا عمدہ اور دلچسپ کلام ہے۔ کیا سارا کلام ہی ایسا ہے۔ کہنے لگا، ابا! اس سے بھی بہتر ہے۔ ان میں سے کسی نے کہا، اگر یہ قرآن پاک لکھ کر کسی غیر آباد زمین میں رکھ دیا جائے، اور کسی کو رکھنے والے کا پتہ نہ ہو تو فطرت سلیم خود اس بات کی شہادت دے گی کہ وہ خدا کی طرف سے اتارا گیا ہے، اور کسی انسان میں ایسا کلام تصنیف کرنے کی قدرت نہیں ہے۔ لیکن جب یہ قرآن کریم دنیا کے سب سے سچے، متقی اور نیک انسان پر اتارا گیا

ہو، تو اس وقت صورتِ حال کیا ہو گی۔ وہ شخص کہنے لگا، بلاشبہ یہ خدا کا کلام ہے۔ تمام دنیا کو اس کی مثال لانے پر اکسایا گیا، چنانچہ وہ عاجز آ گئے۔ ان حالات میں اس پر کیا شبہ ہو سکتا ہے، قرآنِ حکیم فرماتا ہے :۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا[۱]۔ پس رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے زمانے میں اور نیز اس کے بعد بھی کوئی شخص ویسا کلام جو نظم، ترتیب، شیرینیٔ گفتار، صحتِ معانی، نیز امثال اور ان مباحث میں جن کا تعلق حشر و نشر، اخبارِ غیب، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، خونریزی سے روکنے اور صلہ رحمی وغیرہ سے ہے نہ پیش کر سکا جب عرب کے فصیح و بلیغ خطیب اور شعرا بھی ایسا کلام نہ پیش کر سکے، تو ایک عام آدمی ایک ایسا کلام کیسے پیش کر سکتا ہے، حالانکہ پیش از نبوت اعطائے رسالت چالیس سال کے عرصے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی کوئی کلام تصنیف نہیں فرمایا، نہ کوئی شعر پڑھا، نہ کوئی واقعہ سنایا، نہ کوئی روایت بیان کی، تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نزولِ وحی اور کتابِ مفصل سے مشرف فرمایا۔ پس آپ نے انہیں قرآنِ پاک کی طرف بلایا اور اس سے اپنی نبوت پر دلیل پیش کی۔ قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے :۔ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَلَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ[۲]۔ اس بارے میں قرآنِ پاک ایک اور جگہ فرماتا ہے :۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ[۳]۔

بہرحال قرآنِ حکیم میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جن معجزات کا از قسم اجرائے آب از انگشتہائے دست اور ازدیادیٔ طعام، شق قمر اور نطق احجار وغیرہ، جن میں سے بعض بر بنائے تحدی وقوع پذیر ہوئیں، اور بعض بطور دلیل نبوت، جو آپ کی صداقت کی شاہد تھیں، ظاہر ہوئیں۔ اس سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے، کہ حضور

---

[۱] الاسراء : ۸۸ [۲] یونس : ۱۶ [۳] عنکبوت : ۴۸

کے ہاتھوں سے کثیر تعداد میں خوارق عادات اور معجزات ظاہر ہوئے اور کثیر العدد راویوں نے انہیں بیان کیا۔ اور اگر تم رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے معجزات اور روشن علامات اور کرامات پر غور کرو، تو دیکھو گے، کہ وہ عالم علوی و سفلی، خاموش اور ناطق ساکن اور متحرک، مائع اور جامد، گزشتہ اور آئندہ، غائب اور حاضر، باطن اور ظاہر، عاجل اور آجل سب پر حاوی ہیں۔ اگر شمار کیا جائے، تو بات بڑھ جائے گی۔ مثلاً شہابِ ثاقب کا چھوٹنا، شیطانوں کو چھپ چھپ کر باتیں سننے سے روکنا، درختوں اور پتھروں کا بولنا اور آپ کی نبوت پر ان کی شہادت اور آپ سے ان کا تخاطب آپ کی سیادت کے متعلق، اور ستون کا رونا اور آپ کی انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا۔ شق قمر، اندھے کی بینائی کا لوٹ آنا، اونٹ اور بھیڑیے کا بول اٹھنا اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے والد ماجد تک اجداد کی پیشانیوں میں متوارث نور کا ظہور وغیرہ ایسے معجزات ہیں جنہیں راوی متواتر بیان کرتے آئے ہیں، کہ اگر ہم خود ان کے شمار میں لگ جاتے، تو ان کے ذکر میں ہماری زندگیاں ختم ہو جاتیں، اور اگر تمام دنیا والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب کی گنتی میں لگ جاتے، تو وہ نوازشات کے ذکر سے جو خدا نے آپ کو عطا کی ہیں، عاجز آ جاتے۔ یہ ایک ایسا باب ہے، جس کی وسعتوں کا احاطہ کرنا اور جس کی منزل کو پا لینا مشکل ہے، تاہم میں ان میں سے چند امور کا ذکر کرتا ہوں۔

معجزۂ شق قمر:۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ[1] ۔ اس آیت سے مراد وقوع شق قمر ہے اس کے بعد مذکور ہے، وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ[2]۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیئے، کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے علاوہ اور کسی کے لیے بھی شق قمر نہیں ہوا۔ اور یہ آپ کا نہایت اہم معجزہ ہے، اور تمام مفسرین اور علمائے اہل السنت

---

[1] قمر: ۱ [2] قمر: ۲

اس امر پر متفق ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ معجزہ وقوع پذیر ہوا۔ کیونکہ جب کفارِ مکہ نے آپ کی تکذیب کی اور تصدیق سے انکار کیا، تو انہوں نے آپ سے ایسی دلیل مانگی، جو آپ کے دعوے کی تصدیق کرے، اس پر خدا نے آپ کو یہ عظیم علامت عطا کی جس کی ایجاد پر کسی انسان کا بس نہیں چل سکتا اور جو خدا کی وحدانیت اور آپ کی صداقت کا ثبوت ہے۔ علامہ خطابی لکھتے ہیں کہ شقِ قمر ایک ایسا معجزہ ہے، کہ باقی انبیاء کے معجزوں میں سے کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا ظہور اس آسمانی دنیا میں ہوا ہے، جو اس دنیا سے جو عناصر سے مرکب ہے، مختلف ہے۔ جہاں تک کسی طریقے سے بھی رسائی ممکن نہیں۔ اسی لیے اسے واضح ترین دلیل کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں شقِ قمر ہوا، تو مشرکین کہنے لگے، یہ ابن ابی کبشہ کا جادو ہے، اس لیے باہر سے آنے والے مسافروں کا انتظار کرو، کیونکہ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) سب لوگوں کی نظر بندی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ لوگ سفر سے لوٹے تو انہوں نے واقعہ کی تصدیق کی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں، کہ مشرکینِ مکّہ، جن میں ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عاص بن وائل، اسود بن مُطّلب، نضر بن حارث اور اسی قماش کے اور لوگ شامل تھے، جمع ہو کر آئے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے، اگر آپ سچے ہیں، تو چاند کے دو ٹکڑے کر دیجئے۔ آپ نے دعا کی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ (ابونعیم) امام بخاری نے مختصراً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے، کہ اہلِ مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، کہ ہمیں کوئی معجزہ دکھایئے، آپ نے انہیں چاند کو دو ٹکڑے کر کے یوں دکھایا، کہ ان کے درمیان غارِ حرا کا نقشہ ابھر آیا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور

ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے عہد میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر تھا، اور دوسرا اس سے پرے۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، گواہ رہیو۔ ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے، اقتربت الساعۃ وانشق القمر۔ کے بارے میں مذکور ہے، کہ یہ واقعہ آپ کے عہد میں ہوا، ایک حصہ پہاڑ کے اوپر تھا اور ایک پہاڑ کے پیچھے۔ اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اب گواہ رہیو۔ امام احمد، جبیر بن مطعم سے راوی ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے، ایک اس پہاڑ پر اور ایک اس پہاڑ پر۔ کفار کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہماری نظر بندی کر لی ہے، پھر کہنے لگے، کہ ہم پر تو جادو ہو سکتا ہے لیکن سب پر تو نہیں ہو سکتا۔

علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں، کہ شق قمر کا واقعہ، صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے اور اسی طرح ان سے تابعین نے اور ان سے ایک جم غفیر نے نقل کیا، تا آنکہ نوبت ہم تک پہنچ گئی جس کی تائید یہ آیت کرتی ہے۔ علامہ ابن السبکی نے المختصر کی شرح میں بیان کیا ہے کہ میری رائے میں شق قمر کا واقعہ متواتر کی ذیل میں آتا ہے، جس پر قرآن کی نص وارد ہوئی ہے اور جو بخاری اور مسلم کے علاوہ اور کتب حدیث میں اتنے مختلف طریقوں سے مذکور ہے، کہ اس کے تواتر میں کوئی شبہ نہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج کا لوٹنا:۔ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول کریم پر وحی کا نزول ہو رہا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گود میں آپ نے سر رکھا ہوا تھا، انہوں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی، اور اس اثنا میں سورج غروب ہو گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا، علی! تم نے عصر کی نماز پڑھی ہے، انہوں نے کہا، نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی، اے خدا! یہ (علی)، تیری اور تیرے

رسول کی اطاعت میں مصروف تھا، اس لیے سورج کو لوٹا دے۔ اسمار راوی ہیں، کہ میں نے سورج کو غروب ہوتے دیکھا تھا، پھر میں نے اسے بعد از غروب طلوع ہوتے دیکھا اور اس کی کرنیں پہاڑوں پر اور زمین پر پڑیں۔ یہ واقعہ جنگ خیبر کے دوران میں بمقام صہبار پیش آیا۔ قاضی عیاض نے کتاب الشفا میں امام طحاوی سے روایت کیا ہے اور اس (اسما) سے طبرانی نے معجم الکبیر میں بیان کیا ہے اور اسی طرح ابن مندہ اور ابن شاہین اور ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اخذ کیا اور طبرانی نے معجم الاوسط میں بہ سند حسن حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے، کہ آپ نے سورج کو حکم دیا اور وہ تھوڑی دیر کے لیے رک گیا۔ قاضی عیاض، ابن اسحاق سے راوی ہیں کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج ہوئی، تو آپ نے اپنی قوم کو کاروانیوں کا اور ایک کاروان تجارت کے نام ونشان کا ذکر کیا۔ انہوں نے پوچھا، قافلہ کب پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا، بدھ وار کو۔ جب وہ دن آیا، تو قریش کی آنکھیں انتظار میں ادھر لگ گئیں، دن ختم ہو گیا، اور کاروان نہ آیا۔ آپ نے دعا فرمائی، اور دن کے وقت میں ایک گھنٹے کا اضافہ کر دیا گیا، اور سورج کو روک دیا گیا۔ اسی طرح روایت میں ہے، کہ خندق کے دن بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج کو روک دیا گیا تھا، کیونکہ رسول کریم کی عصر کی نماز قضا ہو گئی تھی۔ اس بنار پر سورج کا رکنا ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور یوشع علیہ السلام سے مخصوص ہے۔ جیسا کہ قاضی عیاض نے الاکمال میں بیان کیا ہے۔ جس سے امام نووی اور حافظ ابن حجر نے نقل کیا، اور تصدیق کی۔

جمادات نے حضور اکرم کا حکم مانا اور گفتگو کی:۔ اس کے بارے میں کئی واقعات مذکور ہیں۔ مثلاً یہ کہ طعام اور کنکر آپ کے ہاتھ میں بول اٹھے۔ حضرت ابوذر کی حدیث میں ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات کنکریاں اٹھائیں جو آپ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنے لگ گئیں۔ چنانچہ میں نے

بھی ان کی آواز سنی، پھر آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی پر رکھیں، وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر، اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر رکھیں اور وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں (بزاز و طبرانی) طبرانی کی روایت میں ہے کہ اس حلقے میں موجود سب لوگوں نے ان کی آواز سنی۔ پھر آپ نے وہ کنکر ہمارے حوالے کیے، لیکن انہوں نے پھر تسبیح نہیں پڑھی۔ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے امام بخاری نے تخریج کی ہے، حضرت ابن مسعود راوی ہیں، کہ ہم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے اور کھانے کی تسبیح سن رہے تھے

جعفر بن محمد اپنے والد سے راوی ہیں، کہ جب رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم بیمار ہوئے، تو جبریل علیہ السلام ایک تھال، جس میں انار اور انگور رکھے تھے، لائے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پھل کھائے اور تسبیح پڑھی۔ قاضی عیاض نے یہ روایت الشفا میں بیان کی ہے۔ اسی طرح پتھر کا سلام کہنا بھی ثابت ہے۔ امام مسلم نے جابر بن سمرہ کی حدیث سے تخریج کی ہے، وہ راوی ہیں، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، کہ میں اب بھی مکے میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں، جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کہا کرتا تھا۔ پتھر کے بارے میں اختلاف ہے، بعض اس سے حجرِ اسود اور بعض اس سے وہ پتھر مراد لیتے ہیں، جو ایک گلی میں واقع تھا، اور جسے چھونے سے لوگ طالبِ برکت ہوتے تھے، اور کہتے کہ یہ وہی پتھر ہے، جو گزرتے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام کہا کرتا تھا۔ ترمذی وغیرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے راوی ہیں، کہ میں مکے میں آپ کے ساتھ چلتا پھرتا تھا۔ ایک دفعہ ہم مکے کے اطراف میں گھومتے پھرتے تھے، چنانچہ جس درخت یا پتھر کے پاس سے گزرتے، وہ آپ سے السلام علیک یا رسول اللہ کہہ کر مخاطب ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے راوی ہیں، کہ جب جبریل نے مجھے رسالت پیش کی، میں جس درخت یا پتھر کے پاس سے گزرتا، وہ مجھے السلام

علیک یارسول اللہ سے مخاطب ہوتا۔ (بزاز اور ابونعیم) چنانچہ آپ کی دعا پر گھر کے دروازوں اور دیواروں کا آمین کہنا اسی ذیل میں آتا ہے۔ ابواسید الساعدی سے مذکور ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا، چچا جان! کل صبح آپ اور آپ کے بیٹے میرے آنے تک گھر سے باہر نہ جائیں۔ وہ منتظر رہے، تاآنکہ آپ بعد از چاشت تشریف لائے، اور السلام علیکم کہا اور خیریت دریافت فرمائی۔ انہوں نے جوابِ سلام کے بعد حسبِ معمول عرض کیا، کہ گھر میں ہر طرح سے خیریت ہے، فرمایا، میرے قریب آجاؤ اور اچھی طرح جُڑ کر بیٹھو۔ جب وہ اچھی طرح اکٹھے ہو کر بیٹھ چکے، تو انہیں چادر اوڑھا دی، فرمایا، اے اللہ یہ میرا چچا ہے اور یہ لوگ میرے چچا کی اولاد ہیں، یہ سب میرے اہلِ بیت ہیں، تو انہیں اس طرح آگ سے بچا اور محفوظ رکھ، جس طرح کہ میں نے انہیں اس چادر میں چھپا لیا ہے اس پر گھر کے در و دیوار سے آمین آمین کی آوازیں آئیں۔ (بیہقی وغیرہ) اسی طرح پہاڑ سے آپ کی گفتگو اسی ذیل میں آتی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ ایک دن آپ حضرت ابوبکر، عمر اور عثمانِ غنی رضی اللہ عنہم کے ساتھ اُحد پہاڑ پر کھڑے تھے، کہ پہاڑ کانپنے لگا، آپ نے زور سے پاؤں مار کر فرمایا، اے اُحد پہاڑ! مت کانپ، کیونکہ تیری پشت پر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں (بخاری) احد مدینے کے پہاڑ کا نام ہے اور اسی کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا، اُحد ہمیں چاہتا ہے اور ہم اسے چاہتے ہیں۔ اسی طرح جبل ثبیر اور جبلِ حرا کے بارے میں جو مکے میں ہیں، کئی قصے مذکور ہیں۔ جب قریشِ مکہ آپ کی تلاش میں نکلے تو جبل ثبیر نے آپ سے کہا، آپ مجھ میں اتر آیئے، مجھے ڈر ہے کہ مبادا کفار آپ کو میری حدود میں قتل کر دیں اور خدا مجھے سزا دے۔ یہی بات آپ سے کوہِ حرا نے کہی۔ یہ دونوں پہاڑ ایک دوسرے کے آمنے سامنے واقع ہیں اور درمیان میں ایک وادی ہے۔

اسی طرح آپ سے درختوں کا خطاب، سلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا ماننا بھی اسی ذیل میں آتا ہے، جب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم پر وحی کا نزول ہوا، تو آپ جس درخت اور پتھر کے پاس سے گزرتے، وہ آپ کو السلام علیک یارسول اللہ کہتا۔ امام احمد نے طلحہ بن نافع سے تخریج کی ہے، کہ ایک دفعہ جبریل علیہ السلام حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسی حالت میں حاضر ہوئے، کہ آپ مغموم بیٹھے تھے اور اہلِ مکہ کی ایذا رسانی سے، آپ کے کپڑے خون آلود تھے۔ انہوں نے اس کی وجہ دریافت کی، تو رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، یہ اہلِ مکہ کی کارستانی ہے، جبریل کہنے لگے، کیا آپ چاہتے ہیں، کہ میں خدائی قدرت کا کوئی اعجوبہ آپ کو دکھاؤں! فرمایا، دکھاؤ، جبریل علیہ السلام نے وادی کے دوسرے سرے پر ایک درخت کو دیکھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہنے لگے، کہ اسے بلائیے، آپ نے بلایا تو درخت چلتا ہوا آپ کے سامنے آکھڑا ہوا۔ پھر جبریل نے کہا، اسے حکم دیجئے کہ واپس اپنے مقام پر چلا جائے، چنانچہ آپ نے حکم دیا اور وہ واپس چلا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بس بس اتنا ہی کافی ہے۔ حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تخریج کی ہے وہ راوی ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، کہ سامنے سے ایک بدو نکل آیا، جب وہ قریب آیا، تو آپ نے پوچھا، کہاں جا رہے ہو، کہنے لگا، اہل وعیال کے پاس۔ فرمایا، کیا تیرے بھلے کی ایک بات کہوں، کہنے لگا، وہ کیا ہے، فرمایا، "تم شہادت دو، کہ خدا واحد لاشریک ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔" اس نے کہا، "جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں، اس کا، آپ کے پاس کیا ثبوت ہے۔" فرمایا، "یہ درخت گواہ ہے" آپ نے اسے جو وادی کے ایک کنارے پر تھا، بلایا، چنانچہ وہ زمین کو چیرتا اور پھاڑتا آپ کے سامنے آکھڑا ہوا اور تین دفعہ کلمۂ شہادت پڑھا اور پھر واپس اپنی جگہ پر جا کھڑا ہوا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک بدو نے رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے

کہا اپنی نبوت کی کوئی شہادت پیش کیجئے۔ آپ نے کہا، اس درخت سے کہا کہو، کہ تمہیں رسول اللہ بلاتے ہیں۔ بدو نے درخت سے کہا، تو درخت اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے جھوما، پھر اس نے اپنی جڑیں اکھیڑیں اور زمین کو چیرتا پھاڑتا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکھڑا ہوا، اور السلام علیک یارسول اللہ کہا، آپ نے بدو سے کہا اب درخت کو کہو، کہ واپس چلا جائے، درخت مڑا، اور اپنے مقام پر جڑیں زمین میں گاڑ دیں اور ڈٹ کر کھڑا ہو گیا۔ بدو کہنے لگا، مجھے اجازت دیجئے، کہ میں آپ کو سجدہ کروں۔ فرمایا، اگر میں کسی شخص کو خدا کے بغیر کسی اور کو سجدے کی اجازت دے سکتا، تو عورت کو حکم دیتا، کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (قاضی عیاض)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ ایک بدو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا، کہ میں کیسے سمجھ لوں، کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا، اگر میں کھجور کی اس ٹہنی کو اپنے پاس بلا لوں، تو کیا تو میری رسالت کی شہادت دے گا۔ چنانچہ آپ نے بلایا وہ ٹہنی درخت سے اتری اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آگری۔ پھر حکم دیا، کہ واپس لوٹ جاؤ، چنانچہ وہ لوٹ گئی اور بدو مسلمان ہو گیا۔ (ترمذی نے اس روایت کی تصحیح کی ہے۔ یعلی بن مرّہ ثقفی کی حدیث میں ہے کہ ہم روانہ ہوئے، اور ایک مقام پر پہنچے، جہاں رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سو گئے۔ اتنے میں ایک درخت زمین کو چیرتا پھاڑتا آیا، آپ کو ڈھانپ لیا اور پھر اپنی جگہ پر لوٹ گیا۔ جب آپ جاگے، تو میں نے اس کا ذکر آپ سے کیا، فرمایا، اس درخت نے خدا سے مجھے سلام کہنے کی اجازت طلب کی تھی۔ جو اسے مل گئی (بغوی نے یہ واقعہ شرح السنۃ میں بیان کیا ہے)

امام مسلم نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک وادی (جو افیح میں تھی) اترے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قضائے حاجت کے لیے روانہ ہوئے، اور میں پانی کا برتن لیے ساتھ تھا۔ آپ نے دیکھا، کہ آڑ کے لیے

کوئی چیز نہ تھی، دُور کنارے پر دو درخت کھڑے تھے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کے پاس گئے، اس درخت کی ایک شاخ پکڑ کر فرمایا، کہ تو اللہ کے حکم سے میرے ساتھ چل، چنانچہ اس اونٹ کی طرح جو اپنے مالک کے پیچھے چلتا ہے، وہ آپ کے ساتھ چل پڑا، پھر دوسرے درخت کے ساتھ بھی آپ نے ایسا ہی کیا۔ جب درمیان میں پہنچے، تو حکم دیا، کہ جڑ جاؤ، چنانچہ دونوں درخت جُڑ گئے (اور آڑ بن گئی)

ستونِ مسجد کی آہ وزاری :- ستونِ مسجد کی آہ وزاری (جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت میں اس سے سرزد ہوئی)

بھی اسی ذیل میں آتی ہے، اور یہ نبوت کی نشانیوں سے ایک بڑی نشانی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے ایک بڑا معجزہ ہے جو آپ کی نبوت پر دلالت کرتا ہے امام شافعی فرماتے ہیں، کہ خدا نے کسی نبی کو وہ کچھ عطا نہیں کیا، جو ہمارے نبی کو عطا کیا۔ ان سے پوچھا گیا، کہ عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔ انہوں نے کہا، محمّد رسول اللہ کو ستون کی آہ وزاری عطا کی، جس کی آواز ہر آدمی نے سنی اور یہ اس سے بڑا معجزہ ہے۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ ستون کی آہ وزاری کی حدیث مشہور اور دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، اور یہ خبر متواتر ہے۔ اہلِ صحیح نے اس کی تخریج کی ہے اور کئی صحابہ سے یہ واقعہ مذکور ہے۔ ان میں ابی بن کعب، جابر بن عبداللہ، انس بن مالک، عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن عباس، سہل بن سعد، ابوسعید خدری، بریدہ، ام سلمہ اور مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں، قصّہ ایک ہی ہے اگرچہ الفاظ مختلف ہیں۔ اور وہ یوں ہے، کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کی چھت کھجور کے ستونوں پر ڈالی گئی تھی۔ جب حضورِ اکرم خطبہ دیتے، تو ایک ستون کا سہارا لے کر کھڑے ہو جاتے۔ بعدہٗ آپ کے لیے تین سیڑھیوں والا ایک منبر بنایا گیا، تاکہ جب آدمی زیادہ ہوں تو آپ کی آواز سنی جاسکے۔ جب حضور منبر پر بیٹھے، تو ستون سے آواز آئی پھٹا اور ٹوٹ گیا ایک روایت میں ہے، کہ ستون

نے چیخ ماری۔ آپ نیچے اترے، ستون کو سینے سے لگایا وہ بچے کی طرح سسکیاں لے لے کر رو رہا تھا، ایک روایت میں ہے، کہ ہمیں ستون کی آواز ایسی معلوم ہوئی، جیسے دودھ دینے والی اونٹنی بولتی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے، کہ اس ستون سے ایسی آواز آئی جیسی اس اونٹنی کی جس کا بچہ اس سے علیحدہ کر دیا گیا ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ لکڑی سے ایسی آواز سنی گئی، جیسی کہ ایک شیدائی کی آہ وزاری، وہ آہ وزاری کرتا رہا، تاآنکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر سے اترے، اس کی طرف چل کر گئے، اسے بھینچا اور وہ چپ ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے، کہ ستون حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غم میں بیل کی طرح ایسا ڈکارا، کہ مسجد کانپ گئی۔ آپ منبر سے اترے اور اسے بھینچا چنانچہ وہ خاموش ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، کہ اگر میں اسے نہ بھینچتا، تو وہ میرے غم میں اسی طرح قیامت تک ڈکارتا رہتا۔ آپ نے حکم دیا، کہ اسے دفن کر دیا جائے۔ بریدہ کی حدیث میں مذکور ہے آپ نے ستون سے دریافت فرمایا، کہ اگر تو چاہتا ہے تو میں تجھے اسی باغ میں واپس کر دیتا ہوں تیری جڑیں نکل آئیں گی اور تو پھر سے پورا درخت بن جائے گا، اور پتے اور پھل بھی اُگ آئے گا۔ اور اگر تیری خواہش ہو، تو تجھے جنت کے باغ میں لگا دیں گے اور اولیا، اللہ تیرا پھل کھائیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا کان ستون کے ساتھ لگایا، تاکہ اس کی بات سن سکیں۔ اس نے کہا، میں چاہتا ہوں، کہ آپ مجھے جنت میں گاڑ دیں تاکہ اولیا، اللہ میرا پھل کھائیں، اور اسی جگہ رہوں، جہاں کُہنگی میرے پاس نہ پھٹکے۔ جو لوگ قریب تھے، انہوں نے یہ گفتگو سنی۔ فرمایا ٹھیک ہے، اس ستون نے دار البقا کو دار فنا پر ترجیح دی۔ ستون کی آہ وزاری کی حدیث، صحابہ کی ایک جماعت نے مختلف طریقوں سے بیان کی ہے جس سے اس کی قطعیت ثابت ہوتی ہے۔ علامہ ابن السبکی لکھتے ہیں میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے، کہ ستون کی آہ وزاری کی حدیث تواتر کا درجہ رکھتی ہے

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں، کہ ستون کی آہ وزاری اور شق قمر کے بارے میں اس کثرت سے احادیث مذکور ہیں، کہ جو شخص بھی طرق حدیث سے واقف ہے، اس کے نزدیک اسے قطعیت کا درجہ حاصل ہے۔ علامہ بیہقی لکھتے ہیں، کہ ستون کی آہ وزاری کا قصہ ان ظاہری امور میں سے ہے، جو سلف سے خلف کو منتقل ہوئے ہیں۔ ابو القاسم بغوی رقمطراز ہیں، کہ جب بھی امام حسن رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرتے، تو رونے لگ جاتے۔ پھر کہتے اے لوگو! کہ ایک لکڑی بوجہ اس تقرب کے جو رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو خدا سے حاصل تھا، شوق سے رونے لگ گئی، تمہیں تو آپ سے زیادہ الفت اور لگاؤ ہونا چاہیئے۔

حضورِ اکرم سے جانوروں کی گفتگو اور فرماں برداری :- اس ضمن میں اونٹ کا سجدہ اور آپ سے اس کی شکایت

سنیئے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ انصار میں ایک خاندان ایسا تھا، جن کے پاس ایک اونٹ تھا، جس سے وہ کھیتی کو پانی دیتے تھے۔ چنانچہ وہ ان کے خلاف بپھر گیا اور کام کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، کہنے لگے، یا رسول اللہ! ہمارے پاس ایک اونٹ تھا، جس سے ہم کھیتی باڑی کو پانی دیتے تھے، وہ بپھر گیا ہے اور محنت سے انکاری ہے، باغ اور کھیتی پیاسے ہیں، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے صحابہ سے فرمایا، اٹھو، چلیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام باغ میں داخل ہوئے اونٹ ایک طرف کھڑا تھا، آپ اس کی طرف چل دیئے۔ انصاری نے کہا، یا رسول اللہ! اسے کتے کی طرح ہلکاؤ ہو گیا ہے اور ہم اس کے شر سے ڈرتے ہیں۔ فرمایا، مجھے اس سے کوئی ڈر نہیں۔ جب اونٹ نے آپ کو دیکھا، تو ادھر کو آیا، اور آپ کے سامنے سجدے میں گر پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑ لیا، اور ایسا تابعدار ہو گیا، کہ پہلے کبھی بھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ آپ نے اسے کام پر لگا دیا۔ صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ یہ ایک ناسمجھ حیوان ہے آپ کو سجدہ کرتا ہے، ہم عاقل ہونے کی

بنا، پر کیوں نہ آپ کو سجدہ کریں۔ فرمایا کسی آدمی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ آدمی کو سجدہ کرے اگر یہ بات درست ہوتی، تو میں عورت کو حکم دیتا، کہ وہ بربنائے فوقیت حقوق خاوند کو سجدہ کرے۔ (احمد اور نسائی) یعلی بن مرہ ثقفی کی حدیث میں مذکور ہے۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے، کہ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے، جو ایک کھیتی کو پانی پلا رہا تھا جب اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تو بلبلایا، اور گردن زمین پہ رکھ دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس کھڑے ہو گئے، فرمایا اس کا مالک کہاں ہے؟ جب وہ آیا، فرمایا، یہ اونٹ مجھے بیچ دو۔ اس نے کہا، ہم یہ اونٹ بطور ہبہ پیش کرتے ہیں، کیونکہ جن لوگوں کا یہ اونٹ ہے، ان کا ذریعۂ معاش اور کچھ نہیں۔ فرمایا اب تم نے اس بات کا ذکر کیا ہے، مگر اس نے شکایت کی ہے، کہ اس سے زیادہ کام لیا جاتا ہے اور گھاس کم کھلائی جاتی ہے۔ اس لیے اس سے اچھا سلوک کرو۔ (بغوی نے شرح السنۃ میں بیان کیا) ابن شاہین نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے، وہاں ایک اونٹ تھا۔ جب آپ کو دیکھا، تو بلبلایا اور آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قریب گئے، اور اس کو کانوں کے پاس تھپکی دی۔ تو وہ خاموش ہو گیا۔ دریافت فرمایا۔ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ تو انصار کا ایک جوان سامنے آیا۔ اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ یہ میرا ہے۔ کیا تو اس جانور کے بارے میں جس کی ملکیت خدا نے تجھے دی ہے، خدا سے نہیں ڈرتا۔ کیونکہ اس نے شکایت کی ہے، کہ تو اسے بھوکا رکھتا ہے اور اسے تنگ کرتا ہے۔

بکری نے رسول اکرم کو سجدہ کیا:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے، اور حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی ساتھ تھے۔ وہاں ایک بکری تھی، جس نے آپ کو سجدہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ! اس

بکری سے زیادہ ہمیں آپ کے سجدے کا استحقاق ہے۔ فرمایا کسی آدمی کو زیب نہیں دیتا، کہ وہ کسی اور انسان کو سجدہ کرے۔ قاضی عیاض نے کتاب الشفا میں لکھا ہے کہ ایک شخص حاضر خدمت ہوکر ایمان لایا، وہ خیبر کے بعض قلعوں میں لوگوں کی بکریاں چراتا تھا، عرض کیا، یارسول اللہ! میں ان بکریوں کا کیا کروں۔ فرمایا، ان کے منہ اپنے گھروں کی طرف موڑ دو، اس طرح خدا تیری اس امانت کو ادا کر دے گا اور بکریاں اپنے اپنے گھروں میں پہنچ جائیں گی۔ اس نے تعمیل کی اور تمام بکریاں اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئیں۔

بھیڑیے نے حضور اکرم کے متعلق گفتگو کی:۔ اکثر صحابہ نے جن میں ابوسعید خدری بھی شامل ہیں بیان کیا کہ ایک بھیڑیے نے بھیڑ پر حملہ کرکے اسے دبوچ لیا۔ گڈریے نے تعاقب کرکے اسے پکڑ لیا اور بھیڑ چھین لی۔ وہ پچھلی ٹانگوں پر بیٹھ گیا، کہنے لگا، کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا کہ مجھ سے میرا رزق جو خدا نے مجھ تک پہنچایا ہے، چھینتا ہے، گڈریا کہنے لگا، حیرت ہے، کہ ایک بھیڑیا انسانوں کی طرح باتیں کر رہا ہے، بھیڑیا کہنے لگا، میں تمہیں اس سے عجیب تر بات بتاؤں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں لوگوں کو گزشتہ عہد کی باتیں بتا رہے ہیں۔ اس پر گڈریا، بکریوں اور بھیڑوں کو ہانکتا مدینے جا پہنچا۔ اور انہیں ایک طرف کونے میں روک دیا۔ پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر واقعہ بیان کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ الصلوٰۃ جامعۃٌ کی منادی کی جائے۔ اب بدو کو حکم دیا، کہ ان لوگوں کو وہ واقعہ سناؤ اس نے تعمیل حکم کی (امام احمد) قاضی عیاض لکھتے ہیں، کہ بعض طریقوں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ بھیڑیے نے بدو سے کہا، مجھے تم پر تعجب ہے، کہ تو اپنی بھیڑ بکریوں کو تو جانتا ہے، لیکن اس نبی سے ناواقف ہے، جس سے عظیم المرتبت انسان اور کوئی نہیں آیا جس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور اہل جنت آپ کے صحابہ کو جو مصروف جہاد ہیں، دیکھ رہے ہیں اور تمہارے اور اس کے درمیان صرف یہ درّہ حائل ہے، وہاں تو اللہ کے

لشکر میں شامل ہو جائے گا۔ گڈریا کہنے لگا۔ میرے ریوڑ کی حفاظت کون کرے گا بھیڑیے نے کہا، تمہاری واپسی تک میں انہیں چراتا رہوں گا۔ گڈریے نے اپنا ریوڑ اس کے سپرد کیا اور چل دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ واقعہ اور اپنے اسلام لانے کا قصہ سنایا اور نیز بتایا کہ وہ جہاد میں شرکت کے لیے آیا ہے۔ آپ نے فرمایا، تم اپنے ریوڑ کی طرف لوٹ جاؤ، ان کی تعداد بڑھ گئی ہے، چنانچہ جب وہ آیا، تو بات ٹھیک نکلی۔ اور اس نے بھیڑیے کے لیے ایک بکری ذبح کی اور اسے کھلائی)

سعید بن منصور حضرت ابو ہریرہ سے راوی ہیں، کہ ایک بھیڑیا آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا، اور دم ہلانے لگ گیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، یہ بھیڑیوں کی طرف سے بطور وفد آیا ہے، اور اس لیے آیا ہے، کہ تم اپنے مال میں سے انہیں بھی کچھ دو صحابہ نے کہا، بخدا ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے، ایک آدمی نے پتھر اٹھایا اور بھیڑیے کو دے مارا وہ چیختا چلاتا بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ نے فرمایا: الذئب! وما الذہب! ابن وہب راوی ہیں، کہ ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ نے ایک بھیڑیے کو دیکھا، کہ اس نے ایک ہرن کو پکڑا مگر وہ بھاگ کر حدودِ حرم میں گھس گیا۔ اس پر بھیڑیے نے اسے چھوڑ دیا یہ دیکھ کر وہ حیران ہوئے، بھیڑیا کہنے لگا، اس سے بھی عجیب تر یہ امر ہے کہ محمد بن عبداللہ تمہیں مدینے میں جنت کی طرف بلاتے ہیں اور تم اسے آگ کی طرف بلاتے ہو۔ ابوسفیان نے کہا، لات اور عزیٰ کی قسم! اگر تم یہ بات مکے میں کہتے، تو وہاں فساد اٹھ کھڑا ہوتا۔

گوہ کا واقعہ:- قاضی عیاض، کتاب الشفا میں لکھتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے، کہ بنو سلیم کا ایک بدو آیا، جس نے ایک گوہ شکار کی تھی، جسے اس نے آستین میں چھپا رکھا تھا، تاکہ گھر جا کر بھون کر کھائے گا۔ جب اس نے لوگوں کو دیکھا تو پوچھا، کہ یہ آدمی کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا، اللہ کے رسول ہیں، اس نے آستین

سے گوہ نکالی، کہنے لگا، اگر یہ گوہ ایمان لے آئی تو میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا۔ بدو نے گوہ آپ کے سامنے پھینک دی۔ آپ نے گوہ سے خطاب کیا :۔ اے گوہ! (اس پر اس نے واضح زبان میں جو سب سُن رہے تھے) کہا، لبیک وسعدیک یازین من وافی القیامۃ۔ آپ نے دریافت فرمایا، "تو کس کی عبادت کرتی ہے؟" عرض کیا "اس خدا کی، جس کا عرش آسمانوں میں، حکومت زمین پر، راستہ سمندر میں، رحمت جنت میں اور عذاب آگ میں ہے" پھر دریافت فرمایا "میں کون ہوں؟" کہا "آپ رب العالمین کے رسول اور خاتم النبیین ہیں جس نے آپ کی تصدیق کی، وہ نجات پا گیا اور جس نے تکذیب کی وہ ناکام ہوا" بدو مسلمان ہو گیا۔

ہرنی کا واقعہ :۔ حدیث کے اکثر اماموں نے مختلف طریقوں سے جن سے ایک دوسرے کو تقویت حاصل ہوتی ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے، کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحرا میں تھے کہ آپ نے ایک ہاتف کو تین دفعہ یارسول اللہ کہتے سنا۔ آپ نے دیکھا، کہ ایک ہرنی ایک کمرے میں بندھی ہوئی ہے اور ایک بدو چادر اوڑھے دھوپ میں سو رہا ہے۔ ہرنی سے پوچھا، "مجھ سے تیرا کیا کام ہے؟" کہنے لگی، "اس بدو نے مجھے پھانس لیا ہے اور اس پہاڑ میں میرے دو بچے ہیں۔ مجھے آزاد کیجئے، تاکہ میں انہیں دودھ پلاؤں اور پھر لوٹ آؤں" دریافت فرمایا، "کیا تو وعدہ پورا کرے گی" کہنے لگی، خدا مجھے عشر جمع کرنے والوں کا سا عذاب دے اگر میں واپس نہ آؤں۔ آپ نے اسے آزاد کر دیا، وہ گئی، واپس آگئی اور آپ نے اسے باندھ دیا۔ بدو جاگ اٹھا، پوچھا، "یارسول اللہ! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" فرمایا، اس ہرنی کو چھوڑ دو۔ اس نے تعمیل کی، ہرنی خوشی سے بھاگتی تھی، اور پاؤں زمین پر مارتے ہوئے کلمۂ شہادت پڑھتی جاتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں، کہ ہمارے پاس ایک پالتو جانور تھا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے گھر تشریف لاتے،

تو یہ آرام سے بیٹھا رہتا، نہ آتا نہ جاتا۔ جب آپ تشریف لے جاتے تو پھر بھاگنا دوڑنا شروع کر دیتا۔ (الشفا)

حضورِ اکرم کی انگلیوں سے صاف پانی کا بہہ نکلنا:-

یہ متبرک ترین پانی تھا صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے جن میں حضرت انس، جابر، ابن مسعود اور ابن عباس شامل ہیں، یہ احادیث بیان کی ہیں۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ نمازِ عصر کا وقت آگیا، اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے لیے بعد از تلاش صحابہ وضو کا پانی لائے۔ آپ نے اپنا ہاتھ برتن کے اندر رکھ دیا اور لوگوں کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے اور اطراف سے پانی بہہ رہا تھا۔ تا آنکہ سب نے وضو کر لیا۔ راوی نے حضرت انس سے دریافت کیا، "تمہاری تعداد کتنی تھی"، جواب دیا تین سو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ میں غزوۂ تبوک میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہماری سواریاں اور اونٹ پیاسے ہیں، فرمایا، کیا کسی کے پاس کچھ بچا کھچا پانی ہے؟ ایک آدمی ایک پرانی مشک میں تھوڑا سا پانی لایا۔ فرمایا اسے ایک بڑے پیالے میں انڈیل دو۔ اس نے انڈیلا اور آپ نے اپنا ہاتھ پانی میں ڈالا، میں نے دیکھا، کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے کی طرح پانی ابل ابل کر نکل رہا ہے۔ ہم نے اپنی سواریوں اور اونٹوں کو پلایا اور برتن بھر لیے۔ اس پر آپ نے دریافت فرمایا "کیا تمہاری تسلی ہو گئی ہے؟" ہم نے کہا، "ہاں یا رسول اللہ" آپ نے ہاتھ ہٹا لیا۔ اور پانی بند ہو گیا۔ (ابن شاہین)

امام بیہقی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ مقام قبا گئے ایک گھر سے آپ کو چھوٹا سا پیالہ پیش کیا گیا، آپ نے ہاتھ ڈالا لیکن پورا ہاتھ سما نہ سکا چنانچہ آپ نے انگوٹھے کے بغیر چار انگلیاں ڈالیں۔ میں نے دیکھا، کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان

سے پانی بہہ رہا ہے اور لوگ اس چشمے (پیالے) سے پی رہے تھے اور سیراب ہو رہے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیحین کے علاوہ اور کتب میں بایں انداز مذکور ہے۔ کہ حدیبیہ کے موقعہ پر ہمیں پیاس لگی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چھوٹا سا برتن تھا جس سے آپ وضو کر رہے تھے۔ سب فریاد کناں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دوڑے دریافت فرمایا، کیا بات ہے۔ عرض کیا، یارسول اللہ! سوائے اس تھوڑے سے پانی کے جو آپ کے پاس ہے، نہ پینے کو پانی دستیاب ہے نہ وضو کو۔ آپ نے ہاتھ برتن میں ڈالا، تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی یوں جوش مار کر نکلا جس طرح چشمہ ہوتا ہے۔ ہم نے سیر ہو کر پیا اور وضو بھی کیا۔ راوی نے دریافت کیا، تم کتنے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا (اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے، تو کافی ہوتا) ہم پندرہ سو تھے۔

غزوۂ بواط کے سلسلے میں امام مسلم نے ایک لمبی حدیث بیان کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وضو کا اعلان کرو۔ اور حدیث تمام ما بیان کی۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک پرانی مشک میں چند قطرات کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس لائی گئی، آپ نے ٹٹولا، اور کوئی ایسی بات کہی، جسے میں نہ سمجھ سکا۔ پھر فرمایا، بڑا برتن (ٹب)، لاؤ، میں اٹھا لایا۔ اور آپ کے سامنے رکھ دیا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کھول کر ٹب کے اندر رکھ دیا، انگلیاں پھیلا دیں، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پانی انڈیلا۔ آپ نے بسم اللہ پڑھی، میں نے پانی کو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے ابلتے دیکھا۔ پھر ٹب میں پانی نے جوش مارا، اور بھرنے لگا، تا آنکہ وہ بھر گیا۔ لوگوں کو پینے کا حکم دیا چنانچہ پی کر سیراب ہو گئے۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا، آیا کوئی ایسا بھی ہے، جسے مزید پانی کی ضرورت ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا لیا، اور ٹب لبالب بھرا ہوا تھا۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں مذکور ہے، کہ ایک دفعہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور پانی نہیں تھا، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، پوچھو اگر کسی آدمی کے پاس زائد پانی ہو۔ آپ کے پاس پانی لایا گیا، جسے آپ نے ایک برتن میں انڈیل دیا، پھر ہاتھ اس میں ڈالا، چنانچہ پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ پڑا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور پانی مانگا۔ انہوں نے کہا، بخدا یا رسول اللہ، پانی نہیں مل سکا۔ پوچھا، کیا کسی کے پاس پرانی مشک ہے، ایک مشک لائی گئی، آپ نے ہاتھ پھیلا کر اس میں ڈال دیا اور آپ کے ہاتھ کے نیچے سے پانی کا چشمہ پھوٹ بہا۔ چنانچہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ پی رہے تھے اور باقی لوگ وضو کر رہے تھے۔ (دارمی وغیرہ)

امام قرطبی لکھتے ہیں، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا ایسا واقعہ ہے جو مختلف مواقع پر ظہور پذیر ہوا ہے، اور ایک ایسا عظیم مشاہدہ ہے، جو مختلف طریقوں سے مذکور ہے جس سے مجموعی طور پر اس واقعہ کے بارے میں قطعی علم حاصل ہوتا ہے، جو تواترِ معنوی کی ذیل میں آتا ہے۔ اور جس کا وقوع رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی سے منسوب نہیں۔ کیونکہ آپ کے اعصاب، گوشت اور خون کے درمیان سے پانی کا پھوٹ بہا تھا۔ المزنی کا قول ہے، کہ آپ کی انگلیوں سے پانی کا پھوٹ بہنا، پتھر سے پانی کے پھوٹ بہنے سے عظیم تر معجزہ ہے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر کو عصا مار کر پانی جاری کر دیا تھا۔ کیونکہ پتھروں سے پانی کا اجرا معمول کے مطابق ہے۔ بخلاف اس کے آپ کے گوشت اور خون سے پانی کا اجرا آپ کی برکت، چھونے اور دعا کا کرشمہ ہے۔

امام مسلم نے صحیح مسلم میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کل انشاء اللہ تم تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے، مگر تم وہاں چاشت

سے پہلے نہیں پہنچ سکو گے، تم میں سے جو شخص بھی وہاں پہنچے، میرے آنے سے پہلے پانی کو نہ چھوئے۔ ہم دوسرے دن پہنچے، تو دو آدمی پہلے پہنچ چکے تھے۔ چشمہ جوتے کے تسمے کی طرح تھا، جس سے تھوڑا تھوڑا پانی نکل رہا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا آیا تم نے اس پانی کو چھوا ہے، انہوں نے کہا، ہاں، پھر آپ نے ان سے رنج کا اظہار کیا، پھر انہوں نے چشمے سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ پیے، پھر تھوڑا سا پانی اکٹھا ہو گیا، اس سے آپ نے اپنا منہ اور ہاتھ دھوئے اور پھر اس پانی کو چشمے میں ڈال دیا، اس پر چشمے سے بے شمار پانی جاری ہو پڑا۔ لوگوں نے اس سے پیاس بجھائی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا، اے معاذ! اگر خدا نے تجھے طویل زندگی عطا کی، تو تُو اس چشمے کے ارد گرد باغات اور آبادی دیکھے گا۔ قاضی عیاض نے الشفا میں لکھا، کہ پانی سے اس طرح کی آواز نکلی جیسی کہ بجلی کی کڑک۔

صحیح بخاری میں غزوۂ حدیبیہ کے بارے میں مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے کہ وہ حدیبیہ کے ایک کنارے پر اترے، وہاں ایک کم آب چشمہ تھا، جس سے لوگ پیتے تو پانی ختم ہو جاتا۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاس کی شکایت کی۔ آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور حکم دیا، کہ اسے چشمے میں ڈالو۔ بخدا جب وہ لوگ پانی پینے کے لیے آتے، تو سیراب ہو کر لوٹتے۔ ایک روایت میں ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وضو فرمایا، کلی کی اور حدیبیہ کے چشمے میں کلی کا پانی ڈالا، چنانچہ چشمہ پھوٹ بہا۔ اور حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آب کش میں وضو فرمایا، کلی کی اور پانی اس میں ڈالا اور حکم دیا، کہ وہ پانی کنوئیں میں انڈیل دیا جائے نیز ترکش سے ایک تیر نکالا کنوئیں میں پھینکا اور دعا فرمائی، پانی نے ایسا جوش مارا کہ وہ لوگ جو اس کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے چلّو سے پانی پی رہے تھے۔

صحیحین میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، لوگوں نے پیاس کی شکایت کی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اتر پڑے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور ابو رجاء رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ جاؤ اور پانی کو تلاش کرو۔ وہ چل پڑے۔ راستے میں ایک عورت ملی، جو پانی کی دو مشکیں اٹھائے لا رہی تھی۔ وہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، اور اونٹ سے اترنے کو کہا آپ نے ایک برتن منگوایا جس میں مشکوں کے منہ کھول کر رکھ دیئے اور اعلان فرما دیا، کہ پیو اور پلاؤ، جس نے پینا تھا، پیا اور جس نے پلانا تھا، پلایا۔ وہ عورت کھڑی دیکھ رہی تھی، کہ اس کے پانی سے کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔ بخدا پانی اس عورت سے لے لیا گیا تھا۔ لیکن ہمیں صاف نظر آ رہا تھا، کہ اس کی مشکیں پہلے سے بھی زیادہ پانی سے لبالب بھری ہوئی ہیں۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، کہ اس خاتون کے لیے کھجوریں، آٹا اور ستو جمع کرو، چنانچہ تعمیل ہوئی، یہ سب کچھ ایک کپڑے میں باندھ کر اونٹ پر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا، تُو نے دیکھ لیا، کہ ہم نے تیرے پانی میں کوئی کمی نہیں کی، بلکہ خدا نے ہمیں سیراب کیا ہے۔ وہ عورت اپنے قبیلے میں پہنچی، کہنے لگی مجھے راستے میں دو آدمی ملے، جو مجھے اس آدمی کے پاس جو صابی کے نام سے مشہور ہے، لے گئے جس سے یہ عمل ظہور پذیر ہُوا۔ بخدا یہ شخص سب سے بڑا جادوگر ہے اور وہ یقیناً خدا کا سچا پیغمبر ہے چنانچہ وہ مع اپنی قوم کے مسلمان ہو گئی۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبے میں فرمایا، آج آخر روز اور رات کو تم چلتے رہو گے، تو کل صبح پانی کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے، لوگ بغیر اِدھر اُدھر دیکھے چل پڑے، رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم بھی سفر کرتے چلے آئے تاآنکہ رات ختم ہو گئی۔ آپ راستے سے ایک طرف ہٹ کر پڑ رہے اور فرمایا، نماز کا خیال رکھنا۔ سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی بیدار ہوئے اور سورج کافی نکل آیا تھا، فرمایا سوار ہو جاؤ، ہم چل پڑے، جب سورج کافی اوپر آ گیا، آپ اتر پڑے اور مشکیزہ جس میں

تھوڑا سا پانی تھا، طلب فرمایا۔ آپ نے وضو کیا اور جو کچھ پانی بچ رہا، فرمایا اسے سنبھال کر رکھنا جلدی ہی اس کی ضرورت پڑ جائے گی۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کی اذان دی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں ادا کیں پھر صبح کی نماز پڑھی اور سوار ہوئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ چل دیئے، ہم نے لوگوں کو راہ میں جا لیا، دن گرم ہو گیا تھا اور ہر چیز تپ گئی تھی، سب لوگ پکار اٹھے یارسول اللہ ہم پیاس سے مر چلے ہیں، فرمایا گھبراؤ مت، آپ نے مشکیزہ طلب فرمایا اور اس سے پانی انڈیلا اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو پانی پلانے لگ گئے، جب لوگوں نے مشکیزے میں پانی دیکھا تو اس پر ٹوٹ پڑے، فرمایا، حوصلے سے کام لو، یہ سب کو سیراب کر دے گا۔ وہ سنبھل گئے، چنانچہ آپ پانی کو انڈیل رہے تھے اور پلا رہے تھے، آخر میرے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر اور کوئی آدمی باقی نہ رہا۔ فرمایا تم پی لو۔ میں نے عرض کیا، آپ کے بغیر نہیں پیوں گا۔ فرمایا، ساقی کو سب سے آخر میں پینا چاہیئے، چنانچہ میں نے پیا اور پھر آپ نے پیا۔ (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں سخت قحط پڑا ایک جمعے کو آپ خطبہ دے رہے تھے، ایک بدو نے اٹھ کر کہا، "یارسول اللہ! جانور مر گئے ہیں اور بال بچے بھوکوں مر رہے ہیں، ہمارے لیے خدا سے دعا مانگیے" آپ نے ہاتھ اٹھائے اور آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ بخدا ابھی آپ ہاتھ نیچے نہیں لائے تھے، کہ بادل پہاڑوں کی طرح اٹھے اور ابھی آپ منبر سے نہیں اترے تھے، کہ میں نے رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی داڑھی سے بارش کے قطرے ٹپکتے دیکھے۔ اس دن پھر دوسرے دن تا آنکہ دوسرے جمعے تک بارش برستی رہی۔ اس دن وہی بدو یا کوئی اور آدمی اٹھا۔ عرض کیا۔ "یارسول اللہ! مکانات گر گئے ہیں اور مویشی غرق ہو گئے ہیں، ہمارے لیے دعا فرمایئے۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی "اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا" آپ جس طرف بھی اشارہ فرماتے۔ بادل چھٹ جاتا چنانچہ مدینے کے اردگرد

بادل چھا گئے اور خود مدینے کا مطلع صاف ہو گیا۔ اور وادیوں میں مہینہ بھر تک ندی نالے بہتے رہے۔ اور بیرونِ شہر سے جو شخص بھی آتا، کثرتِ بارش کا ذکر کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا، کہ ہمیں ساعۃ العسرہ کے حالات سنائیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، کہ ہم تبوک کی طرف سخت گرمی میں روانہ ہوئے اور ایسے مقام پر اترے جہاں ہم پیاس کی زد میں آگئے اور یوں محسوس کیا، گویا ہماری گردنیں علیحدہ ہو جائیں گی۔ چنانچہ اگر کوئی کسی کی تلاش میں نکلتا تو واپس نہ آتا اور ہم یہ سمجھ بیٹھتے کہ اس کی گردن علیحدہ ہو گئی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنا اونٹ ذبح کرتا تو اس کی لید کو نچوڑ کر پی جاتے اور جو بچتا اسے اپنے جگر پر باندھ لیتا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا نے آپ کو مستجاب الدعوات بنایا ہے، ہمارے لیے دعا فرمائیے، فرمایا کیا تم سب کی یہ خواہش ہے، انہوں نے عرض کیا، ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے ہاتھ اٹھائے اور ابھی ہاتھ نیچے نہیں کیے تھے کہ آسمان پر بادل چھا گئے اور بارش شروع ہو گئی، اہلِ لشکر نے اپنے برتن بھر لیے، بعد میں ہم دریافتِ حال کے لیے اِدھر اُدھر گھومے، دیکھا کہ بارش لشکر گاہ سے پرے نہیں کی گئی تھی۔ (بیہقی و ابنِ بشران)۔

مصباح الظلام میں عمرو بن شعیب سے مروی ہے، حضرت ابوطالب کہتے ہیں کہ میں اپنے بھتیجے (رسولِ اکرم) کے ساتھ ذی المجاز کے مقام پر تھا، کہ مجھے پیاس لگی۔ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا جانِ عم! مجھے پیاس لگی ہے۔ میں نے دیکھا، کہ سوائے اونٹ کے آپ کے پاس اور کچھ نہ تھا، چنانچہ آپ نے اسے بٹھایا، آپ اترے، کہنے لگے، چچا جان کیا آپ کو پیاس لگی ہے میں نے کہا، ہاں جانِ عم! اس پر آپ پیچھے کو زمین کی طرف جھکے دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں پانی تھا۔ کہنے لگے، چچا جان! پانی پیجیے، میں نے پیا۔ (ابن سعد و ابنِ عساکر)۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور دعا سے تھوڑے کھانے کا بہت ہو جانا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ مَیں نے جنگ کے دوران میں اپنی بیوی سے دریافت کیا، آیا تمہارے پاس کھانے کو کوئی چیز ہے۔ کیونکہ مَیں نے دیکھا ہے کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سخت بھوکے ہیں۔ وہ ایک تھیلی، جس میں ایک صاع جَو تھے، نکال لائی، ہم نے ایک جانور پال رکھا تھا، جسے مَیں نے ذبح کیا۔ جَو کو پیسا اور گوشت کو ہنڈیا میں ڈالا، پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر چپکے سے گزارش کی، یارسول اللہ! ہم نے ایک پالتو جانور ذبح کیا ہے اور صاع بھر جَو کے دانے پیسے ہیں، اس لیے آپ مع چند آدمیوں کے کھانے کو تشریف لے آئیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بآوازِ بلند فرمایا، اے اہلِ خندق! جابر نے کھانے کا بندوبست کیا ہے، اس لیے سب آجاؤ۔ فرمایا جب تک مَیں نہ آؤں، تم اپنی ہنڈیا کو نہ اتارنا اور نہ آٹے سے روٹی پکانا۔ آپ تشریف لے آئے، تو آٹے میں لعابِ دہن ڈالا اور دعائے برکت فرمائی۔ پھر فرمایا، روٹی پکانے والی کو بلاؤ، کہ وہ تمہارے ساتھ روٹی پکائے اور دیگ سے پیالے میں سالن ڈالتی جاؤ، اور اسے چولہے سے نیچے نہ اتارنا۔ کھانے والے ایک ہزار تھے، جابر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا، انہوں نے پیٹ بھر کر کھایا تاآنکہ چھوڑ کر چلے گئے اور ہنڈیا ابھی تک اسی طرح جوش کھا رہی تھی۔ اور آٹے سے اسی طرح روٹیاں پکائی جا رہی تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوطلحہ سے روایت کی، کہ مَیں نے اپنی بیوی امِ سلیم سے کہا کہ مَیں نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی آواز کو کمزور پایا، جو بھوک کی علامت ہے، کیا گھر میں کچھ ہے، وہ جَو کی چند روٹیاں نکال لائی، پھر ایک اوڑھنی لائی، اور اس کے ایک طرف روٹیاں لپیٹ کر میرے حوالے کیں اور باقی ماندہ حصے کو میرے سر پر پگڑی کی طرح لپیٹ دیا اور دوبل دیئے اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمت میں بھیجا۔ مَیں نے آپ کو مسجد میں صحابہ کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔ سلام عرض کیا۔ فرمایا تمہیں ابوطلحہ نے

کیا کھانے کے لیے بھیجا ہے، مَیں نے کہا، ہاں یا رسول اللہ. حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے فرمایا، اٹھو چلیں. مَیں آپ کے آگے چلتا آیا اور ابو طلحہ کو اطلاع دی. انہوں نے بیوی سے کہا، رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم آدمیوں کو لیے آرہے ہیں اور ہمارے پاس کھلانے کو کچھ نہیں. وہ کہنے لگی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں. ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور اثنائے راہ میں حضور سے جا ملے. حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ابو طلحہ کو ساتھ لیے تشریف لائے فرمایا، امِ سلیم! جو کچھ تمہارے پاس ہے، لاؤ. وہ روٹی اٹھا لائیں. آپ نے حکم دیا، کہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دو. امِ سلیم نے روغن نچوڑ کر دونوں کو ملا دیا. پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کچھ پڑھا. پھر فرمایا، کہ دس آدمیوں کو کھانے کے لیے بلاؤ، وہ کھا کر سیر ہو گئے اور اٹھ گئے، پھر دس آدمیوں کو بلایا اور اسی طرح سب لوگ کھا کر سیر ہو گئے. ان کی تعداد ستّر یا اسّی تھی. (بخاری اور مسلم) مسلم کی روایت میں ہے، کہ پھر رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور اہلِ خانہ نے کھایا اور پھر بھی کچھ بچ رہا. بخاری میں ہے، کہ مَیں دیکھ رہا تھا، کہ کوئی چیز کم تو نہیں ہوئی. عمر بن عبداللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں، ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا، کہ صرف ایک روٹی ہے، آپ نے فرمایا، خدا اس میں برکت ڈالے گا. اور مبارک بن فضالہ کی روایت میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا روغن ہو گا؟ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ برتن میں تھوڑا سا تھا، وہ برتن اٹھا لائے، نچوڑا تو تھوڑا سا نکلا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے روٹی پر ٹپکایا تو روٹی پھول گئی. آپ نے بسم اللہ پڑھی، آپ اسی طرح کرتے اور روٹی پھول جاتی، پھر مَیں نے دیکھا، کہ چنگیر میں روٹی پھیل جاتی تھی.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ غزوۂ تبوک میں لوگ بھوک کی لپیٹ میں آ گئے. حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایئے کہ ہمارا زادِ راہ زیادہ ہو جائے. نیز ہمارے لیے اللہ سے برکت کی دعا فرمایئے،

آپ نے دستر خوان منگا کر بچھایا، اور لوگوں کو کہا کہ اپنے اپنے زادِ سفر سے کچھ لاکر اس پر ڈالو۔ لوگ تھوڑا تھوڑا لا کر ڈالتے گئے، چنانچہ دستر خوان پر کافی اشیا جمع ہو گئیں۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے برکت کی دعا فرمائی، اور فرمایا، اپنے اپنے برتن بھر لو۔ چنانچہ لشکر گاہ میں کوئی برتن بھی خالی نہ رہا۔ سب نے کھایا اور سیر ہو گئے، بلکہ کچھ بچ رہا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں شہادت دیتا ہوں، کہ خدا ایک ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ جو شخص بھی ان دو باتوں کی تصدیق کرتا ہے، اسے جنت سے محروم نہیں کیا جائیگا۔ (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کی شادی میں مصروف تھے۔ میری ماں ام سلیم نے کھجور، روغن اور دہی لے کر حلوہ تیار کیا، اور ایک تھال میں ڈالا۔ پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا، کہ اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس لے جاؤ، اور کہنا کہ یہ حلوہ میری ماں نے بھیجا ہے۔ اور سلام عرض کیا ہے، فرمایا رکھ دو، پھر فرمایا، جاؤ اور فلاں فلاں کو بلا لاؤ۔ آپ نے ان آدمیوں کے نام لئے نیز او رجو آدمی تمہیں ملے اسے بھی بلا لاؤ، چنانچہ میں ان لوگوں کو، جن کا نام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا تھا اور ان کو بھی جو مجھے راستے میں ملے، بلا لایا۔ جب واپس آیا، تو گھر میں انسانوں کا ہجوم تھا۔ کسی نے پوچھا، ان کی تعداد کتنی ہو گی، کہا تقریباً تین سو۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اپنا ہاتھ حلوے پر رکھا اور کچھ پڑھا، پھر دس دس آدمیوں کو بلانے لگے فرماتے اللہ کا نام لے کر کھاتے جاؤ، اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔ انہوں نے سیر ہو کر کھایا، ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ آتا، تا آنکہ سب نے پیٹ بھر کر کھایا۔ فرمایا، انس تھال اٹھالو۔ میں نے تعمیل کی، میں نہیں کہہ سکتا، کہ جب میں نے تھال رکھا تھا، اس وقت حلوہ زیادہ تھا، یا جب تھال اٹھایا تھا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ ام مالک، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک برتن میں گھی ڈال کر بطور ہدیہ بھیجا کرتی تھی۔ اس کے بیٹے ماں کے پاس آکر سالن مانگتے،

جب ان کے پاس کچھ نہ ہوتا، تو وہ اس برتن (جس سے وہ آپ کے تحفہ بھیجا کرتی) کے پاس جاتی، اور اس میں روغن موجود ہوتا، اس طرح اسے اس برتن سے گھر کا سالن میسر آتا رہا، تاآنکہ ایک دن اس نے برتن کو نچوڑا (اور روغن ختم ہوگیا) وہ حاضر خدمت ہوئی، آپ نے دریافت کیا، کیا تو نے اسے نچوڑ دیا تھا۔ اس نے جواب دیا، ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا، اگر تو اسے اس حال میں رہنے دیتی، تو ختم نہ ہوتا۔ (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں برائے امداد حاضر ہوا، آپ نے اسے جَو کی کچھ مقدار عطا کی۔ وہ، اس کی بیوی اور مہمان اس سے کھاتے رہے، تاآنکہ ایک دن اس نے اس غلے کو تولا۔ (غلہ ختم ہوگیا)، تو آپ کی خدمت میں آیا اور واقعہ عرض کیا، فرمایا، اگر تم اسے نہ تولتے، تو اس سے کھاتے رہتے اور ختم نہ ہوتا۔ (مسلم)

ابو العلا، سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ ہم رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی رفاقت میں تھے اور صبح سے شام تک ایک پیالے سے کھاتے۔ دس کھا کر اٹھتے تو دس بیٹھ جاتے، ہم نے دریافت کیا، اس سلسلے میں کس سے امداد لیتے تھے؟ کہا، میں کیا کہوں (آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا)، ہاں، وہاں سے ہی ایسی مدد مل سکتی ہے (ترمذی وغیرہ)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے، کہ ہم ایک سو تیس آدمی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھے، ایک صاع بھر آٹا گوندھا گیا اور ایک بکری ذبح کی گئی اور اس کی کلیجی اور اندر کے باقی اجزا بھون لیے گئے۔ بخدا ایک سو تیس آدمیوں میں کوئی ایسا نہ تھا۔ جسے اس سے حصّہ نہ ملا ہو۔ پھر اسے دو بڑے برتنوں میں ڈالا گیا، سب نے سیر ہو کر کھایا۔ دونوں برتنوں میں بچ رہا، جسے میں نے اونٹ پر لاد دیا (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے مجھے حکم دیا کہ میں اصحابِ صفہ کو کھانے کی دعوت دوں۔ میں نے ان کا پیچھا کر کے انہیں اکٹھا کیا۔ اس

کے بعد ہمارے سامنے ایک پیالہ رکھا جس سے ہم نے کھایا جتنا کہ کھا سکتے تھے، فارغ ہوئے، تو اس میں ابھی اتنا ہی کھانا موجود تھا۔ ہاں البتہ اس میں انگلیوں کے نشان تھے۔ (طبرانی وغیرہ)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مطلب کو اکٹھا کیا اور وہ چالیس آدمی تھے، وہ بھیڑ کے بچے کا گوشت کھا رہے تھے اور ایک برتن سے پی رہے تھے، آپ نے ان کے لیے دو رطل کھانا تیار کرایا، اور سب نے خوب پیٹ بھر کر کھایا پھر آپ نے بڑا سا پیالہ منگوایا، چنانچہ سب نے سیراب ہو کر پیا۔

بیماروں کی شفا، مُردوں کا احیا اور بچوں کا حضورِ اکرم کی نبوّت کی شہادت دینا

بیہقی دلائل میں لکھتے ہیں، کہ آپ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی، اس نے کہا، کہ میں اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا، جب تک آپ میری لڑکی کو زندہ نہ کردیں، فرمایا، مجھے اس کی قبر دکھاؤ۔ اس نے تعمیل کی، آپ نے مخاطب ہو کر فرمایا، "اے لڑکی"! کہنے لگی، "لبیک وسعدیک یا رسول اللہ"۔ پوچھا، "کیا تو واپس دنیا میں آنا چاہتی ہے؟" "نہیں یا رسول اللہ! میں نے خدا کو ماں باپ سے اور آخرت کو دنیا سے بہتر پایا"۔

طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہ مقام حجون اترے اور مغموم اور ناخوش تھے، کچھ وقت وہاں ٹھہرے رہے، واپس آئے، تو مسرور تھے۔ فرمایا، میں نے خدا سے دعا کی، اس نے میری ماں کو زندہ کیا، جو ایمان لائی اور پھر خدا نے اسے واپس بھیج دیا۔ اسی طرح حدیث عائشہ میں مذکور ہے، کہ خدا نے آپ کے والدین کو زندہ کیا، جو آپ پر ایمان لائے۔ (دیلمی وخطیب)

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ ایک انصاری فوت ہو گیا جس کی ایک اندھی اور بڑھیا ماں تھی۔ ہم نے اس کی تکفین کی اور اس کی ماں سے تعزیت کی۔ پوچھا، کیا

بیٹا مر گیا ہے، ہم نے کہا ہاں۔ کہنے لگی: اے خدا اگر تو جانتا ہے، کہ میں نے تیرے لیے اور تیرے نبی کے لیے اس امید پر ہجرت کی تھی، کہ تو ایسی مصیبتوں میں میری مدد کرے گا اور مجھ پر ایسی مصیبت نہیں ڈالے گا۔ ہم وہیں کھڑے تھے، کہ اس نے منہ سے کپڑا الٹ دیا، ہم نے کھانا کھایا اور اس نے بھی۔ (بیہقی وغیرہ)

نعمان بن بشیر راوی ہیں، کہ زید بن خارجہ انصار کے سرداروں میں سے تھا۔ وہ ایک دن ظہر اور عصر کے درمیان مدینے کی ایک گلی سے گزر رہا تھا، کہ گرا اور فوت ہو گیا، انصار کو معلوم ہوا تو وہ آئے اور اٹھا کر اس کے گھر لے گئے۔ انہوں نے اسے ایک کپڑا اور دو چادریں اوڑھا دیں۔ گھر میں انصار کی عورتیں تھیں، جو رو رہی تھیں اور مرد بھی تھے، وہ اسی حالت میں پڑا رہا۔ مغرب اور عشا کا وقت تھا کہ ایک آدمی کو انصتوا انصتوا کہتے سنا گیا۔ دیکھا کہ کپڑے کے نیچے سے آواز آ رہی تھی، اس کے چہرے اور سینے سے کپڑا ہٹایا گیا تو یہ کہتے سنا گیا۔ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ۔ یہ کتاب اول میں مرقوم تھی۔ پھر کہنے لگا۔ صَدَقَ صَدَقَ۔ پھر کہنے لگا۔ ھٰذا رسول اللہ، السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ (ابوبکر بن ابی الدنیا)

ابونعیم راوی ہیں، کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک بکری کو ذبح کیا، پکایا اور ایک برتن میں اس کا ثرید بنایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا، احباب نے کھایا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے تھے، کھاؤ ضرور لیکن ہڈی کو نہ توڑنا۔ پھر آپ نے ہڈیاں جمع کیں، ان پر ہاتھ رکھا، پھر کچھ پڑھا۔ اتنے میں بکری اٹھ کھڑی ہوئی وہ اپنے کانوں کو جھٹکا رہی تھی۔

معیقیب یمانی سے مروی ہے، کہ میں حجۃ الوداع میں موجود تھا۔ مکے کے ایک گھر میں مکان میں داخل ہوا، وہاں رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم بھی تھے۔ ایک عجیب بات دیکھی۔ یمامہ کا ایک آدمی، ایک بچے کو جو اسی دن پیدا ہوا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا۔

آپ نے فرمایا، اے بچے! مَیں کون ہوں۔ کہا، آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا، تونے ٹھیک کہا، خدا تجھے برکت دے۔ اس کے بعد وہ بچہ جوانی تک خاموش رہا۔ ہم اسے مبارک الیمامہ کہتے تھے۔ (بیہقی)

فہد بن عطیہ راوی ہیں، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لڑکا لایا گیا، جو جوان ہو چکا تھا لیکن بولتا نہیں تھا۔ آپ نے پوچھا، مَیں کون ہوں؟ کہنے لگا، اللہ کے رسول۔ (بیہقی)۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں۔ کہ ایک عورت رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پاس اپنا بیٹا لائی۔ کہا یارسول اللہ، میرا بیٹا دیوانہ ہے، جسے صبح اور رات کو دَورہ پڑتا ہے۔ آپ نے اس کے سینے کو چھوا، اسے قے ہوئی اور اس کے اندر سے کالے پلے کی طرح کوئی چیز نکلی۔

جنگ احد میں قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ نکل کر رخسار پر لٹک گئی، وہ حاضرِ خدمت ہوا، عرض کیا، یارسول اللہ! مجھے اپنی بیوی سے محبّت ہے، ڈرتا ہوں، کہ جب وہ مجھے اس حالت میں دیکھے گی، تو اسے گِھن آئے گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اٹھا کر اسے اپنی جگہ رکھ دیا، اور دعا فرمائی، اے خدا تُو اسے حُسن عطا کر، چنانچہ وہ دوسری آنکھ سے بھی بہتر ہو گئی اور اس کی نظر تیز تر ہو گئی اور جب اس کی دوسری آنکھ بیمار ہو جاتی، تو یہ بیمار نہ ہوتی تھی۔

بخاری میں مذکور ہے، کہ غزوۂ خیبر میں آپ نے دریافت فرمایا، علی کہاں ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ان کی آنکھیں دُکھتی ہیں، فرمایا، بلاؤ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ آئے آپ نے ان کی آنکھوں میں لعابِ دہن ڈالا، دعا فرمائی اور آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔ اور درد ختم ہو گیا۔ مسلم میں ایاس بن سلمہ نے اپنے باپ سے روایت کی، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے مجھے بھیجا تھا، کہ مَیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جن کی آنکھیں دُکھتی

تھیں، تھام لاؤں۔ آپ نے ان کی آنکھوں میں لعابِ دہن ڈالا اور ٹھیک ہو گئیں۔ طبرانی، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے راوی ہیں، کہ مجھے آج تک کچھ شکایت نہیں ہوئی۔

جنگِ خیبر میں سلمہؓ کی پنڈلی میں ایک زخم آگیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں تین دفعہ پھونک ماری، پھر کبھی تکلیف نہ ہوئی۔ (بخاری) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فُدیک کی آنکھوں میں جو بالکل سفید ہو گئی تھیں اور اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا، کیونکہ وہ سانپ کے انڈوں پر گر پڑے تھے، پھونک ماری تھی۔ وہ اسّی برس کے ہو گئے تھے اور سوئی میں دھاگہ ڈال لیتے تھے، مگر آنکھیں سفید ہی رہیں۔ (ابنِ ابی شیبہ)

فصل دوم

اس فصل میں ان معجزات کا ذکر ہے، جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہیں اور نیز ان فضائل اور واضح علامات کو بیان کیا ہے، جن کی بنا پر آپ تمام انبیاء علیہم السلام سے مشرف ہیں۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے، کہ خدا نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو ایسی خوبیوں سے مختص فرمایا ہے جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ اور اگر کسی پیغمبر کو کوئی خاص فضیلت عطا کی گئی، تو عین بعین ویسا ہی وصف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرما دیا گیا کیونکہ آپ کو تمام اوصافِ بلاغت سے نوازا گیا۔ (جوامع الکلم) آپ نبی ہو چکے تھے اور آدم تخلیق کے منازل سے گزر رہا تھا۔ اسی طرح باقی انبیا بھی اس وقت نبی ہوئے، جب آپ کو نبوت اور نیز رسالت مل گئی۔ اور جب آپ کو یہ مقام حاصل ہوا، تو یہ حقیقت واضح ہو گئی، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ہر اس کامل انسان کے معین تھے جو خدا کی طرف

سے مبعوث ہُوا۔ شرف الدین بوصیری نے کیا خوب کہا:۔

وَكُلُّ آىٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا　　فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهٖ بِهِم

(ترجمہ) ہر وہ علامت جو خدا کی طرف سے انبیائے کرام کو عطا ہوئی ہے، یہ آپ کے نور ہی سے انہیں ملی ہے۔

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ، هُمْ كَوَاكِبُهَا　　يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِى الظُّلَمِ

(ترجمہ) آپ فضیلت کے سورج ہیں اور وہ ستارے ہیں، جو اندھیرے میں لوگوں کی اپنے نور سے رہ نمائی کرتے ہیں۔

علامہ ابن مرزوق رقمطراز ہیں، کہ انبیا علیہم السلام میں سے ہر نبی کا معجزہ آپ کے نور کی بنا پر عطا ہُوا اسی طرح آدم کی تخلیق کا اصلی مدعا ان کی پشت سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق تھی، اس بنا پر آپ، اصل مقصود تھے اور آدم علیہ السلام وسیلہ۔ رہا فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا، اس کے بارے میں امام فخرالدین رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ فرشتوں کو آدم کے سجدے کا اس لیے حکم دیا گیا تھا، کہ ان کی پیشانی سے محمدی نور عیاں تھا۔ امام سہل بن محمد لکھتے ہیں، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ۔ کہہ کر جو احترام بخشا گیا، وہ اس احترام کے مقابلے میں جو آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے سجدے سے عطا ہُوا، کہیں زیادہ جامع اور مکمل ہے، کیونکہ اس احترام میں اللہ کا فرشتوں کے ساتھ شریک ہونا ثابت ہے۔ اس بنا پر وہ احترام جس میں خدا، فرشتے اور انسان شریک ہوں، اس احترام سے جو صرف فرشتوں سے مخصوص ہے کہیں بہتر ہے۔ رہا حضرت آدم کو تمام اشیا کے نام بتا دینا اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ میری امت ابھی ماءُ وطین کی منزل میں تھی، کہ مجھے تمام اشیا کے نام یوں بتا دیئے گئے، جیسا کہ حضرت آدم کو بتائے گئے تھے۔ (دیلمی از ابن رافع) یہ درست ہے، کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو بلند مقام پر اٹھا لیا گیا تھا۔ اس کے مقابلے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس مقام تک معراج

نصیب ہوئی جس پر پہلے کوئی شخص نہیں پہنچا تھا۔ اسی طرح نوح علیہ السلام اور مومنوں کو نجات بخشی اور طوفان سے بچایا۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو یہ فضیلت حاصل ہے، کہ آپ کی امت آسمانی عذابوں سے محفوظ رہی۔ ارشاد ہوتا ہے :- وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ؎ ۔ علامہ فخرالدین رازی کی تفسیر میں مذکور ہے، کہ خدا نے نوح علیہ السلام کی کشتی کو غرقاب ہونے سے بچایا اور ان کی شان میں اضافہ کیا، اس کے مقابلے میں حضور اکرم سے بہتر سلوک کیا۔ روایت میں مذکور ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ندی کے کنارے پر تھے اور عکرمہ بن ابوجہل بھی وہاں بیٹھا تھا۔ کہنے لگا، اگر آپ سچے ہیں، تو اس پتھر کو جو دوسرے کنارے پر ہے، بلایئے، وہ تیر کر آئے اور پانی میں نہ ڈوبے۔ آپ نے پتھر کو بلایا، وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور تیرتا ہوا آپ کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اور آپ کی رسالت کی شہادت دی۔ فرمایا، تمہاری تسلی ہوگئی، کہا ہاں بشرطیکہ وہ ابھی اپنی جگہ واپس چلا جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نمرود کی آگ کو ٹھنڈا کر کے، انہیں بچا لیا گیا تھا۔ اس کے مقابلے میں رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے لیے جنگ کی آگ بجھا دی گئی، اور اس آگ کو جس کی لکڑیاں تلواریں ہیں اور جس کا ایندھن موتیں ہیں، جسے بھڑکانے والا حسد ہے اور جس کا مقصد روح اور جسم ہے، خدا نے ختم کر دیا۔ ارشاد ہوتا ہے :- كُلَّمَا اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ؎ ۔

امام نسائی محمد بن حاطب سے راوی ہیں، کہ جب میں بچہ تھا، تو مجھ پر ہنڈیا گری اور میرا جسم جل گیا۔ میرا والد مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اٹھا لایا۔ آپ نے اس پر لعاب دہن لگایا پھر ہاتھ سے چھوا اور فرمایا اے خدا تو اس تکلیف کو دور فرما چنانچہ میں بالکل ٹھیک ہوگیا۔ رہی یہ بات کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ ہونے کا فخر حاصل تھا۔ تو رسول مقبول بھی محبت کے مقام پر فائز تھے۔

حدیث شفاعت میں مذکور ہے، کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قیامت کے

؎ انفال : ۳۳ ؎ مائدہ : ۶۴

دن کہا جائے گا، کہ خدا نے آپ کو خلیل کہا ہے، اس لیے ہماری شفاعت فرمایئے، تو وہ کہیں گے، کہ میں خلیل ہوں بیرونِ در، تم کسی اور کے پاس جاؤ، تا آنکہ لوگ آخرکار آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے، آپ فرمائیں گے، ہاں میں ہی اس کام کے لیے ہوں۔ یہ بات اس کی دلیل ہے، کہ آپ ایسے خلیل ہیں، جن کی آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا گیا ہے اور اگر بیرونِ در کے خلیل ہوتے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح معذرت کر دیتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیات میں یہ بات بھی شامل ہے، کہ وہ دنیا میں خدائی عبادت، توحید اور صنم شکنی کی حیثیت سے منفرد ہیں۔ اس کے مقابلے میں رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم، جب مکے میں داخل ہوئے، تو انہوں نے خدائی ہیبت سے کعبے کے اردگرد (نہ کہ ڈنڈے سے) تین سو ساٹھ بت (جنہیں وہ ایک لکڑی سے ٹھونکا دیتے تھے) توڑے تھے۔ آپ ہر بت کو ٹھونکا دیتے وقت قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ[1] پڑھتے تھے اور بت گر پڑتا۔ (شیخین) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیات میں سے بنائے کعبہ بھی ہے۔ اس کے مقابلے میں یہ واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے، کہ جب قریش نے کعبے کو گرانے کے بعد پھر سے اسے تعمیر کیا، اور صرف حجرِ اسود کا لگانا باقی رہ گیا، تو قبائلی گھمنڈ پر اڑ گئے، پھر اس پر رضامند ہو گئے، کہ کل جو شخص کعبے میں سب سے پہلے داخل ہو، اسے حَکَم بنائیں۔ اتفاقاً حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اوّل داخل ہوئے۔ کہنے لگے، یہ امین ہیں، انہیں اس معاملے میں حَکَم بناؤ۔ آپ نے کپڑا بچھانے اور اس میں حجرِ اسود کے رکھنے کا حکم دیا، پھر کہا کہ ہر قبیلے کا ایک آدمی ایک کونے کو پکڑ کر حجرِ اسود کو اوپر اٹھائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حجرِ اسود کو اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ خدا نے یہ منصب آپ کو عطا کیا تاکہ ہمیشہ کے لیے یہ عزت آپ کو حاصل رہے۔

اگر موسیٰ علیہ السلام کو خدا نے یہ معجزہ عطا کیا، کہ ان کا عصا اژدہائے غیر ناطق بن گیا تو آپ کو ستونِ مسجد کے رونے کا معجزہ عطا ہوا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ امام رازی نے

---

[1] اسراء: ۸۱

اپنی تفسیر میں لکھا ہے، کہ جب ایک دفعہ ابوجہل نے آپ کو پتھر مارنا چاہا، تو اس نے اپنے کندھوں پہ دو اژدہا دیکھے جنہیں دیکھ کر وہ ڈر گیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ید بیضا، جس سے آنکھیں چندھیا جاتی تھیں، کے مقابلے میں وہ نور عطا کیا، جو آپ کے آباؤ اجداد کی پشتوں اور دادیوں نانیوں کے ارحام میں آدم علیہ السلام سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد حضرت عبداللہ تک منتقل ہوتا رہا۔

ایک دفعہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کو، جنہوں نے سخت اندھیری رات میں آپ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی تھی، ایک کھجور کی ٹہنی دی اور فرمایا کہ یہ تیرے آگے پیچھے دس قدم تک روشنی دے گی۔ جب تو اپنے گھر میں داخل ہو گا، تو تجھے ایک سیاہ چیز نظر آئے گی، تم اسے مارنا تاکہ گھر سے بھاگ نکلے، کیونکہ وہ شیطان ہے۔ وہ چل دیئے، اور کھجور کی ٹہنی سے روشنی نکل رہی تھی، وہ گھر میں داخل ہوئے تو سیاہ چیز نظر آئی، جسے انہوں نے مار کر بھگا دیا۔ (ابونعیم، بیہقی اور حاکم نے اس کی تصحیح کی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک دفعہ عباد بن بشر اور اُسید بن حضیر آپکی خدمت میں حاضر تھے، کہ رات کا ایک حصّہ گزر گیا، اور رات سخت تاریک تھی۔ وہ گھر کو روانہ ہوئے اور دونوں کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں۔ ان میں ایک سے روشنی نکل رہی تھی، اور وہ اس کی روشنی میں چلتے گئے جب ان کے راستے علیٰحدہ ہو گئے۔ تو دوسرے کی لاٹھی سے بھی روشنی نکل آئی، چنانچہ وہ دونوں اپنی اپنی لاٹھیوں کی روشنی میں چلتے گئے، تا آنکہ اپنے گھر پہنچ گئے۔ (بخاری)

بخاری نے تاریخ میں اور بیہقی اور ابونعیم نے حمزۃ الاسلمی سے روایت بیان کی ہے، کہ ہم ایک سفر میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، ایک اندھیری رات میں ہم بچھڑ گئے، اس پر میری انگلیوں سے روشنی نکلنا شروع ہو گئی، تا آنکہ بچھڑے ہوئے اس کی روشنی میں پھر سے مل گئے، اور کوئی بھی اپنی منزل سے نہ بھٹکا۔

موسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں بحیرۂ احمر کا پھٹنا ہے، اس کے مقابلے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ شق قمر ہے، جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تصرف اس دنیا تک محدود تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تصرف آسمانی دنیا میں رونما ہوا، اور دونوں میں فرق واضح ہے۔

ابن المنیر کا قول ہے اور ابن حبیب کا بیان ہے، کہ زمین اور آسمان کے درمیان ایک سمندر ہے جس کا نام بحرِ مکفوف ہے، جس کے مقابلے میں دنیا کے سمندر کی مثال ایسی ہے جیسے سمندر کے مقابلے میں قطرہ۔ یہ ہے وہ سمندر جسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات کو عبور کیا تھا۔ اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کے مقابلے میں زیادہ بڑا معجزہ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں اجابتِ دعا بھی شامل ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا اس باب میں کوئی حد و شمار نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر سے (بہ ضرب عصا) پانی نکالا تھا، ہمارے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی انگلیوں سے پانی پھوٹ بہا۔ یہ اس سے بڑا معجزہ ہے، کیونکہ پتھر زمین کی جنس سے ہے، جس سے پانی نکلتا رہتا ہے لیکن گوشت سے پانی کا نکلنا خلافِ معمول ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے کلام کیا، یہی صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات پیش آئی، نیز خدائی قرب بھی ملا۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی مناجات کا مقام آسمانوں سے اوپر اور سدرۃ المنتہیٰ، المستویٰ، حجاباہائے نور اور رفرف سے ماورا تھا۔ جبکہ موسیٰ علیہ السلام کی مناجات کا مقام طورِ سینا تھا۔

حضرت ہارون علیہ السلام فصاحت سے ممتاز تھے اور ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فصاحت اور بلاغت کے اس درجے پر تھے، جو سب سے بلند ہے اور جس سے انکار ممکن نہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو جسمانی حُسن کا کچھ حصّہ دیا گیا تھا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کو جامع حسن دیا گیا تھا۔ ہم اس کے بارے میں بابِ معراج میں گفتگو کریں گے۔ اور جو شخص بھی رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی ان خوبیوں پر، جن کا ذکر کیا جا چکا ہے، غور کرے گا، اس تفصیل سے آپ کی فضیلت، ہر اس گروہ پر، جو حُسن میں ممتاز رہا ہے، ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی فضیلت کی وجہ خوابوں کی تعبیر بھی تھی۔ اس باب میں ان سے تین خواب مذکور ہیں۔ (۱) جب آپ نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا۔ (۲) جیل کے دو ساتھیوں کا خواب۔ (۳) بادشاہ کا خواب۔ اس کے مقابلے میں ہمارے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو اس باب میں بے حد و حساب دخل حاصل ہے، جو شخص بھی ان باتوں کی تلاش کرے گا، اور آثار کا تعاقب کرے گا، اسے عجیب وغریب امور کا علم ہو گا۔ ان میں سے کچھ باتیں ہم جلدی ہی انشاء اللہ بیان کریں گے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے معجزات میں، فولاد کو نرم کرنا تھا۔ وہ جب لوہے کو ہاتھ لگاتے تو نرم ہو جاتا۔ اس کے بالمقابل حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں خشک لکڑی ہری ہو گئی تھی اور اس کے پتے نکل آئے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ام معبد کی خشک (بے شیر) اور بیمار بکری کو چھوا تھا، وہ تندرست ہو گئی تھی اور دودھ دینے لگ گئی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات میں پرندوں کا بولنا، شیاطین اور ہوا کی تسخیر اور ایسی سلطنت کا ملنا جو اُن کے بعد اور کسی کو نہ مل سکی، شامل ہے۔ ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ عطا ہوا۔ رہا وحشیوں اور پرندوں کا بولنا، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے پتھروں کا بولنا، اور آپ کے ہاتھ میں کنکروں کا تسبیح پڑھنا اور زہریلی بکری کے بازو کا بولنا، ہرنی کی گفتگو اور اونٹ کی شکایت ثابت ہے۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے، کہ ایک پرندے کو اپنے بچے کی وجہ سے تکلیف پہنچی، وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے ارد گرد اڑتا تھا، اور آپ سے گفتگو کرتا تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اس پرندے کو بچے کی وجہ سے کس نے دکھ دیا ہے، ایک آدمی نے کہا، میں نے۔ فرمایا اس کے بچے واپس کر دو۔

(رازی) بھیڑیے کی گفتگو کا تو سب کو علم ہے۔

وہ ہُوا جس کی صبح اور شام کی رفتار مہینہ بھر کی مسافت پر حاوی تھی، اور جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا کے مختلف حصوں میں اڑا لے جاتی تھی، اس کے مقابلے میں ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ براق دیا گیا، جو ہُوا اور بجلی سے زیادہ تیز تھا۔ جو آپ کو فرش سے اٹھا کر عرش تک ایک لمحے میں لے گیا، اور اس کی کم از کم رفتار، سات ہزار سال کی مسافت بنتی ہے اور یہ مسافت آسمانوں کی ہے، رہی وہ مسافت جو مستوی اور رفرف تک ہے، اسے خدا کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہُوا مسخر کی گئی تھی، تاکہ وہ انہیں زمین کے مختلف اطراف میں لیجائے۔ ادھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ساری زمین یوں سمیٹ لی گئی، کہ مشرق و مغرب آپ کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ اور اس شخص میں جو زمین کے طول و عرض میں گھومتا ہے، اور اس شخص میں جس کی طرف زمین خود چل کر آتی ہے، فرق واضح ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی تسخیر شیاطین کا مقابلہ اس واقعہ سے کیجئے، کہ آپ نماز میں مصروف تھے، آپ نے شیطان پر قابو پا کر اسے مسجد کے ستون سے باندھ دیا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس معجزے سے یہ بہتر ہے، کہ جن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے، اسی طرح جنوں کے حضرت سلیمان کے لشکر میں شامل ہونے سے یہ امر کہیں بہتر ہے کہ جبریل اور فرشتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لشکر میں شامل تھے، اور انہوں نے جہاد میں حصہ لے کر اسلامی لشکر کی تعداد میں اضافہ کیا۔ پرندوں کے حضرت سلیمان کے لشکر میں شامل ہونے سے غارِ ثور کی فاختہ اور اسی وقت اس کا گھونسلا بنانا اور دشمن کے خلاف اس کی حمایت اس سے زیادہ حیران کن ہے۔ کیونکہ زیادتی تعداد لشکر سے مراد، حمایت ہی ہوتی ہے جو اس معاملے میں یوں آسانی سے میسر آ گئی۔ رہا سلطنت کا سوال، تو ہم بیان کر آئے ہیں کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو اختیار دیا گیا، آیا وہ نبی اور بادشاہ بننا چاہتے ہیں، یا نبی اور بندہ

آپ نے آخرالذکر کو ترجیح دی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ، جو در بارۂ تندرستی اکمہ وابرص (مادر زاد اندھے اور کوڑھی)، اور مُردوں کو زندہ کرنے کے متعلق ہے، اس کے مقابلے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ کو جو اپنی جگہ سے نکل گئی تھی، اس کی جگہ پر رکھ کر تندرست کر دیا، بلکہ پہلے سے بہتر بنا دیا۔ علامہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اس آدمی کا واقعہ بیان کیا ہے، جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تھا، کہ میں اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا۔ جب تک آپ میری بیٹی کو زندہ نہیں کر دیتے۔ آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے، فرمایا اے لڑکی! اس نے جواب میں لبیک اور سعدیک یارسول اللہ کہا۔ اسی طرح کنکریوں نے آپ کی ہتھیلی پر خدا کی تسبیح پڑھی اور آپ کے فراق میں ستون رویا۔ یہ احیاء الموتی سے زیادہ حیران کن ہے، کیونکہ کنکر اور ستون ان چیزوں میں شامل ہیں، جو بولتے نہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ دیا گیا تھا، کہ انہیں گھروں میں مخفی اشیا کا علم ہو جاتا تھا۔ اس باب میں آپؐ کو خدا کی طرف سے وہ کچھ دیا گیا، جس کا کوئی حساب نہ تھا۔ اور جسے ہم انشاء اللہ جلدی ہی اچھی طرح بیان کریں گے۔

اگر عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھا لیے گئے ہیں، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات اس سے کہیں بلند درجات عطا ہوئے، آپ کی مناجات قبول ہوئی اور خدائی حضور میں مختلف مشاہدات ملاحظہ فرمائے اور ایسے طریقے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کی گئی، جو اس سے پہلے کسی اور کی نہیں ہوئی تھی۔ اس باب میں حضرت جابر راوی ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پیشتر کسی کو نہیں دی گئی تھیں۔ (۱) ہر نبی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، لیکن مجھے احمر واسود سب کی طرف بھیجا گیا۔ (۲) مال غنیمت میرے لیے حلال قرار دیا گیا، جو اس سے پہلے حلال نہیں تھا۔ (۳) ساری زمین میرے لیے طاہر اور مسجد بنائی گئی، چنانچہ میری امت کے ہر آدمی

کو، جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے، ادائے نماز کی اجازت ہے۔ (۴) مجھے ایسی ہیبت دی گئی ہے، جو ایک مہینے کے فاصلے پر محسوس ہوتی ہے۔ (۵) اور مجھے شفاعت کی اجازت عطا ہوئی ہے۔ (بخاری)، ایک روایت میں ہے:۔ میں تمام دنیا کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ امام احمد کی روایت میں ہے۔ مجھے شفاعت کی اجازت دی گئی ہے میں نے اپنی امت کی خاطر (لِمَنْ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا) منظور کر لی۔ مسلم کی حدیث میں مزید مذکور ہے، کہ مجھے جوامع الکلم (قرآن) اور ختم نبوّت عطا ہوئی۔ مسلم کی ایک اور حدیث میں مذکور ہے کہ مسلمانوں کی صفوں کو فرشتوں کی صفوں کا شرف حاصل ہے۔ ابن خزیمہ اور نسائی نے ایک اور اعزاز کا ذکر کیا ہے، جو سورۂ بقرہ کے آخری آیات میں مذکور ہے، وہ عرش کے خزانے سے لی گئی ہیں۔ کیونکہ ان آیات میں اس امر کا اشارہ ملتا ہے، کہ خدا نے آپ کی امت سے ان احکام کا بوجھ، جنہیں وہ نہیں اٹھا سکتے، ہٹا لیا ہے۔ اسی طرح آپ کو خطا اور نسیان سے مبرّا قرار دیا۔ امام احمد کی حدیث میں مذکور ہے، کہ مجھے دنیا کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں اور میرا نام احمد رکھا گیا، نیز میری امت کو خیر الامم کہا گیا۔ بزاز کے خیال کے مطابق آپ کی مزیت یہ ہے، کہ خدا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اگلے پچھلے سب قصور معاف کر دیئے ہیں۔ فرمایا مجھے کوثر عطا ہوا، اور تمہارے آقا کے پاس قیامت کے دن خدائی حمد کا جھنڈا ہو گا، جس کے نیچے آدم اور اس کے علاوہ سب لوگ جمع ہوں گے۔ نیز مجھے یہ مزیت حاصل ہے کہ مجھ پر مسلط شیطان کافر تھا۔ خدا نے میری امداد کی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ ممکن ہے، کہ ان کے علاوہ اور بھی کئی فضیلتیں اس شخص کو مل جائیں، جو اس سلسلے میں مزید تلاش کرے گا۔

ابوسعید نیشاپوری نے اپنی کتاب "شرف المصطفٰے" میں لکھا ہے کہ ساٹھ باتیں ایسی ہیں، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تین ہزار معجزے اور خصوصیات تھیں۔

آپ کی خصوصیات کی چار قسمیں ہیں:۔

قسم اول

اس ذیل میں ان خصائص کا ذکر ہے، جن پر عمل آپ کے لیے واجب ہے، تاکہ آپ کو زیادہ اجر ملے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مندرجہ ذیل امور کی بجا آوری واجب تھی چاشت کی نماز، وتر، فجر کی دو رکعتیں، تہجد، مسواک، قربانی، مشاورۃ، دشمن کے مقابلے میں صبر خواہ ان کی تعداد کتنی بھی ہو۔ اور برائی کو روکنا، جب آپ دیکھ پائیں اور خوف کی حالت میں غلطی نہ کرنا، اور نادار مسلمان کا جو مر جائے، قرض ادا کرنا، اور ازواج مطہرات کو اس امر کا اختیار مل جانا کہ اگر وہ چاہیں تو آپ سے علیحدہ ہو جائیں اور پھر بعد از اختیار انہیں روکے رکھنا۔ اور مزید نکاح کرنے یا ان کی جگہ اور خواتین سے نکاح کرنے سے روکنا، جو حکم بعد میں منسوخ ہو گیا تھا کیونکہ خدا آپ کی طرف سے ان پر مزید احسان کرنا چاہتا تھا اور ہر اس نیک کام کا پورا کرنا، جسے آپ ایک دفعہ شروع کر بیٹھیں، اسی طرح روزے، نماز اور باقی احکام کا عدم سقوط جب حالت وحی میں آپ اس دنیا سے اٹھا لیے جاتے۔ اور اسی طرح جب آپ کے دل پر پردہ پڑ جاتا تو خدا سے ستر دفعہ استغفار کرنا اور مسلم کی روایت میں سو دفعہ کا ذکر ہے۔ اور دل پر پردہ پڑنے سے مراد (مداومت ذکر اور مشاہدہ حق سے)، وہ سہو ہے، جو انسانوں کے مصائب اور امت کی تکالیف کی وجہ سے پیش آ جاتا تھا۔ ابوالحسن شاذلی راوی ہیں، ہیں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب میں دریافت کیا، کہ پردۂ دل سے کیا مراد ہے۔ فرمایا، اے مبارک! یہ پردۂ انوار ہے، پردۂ اغیار نہیں۔

قسم دوم

اس باب میں ان امور کا ذکر ہے، جو بالخصوص حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حرام قرار دی گئیں۔ مثلاً آپ کے لیے اور آپ کی اولاد کے لیے زکات اور صدقہ حرام ہیں۔ نیز وہ چیز جس کی بُو ناپسندیدہ ہو، جیسے پیاز اور لہسن کیونکہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو فرشتوں اور وحی کے آنے کا انتظار رہتا۔ اسی طرح تکیہ لگا کر کھانا، کتابت اور شعر سے توسل۔ مسلح ہونے کے بعد بغیر از جنگ ہتھیار اتار دینا، یا جب تک خدا اس معاملے میں کوئی فیصلہ نہ دے غیر مسلح ہو جانا۔ اس بنا پر احسان کرنا، تاکہ خدا اس میں اضافہ کرے (وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِر)، بلکہ خدا کے لیے اس کے نام پر خیرات کی جائے۔ کسی ایسی چیز کو جس سے لوگ متمتع ہو رہے ہوں، بہ نظرِ تحسین دیکھنا اور یہ خواہش کرنا کہ ایسی چیز مجھے بھی ملنا چاہیئے، اور آنکھوں کی خیانت (اس سے مراد یہ ہے، کہ کسی ایسے قتل یا ضرب کی طرف اشارہ کرنا جو صورتِ حال کے خلاف ہو) اور غیر مہاجرہ عورت سے نکاح اور اس عورت کو روکے رکھنا جو نا رضامند ہو۔ نیز کتابیہ سے نکاح کرنا، مسلمان کنیز سے نکاح اور جہاں سے اللہ اکبر کی آواز آئے، وہاں حملہ کرنا (یہ سب امور آپ کے لیے حرام تھے)۔

قسم سوم

بعض امور بالخصوص حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مباح قرار دیئے گئے، مگر ان میں اکثر ایسے ہیں جن سے آپ نے فائدہ نہیں اٹھایا۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو بہ حالتِ جنابت مسجد میں ٹھہرنے کی اجازت تھی، چت سونے سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔ چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح، نکاح بہ حالتِ احرام، عورت کی رضامندی کے بغیر نکاح، اگر آپ

۷۴ مدثر : ۶

کسی مجرد خاتون سے نکاح کی خواہش کرتے، تو اسے ماننا پڑتا۔ اور دوسرے آدمی کو اسے پیغامِ نکاح بھجوانے کی اجازت نہ ہوتی، آپ کو ولی اور گواہوں کے بغیر نکاح جائز تھا۔ اپنی لونڈی (حضرت) صفیہ کی آزادی کو ان کا مہر مقرر کرنا، بھتیجی اور پھوپھی اور خالہ ہر دو سے نکاح کا جواز، مالِ غنیمت میں سے انتخاب کا جواز قبل از تقسیم (از قسم کنیز وغیرہ) مکے میں جنگ اور قتل اور بغیر از احرام مکے میں داخلہ آپ اپنے علم کے مطابق فیصلہ فرماتے، اپنے لیے اور اپنی اولاد کے بارے میں احکام جاری کرنا۔ غصے کی حالت میں آپ کو فیصلے اور فتوے کی اجازت تھی، کیونکہ غضب اور رضا کی حالت میں آپ کا فیصلہ ایک سا ہوتا۔ آپ کو اجازت تھی، کہ صلوٰۃ کا لفظ جس کے لیے چاہیں استعمال کریں، جب کہ ہم نبی اور فرشتے کے بغیر کسی اور کے لیے یہ لفظ استعمال نہیں کر سکتے۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو قبل از فتح تقسیم زمین کی اجازت تھی، کیونکہ خدا نے ساری زمین کی ملکیت آپ کے سپرد کر دی تھی۔ امام غزالی نے اس شخص کے کفر کا فتویٰ دیا ہے، جو تمیم الداری کی اولاد سے دربارۂ تقسیم زمین معارضہ کرے گا، کیونکہ آپ کو جنت کی تقسیم کی اجازت ہے، دنیا کی زمین کا تو کیا ذکر۔

قسم چہارم

اس عنوان کے تحت آپ کے مخصوص فضائل اور کرامات کا ذکر ہے۔

تحقیقی طور پر آپ پہلے نبی ہیں۔ بہ روایت ترمذی، آپ کو نبوت عطا ہو چکی تھی اور آدم ابھی پانی اور کیچڑ کی منزل پر تھے۔ آپ پہلے وہ انسان ہیں، جن سے میثاق لیا گیا اور جنہوں نے الست بربکم کے جواب میں بلیٰ کہا (قطلان) آدم اور ساری مخلوق آپ کے لیے پیدا کی گئی۔ (بیہقی) خدا نے آپ کا نام عرش، آسمانوں اور جنت پر لکھ دیا (ابن عساکر) خدا نے آدم علیہ السلام اور بعد میں آنے والے انبیا علیہم السلام سے وعدہ لیا، کہ اگر وہ آپ کے عہد میں ہوئے تو آپ پر ایمان لائیں گے اور امداد کریں گے۔ ارشاد ہے:۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔[۱]

نیز کتب سابقہ میں آپ کی آمد کی بشارت دی گئی ہے، اور آپ کے خاندان میں آدم سے لے کر آپ تک کسی نے زنا کا ارتکاب نہیں کیا۔ (بیہقی وغیرہ) آپ کی ولادت پر اصنام (بت) سرنگوں ہو گئے۔ (خرائطی وغیرہ) آپ فطرتاً مختون تھے اور ناف کٹی ہوئی تھی۔ (طبرانی)، اور جب پیدا ہوئے، تو صاف ستھرے تھے اور جسم پر کوئی غلاظت نہ تھی۔ (ابن سعد) جب آپ زمین پر گرے، تو سجدے کی حالت میں تھے۔ اور اللہ اکبر کہنے والے دعا گو کی طرح دونوں انگلیاں اوپر اٹھائی ہوئی تھیں، اور آپ کی والدہ نے اس وقت ایسی روشنی دیکھی کہ شام کے محلات چمک اٹھے۔ (امام احمد) اور فرشتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پنگھوڑے کو ہلاتے تھے (ابن ربیع)، اور جب آپ پنگھوڑے میں ہوتے تو چاند سے گفتگو فرماتے اور اسے جدھر کو اشارہ کرتے وہ ادھر ہو جاتا (نطق المفہوم کا مصنف) آپ پنگوڑے میں باتیں کرتے تھے (واقدی)، اور گرمیوں میں بادل آپ کو ڈھانپ لیتا (ابونعیم وغیرہ)، اور جب آپ کسی درخت کی طرف بڑھتے، تو اس کا سایہ آپ کا استقبال کرتا۔ (بیہقی)، آپ کا سینہ شق کیا گیا (مسلم وغیرہ)، اور ابتدائے وحی میں آپ کو تین دفعہ بھینچا گیا۔

اور قرآن میں خدا نے آپ کے اکثر اعضا کا ذکر فرمایا ہے:۔ دل کا ذکر (مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى[۲]) اور (نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰى قَلْبِكَ[۳]) زبان کا ذکر (مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى[۴]) اور (فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ[۵]) آنکھ کا ذکر (مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى[۶]) چہرے کا ذکر (قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ[۷]) ہاتھ اور گردن (وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ[۸]) سینہ اور پیٹھ کا (اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ[۹]) اور آپ کا نام (محمدؐ) خدا کے صفاتی نام محمود سے مشتق ہے:۔ حسانؓ

---

[۱] عمران: ۸۱ [۲] النجم: ۱۱ [۳] الشعراء: ۱۹۴ [۴] النجم: ۳ [۵] مریم: ۹۷ [۶] النجم: ۱۷ [۷] بقرہ: ۱۴۴ [۸] اسراء: ۲۹ [۹] شرح: ۱

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ   فَذُوالْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ

(ترجمہ) آپ کے نام کو خدا نے اپنے نام سے مشتق فرما کر عزت بخشی۔ خدائے ذوالعرش محمود ہے اور آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

آپ کا نام احمد رکھا گیا، جو اس سے پہلے کسی کا نام نہیں تھا (مسلم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بھوکے سوتے، صبح اٹھتے تو سیر ہوتے، کیونکہ خدا آپ کو کھلاتا پلاتا۔ آپ بیٹھ پیچھے بھی اس طرح دیکھ لیتے جس طرح کہ سامنے۔ آپ رات کے اندھیرے میں اس طرح دیکھ سکتے جس طرح دن کی روشنی میں (بیہقی) آپ کا لعاب دہن شوراب کو میٹھا کر دیتا۔ اور دودھ پیتے بچے کی تسلی ہو جاتی (بیہقی)، ایک دفعہ آپ سنگ خارا پر چلے تھے تو آپ کے قدم اس میں دھنس گئے تھے۔ آپ کی بغلوں میں بال نہیں تھے۔ (قرطبی)، وہ مقام سفید تھا جس کا رنگ نہیں بدلتا تھا۔ (طبری) آپ کی آواز دور تک پہنچتی اور آپ آواز کو دور سے سن لیتے۔ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں، مگر دل بیدار رہتا۔ (بخاری) آپ نے کبھی جمائی نہ لی (ابن ابی شیبہ) خطابی سے منقول ہے، کہ کسی نبی نے کبھی جمائی نہیں لی، اور آپ کو کبھی احتلام نہیں ہوا، یہی حال باقی انبیاء کا ہے (طبرانی)، آپ کا پسینہ، کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا (ابونعیم وغیرہ) جب آپ کسی دراز قد آدمی کے ساتھ چلتے تو اس سے طویل تر دکھائی دیتے۔ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا چنانچہ دھوپ ہو یا چاندنی آپ کا سایہ نظر نہیں آتا تھا، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود نور تھے، آپ کے کپڑوں پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی اور مچھر آپ کا خون نہیں چوستا تھا (فخر رازی)، آپ کو کھٹمل نہیں ستاتا تھا۔ (ابن السبع)، جب آپ کی بعثت ہوئی، تو کہانت کا خاتمہ ہو گیا جس طرح ملائے اعلیٰ میں باتیں سننے کے لیے شیاطین کا آنا جانا منقطع ہو گیا۔ معراج کی رات کو زین کردہ اور لگام دادہ براق لایا گیا اور حسب روایت باقی انبیاء اس پر ننگی پیٹھ سواری کرتے تھے۔ آپ اس پر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک گئے اور پھر مقام اعلیٰ تک گئے اور خدا نے آپ کو اعلیٰ نشانیاں دکھائیں

اور معراج میں خدا نے آپ کی حفاظت کی (مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خدا نے فرشتوں کو جمع کیا اور آپ نے انہیں اور فرشتوں کو نماز پڑھائی جنت اور جہنم کی سیر کرائی گئی۔ آپ نے خدا کو آنکھوں سے دیکھا اور گفتگو کی اور یہ گفتگو آسمانِ اعلیٰ پر ہوئی، جبکہ موسیٰ علیہ السلام سے پہاڑ پر ہوئی تھی۔ جہاں بھی رسولِ کریم گئے، فرشتے آپ کے پیچھے پیچھے رہے۔ اور غزوۂ بدر وحنین میں آپ کے پہلو بہ پہلو لڑے۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا مسلمانوں پر فرض ہے (یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا[1]) آپ کو قرآنِ حکیم دیا گیا، حالانکہ آپ اُمی تھے نہ لکھ سکتے تھے نہ پڑھ سکتے تھے، آپ کو مدرسوں میں نہیں ڈالا گیا تھا۔ اور خدا نے آپ پر اتاری گئی کتاب کو تحریف وتاویل سے محفوظ رکھا (لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ[2]۔ نیز خدائی ارشاد (اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ[3]) اگر کوئی شخص قرآن کا ایک حرف یا ایک نقطہ بھی بدلے، تو اہلِ دنیا اسے کذاب کہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کسی باہیبت آدمی کے منہ سے اتفاقاً کوئی غلط حرف نکل جائے، تو تمام بچے بھی چلا اٹھیں گے۔ مولانا! آپ غلط پڑھ رہے ہیں، صحیح لفظ یہ ہے۔ اور کسی کتاب کو یہ صورت پیش نہیں آتی کیونکہ ہر کتاب میں تحریف وتصحیف ہو چکی ہے، اگرچہ یہود، نصاریٰ اور ملحدوں نے اس کتاب کے ابطال میں زبردست کوششیں کی ہیں۔ اور اس کتاب میں وہ تمام تعلیمات مندرج ہیں جو باقی تمام کتابوں میں ملتی ہیں اور خدا نے اس کا حفظ طلبہ کے لیے آسان کر دیا (وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ[4]) چنانچہ یاد کرنے والوں کو یہ آسانی میسر ہے، کہ وہ تھوڑی سی مدت میں اسے یاد کر لیتے ہیں۔ باقی امتوں میں بمشکل کوئی ایک آدمی بھی اپنی کتاب کو یاد کر سکتا ہے، جم غفیر کا تو کیا ذکر۔ نیز قرآن برائے آسانی سات لہجوں میں اتارا گیا ہے، اور جب تک دنیا باقی ہے، یہ کتاب باقی رہے گی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بالخصوص آیت الکرسی،

---

[1] احزاب: ۵۶ [2] فصلت: ۴۲ [3] حجر: ۹ [4] قمر: ۱

مفصل سورتیں، مثانی اور سات مطول سورتیں اتاری گئیں مفصل کی ذیل میں آخری سورت قل اعوذ برب الناس آتی ہے۔ پہلی کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام نووی نے سورۂ حجرات کو ترجیح دی ہے۔ المثانی سے مراد سورۂ فاتحہ ہے (بخاری) سات مطول سورتوں میں پہلی بقرہ ہے اور آخری انفال۔ آپ کو خزانوں کی کنجیاں دی گئی تھیں۔ بعض کا خیال ہے، کہ اس سے خزائن اجناس عالم مراد ہیں، تاکہ آپ ان کے لیے اتنا کچھ ہی نکالیں، جتنا کہ ان کو ضرورت ہے۔ اس بنا پر جو کچھ دنیا میں از قسم رزق ظاہر ہوتا ہے خداوند تعالیٰ وہ اشیا بندوں تک، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے اس ہاتھ سے پہنچاتا ہے۔ جس میں رزق کی کنجیاں ہیں جس طرح غیب کی کنجیاں خدا کے ہاتھ میں ہیں، جسے خدا کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ خدا نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خزانوں کی چابیاں دے کر مختص فرما دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جوامع الکلم (ایسے الفاظ جو تمام معانی پر حاوی ہوں ۔ قرآنِ حکیم) عطا کیے گئے۔ آپ تمام دنیا کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ ہر نبی بالخصوص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا ہے، مگر میں سب کی طرف (سیاہ اور سرخ) بھیجا گیا ہوں۔ ایک روایت میں ہے تمام لوگوں کی طرف۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے ایسے رعب سے نوازا، جو ایک مہینے کی مسافت پر محسوس کیا جاتا تھا۔ آپ کے لیے مالِ غنیمت حلال تھا۔ جو اس سے پہلے کسی کے لیے جائز نہیں تھا۔ اور زمین آپ کے لیے اور امت کے لیے مسجد اور پاک قرار دی گئی۔ آپ کے معجزات قیامت تک جاری رہیں گے، جبکہ باقی انبیا کے معجزے اپنے وقت پر ختم ہو گئے ہیں اور ان کا صرف نام ہی رہ گیا ہے۔ قرآنِ حکیم ایک زبردست دلیل ہے اور ان کا مقابلہ ناممکن ہے۔ آپ کے معجزات کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور آپ خاتم الانبیا والمرسلین ہیں، اور آپ کی شریعت تاقیامت قائم رہے گی۔ اور تمام انبیا کے مذاہب کی ناسخ ہے، اور قیامت کے دن آپ کے پیروؤں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔ اور اگر یہ انبیا آپ کے عہد میں ہوتے، تو انہیں آپ کی اطاعت لازم

ہوتی۔ آپ بالاتفاق جنوں کی طرف بھی مبعوث ہوئے ہیں۔ اور ایک روایت کے رو سے آپ فرشتوں کے لیے بھی مبعوث ہوئے ہیں۔ علامہ سبکی نے اس روایت کو ترجیح دی ہے اور رسول کریم رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

خدا نے تمام انبیا کو ان کے ناموں سے پکارا ہے جیسے یا آدم، یا نوح، یا ابراہیم، یا داؤد، یا زکریا، یا یحییٰ، یا عیسےٰ، یا موسیٰ وغیرہ۔ مگر آپ کو یا ایہا الرسول، یا ایہا النبی، یا ایہا المزمل اور یا ایہا المدثر کہہ کر یاد فرمایا۔ اور آپ کی امت پر، آپ کا نام لے کر بلانے کو ناجائز قرار دیا (لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا[1]) یعنی تم رسولِ کریم کو بلانے اور تخاطب میں وہ رویہ نہ اختیار کرو، جس طرح تم باہم ایک دوسرے کو نام لے کر اونچی آواز سے پکارتے ہو، بلکہ ادب، توقیر اور نرم آواز سے یا رسول اللہ یا یا نبی اللہ کہہ کر خطاب کرو۔ اور آپ سے بہ آواز بلند خطاب (گفتگو) حرام ہے۔ (يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ[2]) اسی طرح آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حجروں کے باہر کھڑا ہو کر بلانا بھی حرام ہے۔ إِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ[3]) رسولِ کریم اللہ کے حبیب ہیں جس میں خلت اور محبت کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ اور خدا نے آپ کی زندگی، رسالت، شہر اور زمانے کی قسم کھائی ہے، اور آپ پر ہر طرح کی وحی کا نزول ہوا ہے، آپ کے پاس، اسرافیل علیہ السلام آئے، جو اس سے پہلے کسی اور نبی کے پاس نہیں آئے تھے۔ طبرانی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اخذ کیا ہے، کہ میں نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو کہتے سنا، کہ مجھ پر آسمان سے ایک ایسا فرشتہ نازل ہوا جو اس سے پہلے نہ تو کسی نبی پر اترا ہے نہ بعد میں اترے گا، وہ اسرافیل ہیں۔

---

[1] النور: ۶۳ [2] حجرات: ۲ [3] حجرات: ۴

انہوں نے آ کر کہا، مَیں خدا کی طرف سے آپ کو پیغام لایا ہوں، آپ نبی اور بندہ ہونا پسند کریں گے یا نبی اور بادشاہ ہونا مَیں نے جبریل کی طرف دیکھا۔ انہوں نے مجھے اشارتاً تواضع کا مشورہ دیا، اگر مَیں بادشاہ بننا پسند کرتا۔ تو پہاڑوں کو سونا بنا دیا جاتا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اولادِ آدم میں سب کے سردار ہیں، امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان الفاظ کا ذکر کیا ہے۔ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ وَبِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام فروگزاشتیں معاف کر دی گئیں۔ ارشاد ہے (لِیَغْفِرَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ)[1] بہ قولِ بیضاوی اس سے مراد ہر وہ فعل ہے، جس پر سرزنش کی جا سکتی ہے، رسولِ اکرم، اللہ کے یہاں اکرم الخلق (تمام کائنات سے معزز تر) تمام انبیائے مرسلین اور سب ملائکہ مقربین سے افضل ہیں، اور آپ پر متعین شیطان اسلام لے آیا تھا۔ (مسلم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطا اور نسیان کا انتساب درست نہیں، اور مُردے سے قبر میں رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اور ازواجِ مطہرات سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نکاح ناجائز ہے (وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ)[2] یعنی وہ حرمت و توقیر میں ماؤں کی طرح ہیں اور آپ کے بعد ان سے نکاح کرنا، آپ کی تکریم و تحریم کے پیشِ نظر حرام ہے۔ اور ازواجِ مطہرات پر خواہ وہ چادروں میں لپٹی ہوئی ہوں، نگاہ ڈالنا حرام ہے۔ نیز چہرے اور ہاتھوں سے بہ وقتِ شہادت پردہ اٹھانا بھی نادرست ہے اور خدا کے نام کے ساتھ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی قسم کھانا بھی درست ہے۔ آپ کے علاوہ کسی اور نبی، فرشتے یا ولی کی قسم کھانا درست نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹیوں کی اولاد آپ کی طرف منسوب ہو سکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا، میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ نیز فرمایا، کہ قیامت کے دن میرے نسب اور حسب کے علاوہ، تمام نسب اور حسب ختم ہو جائیں گے۔ نسب کا تعلق ولادت سے ہے

---

[1] فتح : ۲ [2] احزاب : ۶

اور حسب کا نکاح سے۔ آپ کی صاجزادیوں پر سوکن ڈالنے کی اجازت نہیں کیونکہ یہ بات آپ کے لیے باعثِ تکلیف ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دینا بالاتفاق حرام ہے۔ حضرت مِسْوَر بن مخرمہ سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابوجہل کی بیٹی کو نکاح کا پیغام بھجوایا حالانکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کے نکاح میں تھیں۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا، تو وہ سرکارِ دوعالم کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا، آپ کی قوم کہتی پھرتی ہے، کہ آپ اپنی بیٹیوں کے بارے میں کسی سے بگاڑ نہیں کرتے، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کو ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ نے سنا تو اٹھ کھڑے ہوئے، بعداز تشہد میں نے آپ کو یہ کہتے سنا: اما بعد، بے شک میں نے ابوالعاص بن ربیع سے بیٹی کا نکاح کرایا، لیکن اس نے بعداز گفتگو میری تصدیق کی۔ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اور میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں، کہ وہ لوگ اسے آزمائش میں ڈال دیں اور رسولِ خدا کی بیٹی اور دشمنِ خدا کی لڑکی ایک شخص کے گھر میں کبھی جمع نہیں ہوں گی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس خیال سے دستبردار ہو گئے (شیخین)۔ نیز انہوں نے مِسْوَر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی بیان کی ہے، "میری بیٹی میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جو چیز اسے ناپسند ہے وہ مجھے ناپسند ہے اور جو چیز اسے رنج پہنچاتی ہے وہ مجھے رنج پہنچاتی ہے، اور کوئی شخص بھی آپ کے محراب میں دائیں اور بائیں رخ کر کے نہیں بیٹھ سکتا۔ جس نے آپ کو خواب میں دیکھا، صحیح دیکھا، کیونکہ شیطان آپ کی شکل نہیں اختیار کر سکتا۔ مسلم کی روایت میں ہے، جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے صحیح دیکھا۔ نیز حدیثِ جابر میں مذکور ہے، جس نے خواب میں مجھے دیکھا، اس نے مجھے دیکھا، کیونکہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کا رکھنا دین و دنیا میں باعثِ برکت ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دو بندے اللہ کے سامنے پیش ہوں گے، ان کے بارے میں جنت کا حکم ملے گا۔

وہ دریافت کریں گے، اے خدا تو نے کس لیے ہمیں جنت کا مستحق قرار دیا ہے، حالانکہ ہم نے کوئی ایسا کام نہیں کیا کہ جس کی جزا جنت بن سکے، خدا جواب دے گا، جنت میں داخل ہو جاؤ، کیونکہ میں نے اپنے لیے اس امر کو لازمی قرار دیا ہے، کہ جس شخص کا نام بھی احمد اور محمدؐ ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔ ابونعیم، نبیط بن شریط سے راوی ہیں، آپ نے فرمایا، کہ خدا نے اپنی عزت اور جلال کی قسم کھا کر کہا۔ کہ جو شخص تیرا ہم نام ہوگا، اسے جہنم کا عذاب نہیں دیا جائے گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں، کہ جہاں بھی دسترخوان بچھایا گیا، اور اس پر احمد یا محمدؐ کے نام کے لوگ حاضر ہوئے، اللہ تعالیٰ اس گھر پر دن میں دو دفعہ رحمت بھیجے گا۔ (ابو منصور دیلمی) امام شافعی کے نزدیک کوئی شخص بھی اپنی کنیت ابوالقاسم نہیں رکھ سکتا، خواہ اس کا نام محمدؐ ہو یا نہ ہو۔ مگر امام مالک کے نزدیک جائز ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں یہ بات شامل ہے، کہ جب رسولِ کریم کی احادیث پڑھی جائیں تو غسل کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے، نیز شور نہ مچایا جائے، اور آہستہ گفتگو کی جائے، جیسا کہ آپ کی زندگی میں ہوتا تھا۔ کیونکہ بعد از وفات بھی آپ کے کلام کا وہی احترام ہے، جو اس کلام کا تھا، جو آپ کی زبانِ مبارک سے سنا جاتا تھا۔ اور حدیث اونچی جگہ بیٹھ کر پڑھی جاتی۔ جناب مطرف راوی ہیں، کہ جب لوگ امام مالک کے پاس جاتے، تو ان کی ایک کنیز آ کر دریافت کرتی، "آیا آپ حدیث سننے آتے ہیں، یا مسائل دریافت کرنے"۔ اگر مسائل کے لیے آتے، تو امام فوراً باہر آ جاتے اور اگر وہ سماعِ حدیث کے لیے آتے، تو غسل خانے میں داخل ہو کر غسل کرتے، خوشبو لگاتے، نئے کپڑے پہنتے، پگڑی باندھتے، جبہ اوڑھتے۔ آپ کے لیے ایک تخت پوش رکھا جاتا، اس پر آ کر بیٹھ جاتے، اور آپ پر حالتِ خشوع طاری ہوتی، اور وہاں اس وقت تک عود جلایا جاتا، جب تک تدریسِ حدیث سے فارغ نہ ہو جاتے، اور اس مسند پر صرف اس وقت بیٹھتے، جب درسِ حدیث دیتے۔ ابن ابی اویس راوی ہیں۔ ان سے اس کی وجہ

پوچھی گئی، کہنے لگے، مَیں حدیثِ رسول کی تعظیم کو پسند کرتا ہوں، اس لیے مَیں اس کی تدریس کے وقت صاف ستھرا ہو کر وقار سے بیٹھتا ہوں۔ کہتے ہیں، انہوں نے یہ بات حضرت سعید بن مسیب سے اخذ کی۔ حضرت قتادہ، امام مالک اور محدثین کی ایک جماعت کے خیال میں بغیر وضو کے حدیث پڑھانا مکروہ ہے۔ چنانچہ امام اعمش جب بغیر وضو ہوتے، تو تیمم کر لیتے۔ بلاشبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم بعداز وفات اور اسی طرح آپ کی حدیث کی توقیر اور آپ کے نام اور سیرت کی تکریم اسی طرح ضروری ہے، جیسا کہ آپ کی زندگی کے دوران میں تھی۔ اور قاریٔ حدیث کے لیے کسی شخص کے لیے تعظیماً اٹھنا مکروہ ہے۔ اور اس بارے میں حضرت امام مالک کا واقعہ کافی ہے، کہ انہیں ایک بچھو نے سترہ دفعہ ڈنگ مارا اور وہ اپنی جگہ سے توقیراً نہیں ہلے اور اس کے ڈنگ کی اذیت کو برداشت کیا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں یہ بات بھی شامل ہے، کہ صحابی بننے کے لیے آپ کی صحبت کا ایک لمحہ کافی ہے، لیکن تابعی بننے کے لیے صحابی سے عرصے تک صحبت رکھنا ضروری ہے۔ اس فرق کی وجہ نبوت کے مرتبے اور اس کے نور کی عظمت ہے، چنانچہ جونہی آپ کی نظر کسی ناتراشیدہ بدو پر پڑتی وہ حکیمانہ باتیں کرنے لگ جاتا۔ اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے سارے صحابی عادل تھے، کیونکہ خدا نے اس وقت کے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ وَجَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا۔[1] (وَسَطًا سے مراد عادل ہے) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، میرے صحابی کو بُرا بھلا مت کہو۔ مجھے اس ذات کی قسم، جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم اُحد پہاڑ جتنا بھی سونا خرچ کرو تم ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ان کے نصف تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ آپ نے فرمایا، میرا زمانہ بہترین زمانہ ہے، پھر اس کے بعد وہ جو ان کے بعد آئیں گے اور پھر وہ جو اُن کے بعد آئیں گے۔ یہ بات بھی آپ کی خصوصیات میں شامل ہے، کہ نماز پڑھنے والا آپ

---

[1] بقرہ : ۱۴۳

سے مخاطب ہو کر السلام علیک ایھا النبی کہتا ہے اور آپ کے علاوہ کسی اور سے نہیں کہتا۔ اور اسی طرح اگر آپ کسی آدمی کو بلائیں اور وہ نماز پڑھ رہا ہو، تو اسے جواب دینا واجب ہے۔ اور جس شخص نے آپ پر کوئی افترا باندھا (یا غلط بات آپ سے منسوب کی) وہ خواہ توبہ کر لے، ابدی طور پر مردود الشہادت ہو جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر گناہ سے صغیرہ ہو یا کبیرہ، عمد ہو یا سہو، معصوم ہیں۔ اسی طرح باقی انبیا بھی۔ نیز آپ پر نہ تو جنون نہ لمبی بے ہوشی اور نہ اندھا پن واقع ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ نقص ہے، اسی طرح باقی انبیا پر بھی۔ اور جو شخص سبِّ رسول کرے یا آپ میں نقائص تلاش کرے، وہ قتل کر دیا جائے (قاضی عیاض) اس پر قرآن، حدیث اور اجماع امت سے دلیل پیش کی جاتی ہے۔ امام خطابی فرماتے ہیں، میں مسلمانوں میں سے کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتا، کہ جسے ایسے شخص کے قتل کے بارے میں اختلاف ہو۔ مذہب امام مالک کے رُو سے ایسے شخص کو بطور سزا قتل کیا جائے گا نہ بطور مرتد۔ اس کی توبہ اور معذرت بہ بہانہ سہو و غلطی منظور نہیں ہو گی۔ شافعیوں کا مذہب یہ ہے، کہ یہ ارتداد ہے، ایسا شخص اسلام سے نکل کر کفر میں آ گیا، وہ مرتد اور کافر ہے۔ اور اس بارے میں ہمارے علما میں کوئی اختلاف نہیں۔ مرتد اگر توبہ کرے، تو اس کی توبہ مان لی جائے گی، ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں یہ بات بھی شامل تھی، کہ آپ جس آدمی کو چاہتے، کسی خوبی سے نواز دیتے۔ جیسے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو دو آدمیوں کی شہادت کے مساوی قرار دیا۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدو سے گھوڑا خریدا۔ بعد میں بدو نے گھوڑا دینے سے انکار کر دیا۔ اس اثنا میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ آ گئے، انہوں نے کہا بدو میاں! میں اس بات کا شاہد ہوں کہ تم نے گھوڑا بیچا ہے۔ بدو کہنے لگا، کہ اگر خزیمہ کی شہادت میرے خلاف ہے، تو لائیے

قیمت۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، "خزیمہ! تم تو اس واقعہ میں موجود نہ تھے، تم کیسے شہادت دے رہے ہو۔" انہوں نے جواب دیا، "یارسول اللہ! جب ہم آسمانی معاملات میں آپ کی تصدیق کرتے ہیں تو اس اعرابی کے بارے میں کیوں تصدیق نہ کروں۔" آپ اس کے بعد ان کی شہادت کو دو آدمیوں کے برابر جانتے تھے اور اسلام میں سوائے جناب خزیمہ رضی اللہ عنہ کے اور کوئی آدمی ایسا نہ تھا۔ اسی ذیل میں آتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی (حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو ماتم کی) اجازت۔ وہ راوی ہیں، کہ جب قرآنِ حکیم کی یہ آیت (یُبَایِعْنَکَ عَلٰی ـــــ اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ ـــــ مَعْرُوْفٍ[1]) اتری تو ماتم بھی اس میں شامل تھا۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ اس میں فلاں خاندان کو مستثنیٰ فرما دیجئے۔ یہ لوگ جہالت میں مجھ سے حُسنِ سلوک سے پیش آتے تھے، مجھے بھی ان سے حُسنِ سلوک کے بغیر چارہ نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجازت دے دی۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اسماء بنت عمیس کو ترکِ سوگ کی اجازت دے دی تھی۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ جب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، تو حضور نے مجھے فرمایا، تو تین دن تک ماتمی لباس پہنے رکھ، اس کے بعد جو چاہے کر۔ اسی طرح بزغالے کی قربانی کا واقعہ ہے جو ابو بردہ بن دینار کو پیش آیا، ابھی اس کا ایک سال پورا نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ایک عورت سے (جو کچھ اسے قرآن سے یاد تھا) اس پر نکاح کر دیا، فرمایا اس کے بعد کسی شخص کو اس مہر کی اجازت نہ ہوگی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بخار آتا، تو آپ کو دو آدمیوں جتنی تکلیف ہوتی، تاکہ آپ کو زیادہ اجر ملے۔ اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بیماری کے دوران میں تین دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام عیادت کے لیے آئے (بیہقی) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر لوگوں نے گروہ در گروہ بغیر امام اور بغیر دعائے جنازہ کے نمازِ جنازہ پڑھی (بیہقی) اور آپ کو تین دن تک دفن نہیں کیا گیا (جیسا کہ ہم بیان کریں گے)، اور آپ کی قبر میں

---

[1] ممتحنہ : ۱۲

ایک کپڑا بچھایا گیا تھا۔ اور ہمارے لیے یہ دونوں باتیں مکروہ ہیں۔ اور آپ کی وفات پر دنیا میں اندھیرا چھا گیا تھا۔ اور آپ کا جسم مبارک مٹی میں نہیں سڑے گا اور یہی صورتِ حال باقی انبیا کی ہے۔ (ابو داؤد) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وارث نہیں تھا اور یہی حال باقی انبیا کا ہے، جیسا کہ نسائی نے حضرت زبیر کی حدیث (اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُوْرَثُ) میں مذکور ہے، نیز آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اذان اور اقامت سے نماز پڑھتے ہیں یہی حال باقی انبیا کا ہے۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں، کہ آپ کی ازواجِ مطہرات پر عدت لازم نہیں تھی۔ ابن نجار وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ کہ ایام الحرہ (وہ تین دن مراد ہیں جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ میدانِ کربلا میں پیاسے رہے) میں یہ معمول (اذان دینا) متروک ہو گیا تو لوگ اور سعید بن مسیب گھبرا کر مسجد میں گئے۔ حضرت سعید راوی ہیں، کہ میں گھبرا کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے قریب گیا۔ جب ظہر کا وقت آیا، تو میں نے قبر سے اذان کی آواز سنی اور میں نے ظہر کی نماز پڑھی۔ تین دن تک یہ اذان اور اقامت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر میں ہوتی رہی، تا آنکہ تین دن گزر گئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر ایک فرشتہ مقرر ہے، جو درود پڑھنے والوں کے درود آپ تک پہنچاتا ہے۔ (امام احمد) حاکم نے اسے بایں الفاظ بیان کیا ہے۔ کہ زمین میں خدا کے کچھ سیاح فرشتے ایسے ہیں، جو میری امت کا سلام و درود مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔ اصفہانی نے حضرت عمار سے یوں بیان کیا ہے۔ خدا کا ایک فرشتہ ایسا ہے، جو تمام انسانوں کی باتیں سن لیتا ہے، جو شخص بھی درود پڑھتا ہے۔ وہ فرشتہ مجھ تک اسے پہنچا دیتا ہے۔ اور امت کے اعمال مجھ تک پہنچاتا ہے اور میں اس کے لیے استغفار مانگتا ہوں۔ ابنِ مبارک، سعید بن مسیب سے راوی ہیں، کہ کوئی ایسا دن نہیں ہوتا، کہ صبح و شام امت کے اعمال حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش نہ کیے جاتے ہوں، چنانچہ آپ انہیں ان کے چہرے مہرے اور اعمال سے پہچانتے ہیں۔ آپ کا منبر حوضِ کوثر پر واقع ہے۔ ایک روایت میں مذکور ہے، کہ میرا منبر بہشت کے ایک باغ پر

نصب ہے اگر اس سے مراد اطمینانِ قلب ہے، تو وہ تو باغ ہی ہے۔ اور علماء میں سے کسی شخص کو بھی اس سے اختلاف نہیں، کہ اس سے مراد واقعی باغ ہے اور یہ امر درست، محسوس اور موجود ہے۔ کیونکہ قدرت میں اس کی صلاحیت ہے اور ایسا کرنے سے معذور نہیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو امورِ غیب بیان فرمائے ہیں، ان پر ایمان لانا واجب ہے اور آپ کے منبر اور قبر کے درمیان جنت کا ایک باغ ہے۔ بخاری نے اسی بات کو بایں الفاظ بیان کیا ہے (ما بین بیتی و منبری) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ پہلے آدمی ہوں گے، جن کی قبر (قیامت کے دن) شق ہو گی۔ مسلم میں یہ الفاظ مذکور ہیں (اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْہُ الْاَرْضُ) آپ سب سے پہلے اٹھیں گے اور سب سے پہلے پل صراط سے گزریں گے۔ (بخاری) نیز آپ ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ قبر سے اٹھائے جائیں گے۔ جیسا کہ کعب احبار کی روایت میں ہے، کہ ہر صبح ستر ہزار فرشتے آپ کی قبر پر جمع ہو کر پروں کو پھڑپھڑاتے ہیں اور جب شام ہو جاتی ہے تو واپس چلے جاتے ہیں۔ پھر ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں تا آنکہ قیامت کے دن زمین پھٹے گی اور آپ ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ، جو ازراہِ توقیر آپ کے ساتھ ہوں گے، نکلیں گے، اور آپ براق پر سوار ہوں گے۔ (حافظ سلفی)، اور میدانِ حشر میں آپ کو جنت کا ایسا بہترین لباس پہنایا جائے گا، جسے کوئی اور آدمی برداشت نہیں کر سکے گا۔ کعب بن مالک نے اس روایت کو بہ ایں انداز بیان کیا ہے، قیامت کے دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے، میں اور میری امت ایک ٹیلے پر ہونگے اور میرا خدا مجھے سبز لباس پہنائے گا۔ اور آپ عرش کے دائیں طرف ایسی جگہ کھڑے ہوں گے جہاں کوئی دوسرا شخص نہیں کھڑا ہو گا اور سب اگلے پچھلے آپ سے رشک کریں گے۔ (ابن مسعود) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ محمود عطا ہو گا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد جلوس علی العرش ہے، عبداللہ بن سلام کے مطابق اس سے مراد کرسی

ہے۔ بغوی کے مطابق آپ سے مراد دونوں ہیں۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو شفاعتِ عظمےٰ کا مقام دیا جائے گا۔ اور آپ حشر میں کھڑے جھگڑے چکائیں گے۔ جب وہ اپنے انبیاء سے مایوس ہو کر آپ کے پاس آئیں گے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بعض ایسے لوگوں کی شفاعت کا منصب حاصل ہوگا، جو بغیر از حساب جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش پر جنت میں لوگوں کے درجے بڑھائے جائیں گے۔ اور آپ کے پاس لواء الحمد ہوگا، جس کے نیچے آدم اور باقی لوگ کھڑے ہوں گے۔ (بزاز) اور قیامت کے دن آپ کے پیروؤں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے جنت کے دروازے پر دستک دیں گے، امام مسلم، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، میں جنت کے دروازے پر دستک کو آؤں گا، تو خازن کہے گا، مجھے آپ ہی کے بارے میں حکم دیا گیا تھا، کہ کسی اور کے لیے آپ سے پہلے دروازہ نہ کھولوں۔ طبرانی نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے۔ خازن تعظیماً اٹھ کھڑا ہوگا، اور کہے گا میں نے آپ سے پہلے کسی کیلئے دروازہ نہیں کھولا اور آپ کے بعد کسی اور کے لیے اٹھوں گا بھی نہیں، آپ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، فرمایا میں سب سے پہلے جنت کی کنڈی کھٹکھٹاؤں گا۔ اللہ کھول دے گا اور مجھے داخل کرے گا اور میرے ساتھ فقرائے مومنین کی جماعت ہوگی۔ (ترمذی) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں نہرِ کوثر بھی ہے جو آپ کے حوض میں آکر شامل ہو جائے گی اور جس کی گزرگاہ میں موتی اور یاقوت بکھرے پڑے ہیں اور جس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سفید ہے، علاوہ ازیں آپ کی خصوصیات میں "الوسیلہ" بھی ہے، جو جنت کا سب سے اوپر کا درجہ ہے۔

فضائلِ امتِ محمدیہ:- تمہیں معلوم ہونا چاہیئے، کہ خدا نے آپ کی امت کو اہلِ عالم کے لیے تمام امتوں سے بہتر بنایا، وہ

انبیاء کے وارث ہیں اور احکام دین میں انہیں اجتہاد کی اجازت دی، چنانچہ وہ اجتہاد کے مطابق احکام جاری کرتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد، جو شخص بھی اس امت کے عہد میں عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آئے گا، وہ شرع محمدی کے مطابق عمل کرائے گا، وہ پیغمبر ہمارے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوں گے۔ اسی طرح علماء کی جو جماعت، حضرت خضر کے بارے میں اس بات کی قائل ہے، کہ وہ اب بھی زندہ ہیں وہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کا متبع قرار دیتی ہے۔ اسی طرح حضرت الیاس بھی، جو بقول ابو عبداللہ قرطبی زندہ ہیں۔ اور انبیا میں سوائے جناب رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے کوئی ایسا نبی نہیں ہوا، کہ دوسرا کوئی نبی اس کا پیرو رہا ہو۔ اور امتِ محمدیہ کو اتنا شرف کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو ایسے خصائص سے نوازا ہے، جو پہلے کسی امت کو عطا نہیں ہوئیں۔ اور اخبار و آثار اس کے شاہد ہیں۔ ابونعیم، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل ہوئی، انہوں نے پڑھی اور اس میں اس امت کا ذکر دیکھا۔ کہنے لگے، اے خدا میں الواحِ توریت میں ایک ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں، جو آخر میں آکر بھی سب سے آگے نکل جائیگی۔ اسے میری امت بنا، فرمایا یہ احمد کی امت ہے۔ پھر عرض کیا، میں ان الواح میں ایک ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں، کہ جن کے صحیفے ان کے سینوں میں ہوں گے اور زبانی پڑھیں گے، تو اسے میری امت بنا۔ ارشاد ہوگا، کہ وہ امت احمد ہے۔ پھر عرض کیا، میں ان الواح میں ایک ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں، جن پر مالِ غنیمت حلال ہوگا۔ اسے میری امت بنا۔ ارشاد ہوا، یہ امتِ احمد ہے۔ پھر کہا، اے خدا ان الواح میں ایسی امت کا ذکر ہے، جو صدقہ خود کھائے گی لیکن اسے پھر بھی اجر ملے گا۔ اسے میری امت بنا۔ ارشاد ہوا، وہ امتِ احمد ہے۔ پھر کہا اے

خدا، مَیں ان الواح میں ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں، جن میں سے جب کوئی نیکی کا ارادہ کرے گا، تو بغیر از عمل اسے ایک نیکی کا اجر ملے گا لیکن اگر وہ اس پر عمل بھی کرتا ہے، تو اسے دس نیکیوں کا اجر ملے گا، اسے میری امت بنا۔ فرمایا، یہ امت احمد ہے، پھر کہا، اے خدا، مَیں نے ان الواح میں دیکھا ہے، کہ اس میں ایک ایسی امت کا ذکر ہے، کہ جن میں سے اگر کوئی کسی ایسی برائی کا ذکر کرے، جسے وہ کر نہیں پاتا تو اسے اس کے خلاف نہیں لکھا جائے گا اور اگر عمل کرتا ہے، تو صرف ایک برائی لکھی جائے گی، فرمایا یہ امتِ احمد ہے۔ پھر عرض کیا، اے اللہ مَیں ان الواح میں ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں، جنہیں اول اور آخر کا علم ہوگا، اور وہ دجال کو قتل کریں گے، مجھے اس امت میں شامل کر، فرمایا، وہ امتِ احمد ہے، عرض کیا، اے خدا تو مجھے اس امت میں شامل کر لے۔ اس بنا پر انہیں دو خوبیاں عطا کی گئیں، فرمایا۔ "اے موسیٰ! مَیں نے تجھے لوگوں میں سے رسالت اور تکلم کے اوصاف سے سرفراز کیا ہے، جو کچھ مَیں نے دیا ہے لے لو، اور شکر گزار بندوں میں شامل ہو جاؤ"۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، اے خدا مَیں اس پر رضامند ہوں "منطق المفہوم" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مذکور ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گزارش کی، "اے خدا! کیا میری امت سے بڑھ کر تجھے کوئی اور امت پیاری ہے، کیونکہ تُو نے میری امت کے سر پر بادل کا سایہ مسلط کیا، اور من و سلویٰ اتارا،" فرمایا، "اے موسیٰ! کیا تمہیں علم نہیں، کہ تمام امتوں میں امتِ محمدی کو وہی مقام فضیلت حاصل ہے، جو مجھے تمام مخلوق کے مقابلے میں،" عرض کیا، اے خدا تو مجھے وہ امت دکھا تو دے،" فرمایا، تو نہیں دیکھ تو نہیں سکے گا۔ البتہ تو ان کی گفتگو سن سکے گا۔ اس پر خدا نے انہیں آواز دی۔ سب نے بیک آواز لبیک اللھم لبیک کہا، اللہ نے کہا، تم پر میری رحمت ہو، میری شفقت کو میرے غضب پر اور میری عفو کو عذاب پر سبقت حاصل ہے، قبل اس کے کہ تم مانگو، مَیں نے تمہاری

خواہش پوری کردی۔ تم میں سے جو شخص بھی میری وحدانیت اور محمدؐ کی رسالت کی توثیق کرے گا، میں اس کے گناہ معاف کر دوں گا۔ چنانچہ خدا نے مجھ پر اسی نوازش کے اظہار کے لیے فرمایا۔ "جب ہم نے طور کے ایک کنارے پر، موسیٰ کو سنانے کے لیے آپ کی امت کو آواز دی، تو آپ وہاں موجود نہ تھے۔"

ابو نعیم نے الحلیہ میں لکھا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی، کہ بنی اسرائیل کو کہہ دو، کہ جو شخص بھی مجھ سے ایسی حالت میں ملے گا، کہ وہ احمد کا منکر ہو گا، میں اسے جہنم میں داخل کروں گا۔ انہوں نے پوچھا، اے خدا، احمد کون ہیں؟ فرمایا، "ساری خلقت میں مجھے ان سے محبوب تر اور کوئی نہیں، آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے میں نے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ لکھ دیا۔ اور تمام مخلوق پر جنت کا داخلہ اس وقت تک ممنوع ہے جب تک ان کی امت داخل نہ ہو چکے گی۔" پوچھا، ان کی امت کون لوگ ہیں؟ فرمایا، "اٹھتے بیٹھتے میری تعریف کرنے والے، ہر حالت میں اپنی کمریں باندھ رکھنے والے اور اپنے ہاتھ پاؤں کو صاف ستھرا رکھنے والے، دن کو روزہ رکھنے والے اور راتوں کو عبادت کرنے والے، میں ان کی تھوڑی سی چیز بھی قبول کر لوں گا اور ہر کلمہ گو کو بہشت میں داخل کروں گا۔" موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، "تو مجھے اس امت کا نبی بنا دے، فرمایا، "ان کا نبی انہی میں سے ہو گا۔" عرض کیا، "مجھے اس امت میں شامل کر دے۔" فرمایا، تم مقدم ہو، اور وہ (محمد) بعد میں آئیں گے لیکن میں تم دونوں کو دار الجلال میں جمع کروں گا۔"

حضرت وہب بن منبہ راوی ہیں، خدا نے حضرت شعیا کو وحی کی، کہ میں دنیا میں ایک ایسا نبی امیؐ بھیجنے والا ہوں، جو بہرے کانوں، غافل دلوں اور اندھی آنکھوں کو کھول دے گا۔ اس کی پیدائش تو مکے میں ہو گی، مگر وہ ہجرت کر کے مدینے میں آجائے گا اور اس کی سلطنت شام تک پھیل جائے گی۔ وہ میرا بندہ ہے، متوکل، برگزیدہ، بلند مرتبہ

محبوب، منتخب اور مختار جو برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دے گا بلکہ معاف کر دے گا، درگزر کرنے والا اور مومنوں پہ رحیم ہوگا۔ جو بھاری بوجھ اٹھانے والے جانور اور بیوہ ماؤں کی گود میں یتیم بچوں کے لیے روئے گا، وہ نہ بدخو ہے اور نہ تنگ دل اور نہ بازاروں میں شور کرنے والا نہ فحش گوئی کرنے والا اور نہ اس کی آواز میں غنہ ہوگا۔ (یعنی ان کی آواز صاف اور واضح ہوگی) اگر وہ چراغ کے پاس سے گزرے گا تو اس کی نرم روی کی وجہ سے بجھے گا نہیں، اور اگر وہ لمبے اور خشک سرکنڈے پر سے گزرے گا، تو اس کے پاؤں کے نیچے سے آواز نہیں آئے گی۔ میں اسے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجوں گا۔ اور اس کی امت کو بہترین امت بناؤں گا۔ جو اچھے کام کرنے کا حکم دے گی اور بُرے افعال سے روکے گی۔ میری توحید کی قائل ہوگی، مجھ پر ایمان لائے گی، اور مجھ سے مخلص ہوگی۔ اور میرے رسول جو پیغام لائے ہیں، اس کی تصدیق کرے گی۔ وہ شمس و قمر کی نگہبان ہوگی۔ مبارک ہیں وہ دل، چہرے اور روحیں جو میرے لیے مخصوص ہیں۔ اس امت کے پیروکار مسجدوں، مجلسوں، بستروں اور گھروں میں میری تسبیح، تکبیر، تحمید اور توحید کے بارے میں ذکر اذکار کریں گے اور وہ اپنی مساجد میں اس طرح صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے جس طرح فرشتے میرے عرش کے گرد کھڑے ہیں وہ لوگ میرے اولیا اور انصار ہیں، میں ان کی معرفت اپنے دشمنوں (بتوں کی پرستش کرنے والوں) سے انتقام لوں گا۔ وہ لوگ قیام، قعود، رکوع اور سجدے میں میری عبادت کریں گے اور وہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں اور مال و متاع سے علیحدہ کر دیئے جائیں گے۔ اور میری راہ میں صفیں باندھ کر لڑیں گے۔ میں ان کی کتاب (قرآن) پر اپنی کتابوں کا اور ان کی شریعت اور دین پر اپنی شریعتوں اور دینوں کو ختم کر دوں گا۔ جس نے بھی ان کے زمانے کو پایا اور ان کی کتاب پر ایمان نہ لایا اور ان کے دین اور شریعت میں شامل نہ ہوا، تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ میں ان لوگوں کو تمام امتوں سے بہتر بناؤں گا، اور انہیں

ایسی معتدل امت قرار دوں گا، جو لوگوں کے نگہبان ہوں گے۔ جب وہ کسی وجہ سے غصے میں ہوں گے، تو لا الٰہ الا اللہ کا ورد کریں گے، اور جب لڑیں جھگڑیں گے، تو میری تسبیح کریں گے۔ اپنے چہرے اور ہاتھ پاؤں صاف ستھرے رکھیں گے۔ اور انصاف کیلئے ہر وقت آمادہ رہیں گے۔ نیز ٹیلوں اور بلند مقامات پر میرا ذکر کریں گے۔ ان کے خون ان کی قربانیاں ہیں، اور ان کے مذہبی صحیفے ان کے سینوں میں ہوں گے۔ راتوں کو عبادت گزار اور دنوں کو شیرانِ یلغار ہوں گے۔ بشارت ہے ان لوگوں کے لیے جو ان کا ساتھ دیں گے۔ اور ان کا دین، مسلک اور شریعت اپنا لیں گے۔ یہ میری نوازش ہے، جسے چاہوں عطا کر دوں۔ اور میں عظیم فضل کا مالک ہوں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیتوں میں سے ایک خصوصیت جمعہ بھی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ہم سب سے بعد آئے ہیں، لیکن قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے، ہر چند انہیں الہامی کتاب ہم سے پہلے ملی ہے۔ یہ دن ان کا تھا. جس کا تقدس ان پر فرض تھا، ان میں اختلاف ہو گیا، بعد میں خدا نے ہمیں راہ دکھائی چنانچہ وہ لوگ اس باب میں ہمارے پیروکار ہیں، یہود نے ہفتے کا انتخاب کیا اور عیسائیوں نے اتوار کا۔

اس امت کی خصوصیات میں یہ امر بھی شامل ہے، کہ خدا نے انہیں ان ذمہ داریوں سے مبرا کر دیا، جو پہلی امتوں پر ڈالی گئی تھیں، چنانچہ قرآنِ حکیم میں مذکور ہے وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ[1]۔ یعنی خدا انہیں تکالیف شاقہ برداشت کرنے سے مستثنیٰ قرار دے گا، مثلاً قتل عمداً اور خطا میں تعیین قصاص سے خطاکار عضو کے کاٹ دینے سے اور ناپاک کپڑے کو کاٹنے سے اور قبولِ توبہ کی غرض سے، ارتکابِ خودکشی سے، بنی اسرائیل میں یہ دستور تھا، کہ جب کوئی آدمی کسی گناہ کا ارتکاب کرتا۔ تو صبح کے وقت اس کے دروازے پر لکھا ہوتا، کہ فلاں گناہ کا کفارہ یہ ہے، کہ تو

---
[1] اعراف : ۱۵۷

اپنی دونوں آنکھوں کو نکال کر پھینک دے۔ چنانچہ وہ آنکھوں کو نکال کر پھینک دیتا۔

اِصْر اُس بوجھ کو کہتے ہیں، جو آدمی کو روک لے اور جگہ سے ہلنے نہ دے۔

ایک خصوصیت یہ بھی ہے، کہ خدا نے ان سے وہ تین دقتیں اٹھالیں، جو اُن سے پہلی امتوں پر وارد تھیں۔ اور ان کے دین میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی:۔ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ[1] یعنی ایسی دقتوں سے مستثنیٰ قرار دیا۔ جو باعثِ تکلیف ہو سکتی تھیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ خدا نے اس امت کو ان تمام دقتوں اور مشکلوں سے بچالیا، جو بنی اسرائیل پر عاید تھیں۔

اس امت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے، کہ خطا اور نسیان پر کوئی گرفت نہیں اور وہ اس پر قابلِ ملامت نہیں گردانے جاتے۔ اور نہ حدیثِ نفس (دل کی پخت و پز) پر گرفت ہے۔ بنی اسرائیل کو جب کسی بات کا حکم دیا جاتا، اور وہ اسے بھول جاتے، یا کسی غلطی کا ارتکاب کر بیٹھتے تو فوراً انہیں سزا مل جاتی اور کھانے پینے کی کوئی چیز بہ مطابق گناہ ان پر حرام کردی جاتی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کے ان قصوروں سے جو خطا و نسیان کی وجہ سے سرزد ہوں۔ صرف نظر کردی گئی ہے، اور کوئی گرفت نہ ہوگی۔ (امام احمد وغیرہ)

نیز اسلام ایک وصفِ خاص ہے جس میں سوائے انبیاء علیہم السلام کے کوئی ان کا شریک نہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے، هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا[2]

نیز شریعتِ اسلامی تمام سابقہ شریعتوں کے مقابلے میں کامل تر ہے، اور یہ ایسی خوبی ہے جس کے لیے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو دیکھیے۔ وہ جلال اور قہر کی شریعت ہے جس میں انہیں اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم ملا۔ ان پر چربی، کھر دار جانور کئی اور پاک اشیا اور مالِ غنیمت حرام قرار دیا گیا۔ انہیں

---

[1] الحج: ۱۰ [2] مائدہ: ۴

گناہوں کے ارتکاب پر فوراً سزائیں دی گئیں اور ان پر ایسے ایسے بوجھ لادے گئے جو اس سے پیشتر کسی پر نہیں لادے گئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام رعب داب کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر تھے اور ہیبت وجلال میں سب سے زیادہ تھے، اور خدا کے دشمنوں پر ان کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ آدمی ان سے آنکھیں نہیں ملا سکتا تھا۔ (برخلاف ایں) عیسیٰ علیہ السلام خدا کے جمالی اوصاف کا مظہر تھے اور ان کی شریعت میں فضل واحسان کا عنصر زیادہ ہے، وہ نہ کسی سے لڑے نہ جھگڑے اور ان کی شریعت میں جنگ کی اجازت نہیں اور نصاریٰ کے دین میں لڑائی حرام ہے اور وہ اس باب میں مجرم ہیں۔ کیونکہ انجیل کا حکم تو یہ ہے، جو شخص تیرے دائیں رخسار پر تھپڑ مارے تو بائیں رخسار اس کی طرف پھیر دے اور جو شخص تیری قمیص اتارے، تو اسے چادر بھی اتار کر دے دے اور اگر کوئی شخص بیگار میں تجھے ایک میل تک لے جائے تو دو میل تک چلا جا، وغیرہ۔

اس کے برخلاف ہمارے رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ایسے کمال کا مظہر تھے جس میں قوت کے علاوہ عدل بھی تھا، نیز مستحق کے ساتھ نرمی، رحمت اور شفقت بھی۔ اس بنا پر آپ کی شریعت تمام شریعتوں سے کامل تر تھی اور نیز امت محمدیہ کے احوال اور مقامات مقابلۃً بہتر اور اعلیٰ ہیں۔ اسی وجہ سے شریعت اسلامی میں عدل فرض ہے اور دوسرے سے بھلائی کو مرغوب قرار دیا ہے۔ نیز سختی کے مقابلے میں سختی اور نرمی کے مقابلے میں نرمی کا حکم ہے۔ خدا نے ظلم کا نام لیا اور اسے حرام قرار دیا، عدل کا نام لیا، اور اس کے کرنے کا حکم دیا، فضل کا نام لیا اور اسے پسند فرمایا۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے "برائی کا بدلہ، اسی طرح کی برائی ہے"۔ یہ عدل ہے "جو شخص معاف کر دے اور حسن سلوک سے پیش آئے، اس کی جزا اللہ کے ہاتھ ہے"۔ یہ فضل ہے۔ "خدا ظالموں کو ناپسند کرتا ہے"۔ اس میں ظلم کی حرمت بیان ہوئی ہے۔ "اگر تمہیں کوئی تکلیف دے، تو تم اسے اتنی ہی تکلیف دو، جتنی کہ تمہیں دی گئی ہے"۔ اس میں عدل کی اجازت دی گئی ہے اور ظلم

سے روکا گیا ہے اور اگر تم صبر کر سکو، تو صبر کرنے والوں کی اس میں بھلائی ہے۔ اس آیت میں بھلائی کی ترغیب دی گئی ہے۔

اسی طرح اس امت پر از روئے احتیاط و پرہیز ہر ناپاک اور مضر چیز کو حرام اور ہر پاک اور مفید چیز کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ ناپاک اور مضر اشیا کی تحریم اس امت کے لیے رحمت ہے اور گزشتہ امتوں پر اس کی حیثیت عذاب کی تھی۔ نیز مسلمانوں کو اس چیز کی طرف رہ نمائی کی جس سے پہلی امتیں بھٹک گئی تھیں، جیسا کہ جمعے کا دن، اللہ نے مسلمانوں کو اپنے علم اور حلم سے حصّہ دیا، اور انہیں بہترین امت قرار دیا اور انہیں تمام ان اوصاف سے نوازا جو باقی امتوں کو مجموعی طور پر دی تھیں۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ان خوبیوں سے سجایا گیا۔ جو پیشتر ازیں مجموعی طور پر تمام سابقہ انبیا میں بانٹی گئی تھیں، اور اسی طرح حضورؐ کی کتاب میں وہ تمام محاسن جمع کر دیئے ہیں جو سابقہ الہامی کتب میں مجموعی طور پر پائے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے خدا نے اس امت کو برگزیدہ امت کے خطاب سے نوازا ہے۔ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ[1]

نیز خدا نے اس امت کو قیامت کے دن باقی لوگوں پر نگہبانی کا اعزاز بخشا۔ اور انہیں اس باب میں گزشتہ امتوں کے ان انبیا کا مقام عطا فرمایا، جو اپنی امتوں کیلئے اس مقام پر سرفراز ہو کر مبعوث ہوئے تھے۔

نیز یہ امت کبھی بھی گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی۔ یہ حدیث امام احمد سے مروی ہے، حضورؐ نے فرمایا، میں نے خدا سے درخواست کی، کہ میری امت کو کبھی بھی گمراہی پر مجتمع نہ کرنا۔ خدا نے میری یہ دعا منظور کر لی۔

نیز اس امت کا اجماع حجت ہے اور ان کا اختلاف باعثِ رحمت ہے۔ حالانکہ گزشتہ امتوں کا اختلاف، عذاب شمار ہوتا تھا۔ نیز یہ امت اعمال کے لحاظ سے سب سے آگے ہے اسے زیادہ اجر ملے گا، اور ان کی عمریں چھوٹی ہوں گی، انہیں اوّل و آخر کا علم

---

[1] الحج: ۷۸

دیا گیا ہے اور یہ سب سے آخری امت ہے۔ باقی امتیں ان کے سامنے رسوا ہوں گی، مگر یہ کسی کے سامنے رسوا نہ ہوں گے۔

نیز اس امت کو اسناد (نقل روایت) کی خوبی سے سرفراز فرمایا، اور یہ خوبی اس امت کی بہترین خصوصیتوں میں شمار ہوتی ہے، اور سنن مؤکدہ میں بہترین سنت سمجھی جاتی ہے۔ محمد بن حاتم بن مظفر فرماتے ہیں، کہ خدا نے اس امت کو اسناد کے وصف سے سرفراز فرمایا، حالانکہ باقی تمام امتوں میں قدیم ہوں یا جدید اسناد نہیں ملتا۔ ان کے صحیفے ان کے پاس ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنی باتیں آسمانی صحیفوں میں گڈمڈ کر دیں۔ ان کے یہاں ان آیات میں جو توریت اور انجیل میں اتاری گئیں، اور ان باتوں میں جو انہوں نے غیر ثقہ لوگوں سے لے کر کتابوں میں شامل کر دی ہیں، کوئی فرق نہ رہا مگر اس امت شریفہ کے پیروکار ان احادیث کو ان لوگوں سے جو اُن کے زمانے میں راستی اور دیانت میں ضرب المثل تھے، حاصل کرتے، اور پھر انہیں ان لوگوں تک لے جاتے، جو انہی اوصاف کے حامل تھے۔ پھر ان پہ زبردست بحث چھڑ جاتی۔ پھر وہ ان میں سے زیادہ اچھی یادداشت والے اور زیادہ محتاط راوی کو ڈھونڈھ لیتے اور پھر اس راوی کو جس کا اپنے سے اوپر والے راوی کے ساتھ، باقی راویوں کے مقابلے میں زیادہ اٹھنا بیٹھنا تھا، تلاش کرتے پھر وہ حدیث کو بیس یا اس سے بھی زیادہ اسناد سے لکھتے، اور اسے غلطیوں اور لغزشوں سے صاف کر دیتے۔ اس کے حروف کو منضبط کرتے اور شمار کرتے۔ یہ اس امت پر خدا کا بہت بڑا احسان ہے۔ نیز اس امت میں ہمیشہ ایک ایسا گروہ موجود رہے گا، جو اس وقت تک حق کی حمایت کرتا رہے گا۔ تا آنکہ آخرت کا دن آجائے گا (بخاری و مسلم)، نیز ان لوگوں کو آخرت میں یہ خصوصیت حاصل ہوگی، کہ تمام امتوں میں سے اس امت کی قبریں پہلے ہی کھل جائیں گی، یہ حدیث ابو نعیم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بایں الفاظ بیان کی ہے:۔ اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ عَنِّیْ وَعَنْ اُمَّتِیْ

وَلَا فَخْر۔ نیز وہ جب قیامت کے دن طلب کیے جائیں گے، توان کے چہرے روشن اور ہاتھ پاؤں، بوجۂ وضو، سفید ہوں گے (بخاری) اور وہ قیامت کے دن جب خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے، تو اونچے مقامات پر ہوں گے (ابن جریر) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ مَیں اور میری امت ایک بلند مقام پر ہوں گے اور اوپر سے لوگوں کو جھانک رہے ہوں گے۔ اور کوئی ایسا آدمی نہیں ہوگا جسے یہ خواہش نہ ہوگی، کہ کاش وہ ہم میں سے ہوتا۔ اور جس نبی کی امت بھی اس کی تکذیب کرے گی، اس کے بارے میں ہم شہادت دیں گے، کہ اس نے واقعی اپنا فرض ادا کیا تھا۔ ایک روایت میں آپ نے فرمایا، کہ مَیں اور میری امت ایک ٹیلے پر ہوں گے۔ نیز یہ امت باقی سب لوگوں سے پہلے بہشت میں داخل ہوگی، طبرانی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک مَیں جنت میں داخل نہیں ہوں گا، باقی انبیا پر اس کا داخلہ حرام ہے اور اسی طرح جب تک میری امت داخل نہیں ہوگی، دوسری امتیں داخل نہ ہوں گی۔ نیز اس امت کے نامہ ہائے اعمال ان کے دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے (احمد) نیز ان کا نور ان کے آگے آگے چلے گا۔ نیز اس امت کے افراد کو اپنے اعمال کی جزا ملے گی، اور نیز ان اعمال کی بھی، کہ جو دوسرا ان کے لیے سرانجام دے گا۔ حالانکہ پہلی امتوں کو صرف اپنے اعمال کی جزا ملتی تھی۔ رہی قرآن پاک کی یہ آیت۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی[1] ۔ اس کا تعلق کافر سے ہے۔ جبکہ مومن کو دوسرے کے اعمال کی جزا بھی ملتی ہے۔ شمس الدین عسقلانی لکھتے ہیں۔ کہ قرآن کی تلاوت کا ثواب، رشتہ دار یا اجنبی کی طرف سے مُردے کو پہنچ جاتا ہے، جس طرح صدقہ، دعا اور استغفار کا ثواب پہنچتا ہے۔ لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قرآن کی تلاوت کا ہدیہ پیش کرنا بہ قول ابنِ قیم، بعض متاخرین فقہا نے اسے مستحب قرار دیا ہے، اگرچہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم

---

[1] النجم: ۳۹

کو اس کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ آپ کی امت میں سے جب بھی کوئی آدمی اچھا کام کرتا ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے، جتنا کہ کام کرنے والے کو۔ امام شافعی لکھتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جو شخص بھی کوئی اچھا کام کرتا ہے، آپ کو اس کا ثواب ملتا ہے۔ علامہ مراغی اپنی تصنیف تحقیق النصرۃ میں لکھتے ہیں، کہ مسلمانوں کے تمام نیک اعمال کا ثواب جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ اعمال میں مرقوم کیا جاتا ہے وہ اس اجر کے علاوہ ہوتا ہے، جو اس کا اصل اجر ہوتا ہے۔ اور اس پر جو اضافہ ہوتا ہے، اس کا کوئی حد و شمار نہیں۔ کیونکہ ہر ہدایت یافتہ شخص کو تا یوم قیامت اجر ملے گا، اور اسی طرح اس کے شیخ کو بھی اور اس کے شیخ کے شیخ کو دو گنا اور شیخ ثالث کو چار گنا اور شیخ رابع کو آٹھ گنا اور یہ سلسلہ اسی طرح بڑھتے بڑھتے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم تک پہنچ جائے گا۔ اس سے تمہیں اندازہ ہو سکے گا، کہ سلف کو بعد میں آنے والوں پر کیا فضیلت حاصل ہے۔ اگر تم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے درمیان دس واسطوں کا وقفہ فرض کرو، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک ہزار چوبیس اجر ملیں گے۔ اور اگر دسویں سے گیارہواں ہدایت پاتا ہے۔ تو آپ کے اجر کی تعداد دو گنا ہو جاتی ہے (دو ہزار اڑتالیس) اسی طرح جب بھی ایک واسطے کا اضافہ ہو گا، تو اجروں کی تعداد دو گنا ہوتی جائے گی (الیٰ غیر النہایۃ) اس سے اس اعتراض کا جواب مل جاتا ہے، کہ جب قاری کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمہ جہتی کمال کا علم ہے، تو آپ کے لیے دعا کرنے کا مطلب کیا ہے۔ گویا آپ کے لیے دعا کرنے والے کو معلوم ہو جاتا ہے، کہ اس کی تلاوت کی قبولیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ایسی ہی ہے جیسے کہ شاگرد کا اجر استاد کو ملتا ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے، تا آنکہ نوبت معلمِ اوّل (رسولِ اکرم) تک پہنچ جاتی ہے۔

فی الجملہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ایسے فضائل سے مخصوص ہیں، جن کی نہ حد ہے نہ شمار اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بھی۔ وَذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔[۱]

---

[۱] الحدید = ۲۱

بابِ پنجم

اس باب میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کا ذکر ہے، جو آپ کو بربارۂ معراج و اسرا حاصل ہوئی۔ نیز ان بے شمار نوازشات کا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کے دربار میں از قسم مکالمہ و مشاہدہ نصیب ہوئیں۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے، کہ اسرا اور معراج کا قصہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ترین معجزہ، روشن ترین دلیل، محکم ترین حجت، سب سے سچی خبر اور سب سے بڑی نشانی ہے، اور فی الحقیقت یہی وہ منفرد سیر (اسرا) ہے، جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت بیداری جسم اور روح کی معیت میں پیش آئی۔ اور یہی مذہب ہے جمہورِ محدثین، فقہا اور متکلمین (علمائے کلام) کا۔ اور اس باب میں بکثرت صحیح احادیث مذکور ہیں، جن سے انکار ممکن نہیں۔ اور خدا کے حضور میں مع جسم کے حاضری کی عزت آپ کے سوا اور کسی نبی کو حاصل نہیں ہوئی۔ اسرا کی رات آپ کو دس معراجیں نصیب ہوئیں۔ سات، سات آسمانوں کی طرف، آٹھویں سدرۃ المنتہیٰ کو، نویں مستوی کو، جہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی قسمتوں کے بارے میں قلمِ تقدیر کی آواز سنی۔ دسویں معراج عرش اور رفرف کو اور نیز رویتِ الٰہی اور سماعِ خطاب کی طرف پیش آئی، جو مشاہدہ اور کشفِ حقیقی پر مبنی تھی۔ حدیثِ اسرا کو کئی صحابہ نے بیان کیا ہے، جن میں سے چھبیس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ فی الجملہ، حدیثِ اسرا پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور صرف زندیق ملحد ہی اس سے منکر ہیں، جو اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں، لیکن خدا کو اس نورِ ہدایت

کی تکمیل پسند ہے، کافر پسند کریں یا نہ کریں۔

امام بخاری نے قتادہ سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسرا کی رات کے بارے میں فرمایا، میں حطیم میں پہلو کے بل سویا ہوا تھا (اکثر احادیث میں حجر کا ذکر ہے) کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے گردن کے گڑھے سے موہائے زہار تک میرا سینہ چیر ڈالا۔ پھر سونے کا ایک تھال لایا، جو آب ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ پھر اس نے میرا دل نکالا، اس کو دھویا، پھر اپنی جگہ پر رکھا اور وہی حالت ہوگئی جو پہلے تھی۔ ایک روایت میں ہے، پھر میرا سینہ کھولا، زمزم کے پانی سے دھویا، پھر سونے کا ایک تھال لایا، جو حکمت اور ایمان سے لبریز تھا۔ اسے میرے سینے میں انڈیل دیا، اور پھر ڈھانپ دیا۔ پھر ایک سفید چارپایہ لایا گیا، جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ یہ براق تھا، جس کا قدم اس کی حدِ نگاہ پر پڑتا تھا۔ مجھے اس پر سوار کیا گیا۔ جبریل علیہ السلام میرے ساتھ تھے۔ تا آنکہ ہم آسمانِ دنیا تک پہنچ گئے۔ ہم بیت المقدس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کے بعد (جو آپ نے انبیا کے ساتھ ادا کی) اور تفصیل معراج کے بعد کہ آپ نے آسمان کی طرف صعود فرمایا، پھر اس سلسلے کو بیان کریں گے۔

امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک سے روایت کی ہے، کہ معراج کی رات کو جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس براق کو زین اور لگام سے تیار کر کے لایا گیا، تو براق پر یہ بات شاق گزری۔ جبریل نے کہا، تم نے یہ حرکت کیوں کی۔ ایک روایت میں ہے، تمہیں حیا نہیں آتی، کہ آج تک تم پر ان سے بہتر کسی مخلوق نے سواری نہیں کی۔ اس پر اسے گھبراہٹ سے پسینہ آگیا۔ ابن مسعود کی حدیث میں مذکور ہے، کہ جب وہ براق پہاڑ پر چڑھنے لگتا، تو دونوں پاؤں اٹھا لیتا۔ اور جب اترنے لگتا، تو ہاتھ اٹھا لیتا اور ابن سعد کی روایت میں ہے کہ اس کے دو پر تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس

کی روایت کی رُو سے اس کا چہرہ انسانی چہرے کی طرح، اور بال گھوڑے کی طرح اور ٹانگیں اونٹ کی طرح، کھُر اور دُم گائے کی طرح تھی، اور اس کا سینہ سرخ یاقوت کا تھا۔ اور ابن سعد کی روایت کے مطابق جبرائیل نے آپ کی رکاب تھام رکھی تھی اور اسرافیلؑ نے لگام۔ بیہقی وغیرہ نے شداد بن اوس سے روایت کی ہے۔ کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج شروع ہوئی، تو سب سے پہلے آپ ایک ایسے مقام سے گزرے جہاں کھجور کے درخت تھے، جبریل نے کہا، یہاں اتریئے اور نماز پڑھیئے۔ آپ نے نماز پڑھ لی، تو جبریل نے کہا، اس مقام کا نام یثرب ہے۔ پھر آپ سفید رنگ کی زمین پر سے گزرے، جبریل نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہاں بھی اتریئے اور نماز پڑھیئے۔ آپ نے نماز پڑھ لی تو جبریل نے کہا۔ کہ آپ نے بہ مقام مدین نماز پڑھی ہے۔ پھر بیت اللحم کے پاس سے گزرے، جبریل نے کہا، اتریئے اور نماز پڑھیئے۔ آپ نماز پڑھ چکے، تو جبریل نے کہا، یہ وہ مقام ہے، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔

بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہ جب جبرائیل علیہ السلام براق لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو براق نے کان کھڑے کر لیے، اس پر جبرائیل نے کہا، اے براق! ہوش میں آؤ۔ ایسا آدمی کبھی بھی تیری پیٹھ پر سوار نہیں ہُوا ہوگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام روانہ ہو پڑے۔ راستے میں آپ کو ایک بڑھیا ملی، دریافت فرمایا، اے جبریل یہ کون ہے! انہوں نے کہا، یارسول اللہ چلے چلیے۔ آپ چلتے گئے، جتنا کہ خدا کو منظور تھا، اتنے میں راستے کے ساتھ ایک بوڑھے کو کھڑا دیکھا، اس نے کہا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، ادھر آجایئے، جبریل نے کہا، چلے چلیے، پھر ایک جماعت کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے آپ کو سلام کیا، ایک نے السلام علیک یا اول، دوسرے نے کہا، السلام علیک یا آخر، تیسرے نے کہا، السلام علیک یا حاشر۔ جبریل نے کہا، سلام کا جواب دیجئے۔ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر جبریل نے کہا۔ یارسول اللہ! جو بڑھیا

آپ نے راستے پر کھڑی دیکھی تھی، اس سے مراد یہ تھی، کہ دنیا کی عمر سے صرف اتنا حصّہ باقی رہ گیا ہے، جتنی کہ اس بڑھیا کی عمر رہ گئی ہے، یہ بڑھیا دنیا تھی، اور جس بوڑھے نے آپ کو بلایا تھا، وہ شیطان تھا، لیکن اگر آپ اس بڑھیا کی طرف متوجہ ہوتے، تو آپ کی امت آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتی۔ جن لوگوں نے آپ کو سلام کہا تھا وہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام تھے۔

ایک روایت میں ہے، کہ آپ موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے، وہ نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے کہا، أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ - اور اس میں کوئی استبعاد نہیں، کیونکہ انبیاء زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں طبرانی اور بزاز نے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزرے، جو بوتے تھے اور کاٹتے تھے۔ جونہی کاٹ چکتے اسی طرح فصل تیار ہو جاتی۔ آپ نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا، یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں، جن کی ایک ایک نیکی کا سات سو گنا ثواب دیا جاتا ہے، اور وہ اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں، اللہ اس کا بدلہ دیتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ پھر آپ ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزرے، جو اپنے سروں کو پتھروں سے ٹکڑے ٹکڑے کرتے وہ پھر اصلی حالت میں آجاتے۔ اور ان میں کچھ کمی نہ ہوتی۔ آپ نے دریافت کیا، اے جبریل یہ کیا ہے، عرض کیا، یا رسول اللہ، یہ وہ لوگ ہیں، جن کے سر فرض نماز کے وقت بھاری ہو جاتے تھے۔ پھر آپ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے، جن کے اگلے حصے پر اور نیز پچھلے حصے پر ٹکڑے سئے ہوئے تھے اور جانوروں کی طرح خشک گھاس، تھوہر اور گرم پتھروں کو کھاتے پھرتے تھے۔ آپ نے دریافت کیا، یہ کیا معاملہ ہے، جبریل نے جواب

دیا، یہ وہ لوگ ہیں، جو اپنے مال کی زکات نہیں دیتے تھے۔ خدا نے ان سے کوئی بے انصافی نہیں کی۔ اور خدا بندوں سے بے انصافی نہیں کرتا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے گروہ کے پاس سے گزرے، کہ جن کے پاس ہنڈیا کا پکا ہوا گوشت تھا۔ اور نیم جوش ناپاک گوشت بھی ایک ہانڈی میں تھا۔ وہ ناپاک گوشت کھا رہے تھے، اور پکا ہوا گوشت کھا رہے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا، کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ جبریل نے کہا یہ آپ کی امت کا ایک ایسا انسان تھا، جس کے پاس حلال طیّب عورت موجود ہے لیکن وہ ایک خبیث عورت کے پاس آکر رات گزارتا ہے اسی طرح ایک عورت اپنے حلال اور طیّب خاوند کے پاس سے اٹھ کر ناپاک مرد کے پاس آکر رات گزارتی ہے۔ پھر آپ ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرے، جس نے لکڑیوں کا بڑا سا گھٹا جمع کر رکھا ہے، لیکن وہ اسے اٹھانے سے قاصر تھا، مگر مزید لکڑیاں جمع کر رہا تھا۔ حضور اکرم نے اس کے بارے میں دریافت کیا، عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ وہ شخص ہے، جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں، جنہیں وہ ادا نہیں کر سکتا، لیکن ان میں اضافہ کیے جا رہا ہے۔ پھر آپ ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزرے، جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، جب کٹ چکتے، تو پھر اصلی حالت میں آجاتے اور ان میں کوئی کمی نہ ہوتی۔ آپ نے جبریل سے پوچھا، انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ مفسدہ پرداز خطیب ہیں۔ پھر آپ ایک چھوٹے سے سوراخ کے پاس سے گزرے، جس سے ایک بڑا سا بیل نکلا تھا۔ وہ جس سوراخ سے نکلا تھا، اس میں واپس جانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ناکام تھا۔ آپ کے استفسار پر جبریل نے کہا۔ یہ وہ شخص ہے، جس کے منہ سے ایک بڑی بات نکل گئی، جس پر وہ پشیمان ہوا، لیکن اب وہ اسے واپس نہیں لے سکتا۔ پھر آپ ایک وادی پر پہنچے، جس سے نہایت خوشبودار ٹھنڈی ہوا آرہی تھی۔ آپ نے ایک آواز بھی سنی۔ جبریل نے کہا، یا رسول اللہ! یہ جنت کی آواز ہے

جو کہہ رہی ہے، کہ اے خدا، جو تو نے وعدہ کیا تھا وہ پورا کر۔ کیونکہ میرے محلات، دیبا، ریشم، قیمتی کپڑوں، موتیوں، مرجان، چاندی، سونے، پیالوں، صراحیوں، سواریوں، شہد، پانی، دودھ اور شرابوں کی کوئی حد نہیں رہی، اس لیے اپنا وعدہ پورا کر۔ اللہ نے جواب دیا۔ کہ ہر مسلم مرد اور عورت اور اسی طرح ہر مومن مرد اور عورت جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا، اور میرا کوئی شریک نہیں ٹھہرائے گا اور میرے بغیر کسی اور کو معبود نہیں بنائے گا اسے میں تیرے پاس بھیجوں گا اور جو مجھ سے ڈرے گا، میں اسے امن میں رکھوں گا، جو مجھ سے مانگے گا، میں اس کی درخواست منظور کروں گا، جو مجھے قرض دے گا، میں اسے نیک جزا دوں گا۔ نیز جو مجھ پر بھروسہ کرے گا، میں اس کے اعتماد پر پورا اتروں گا۔ میں واحد لاشریک خدا ہوں، میں خلاف وعدہ کام نہیں کرتا۔ مومن نجات پا گئے، اور مبارک ہے وہ خدا جو بہترین خالق ہے۔ جنت نے جواب دیا، میں راضی ہوں۔

پھر آپ ایک ایسی وادی کے پاس سے گزرے جس سے بڑی ڈراؤنی آواز آئی اور بدبودار ہوا کا جھونکا آیا، جبریل نے کہا، یہ جہنم کی آواز ہے، جو کہہ رہا ہے کہ اے خدا تو نے جو وعدہ کیا تھا، وہ پورا کر۔ کیونکہ میرے زنجیروں، طوقوں، آگ، گرم پانی، تھوہر، پیپ اور عذاب کی کوئی حد نہیں رہی، میری گہرائی زیادہ ہو گئی ہے، گرمی بڑھ گئی ہے، اس لیے تو مجھ سے اپنا وعدہ پورا کر۔ خدا جواب میں کہے گا، میں نے ہر مشرک مرد اور عورت اور اسی طرح ہر کافر مرد اور عورت کو اور نیز ہر ایسے جبار کو جو یوم حساب کا قائل نہیں تیرے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ جہنم جواب میں کہے گا، میں اس پر راضی ہوں

پھر وہ بیت المقدس کے مقام پر پہنچے۔ حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں مذکور ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے کسی شخص نے دائیں طرف سے آواز دی۔ میری طرف دیکھیے، مجھے آپ سے کچھ دریافت کرنا ہے۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا۔

پھر کسی نے اسی طرح سے بائیں جانب سے آواز دی، مگر میں نے جواب نہ دیا۔ وہیں ایک عورت دیکھی، جس کے دونوں بازو ننگے تھے، اور وہ ہر طرح کی زیب و زینت سے آراستہ تھی، کہنے لگی، اے محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وسلم)، میری طرف دیکھیے، مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے، لیکن میں نے کوئی توجہ نہ کی۔ اس پر جبریل نے کہا، پہلا بلانے والا یہودی تھا، اگر آپ جواب دیتے، تو آپ کی ساری امت یہودی ہو جاتی۔ دوسرا بلانے والا نصرانی تھا، اگر آپ جواب دیتے، تو آپ کی ساری امت نصرانی ہو جاتی۔ تیسری عورت دنیا تھی۔

حضرت ابو سعید کی حدیث میں مذکور ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دستر خوان ایسے دیکھے، جن پر صاف ستھرا گوشت تھا، مگر کھانے والا کوئی نہ تھا۔ مزید کچھ ایسے دستر خوان دیکھے، جن پر بدبو دار گوشت تھا، مگر کھانے کو کئی لوگ موجود تھے، جبرائیل کہنے لگے۔ یہ وہ لوگ ہیں، جو حلال کو چھوڑ دیتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں۔ پھر آپ ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزرے، جن کے پیٹ مکانوں کی طرح بڑے بڑے تھے، جب وہ انہیں اوپر اٹھاتے، وہ پھر گر پڑتے۔ جبریل کہنے لگے، یہ سود خواروں کی جماعت ہے پھر آپ ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزرے، جن کے ہونٹ اونٹوں کی طرح تھے۔ وہ انگارے کھا رہے تھے اور انگارے ہی نکال رہے تھے۔ جبریل نے کہا، یہ وہ لوگ ہیں، جو بے انصافی سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔ پھر آپ ایسی عورتوں کے پاس سے گزرے جو اپنے پستانوں پر لٹک رہی تھیں، یہ زنا کار عورتیں تھیں۔ پھر آپ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے، جو اپنے پہلو سے گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے، یہ چغل خور اور غیبت کرنے والے لوگ تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، پھر میں بیت المقدس پہنچ گیا، اور اپنے براق کو اس کنڈے سے باندھا، جس سے پیشتر ازیں انبیا اسے باندھتے تھے۔ پھر ہم بیت المقدس میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز ادا کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر میں مسجد میں داخل ہوا۔

دو رکعت نماز ادا کی، مسجد سے نکلا، تو جبریل میرے پاس ایک برتن میں شراب اور دوسرے میں دودھ لائے، مَیں نے دودھ کو پسند کیا۔ جبرئیل کہنے لگے، آپ نے فطرت کا یعنی دودھ کا جس پر انسانی فطرت کی بنیاد رکھی گئی ہے انتخاب کیا ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں، کہ فطرت سے مراد اسلام اور استقامت ہے۔ ابنِ مسعود کی روایت میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ البتہ انہوں نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ جب مَیں مسجد میں داخل ہوا، تو مَیں نے انبیا کو جن میں سے کچھ قیام میں تھے اور کچھ بہ حالت رکوع وسجود۔ پھر مؤذن نے اذان دی، نماز کھڑی ہوئی، ہم نے صفیں بنائیں۔ اور منتظر تھے، کہ دیکھیے امام کون ہوتا ہے جبرائیل نے مجھے پکڑ کر آگے کر دیا۔ اور مَیں نے انہیں نماز پڑھائی۔ ابو امامہ کی روایت میں ہے، پھر نماز کھڑی ہوئی، تو انہوں نے ایک دوسرے کو آگے پیچھے دھکیلا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امام بنا دیا۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیت المقدس میں تشریف لائے، سواری سے اترے اور گھوڑے کو ایک پتھر سے باندھ دیا، پھر مسجد میں فرشتوں کو نماز پڑھائی۔ جب نماز پڑھی جا چکی، تو انہوں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا، کہ آپ کے ساتھ کون ہیں، انہوں نے کہا، آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں خاتم النبیین پوچھا، کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ جبریل نے کہا، کہ ہاں۔ کہنے لگے، خدا اس بھائی اور خلیفہ کو تادیر سلامت رکھے۔ آپ کتنے اچھے بھائی ہیں۔ اور کتنے اچھے خلیفہ! پھر ارواحِ انبیا سے آپ کی ملاقات ہوئی، جنہوں نے خدا کی ثنا بیان کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے، تعریف اس خدا کی جس نے مجھے خلیل بنایا اور مجھے عظیم ملک عطا کیا اور مجھے اطاعت گزار بندہ بنایا، اور لوگ میری اقتدا کرتے ہیں۔ مجھے آگ سے باہر نکالا، اور اسے میرے لیے ٹھنڈا کر دیا اور مجھے محفوظ رکھا، پھر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خدا کی تعریف کی، اس خدا کی تعریف جس نے مجھے شرفِ تکلم سے نوازا اور مجھے چنا، مجھ پر تورات

نازل کی اور میرے ذریعے فرعون کو ہلاک کیا۔ اور بنی اسرائیل کو نجات دی۔ اور میری قوم سے ایک ایسی جماعت اٹھائی جو راستی اور حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور اسی کے مطابق لوگوں سے انصاف کرتی ہے۔

اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے خدا کی تعریف کی اور کہا، تعریف کے قابل ہے خدا کی وہ ذات جس نے مجھے ایک بڑی حکومت عطا کی، زبور پڑھائی، اور لوہے کو میرے لیے نرم کر دیا، اور پہاڑ اور پرندے میرے مسخر کر دیئے، جو میرے ساتھ مل کر خدا کی تسبیح کرتے۔ نیز مجھے حکمت اور سچ اور جھوٹ میں امتیازی قوت عطا کی۔

ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے خدا کی ثنا بیان کی اور کہا، اس کی تعریف کرتا ہوں، جس نے ہوا اور شیطانوں کو میرے ماتحت کر دیا۔ جو میرے حکم کے ماتحت محرابیں اور محلات بناتے تھے، مجھے پرندوں کی بولیاں سکھائیں، اور ہر نعمت سے نوازا اور شیاطین، جنات، طیور اور انسانوں کے لشکر میرے تحویل میں دے دیئے۔ اور مجھے ایک ایسی سلطنت عطا کی، جو میرے بعد کسی اور کو نہیں ملے گی، اور میری حکومت کو ایسی تقدیس عطا کی۔ کہ اس میں کبھی کسی سے محاسبہ نہیں کیا گیا۔

پھر عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف میں کہا:۔ میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس نے مجھے اپنا "کلمہ" کہا، اور مجھے آدم سے، جسے اس نے مٹی سے پیدا کیا تھا مشابہہ قرار دیا اس نے مجھے حکمت سکھائی اور توریت اور انجیل پڑھائی اور میں مٹی سے پرندوں کے نمونے بناتا ہوں، ان میں پھونک مارتا ہوں اور وہ اللہ کے حکم سے پرندے بن جاتے ہیں۔ اور اسی طرح میں مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کر دیتا ہوں۔ نیز اللہ کے حکم سے مُردے کو زندہ کرتا ہوں۔ اور خدا نے مجھے اٹھا لیا، اور پاک صاف کیا اور مجھے اور میری ماں کو شیطان سے بچایا۔ اور اس کا ہم دونوں پر کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ پھر رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اپنے رب کی تعریف میں فرمایا، اس خدا کی

تعریف جس نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور تمام دنیا کے لیے بشیر اور نذیر مقرر کیا اور مجھ پر قرآن اتارا جس میں ہر چیز کی وضاحت ہے، اور میری امت کو بہترین امت قرار دیا اور اس امت کو امتِ وسط (معتدل) بنایا اور میری امت ہی اول اور آخر ہے، اس نے میرا سینہ کھولا اور میرا بوجھ مجھ سے اتار لیا۔ اور میرا ذکر بلند کیا اور مجھے ابتدا کرنے والا اور ختم کرنے والا بنایا۔ اس پر ابراہیم علیہ السلام نے کہا، انہی امور کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تم پر فضیلت حاصل ہے۔

پھر حضرت جبریل حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر آسمانِ دنیا کو روانہ ہوئے اور اس کا ذکر الشفا میں بالاختصار مذکور ہے۔ اور ابن حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت مالک بن انس سے یہ روایت بیان کی ہے، کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیت المقدس میں پہنچے، تو آپ اس مقام پر آئے، جسے "بابِ محمد" کہا جاتا ہے، پھر آپ اس پتھر کے پاس آئے جو دروازے کے پاس تھا۔ جبریل نے اسے انگلی سے ٹھکورا، چنانچہ اس میں سوراخ ہو گیا، اور پھر آپ نے سواری کو اس سے باندھ دیا۔ پھر آپ اوپر چڑھے، جب وہ مسجد کے صحن میں پہنچے، تو جبریل نے کہا، یا رسول اللہ! کیا آپ نے خدا سے حورانِ بہشتی کو دیکھنے کی اجازت لی تھی؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔ جبریل نے کہا چلیے ان عورتوں کے پاس، انہیں سلام کہیے گا۔ آپ نے انہیں سلام کہا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ حضور نے کہا، تم کن لوگوں کے لیے ہو۔ انہوں نے جواب دیا، ہم ان نیکوکار مردوں کیلئے ہیں، جنہوں نے پاکیزہ زندگی گزاری اور خود کو نجاست سے دور رکھا، جو اپنی جگہ پر ڈٹے رہے اور صحیح مؤقف سے بالکل نہ ہٹے۔ جنہوں نے ہمیشہ کی زندگی پائی اور موت سے بچ گئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ وہاں بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ مؤذن نے اذان دی اور جماعت کھڑی ہو گئی، صفیں درست کی گئیں، آپ منتظر تھے، کہ دیکھیے امامت کے فرائض کون ادا کرتا ہے۔ اتنے میں جبریل

نے میرا ہاتھ پکڑا اور سب مجھے آگے کر دیا۔ چنانچہ میں نے انہیں نماز پڑھائی۔ جب میں فارغ ہوا۔ تو جبریل نے پوچھا، کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے مقتدی کون تھے۔ میں نے کہا، نہیں، انہوں نے کہا، یہ سب انبیا تھے، جنہیں خدا نے مبعوث فرمایا تھا۔ قاضی عیاض کہتے ہیں، کہ بظاہر یہ نماز معراج سے پہلے ادا کی گئی ہوگی، ابن کثیر کے مطابق یہ نماز دونوں مواقع پر پڑھی گئی، کیونکہ حدیث سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور اس میں کوئی خرابی بھی نہیں۔ اور بعض احادیث میں مذکور ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیا کو آسمانوں میں نماز پڑھائی۔

ابن اسحاق سے مروی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب میں بیت المقدس کی مصروفیات سے فارغ ہوا۔ تو میرے پاس معراج لائی گئی۔ اور میں نے اس سے خوبصورت تر اور کوئی چیز نہیں دیکھی تھی۔ یہ وہ چیز ہے، کہ جو میت کے سامنے وفات کے وقت پیش کی جاتی ہے۔ میرے ساتھی نے مجھے اس میں سوار کیا، تاآنکہ ہم آسمان کے دروازے پر پہنچے۔ کعب کی روایت میں ہے، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے لیے ایک سیڑھی چاندی کی اور ایک سونے کی لگائی گئی، تاکہ آپ اور جبریل دونوں اوپر کو چڑھے، ’شرف المصطفیٰ‘ میں مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معراج جنت سے لائی گئی تھی۔ اور وہ موتیوں سے جڑاؤ کی ہوئی تھی، اور اس کے دائیں بائیں فرشتے تھے۔

اور امام بخاری کی حدیث میں، جس کا کچھ حصہ مذکور ہے، قتادہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، کہ حضور نے فرمایا، کہ جبریل مجھے ساتھ لے چلے، تاآنکہ ہم آسمانِ دنیا کے دروازے پر پہنچے اور دستک دی، پوچھا کون ہو، کہا جبریل، ساتھ کون ہے؟ کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، کیا طلبی ہوئی ہے، کہا ہاں۔ کہا، خوش آمدید، اور دروازہ کھول دیا جب اس پوچھ گچھ سے چھٹکارا ملا، تو وہاں حضرت آدم علیہ السلام

سے ملاقات ہوئی، جبریل نے کہا یہ آپ کے جدِ آدم ہیں، انہیں سلام کیجئے، مَیں نے انہیں سلام کیا، تو انہوں نے جواب سلام دیا پھر کہنے لگے، مَیں اپنے نیک بیٹے اور نیک نبی کو خوش آمدید کہتا ہوں، پھر آگے بڑھے اور دوسرے آسمان پر پہنچے اور دستک دی۔ پوچھا کون ہو، کہا جبریل، ساتھ کون ہے؟ کہا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کیا طلبی ہوئی ہے، کہا ہاں، کہا، آنے والے کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں۔ دروازہ کھلا اور مَیں اندر داخل ہوا، تو یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوگئی۔ دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ جبریل نے کہا، یہ یحییٰ اور عیسیٰ ہیں۔ مَیں نے دونوں کو سلام کہا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا ہم صالح بھائی کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ پھر وہ مجھے لے کر تیسرے آسمان کو چلے اور دستک دی۔ پوچھا، کون ہو، کہا، جبرئیل، کہا ساتھ کون ہے، کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کہا، ہم آنے والے کو مرحبا کہتے ہیں۔ دروازہ کھلا اور مَیں اندر داخل ہوا، تو حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی، جبریل نے کہا، یہ یوسف علیہ السلام ہیں انہیں سلام کیجئے، مَیں نے سلام کیا، تو انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا مَیں برادرِ صالح اور نبی صالح کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ پھر ہم چوتھے آسمان پر پہنچے اور دستک دی، پوچھا کون ہو۔ کہا، جبریل ہوں، ساتھ کون ہے، کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کیا طلبی ہوئی ہے، کہا ہاں۔ کہا، ہم مہمان کو خوش آمدید کہتے ہیں، دروازہ کھولا، تو ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی، جبرائیل نے کہا، یہ ادریس ہیں، انہیں سلام کیجئے۔ مَیں نے سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا مَیں برادرِ صالح اور نبی صالح کو سلام کہتا ہوں۔ پھر ہم پانچویں آسمان پر پہنچے اور دستک دی، پوچھا کون ہو، کہا جبریل، ساتھ کون ہے، کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کیا طلبی ہوئی ہے، کہا ہاں، کہا ہم آنے والے کو خوش آمدید کہتے ہیں، جب دروازہ کھلا، تو ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی۔ جبریل نے کہا، یہ ہارون ہیں، انہیں سلام کیجئے۔ مَیں نے سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا، مَیں برادرِ صالح اور نبی صالح کو

مرحبا کہتا ہوں. پھر مجھے چھٹے آسمان کو لے چلے اور دستک دی، پوچھا کون، کہا جبریل، ساتھ کون ہے، کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کیا طلبی ہوئی ہے، کہا ہاں، کہا، آنے والے کو مرحبا کہتے ہیں، اس نے دروازہ کھولا، تو موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی، جبریل نے کہا، یہ موسیٰ ہیں، انہیں سلام کیجیے۔ مَیں نے سلام کہا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ مَیں برادرِ صالح اور نبی صالح کو مرحبا کہتا ہوں۔ جب مَیں آگے بڑھا تو وہ رونے لگ گئے۔ پوچھا گیا، کہ آپ کو رونا کیوں آرہا ہے، کہنے لگے، یہ لڑکا میرے بعد مبعوث ہُوا ہے لیکن میری امت کے مقابلے میں اس کی امت کے زیادہ افراد بہشت میں داخل ہوں گے۔ پھر ہم ساتویں آسمان پر پہنچے اور دستک دی، پوچھا، کون ہو۔ کہا جبریل ہوں۔ ساتھ کون ہے، کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کیا طلبی ہوئی ہے، کہا ہاں، کہا ہم آنے والے کو مرحبا کہتے ہیں۔ جب دروازہ کھلا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی۔ جبریل نے کہا، یہ آپ کے جدِ اعلیٰ ابراہیم علیہ السلام ہیں، سلام کیجیے۔ مَیں نے سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ مَیں ابنِ صالح اور نبی صالح کو مرحبا کہتا ہوں۔

پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے۔ اس کے بیر ہجر (گاؤں کا نام) کی ٹکریوں کی طرح تھے اور پتے ہاتھی کے کان کی طرح۔ جبریل نے کہا، یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے، اس جگہ چار دریا تھے، دو ظاہر اور دو خفیہ۔ مَیں نے پوچھا، یہ کیا معاملہ ہے، جبریل نے کہا، ظاہری دریا تو فرات اور نیل ہیں اور خفیہ بہشت کے دو دریا ہیں۔ پھر بیت المعمور میرے سامنے لایا گیا، جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، پھر مجھے برتن پیش کیے گئے، جن میں شراب، دودھ اور شہد تھا۔ مَیں نے دودھ لے لیا۔ جبریل نے کہا، یہ وہ فطرت ہے، جس پر آپ کی اور آپ کی امت کی تخلیق ہوئی ہے۔ پھر مجھ پر دن بھر میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ مَیں واپس لوٹا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، پوچھا، کیا حکم ہُوا ہے، مَیں نے کہا، دن رات میں پچاس نمازوں کا، کہا، آپ کی امت ایک دن میں پچاس

نمازوں کی تاب نہیں لا سکے گی۔ کیونکہ میں پیشتر ازیں آزما چکا ہوں۔ اور میں نے بنی اسرائیل کی کوتاہیوں کے علاج میں کوئی کمی نہیں کی تھی۔ آپ واپس جائیں اور تخفیف کی درخواست کریں۔ میں واپس ہوا اور خدا نے دس نمازیں کم کر دیں، میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، انہوں نے پھر وہی بات کہی۔ خدا نے پھر دس کی کمی کر دی۔ میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، انہوں نے پھر وہی بات دہرائی، میں پھر لوٹا اور دس نمازوں کا حکم دیا گیا، پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے وہی بات کہی، میں لوٹا اور پھر پانچ نمازوں کا حکم ملا۔ میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، انہوں نے کہا، آپ کی امت دن میں پانچ نمازیں نہیں پڑھ سکے گی۔ میں نے بنی اسرائیل پر بڑی محنت کی (لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا) آپ پھر واپس جائیں اور خدا سے تخفیف کی درخواست کریں۔ فرمایا، میں نے اتنی دفعہ درخواست کی ہے، کہ اب خدا سے حیا آتی ہے۔ اب میں راضی بہ رضا ہوں جب میں وہاں سے آگے بڑھا، تو منادی نے آواز دی۔ میں نے اپنا حکم دے دیا ہے اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی ہے۔

بخاری میں باب الصلوٰۃ میں مذکور ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جب میں آسمان دنیا پر پہنچا، وہاں میں نے ایک آدمی کو بیٹھے دیکھا۔ جس کے دائیں جانب بھی کچھ لوگ تھے اور بائیں جانب بھی۔ جب وہ دائیں جانب دیکھتا تو مسکراتا اور بائیں جانب دیکھتا تو روتا۔ مجھے دیکھا تو کہنے لگا میں ابنِ صالح اور نبی صالح کو مرحبا کہتا ہوں، میں نے جبریل سے پوچھا، یہ کون ہے، کہا یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ان کے دائیں بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ دائیں جانب والے اہلِ جنت ہیں اور بائیں والے اہلِ جہنم جب وہ دائیں طرف دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور بائیں جانب دیکھ کر روتے ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے، کہ جبریل ہمیں

لے کر ساتویں آسمان پر پہنچے، وہاں حضرت ابراہیم سے ملاقات ہوئی جو بیت معمور سے پشت لگا کر بیٹھے تھے، اس مسجد میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، جو پھر ادھر سے لوٹ کر نہیں آتے۔ اسی طرح تیسرے آسمان کے متعلق مذکور ہے، کہ وہاں حضرت یوسف سے ملاقات ہوئی اور انہیں حُسن کا ایک حصّہ دیا گیا تھا بیہقی کی حدیث میں مذکور ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مَیں نے ایک آدمی کو دیکھا جو نہایت ہی حسین تھا، اور وہ انسانوں میں ایسا دکھائی دیتا تھا جیسا کہ ستاروں میں چاند۔ اس سے مراد حضور کے علاوہ باقی لوگ مراد ہیں۔ ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے، کہ خدا نے ہر نبی کو خوش چہرہ اور خوش آواز بنا کر بھیجا اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سب سے زیادہ خوش صورت اور خوش آواز تھے۔ ابوسعید خدری سے بیہقی نے ذکر کیا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، مَیں ساتویں آواز پر پہنچا۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے، جو اپنی پیٹھ بیت معمور کی طرف کر کے بیٹھے تھے، وہ بہت خوبصورت تھے۔ اور ان کے ساتھ اپنی قوم کے کچھ لوگ تھے۔ مَیں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ وہاں مَیں نے اپنی امت کے دو گروہ دیکھے، ایک گروہ کے کاغذ کی طرح سفید کپڑے تھے۔ اور دوسرے کے خاکستری تھے۔ فرمایا، مَیں بیت المعمور میں داخل ہوا اور سفید کپڑوں والے بھی میرے ساتھ داخل ہو گئے، اور خاکستری کپڑوں والوں کو روک دیا گیا، مَیں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیت المعمور میں نماز پڑھی۔ طبرانی کی روایت میں ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے، تو آپ نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جس کے سر کے بال سیاہ اور سفید تھے اور جنت کے دروازے پر کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے پاس ایک جماعت ایسے لوگوں کی بیٹھی تھی، جن کے چہرے سفید کاغذ کی طرح تھے۔ اور ایک جماعت ایسی تھی، جن کے رنگوں میں کچھ نقص تھا۔ وہ نہانے کو ایک نہر میں داخل ہوئے، جب باہر آئے، تو ان کے رنگ میں کچھ صفائی آ گئی تھی۔ پھر دوسری نہر میں داخل

ہوئے، وہاں غسل کیا، باہر نکلے تو ان کے رنگ کچھ اور صاف ہو گئے تھے۔ پھر ایک اور نہر میں داخل ہوئے، وہاں نہائے، جب باہر نکلے، تو ان کے رنگ، سفید چہرہ آدمیوں کی طرح بالکل صاف ہو چکے تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا، یہ کون ہیں، اور یہ دوسرے لوگ کون ہیں، جن کے رنگ صاف نہیں ہیں۔ اور یہ نہریں کیا ہیں، جن میں نہانے سے ان کے رنگ صاف ہو گئے ہیں۔ جبریل نے جواب دیا، یہ آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم ہیں۔ حضرت ابراہیم پہلے وہ آدمی ہیں جن کے بال دنیا میں سیاہ اور سفید ہوئے یہ سفید چہرہ وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اپنے ایمان ظلم سے داغدار نہیں بنائے، جن لوگوں کے رنگوں میں کچھ خرابی تھی، یہ وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اعمالِ صالحہ کے ساتھ، بُرے اعمال کو ملایا، پھر انہوں نے توبہ کی اور خدا نے ان کی توبہ منظور کر لی۔ رہی نہریں۔ پہلی نہر اللہ کی رحمت ہے، دوسری نعمۃ اللہ ہے اور تیسری کا نام وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضورِ اکرم سے فرمایا، اے میرے بیٹے! آپ آج خدا سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ آپ کی امت آخری امت ہے۔ ان کی تعداد میں اضافہ کیجئے، اور اگر آپ اپنی امت کے بارے میں خدا سے کوئی رعایت حاصل کر سکیں، تو ضرور حاصل کیجئے۔

ابن ابی حاتم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم سے ملاقات کے بعد ساتویں آسمان کی چھت پر چل پڑے، تا آنکہ ایک نہر کے کنارے (جہاں یاقوت، موتیوں اور زبرجد کے خیمے نصب تھے) پر آئے، وہاں نہایت خوبصورت سبز رنگ کے پرندے تھے۔ جبریل نے کہا، یہ ہے کوثر جو خدا نے آپ کو دیا ہے۔ اس میں سونے اور چاندی کے گلاس تھے، یہ نہر یاقوت اور زمرد کے چھوٹے چھوٹے ریزوں پر رواں دواں تھی۔ اور اس کا پانی دودھ سے زیادہ صاف تھا آپ نے ایک گلاس لیا، اس میں چند گھونٹ پانی ڈالا اور پیا۔ وہ شربت شہد سے زیادہ میٹھا

اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔ مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں جنت کی سیر کر رہا تھا، ایک نہر دیکھی، کہ جس کے کنارے مجوف موتیوں کے قبے اور تہ کی مٹی خالص کستوری تھی۔ جبریل کہنے لگے یہ کوثر ہے۔ امام مسلم نے ابوذر کی حدیث میں مذکور ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں جنت میں داخل ہوا دیکھا، کہ وہاں موتیوں کے قبے تھے اور مٹی خالص کستوری تھی۔ بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کی، رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، پھر مجھے ساتویں آسمان پر لے گئے۔ پھر سدرۃ المنتہیٰ میرے سامنے لایا گیا، میں نے دیکھا، کہ اس کا ہر پتہ اس امت پر سایہ کیے ہوئے ہے، اور اس میں ایک چشمہ ہے، جس کا نام سلسبیل ہے۔ اس سے دو نہریں نکلتی ہیں، ایک کا نام کوثر ہے اور دوسری کو رحمت کہتے ہیں میں نے اس میں غسل کیا اور میرے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ پھر مجھے جنت میں لے جایا گیا، وہاں ایک لڑکی نے میرا استقبال کیا۔ میں نے پوچھا، اے لڑکی تم کس سے منسوب ہو۔ اس نے کہا، زید بن حارثہ سے۔ بہشت کے انار اتنے اتنے بڑے تھے، جیسا کہ دلو (آبکش)، اور اس کے پرندے بختی اونٹوں کی طرح تھے۔ پھر مجھے جہنم دکھایا گیا۔ اس میں اللہ کا غضب، عذاب اور اس کا انتقام موج زن تھا۔ اگر اس میں پتھر اور لوہا ڈالا جاتا، تو وہ اسے کھا جاتا۔ پھر اسے میری آنکھوں سے اوجھل کر دیا گیا۔ بخاری کے باب الصلوٰۃ میں مذکور ہے، مجھے مزید اوپر اٹھایا گیا۔ تاآنکہ میں مستوی پر پہنچ گیا، جہاں میں قلمِ تقدیر کی آواز سن سکتا تھا۔

اور ابوالحسن بن غالب نے اس بارے میں ان احادیث کے متعلق گفتگو کی ہے جن میں سات ہزار سات سو ستر حجاب کا ذکر ہے۔ اور جسے اس نے "شفاء الصدور" میں ابوالربیع بن سبع کی طرف منسوب کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعۂ اسراء کے آغاز کے بعد فرمایا۔ کہ جبریل آئے۔

جو خدا کی طرف میرے سفیر تھے۔ یہاں تک کہ وہ ایک مقام پر جا کر رک گئے۔ میں نے کہا۔ اے جبریل یہ وہ مقام ہے۔ جہاں دوست، دوست کو چھوڑ دیتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں اس مقام سے آگے بڑھوں، تو خدائی نور مجھے جلا دے گا۔ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، آپ کو دربارِ خداوندی میں کوئی التجا پیش کرنی ہے۔ کہا، یا رسول اللہ! آپ دربارِ خداوندی میں میری طرف سے درخواست کریں، کہ وہ میرے پروں کو پل صراط تک اس طرح پھیلا دے، کہ آپ کی امت اس پر سے گزر جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر مجھے نور میں زبردست غوطہ دیا گیا اور یوں ستّر ہزار حجاب جل گئے، اور کوئی ایسا حجاب نہ رہا، جسے صحیح معنوں میں حجاب کہا جا سکے، اور مجھے انسانوں اور فرشتوں کا کوئی احساس نہ رہا اور مجھ پر حیرت چھا گئی، اتنے میں مجھے کسی نے ابوبکر کے انداز میں آواز دی۔ "ٹھہر جائیے، آپ کا خدا آپ پر رحمت بھیج رہا ہے۔" میں سوچ میں پڑ گیا اور دل میں کہا، کہ کیا ابوبکر مجھ سے پہلے اس مقام پر پہنچ گیا ہے۔ اس پر ملائے اعلیٰ سے آواز آئی، اے تمام مخلوقات سے بہتر آگے آیئے۔ اے احمد، اے محمدؐ قریب آجایئے، تاکہ محبوب نزدیک تر آجائے، میں قریب ہو گیا اور یہ حالت ہو گئی ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی[۱] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، خدا نے مجھ سے سوال کیا، مگر میں جواب نہ دے سکا۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ بلا کیف وحد میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا، میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی۔ پھر اس نے اولین اور متاخرین کا علم عطا کیا اور مزید کئی علوم سکھائے۔ ان میں بعض علوم ایسے ہیں۔ جن کا اخفا ضروری قرار دیا، کیونکہ یہ ایسا علم ہے جسے میرے بغیر اور کوئی متحمل نہیں ہو سکتا۔ اور کچھ ایسے ہیں۔ جن کے بارے میں مجھے اختیار دیا، اور مجھے قرآن کی تعلیم دی۔ اور اس سلسلے میں جبریل مجھے حفظ کراتے تھے۔ ایک علم ایسا بھی تھا جس کے بارے میں حکم ہوا کہ میں خاص و عام کو یہ باتیں بتا دوں۔ میں نے ایک آیت کے

---

[۱] النجم: ۹

بارے میں، جو اس وقت ہی مجھ پر نازل ہوئی تھی، جبریل سے تعجیل کے لیے کہا، اس پر خدا نے سرزنش کی اور یہ آیت اتری :- وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰٓی اِلَیْکَ وَحْیُہٗ، وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔[۱]

پھر مَیں نے عرض کیا، اے خدا تجھ تک پہنچنے سے پہلے مجھ پر جو حیرت طاری ہوئی تھی، مَیں نے ایک شخص کو ابوبکر کے انداز میں یہ کہتے سنا، ٹھہر جائیے، آپ کا رب مصروفِ صلوٰۃ ہے۔ مجھے دو باتوں سے حیرت ہوئی۔ آیا ابوبکر مجھ سے پہلے اس مقام پر پہنچ گیا، اور یہ کہ میرا رب تو صلوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔ اس پہ ندا آئی، کہ بلاشبہ مَیں اس سے مستغنی ہوں کہ کسی اور پر صلوٰۃ پڑھوں، لیکن میری صلوٰۃ ہے :- سبحانی سبحانی سبقت رحمتی غضبی۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھیے :- ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا۔[۲] اس بنا پر میری صلوٰۃ آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے رحمت ہے۔ رہا آپ کے ساتھی کا معاملہ بات یہ ہے، کہ آپ کے بھائی موسیٰ کا تعلق عصا سے تھا جب ہم نے اس سے گفتگو کا ارادہ کیا تو ہم نے اس سے مخاطب ہو کر کہا :- وَمَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یٰمُوْسٰی۔ اس نے جواب میں کہا: ھِیَ عَصَایَ[۳]۔ اور عصا کے ذکر سے اس کا ذہن میری ہیبت و جبروت سے ہٹ گیا ابوبکر اور آپ کو ایک ہی فطرت سے پیدا کیا ہے اور وہ دنیا اور آخرت میں آپ کا ساتھی ہے۔ ہم نے ایک فرشتہ اس کی شکل و صورت پر پیدا کیا ہے جس نے اس کے لہجے میں آپ کو بلایا۔ تاکہ آپ کا ڈر جاتا رہے، میری جبروت سے آپ متاثر نہ ہوں، اور جس غرض کے لیے آپ کو بلایا گیا ہے، وہ فوت نہ ہو جائے۔ پھر خدا نے کہا، وہ جبریل کی درخواست کیا ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے خدا! تو خود بہتر جانتا ہے۔ خدا نے کہا،

---

[۱] طٰہٰ : ۱۱۴ [۲] احزاب : ۴۳ [۳] طٰہٰ : ۱۷

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جو کچھ اس نے کہا، مَیں نے اسے منظور کرلیا ہے، لیکن یہ ان لوگوں کے لیے ہوگا جو آپ سے محبّت کریں گے اور آپ کی صحبت میں رہیں گے۔

ایک روایت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مَیں آگے چل دیا اور جبریل میرے پیچھے پیچھے آرہے تھے، تاآنکہ وہ مجھے اس حجاب کے پاس پہنچا آئے، جس کا پردہ سنہری تھا۔ جبرئیل نے حجاب کو ہلایا، فرشتے نے پردے کے پیچھے سے پوچھا، کون ہو۔ جبریل نے کہا، مَیں جبریل ہوں، اور میرے ساتھ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ فرشتے نے اللہ اکبر کہا، پھر اس نے اپنا ہاتھ حجاب کے نیچے سے نکالا مجھے اٹھایا اور آنکھ جھپکنے کی دیر میں اپنے سامنے لا رکھا۔ اور پردے کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر تھی۔ مجھے کہنے لگے آگے تشریف لایئے۔ پھر مجھے فرشتہ آنکھ جھپکنے کی دیر میں حجاب اللولو تک لے گیا، اس نے پردے کو ہلایا اور فرشتے نے جو حجاب کے پیچھے تھا، پوچھا، کون ہو۔ اس نے کہا مَیں فلاں ہوں جو حجاب الذہب کا انچارج ہے اور میرے ساتھ محمد رسول اللہ ہیں۔ فرشتے نے اللہ اکبر کہا، پھر اپنا ہاتھ پردے کے نیچے سے نکالا اور مجھے اٹھا کر اپنے سامنے لا رکھا۔ مَیں اسی طرح پردوں سے گزرتا گیا اور یوں ستّر ہزار پردے عبور کر گیا۔ ہر پردے کی موٹائی پانسو سال کی مسافت کے برابر تھی۔

پھر رفرف میرے پاس لائی گئی، یہ سبز رنگ کی تھی اور اس کی سبزی سے سورج کی روشنی ماند پڑ گئی۔ چنانچہ میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ مجھے رفرف پر سوار کر دیا گیا وہ مجھے لے اڑی، تاآنکہ مَیں عرش پر پہنچ گیا۔ وہاں میں نے ایسا مشاہدہ کیا جسے زبانیں نہیں بیان کر سکتیں۔ پھر عرش سے میرے لیے ایک قطرہ لایا گیا، جو میری زبان پر گرا۔ کسی شخص نے اس سے شیریں تر چیز نہیں چکھی ہوگی۔ اس سے خدا نے مجھے اولین اور آخرین کے علوم سکھا دیئے، میرا دل منوّر ہوگیا اور اس کے عرش کا نور میری آنکھوں پر چھا گیا۔ اور مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اب مَیں آنکھوں کی بجائے دل سے دیکھنے

لگ گیا۔ اور مَیں اپنے پیٹھ پیچھے بھی اس طرح دیکھ سکتا تھا، جس طرح اپنے سامنے۔ یہ امر پیشِ نظر رہنا چاہیئے، کہ اس مقامِ رفیع پر حجاب کا تعلق بندوں سے ہے نہ کہ ذاتِ باری سے کیونکہ وہ منزہ عن الحجاب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس، عروہ اور کعب الاحبار وغیرہ سے مروی ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا۔ لیکن اس روایت کی نہ تو کیفیت بتائی جاسکتی ہے اور نہ اس سے کسی چیز کو تشبیہ دی جاسکتی ہے۔

جب رسولِ کریم علیہ التحیہ والتسلیم سفرِ اسرا سے واپس تشریف لائے، تو راستے میں آپ قریش کے ایک قافلے کے پاس سے جو خوراک کا سامان لیے آرہا تھا، گزرے۔ اس قافلے میں ایک اونٹ تھا، جس پر دو بوریاں تھیں، ایک سفید اور دوسری سیاہ۔ جب آپ ان کے قریب سے گزرے، تو قافلے والے بھاگے اور لوٹ گئے۔ اور وہ اونٹ بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ ایک روایت میں مذکور ہے، کہ آپ ایک قافلے کے پاس سے گزرے، جن کا ایک اونٹ گم ہوگیا تھا۔ اور جسے ایک آدمی ڈھونڈھ لایا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مَیں نے انہیں سلام کہا۔ کسی نے کہا، یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز ہے، پھر آپ صبح سے پہلے مکے واپس پہنچ گئے۔ اور قریش کو اپنے مشاہدات سے آگاہ فرمایا، نیز فرمایا، کہ جو کچھ مَیں کہہ رہا ہوں، اس کی دلیل یہ ہے، کہ مَیں نے تمہارے قافلے کو فلاں مقام پر دیکھا ہے، ان کا ایک اونٹ گم ہوگیا تھا، جسے فلاں شخص تلاش کرکے لایا تھا اور وہ اس سفر میں فلاں فلاں مقام پر پڑاؤ کریں گے ۔ا۔ فلاں دن یہاں پہنچیں گے، اور ان کے آگے آگے ایک بھورے رنگ کا اونٹ ہوگا جس پر ایک کالا کمبل اور دو بوریاں لدی ہوں گی۔ جب وہ دن آگیا، تو لوگ قافلے کا انتظار کرنے لگ گئے، چنانچہ جب دوپہر کا وقت ہوا، تو قافلہ نمودار ہوا اور آگے آگے وہ اونٹ تھا، جس کا ذکر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

سے انہوں نے آپ کے مشاہدات کے بارے میں دلیل مانگی، آپ نے فرمایا، تمہارا قافلہ بدھ وار کو یہاں پہنچ جائے گا۔ جب وہ دن آیا، قافلے والے نہ آئے تا آنکہ سورج غروب ہونے کو تھا۔ آپ نے دعا فرمائی خدا نے سورج کو قافلے کے آنے تک روک لیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہ چند لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، کہنے لگے، تم اپنے رفیق سے ملے ہو، وہ کہہ رہے ہیں کہ وہ رات کو بیت المقدس کی سیر کر آئے ہیں۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کیا واقعۃً آپ نے یہ فرمایا ہے۔ کہا ہاں۔ کہا اگر آپ نے ایسا فرمایا ہے، تو ٹھیک فرمایا ہے۔ کہا، کیا تم اس امر کی تصدیق کرتے ہو، کہ تمہارے رفیق (رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم) راتوں رات وہاں گئے اور طلوعِ صبح سے پہلے واپس آ گئے۔ کہا، ہاں میں آپ کی ان باتوں کی بھی تصدیق کرتا ہوں جو اس تجربے سے بھی زیادہ بعید الفہم ہیں کیونکہ میں صبح و شام آپ کی آسمانی باتوں کی تصدیق کرتا ہوں۔ اسی وجہ سے آپ کو صدیق کا لقب عطا ہوا۔ (حاکم و ابنِ اسحاق)، اس روایت میں مزید اس امر کا اضافہ کیا گیا ہے، کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا، یا رسول اللہ! کیا آپ نے ان لوگوں سے ذکر کیا ہے، کہ آپ رات کو بیت المقدس تشریف لے گئے تھے۔ حضور علیہ التحیہ والتسلیم نے فرمایا، ہاں، انہوں نے کہا، یا رسول اللہ! میں نے بیت المقدس دیکھا ہوا ہے، آپ اس کا نقشہ بیان فرمائیں۔ حضرت حسن سے روایت ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اس پر مسجد میرے سامنے لائی گئی، اور وہ میری آنکھوں کے سامنے تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کا نقشہ بتایا، انہوں نے تصدیق کی اور جب بھی حضور کسی چیز کا ذکر فرماتے، حضرت ابوبکر کہتے، میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ بلاشبہ خدا کے رسول ہیں۔ اور حضرت ابوبکر کی یہ درخواست (یا رسول اللہ! آپ بیت المقدس کا نقشہ بیان

فرمائیں) بربنائے شک نہ تھی، کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی اس کی تصدیق کر دی تھی۔ بلکہ مقصد یہ تھا، کہ قریش کے سامنے آپ کی راستی کا اظہار کریں۔ بخاری کی روایت یں ہے، کہ خدا نے بیت المقدس کی تجلی مجھے دکھا دی یعنی میرے اور اس کے درمیان سے حجاب کو اٹھا دیا۔ مسلم کی روایت میں ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انہوں نے مجھ سے ایسے سوال کیے، جنہیں میں ثابت نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے مجھے اتنی کوفت ہوئی، کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس پر خدا نے اسے میرے سامنے پیش کیا، چنانچہ وہ اس سے متعلق جو سوالات بھی کرتے، میں ان کا جواب دیکھ کر دے دیتا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں مذکور ہے، مسجد میرے سامنے لائی گئی، میں اسے دیکھ رہا تھا، تا آنکہ عقیل کے گھر کے پاس لا کر رکھ دی گئی اور میں دیکھ دیکھ کر اس کا نقشہ بیان کرتا جا رہا تھا۔ اور یہ بہت زبردست معجزہ ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں۔ کیونکہ بلقیس کا تخت آنکھ جھپکنے کی دیر میں لایا گیا تھا۔ ام ہانی کی حدیث میں مذکور ہے، مشرکین نے آپ سے پوچھا، کہ مسجد کے کتنے دروازے ہیں مگر میں گن نہیں پایا تھا۔ میں اسے دیکھ دیکھ کر اس کا ایک ایک دروازہ گنتا تھا اور بتاتا جاتا تھا۔

اور بعض اہلِ رموز نے اپنی تحریروں میں لکھا ہے: جب رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم تکوین کے درخت کا پھل اور صدفِ وجود کا موتی اور کلمہ کُن کے معنی تھے اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا کہ اس پھل کو پھل پیدا کرنے والے کے سامنے پیش کیا جائے، اور اس کی بارگاہِ مقدس میں اٹھا کر لایا جائے، اور اس کی درگاہِ معلیٰ کے ندیموں کو طواف کا موقعہ دیا جائے، تو بادشاہ (خدا) نے اپنا بہترین خادم بھیجا۔ جب وہ ان کے پاس پہنچا، تو آپ کو فرشِ خاک پر سویا پایا، کہا، اے سونے والے اٹھیے، کہ آپ کے لیے تحائف تیار کیے گئے ہیں۔ فرمایا، اے جبریل! کہاں چلنا ہے، جبریل نے کہا، یارسول اللہ! این و آں کا قصہ چھوڑیئے، میں خدائے جلیل کا قاصد ہوں، آپ کی طرف آپ کی خدمت گزاری کے لیے بھیجا گیا ہوں؛

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ارادۂ ازلی کی مراد ہیں، اور باقی تمام مخلوق آپ کی طفیلی ہے اور آپ مقصودِ قدرت ہیں، آپ جامِ محبت کی صاف شراب، صدف کائنات کے موتی، علومِ معرفت کے سورج اور روحانیت کے بدرِ منیر ہیں۔ اس دنیا کی اساس آپ کی خاطر ڈالی گئی، اور اس مرغزار کے تحفظ کا مقصد آپ کی ذاتِ مقدس ہے۔ جامِ محبت کو آپ کی خاطر ہی لبالب بھرا گیا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے جبریل! خدائے جلیل مجھے بلا رہا ہے، مجھ سے کیا کام لیا جائے گا۔ کہا، تاکہ آپ کے اگلے پچھلے قصور معاف کر دیئے جائیں، یہ تو میرے لیے ہے، میرے اہل و عیال کے لیے کیا ہوگا؟ کہا، وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ[1]۔ آپ نے فرمایا، اے جبریل! اب میرا دل خوش ہو گیا ہے۔ اب مَیں اپنے رب کی طرف روانہ ہوتا ہوں۔ پھر جبریل نے کہا، مجھے آج آپ کی طرف اس لیے بھیجا گیا ہے، تاکہ مَیں آپ کی دولت کا خادم، آپ کے ماحول کا حاجب اور آپ کا حاشیہ بردار ہوں اور آپ کے احترام کے پیشِ نظر سواری لایا ہوں۔ کیونکہ بادشاہوں کا یہ قاعدہ ہے کہ جب وہ کسی دوست سے ملنے کی خواہش کرتے ہیں، یا کسی عزیز کو دعوت دیتے ہیں، اور ان کے اکرام و احترام کا ارادہ کرتے ہیں، تو انہیں لانے کے لیے اپنے خاص نوکر اور معزز نائب کو روانہ کرتے ہیں۔ مَیں آپ کے پاس ان کے قواعد اور رسوم کے مطابق حاضر ہوا۔ جس شخص کا یہ خیال ہو، کہ وہ قدموں کی مدد سے اس تک پہنچ سکتا ہے، وہ غلطی پر ہے اور جو شخص یہ سوچتا ہے، کہ ذاتِ خداوندی پردوں کے پیچھے پوشیدہ ہے، وہ بخشش ایزدی سے محروم ہے۔

بعض اہلِ رموز لکھتے ہیں: خدا نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا، اے محمدؐ! مَیں نے آپ کو ایسا نور دیا ہے، جس سے آپ میرے جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں، ایسے کان دیئے ہیں، جن سے آپ میری گفتگو سنتے ہیں، اے محمدؐ! لسانِ حال سے آپ کو میری ذات تک پہنچنے کا مطلب سمجھاتا ہوں۔ مَیں نے آپ کو اہلِ عالم کی طرف شاہد، بشیر اور نذیر

---

[1] الضحیٰ : ۴

بنا کر بھیجا۔ اور شاہد جو کچھ دیکھتا ہے، اسے چاہیئے کہ مشہود اشیا کی حقیقت کو جانتا ہو۔ میں آپ کو جنت دکھاؤں گا، تاکہ آپ ان اشیا کا مشاہدہ کریں، جو میں نے اپنے دوستوں کے لیے تیار کر رکھی ہیں اور نیز میں آپ کو وہ آگ بھی دکھاؤں، جو دشمنوں کے لیے بھڑکائی گئی ہے، پھر میں آپ کو اپنے جلال کا مشاہدہ کراؤں گا اور نیز اپنے جمال کو بے نقاب کروں گا تاکہ آپ کو معلوم ہو، کہ میرے کمال کی نہ کوئی نظیر ہے اور نہ مثال، نہ میرا کوئی وزیر ہے اور نہ مشیر، پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو ایسے نور سے دیکھا، کہ بغیر از ادراک و اندازہ ہی آپ اس پر فریفتہ ہو گئے۔۔ خدا یکتا و بے نیاز ہے، نہ وہ کسی چیز میں ہے اور نہ کسی چیز سے ہے، نہ کسی چیز کے سہارے اور نہ کسی چیز پر قائم ہے اور نہ کسی چیز کا محتاج ہے۔ کوئی چیز بھی اس جیسی نہیں۔ جب خدا نے آپ سے آمنے سامنے گفتگو کی اور اچھی طرح مشاہدہ کرا لیا۔ فرمایا گیا، اے محمدؐ! اس خلوت کے لیے ایسے راز کی ضرورت ہے، جسے فاش نہیں کیا جاتا اور ایسی رمز جس کی وضاحت نہیں کی جاسکتی (فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی[1]) چنانچہ وہ ایسا راز تھا، جس کا علم نہ تو کسی مقرب فرشتے کو ہو سکا اور نہ نبی مرسل کو۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرش تک پہنچے، عرش کی جھالروں کو پکڑ لیا اور عرش نے زبانِ حال سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب ہو کر فرمایا، اے محمدؐ! آپ اپنے بہترین اوقات میں دشمن سے محفوظ ہیں میں آپ کو اس کے جمالِ احدیت اور جلالِ صمدیت کا مشاہدہ کراتا ہوں۔ میں اس کا پیاسا ہوں اور اس پر فریفتہ ہوں، اس کی ذات میں حیران ہوں، سمجھ نہیں پاتا، کہ اس تک کس طرح سے پہنچوں۔ مجھے اس نے تمام مخلوق سے بڑا بنایا، چنانچہ ہیبت میں، میں تمام اشیاء سے عظیم تر ہوں، اور سب سے بڑھ کر حیرت زدہ بھی ہوں، اور بایں ہمہ خدا سے سب سے زیادہ ڈرتا ہوں۔ اے محمدؐ! مجھے خدا نے پیدا کیا، تو میں اس کے جلال سے کانپتا تھا، خدا نے میرے پایوں پر لا الٰہ الا اللہ لکھ دیا، تو اس کے نام کی ہیبت سے

---

[1] النجم : ۱۰

میں اور زیادہ ڈرنے لگا اور کانپنے لگا۔ پھر محمدؐ رسول اللہ لکھا، تو میرا قلق کم ہو گیا اور ڈر ختم ہو گیا۔ اس لحاظ سے آپ کا نام میرے دل کا سکون اور میری طبیعت کی طمانیت کا سبب ہوا۔ یہ سب آپ کے نام کی برکت ہے، پھر اس وقت کیا صورتِ حال ہو گی جب آپ کی متبرک نظر مجھ پر پڑے گی۔ اے محمدؐ! آپ نبی مرسل اور دنیا والوں کی رحمت ہیں، اس لیے مجھے اس سے حصہ ملنا چاہیئے۔ اور یارسول اللہ! میرا حصہ صرف یہ ہے کہ آپ مجھے تمام ان الزامات سے بَری قرار دیں، جو جھوٹے لوگوں نے مجھ سے منسوب کر رکھے ہیں اور فریب کاروں نے مجھ پر بے سروپا الزام لگائے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں، کہ میں اس خدا کو سموئے ہوئے ہوں جس کی کوئی مثال نہیں اور میں ایسی ذات کو احاطہ کیے ہوئے ہوں، جس کی کوئی کیفیت نہیں۔ اے محمدؐ! جس کی ذات کی کوئی حد نہیں اور جس کی صفات کا کوئی شمار نہیں، اسے میری ضرورت کیسے پڑ سکتی ہے یا میں اسے کیسے اٹھا سکتا ہوں۔ جب رحمان اس کا نام ہے، استوا اس کی صفت ہے، اور اس کی صفات متصل بذاتہ ہیں۔ وہ مجھ سے کیسے متصل ہو سکتا ہے یا منفصل ہو سکتا ہے۔ اے محمدؐ! مجھے عزتِ باری کی قسم! میں نہ تو اس سے متصل ہوں اور نہ منفصل ہوں، اور نہ اسے اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں۔ خدا کے فضل و کرم نے مجھے ایجاد کیا اور اگر وہ مجھے مٹا دے تو یہ اس کا حق ہے اور عین عدل ہے۔ اے محمدؐ! میں اس کی قدرت کا کرشمہ ہوں اور اس کی حکمت کا نمونہ۔" یہ تقریر سُن کر رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے زبانِ حال سے فرمایا۔ "اے عرش! اپنے کام سے کام رکھو، میں تمہاری طرف متوجہ نہیں ہوں، تم میرے سکون کو غارت نہ کرو، اور میری خلوت میں دخل اندازی نہ کرو۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قابلِ توجہ نہ سمجھا اور جو کچھ آپ پر القا ہوا تھا، اس کا ایک لفظ بھی اسے نہ بتایا۔

★

بابِ ششم

اس باب میں قرآنِ حکیم کی ان آیات کا ذکر ہے، جن میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور شہرت کا بیان ہے اور جن میں خدا نے آپ کی نبوّت کی شہادت دی ہے اور اس نے آپ کی رسالت کی حقانیت کی قسم کھائی ہے آپ کی سنت کے اتباع اور اطاعت کی ضرورت کا ذکر کیا ہے نیز خدا نے تمام انبیاء سے پکّا وعدہ لیا، کہ اگر انہوں نے رسولِ کریم کے عہد کو پالیا، تو وہ ان کی امداد کریں گے۔ اور پہلی کتابوں (توریت اور انجیل) میں آپ کی نبوت کی بشارت دی گئی ہے۔ اس میں دس فصلیں ہیں۔

فصل اوّل

اس فصل میں ان آیاتِ قرآنی کا ذکر ہے، جن میں آپ کے شان کی عظمت، نام کی رفعت، مرتبے کا جلال اور درجات کی بلندی کا ذکر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ. مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ[1] مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے حضرت موسیٰ مراد ہیں، کیونکہ خدا نے ان سے بلا واسطہ خطاب فرمایا، لیکن اس سے حضرت موسیٰ بالخصوص مراد نہیں، کیونکہ یہ بات ثابت ہے، کہ خدا نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے گفتگو فرمائی۔ ارشادِ باری ہے :۔ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ

[1] بقرہ : ۲۵۳

اس آیت میں بعض سے مراد رسولِ کریم ہیں۔ آپ کی رفعت کی تین وجوہ ہیں۔ ذاتی طور پر بوجہ معراج، تمام انسانوں سے بہتر اور افضل ہونے کی وجہ سے اور بر بنائے معجزات، کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنے معجزات ظہور ہوئے، جو آپ سے پیشتر کسی اور نبی سے ظہور پذیر نہیں ہوئے تھے۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں، کہ اس آیت میں آپ کی عظمت اور جلالتِ شان کا واضح اشارہ موجود ہے، کیونکہ اس آیت میں ایسی شہادت موجود ہے کہ اس سے مراد بلاشبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہی ہے اور ایسے وصف امتیازی کا ذکر ہے، جس میں کسی التباس کی گنجائش نہیں۔ نیز قرآن کی اس آیت:۔ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ[1] سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیا کے مدارج میں اختلاف ہے۔ قاضی عیاض بعض اہلِ علم سے راوی ہیں، کہ تفضیل سے مراد دنیوی فضیلت ہے۔ جس کی تین وجہیں ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آپ کی علامات مشہور ہیں ۲۔ اور ظاہر ۲۔ آپ کی امت اخلاقاً پاکیزہ تر اور عدداً سب سے زیادہ ہے۔ ۳۔ آپ کی ذات افضل اور اطہر ہے اور آپ کی ذاتی فضیلت کا تعلق ان خوبیوں اور فضائل سے ہے، جو خدا نے آپ کو بالخصوص عطا فرمائیں، مثلاً شرفِ کلام، وصفِ خلت اور رویتِ الٰہی، نیز وہ نوازشات اور ولایتِ خداوندی کے تحائف جو خدا نے آپ کو عطا فرمائے، بناءً علیٰ ھٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف اور معجزات واضح اور عیاں ہیں، نیز تعداد میں اوسع، بہ لحاظ تاثیر زیادہ پائیدار اور طاقت ور ہیں آپ کا رتبہ بلند اور آپ کا دائرۂ اثر عظیم تر و کثیر تر اور آپ کی ذات افضل و اطہر ہے آپ کی خصوصیات تمام انبیا سے مقابلۃً زیادہ مشہور اور مستغنی عن الذکر ہیں۔ اسی طرح آپ کا درجہ تمام پیغمبروں کے مدارج سے بلند تر اور آپ کی ذات تمام مخلوق سے اعلیٰ اور پاکیزہ تر ہے۔ میدانِ حشر میں دربارۂ شفاعت جو مذکورہ حدیث ہے، اس پر غور کیجیے: کہ کیونکر وہ سلسلہ آخرکار آپ کی ذات پر ختم ہوا، اور کس طرح اس مقام پر سیادت کا

---

[1] اسرا: ۵۵

تاج آپ کے سر پر رکھا گیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: میں بنی آدم کا سردار ہوں اور قیامت کے دن پہلے میری قبر شق ہو گی اور اس میں فخر کا شائبہ تک نہیں۔(ابن ماجہ)

جامع ترمذی میں یہ حدیث بہ الفاظ ذیل مذکور ہے: اَنَا اَکْرَمُ یَوْمَئِذٍ عَلٰی رَبِّیْ وَلَا فَخْرَ۔ امام رازی معالم میں لکھتے ہیں، کہ خدا نے تمام انبیا کے اوصافِ حمیدہ بیان کر کے پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا[1]: اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدَاھُمُ اقْتَدِہْ۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم میں اجتماعی طور پر وہ تمام اوصاف موجود ہیں، جو انبیا علیہم السلام میں فرداً فرداً پائے جاتے تھے، گویا آپ ان خوبیوں کا جامع نمونہ ہیں جو تمام پیغمبروں میں پائی جاتی تھیں، اس بنا پر ان سے افضل ہیں، نیز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام دنیا کے تمام ممالک میں پہنچ چکی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اہلِ عالم نے آپ کی دعوت سے جو فائدہ اٹھایا، وہ اس فائدے سے کہیں زیادہ جامع اور کامل ہے، جو باقی تمام انبیا کی دعوتِ ارشاد سے اٹھایا گیا۔ جامع ترمذی میں حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا فَخْرَ وَبِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا بَنِیْ آدَمَ وَمَا سِوَاہُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ۔ امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ ـــــ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم اور ان کی ساری اولاد سے افضل ہیں۔ حضور نے اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ ازراہِ فخر وغرور نہیں کہا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی باتوں سے بچایا ہے۔ بلکہ آپ کا مقصد اظہارِ نعمت ہے اور نیز امت کو یہ بتانا ہے، کہ ان کے امام اور پیغمبر کا خدا کے یہاں کیا احترام ہے اور خدا کے یہاں ان کی کیا قدر ہے، تاکہ اہلِ امت کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کا علم ہو، اور خدا کی نعمت کو پہچانیں، اللہ کے فضل و کرم سے یہ خوشی اور مسرت کا مقام ہے۔ ارشاد ہوتا ہے[2]: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا۔

---

[1] انعام: ۹۰ [2] یونس: ۵۸

نیز وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ[1] - ابنِ خزیمہ نے حضرت ابو سعید سے روایت کی ہے کہ حضور نے فرمایا، جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا، کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، آیا آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے آپ کے ذکر کو کس طرح بلند کیا، میں نے کہا کہ اس کا علم خدا کو ہے خدا نے کہا، جب میرا نام لیا جاتا ہے، تو تیرا نام بھی ساتھ ہی لیا جاتا ہے۔ طبرانی نے اس کا ذکر کیا ہے اور ابنِ حبان نے تصحیح کی ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں، ابن عیینہ ابن ابی نجیح سے راوی ہیں، اس کا مطلب یہ ہے، کہ جب بھی اور جہاں بھی میرا ذکر ہوتا ہے، تیرا ذکر بھی ہوتا ہے، مثلاً لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ - امام شافعی فرماتے ہیں خدا کو معلوم ہے، کہ اس پر ایمان لاتے وقت اور اذان کے دوران میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے۔ نیز قرآنِ حکیم کی تلاوت اور خدا کی اطاعت اور گناہوں سے رک جاتے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام آتا ہے۔ یحییٰ بن آدم کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے، کہ آپ کو نبوت عطا کر کے بلندی دی۔ ابنِ عطا سے مروی ہے، کہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں نے تیرے ذکر کو اپنا ذکر قرار دیا۔ پس جو شخص تجھے یاد کرتا ہے وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ ان سے یہ روایت بھی ہے، کہ میں نے کمالِ ایمان کی شرط یہ قرار دی، کہ تیرا نام میرے نام کے ساتھ لیا جائے۔ قاضی بیضاوی لکھتے ہیں، کہ اس سے بڑھ کر اور کیا بلندی ہو سکتی ہے، کہ کلمۂ شہادت میں آپ کا نام خدا کے نام کے ساتھ آتا ہے، اور آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت گردانا۔ ارشاد ہوتا ہے:- وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ[2] وَ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ[3] وَ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ[4] - وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ[5] - وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ[6] - حضرت قتادہ راوی ہیں کہ خدا نے دنیا اور آخرت میں آپ کا ذکر بلند فرمایا، ہر خطیب ہر کلمۂ شہادت پڑھنے والا اور ہر نماز گزار کو اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ - پڑھنا پڑتا ہے۔ بناءً علیٰ ھذا۔ آپ کا نام شہادت اور تشہد میں مذکور ہے

[1] الشرح : ۴ [2] النساء : ۸۰ [3] توبہ : ۶۲ [4] النور : ۵۲ [5] انفال : ۲۰ [6] آل عمران : ۱۳۲

نیز آپ کا نام خدا کے نام کے ساتھ قرآن، خطبات اور اذان میں آتا ہے، اور نیز قیامت کے دن آپ کے نام کو اذان میں دہرایا جائے گا۔ ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جب حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے، تو آپ کو وحشت ہونے لگی، اتنے میں جبریل علیہ السلام آئے اور اذان کہی اور دو دفعہ اللہ اکبر کہا، اسی طرح اشہد ان لا الٰہ الا اللہ دو دفعہ اور اشہد ان محمد رسول اللہ دو دفعہ کہا۔

نیز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عرش پر لکھا ہوا ہے، اسی طرح تمام آسمانوں پر، جنتوں میں اور ان اشیا پر جو وہاں پائی جاتی ہیں (ابن عساکر) بزاز نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب مجھے آسمانوں کو لے چلے تو جس آسمان سے میرا گزر ہوا، وہاں میں نے محمد رسول اللہ لکھا پایا۔ اور حلیہ میں ابن عباس سے مذکور ہے، کہ جنت میں جتنے درخت ہیں ان کے ہر پتے پر محمدؐ رسول اللہ مرقوم ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم مبارک اللہ کے نام سے مشتق ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ   فَذُوالعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

خدا نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے نام کو اپنے نام سے اس لیے مشتق فرمایا، تاکہ آپ کو معزز فرمائے، خدائے ذوالعرش کا نام محمود ہے اور آپ محمدؐ ہیں۔

اسی طرح اپنے اسمائے حسنیٰ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ستر صفاتی نام عطا فرمائے۔ اور فرشتوں کے ساتھ آپ پر درود بھیجا اور مسلمانوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود کا حکم دیا۔ ارشاد ہوتا ہے :۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا[1]۔ اور اس طرح خدا نے اپنے بندوں کو اپنے نبی کی قدر و منزلت کے بارے میں ملائے اعلیٰ میں اطلاع دی۔

---

[1] احزاب : ۵۶

کہ خدا فرشتوں کے سامنے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف بیان کرتا ہے، اور فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں۔ پھر اہلِ دنیا کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سلام اور درود کا حکم دیا۔ اس طرح پر خداوند تعالیٰ اور عالمِ علوی اور سفلی کے مکین آپ کی ثنا بیان کرتے ہیں۔ ان باتوں کے علاوہ بھی حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی شہرت اور ناموری کے اور بھی کئی ذریعے ہیں۔

ارشادِ باری ہے:۔ طٰہٰ۔ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى[1]۔ اس آیت کے نزول کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ ایک یہ ہے، کہ ابوجہل، ولید بن مغیرہ اور مطعم بن عدی نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے کہا، کہ آپ نے آبائی دین چھوڑ کر شقاوت (نعوذ باللہ) خرید لی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مَیں تو دنیا والوں کے لیے رحمت اور سعادت بنا کر بھیجا گیا ہوں، چنانچہ خدا نے یہ آیت نازل کر کے ان کی تردید فرمائی، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف کی، کہ دینِ اسلام اور قرآن دنیا میں ہر کامیابی حاصل کرنے کا زینہ اور ہر سعادت کے حصول کا ذریعہ ہیں اور حقیقی شقاوت تو وہ ہے جس میں کفار بھٹکتے پھرتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنی عبادت کرتے تھے، کہ آپ کے دونوں پاؤں متورم ہو گئے تھے۔ اس پر جبریل نے آپ سے کہا، کہ اپنے نفس پر رحم کیجئے، کیونکہ اس کا بھی آپ پر حق ہے یعنی ہم نے قرآن اس لیے نازل نہیں کیا، کہ آپ اپنے نفس کو عبادت سے لاغر اور بیمار کر دیں، اور سخت مشقت برداشت کریں، بلکہ ہم نے آپ کو یکسوئی اور آسانی کا حکم دیا ہے اور طٰہٰ کے معنی بہ قول ابنِ عباس 'اے آدمی' ہے۔ نیز ارشادِ باری ہے:۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ بہ قول فخر الدین رازی اس سورت میں کئی فوائد ہیں۔ ۱۔ یہ سورت پہلی سورتوں کی متمم ہے، کیونکہ سورۂ الضحیٰ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان ہوئے ہیں اور آپ کے حالات کی تفصیل ہے اس سورت کے شروع میں تین باتوں کا ذکر ہے،

---

[1] طٰہٰ: ۲

جن کا تعلق آپ کی نبوت سے ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ــــ، وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۔ پھر تین باتوں کا، جن کا تعلق دنیا سے ہے، اس کو ختم کر کے ذکر کیا ہے۔ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى، وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى
اس کے بعد سورۂ الم نشرح میں خدا نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین اوصاف کا ذکر کیا ہے[۲] اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (یعنی کیا ہم نے آپ کے سینے کو مناجاتِ حق اور دعوتِ حق کے لیے کھول نہیں دیا۔) وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ (بھاری مصائب) اَلَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۔ اسی طرح بعد کی سورتوں میں حضور کا ذکر ہوتا چلا آیا، تا آنکہ سورۂ انّا اعطیناک الکوثر اتری۔ کوثر میں بے حد و شمار اوصاف ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئے، ان اوصاف میں سے ہر ایک (دنیا بھر سے اس کی تمام وسعتوں سمیت) عظیم تر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے، جب ہم نے آپ پر اتنی نعمتیں نچھاور کی ہیں، تو آپ کو ہماری بندگی سے سروکار رکھنا چاہیئے اور کفار کی باتوں کی پرواہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اشتغال بالعبادت یا تو بالنفس ہوگا (فَصَلِّ لِرَبِّكَ) اور یا بالمال (وَانْحَرْ) اور اب اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ پر غور فرمایئے، کہ بجائے مستقبل کے ماضی کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ انعام ماضی ہی میں حاصل ہو چکا ہے، آپ نے فرمایا: كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ پس جو انسان ماضی میں عزیز القدر تھا، وہ یقیناً اس شخص سے بہتر ہوگا، جسے مستقبل میں اس نعمت سے نوازا جائے گا۔ گویا خداوند تعالیٰ یہ کہہ رہے ہیں، اے محمد! ہم نے عالمِ وجود میں داخل ہونے سے پہلے ہی، آپ کی سعادت کا انتظام کر دیا تھا۔ اب جب آپ کو نعمتِ وجود سے نوازا ہے، تو آپ کی صورتِ حال کیا ہوگی اور ہماری عبادت میں آپ کی مشغولیت کا کیا عالم ہوگا۔ اے ہمارے نیک بندے ہمارے اس فضلِ عظیم

---

[۱] سورۃ الضحیٰ: ۳-۵ و ۸، [۲] انشراح ۱-۴

کی وجہ، آپ کی عبادت نہیں، بلکہ ہم نے آپ کو بغیر از وجہ بر بنائے فضل و احسان پسند فرمایا ہے۔

سورۂ الکوثر کی تفسیر کے بارے میں مفسرین میں بوجوہ اختلاف ہے۔ ایک صورت یہ ہے، کہ کوثر جنت میں ایک نہر کا نام ہے اور سلف و خلف میں اسی خیال کو مقبولیت اور شہرت حاصل ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں جنت میں گھوم رہا تھا، کہ نہر کے کنارے پر پہنچا، جس کے دونوں کناروں پر مجوف موتیوں کے قبے نصب تھے۔ میں نے جبرئیل سے دریافت کیا، یہ کیا ہے، کہا، یہ نہر کوثر ہے جو خدا نے آپ کو عطا کی ہے اور جس کی مٹی خالص کستوری ہے (بخاری)

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے کہ سو گئے، پھر آپ نے سر اٹھایا، تو مسکرا رہے تھے ہم نے دریافت کیا، یا رسول اللہ! آپ کے تبسم کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا ابھی مجھ پر یہ سورۃ نازل ہوئی ہے:۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ، فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ، اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ پھر فرمایا، جانتے ہو، کوثر کیا ہے، ہم نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا وہ نہر ہے، جس کا خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، اس میں بڑی بھلائی ہے اور یہ وہ نہر ہے جس پر میری امت قیامت کے دن اترے گی، اس پر پیالوں کی تعداد ستاروں کی طرح بے حساب ہو گی۔ ان میں سے ایک آدمی کو علیحدہ کر دیا جائے گا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے، یا اللہ یہ تو میری امت سے تھا۔ خدا کہے گا، کیا آپ کو معلوم ہے، کہ اس نے آپ کے بعد کیا کیا۔ حضور نبی کریم سے یہ اس امر کی صریح تفسیر ہے، کہ کوثر سے مراد حوض ہے، چنانچہ یہ اس کی مشہور تفسیر ہے اور یہی بہتر ہے اور یہی مشہور بھی ہے۔ مقدس ہے وہ ذات، کہ جس نے آپ کو یہ عظیم فضائل عطا کیے، اور آپ کو ان اوصاف سے مشرف فرمایا اور بڑی بڑی نعمتیں

آپ کو عطا فرمائیں۔

خدا کا قاعدہ یہ چلا آرہا ہے، کہ وہ تمام انبیا کو ان کے ناموں سے مخاطب کرتا چلا آیا ہے مثلاً یا آدم اسکن۔ یا نوح اھبط۔ یا موسیٰ انی انا اللہ۔ یا عیسی بن مریم اذکر نعمتی علیک۔ لیکن ہمارے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو خدا نے نبی اور رسالت کے وصف کو سامنے رکھ کر یا ایہا النبی اور یا ایہا الرسول کہہ کر مخاطب فرمایا۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے :۔

فَدَعَا جَمِیْعُ الرُّسُلِ کُلاًّ بِاسْمِہٖ　　وَدَعَاکَ وَحْدَکَ بِالرَّسُوْلِ وَبِالنَّبِیِّ

خدا نے تمام انبیا کو ان کے نام لے کر مخاطب کیا۔ صرف آپ ہی ایسے آدمی ہیں، جنہیں رسول اور نبی کہہ کر خطاب کیا۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام لکھتے ہیں، یہ بات کسی سے مخفی نہیں، کہ جب آقا اپنے بندے کو اس کے اوصافِ عالیہ اور اخلاقِ فاضلہ سے یاد کرتا ہے اور دوسرے لوگوں کو ان کے نام لے کر مخاطب کرتا ہے اور ان کے اوصاف اور اخلاق میں سے کسی وصف یا خلق کا نام نہیں لیا جاتا ہے، تو لازماً اوّل الذکر کا مقام جسے اس کے اخلاق و اوصاف سے یاد کیا جاتا ہے، اس سے بلند تر ہوگا، جسے اس کا نام لے کر مخاطب کیا جائے۔ اور ہر شخص کو اس بات کا علم ہے، کہ جس آدمی کو اس کے اوصاف و اخلاق سے یاد کیا جائے، گویا اس سے اس کا احترام اور تعظیم میں مبالغہ مقصود ہوتا ہے۔ قرآنِ حکیم کی اس آیت پر غور فرمایئے :۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔[1] اس میں رب کی نسبت کاف کی طرف ہے، جس سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں، اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شرف اور اختصاص کا ذکر ہے کیونکہ خدا نے آپ کو مخاطب فرمایا۔ اس کتابِ مقدس میں، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلالتِ رتبہ، عظمتِ قدر، بلندیٔ منصب اور علوِ ذکر کا

---

[1] بقرہ : ۳۰

بالتصریح ایسا بیان ملتا ہے، جو آپ کے درجاتِ رفیع پر دال ہے۔ اور اس امر کی ایک اور دلیل یہ ہے، کہ خدا نے آپ کو از راہ تلطف عتاب سے پہلے عفو فرما دیا۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ عَفَا اللّٰہُ عَنکَ لِمَ اَذِنتَ لَھُم [1] ۔ اور اسی طرح باقی انبیا کے نام سے پہلے باوجود تاخر زمانی آپ کا نام لیا گیا ہے:۔ وَمِنکَ وَمِن نُّوحٍ وَّاِبرَاھِیمَ [2] وَمُوسٰی وَعِیسَی ابنِ مَریَمَ ۔ اور نیز اہلِ نار آپ کی اطاعت کی تمنا کریں گے۔ [3] یَومَ تُقَلَّبُ وُجُوھُھُم فِی النَّارِ یَقُولُونَ یَالَیتَنَا اَطَعنَا اللّٰہَ وَاَطَعنَا الرَّسُولَ۔

یہ ایسا سمندر ہے جو ختم نہیں ہوتا۔ اور ایسے قطرے ہیں، جن کا شمار نہیں۔

فصل دوم

خدا نے تمام انبیا علیہم السلام سے میثاق لیا، کہ اگر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، تو وہ آپ کی امداد کریں گے:۔ [4] وَاِذ اَخَذَ اللّٰہُ مِیثَاقَ النَّبِیِّینَ لَمَآ اٰتَیتُکُم مِّن کِتَابٍ وَّحِکمَۃٍ، ثُمَّ جَآءَکُم رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُم لَتُؤمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنصُرُنَّہٗ۔ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ خدا نے دنیا میں کوئی بھی ایسا نبی نہیں بھیجا، جس سے خدا نے یہ میثاق نہ لیا ہو، کہ اگر ان کی زندگی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو وہ ایمان لائے گا اور آپ کی امداد کرے گا۔ بعض لوگوں نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے، کہ خدا نے انبیا اور ان کی امتوں سے عہد لیا، اور انبیا کا ذکر کر کے ان کی امتوں کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ امام سبکی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے، کہ اگر یہ لوگ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوتے، تو آپ ان کی طرف بھی مبعوث ہوتے اور اس طرح آپ کی نبوت اور رسالت حضرت آدم کے زمانے سے لے کر قیامت تک کے لیے تمام انسانوں کے لیے

---

[1] توبہ: ۴۳ [2] احزاب: ۷ [3] احزاب: ۶۶ [4] عمران: ۸۳

ہوتی۔ اور تمام انبیا اور ان کی امتیں، آپ کی امت میں شامل ہوتیں اور اس طرح
آپ کا یہ ارشاد: بُعِثۡتَ اِلَی ـــــ النَّاسِ کَآفَّۃً۔ صرف آپ کے زمانے سے
مخصوص نہ ہوتا۔ بلکہ آپ سے پیشتر زمانے پر بھی حاوی ہوتا۔ اور انبیا سے اس لیے میثاق
لیا گیا، تاکہ انہیں معلوم ہو، کہ آپ ان سے مقدم ہیں اور ان کے بھی نبی اور رسول ہیں۔
اس طرح، محمد رسول اللہ، نبی الانبیا ہیں اور اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ تمام انبیا
دنیا و آخرت میں آپ کے عَلَم کے نیچے ہیں۔ اسی طرح آپ نے اسرا کی رات کو انبیا کو نماز
پڑھائی۔ اور اگر آپ کی بعثت حضرت آدم، نوح، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے زمانے
میں وقوع پذیر ہوتی، تو ان پر اور ان کی امتوں پر آپ کا اتباع، ایمان اور امداد فرض
ہوتی۔ اسی لیے خدا نے ان سے میثاق لیا اور یوں معناً آپ کی نبوّت اور رسالت ان
کے لیے بھی ثابت ہو گئی۔ بہر حال اس حکم کا اطلاق اس امر پر منحصر ہے، کہ انبیا علیہم السلام
اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک زمانے میں جمع ہو جائیں۔ بناءً علیٰ ہذا۔ اس حقیقت کے
تاخر کا مدار انبیا علیہم السلام کے وجود پر ہے، نہ یہ کہ وہ اس حکم کے تقاضوں کو پورا نہیں
کرتے۔ اور ان دو باتوں میں، کہ وقوعِ فعل کا انحصار، محل کی موزونیت پر ہے یا
فاعل کی اہلیت پر، واضح فرق پایا جاتا ہے۔ اس مثال میں فاعل کی جانب سے کوئی
روک نہیں ہے اور اسی طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں
بلکہ اس توقف کی وجہ وہ زمانہ ہے جس میں سرورِ دو عالم پیدا ہوئے۔ اگر آپ ان کے
عہد میں پائے جاتے تو بلاشبہ ان پر آپ کا اتباع لازم ہوتا۔ اسی لیے عیسیٰ علیہ السلام
آخری زمانے میں آپ کی شریعت پر تشریف لائیں گے، حالانکہ وہ اس وقت بھی نبی
ہوں گے۔ اور جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، کہ حضرت عیسیٰ اس امت کے ایک فرد
ہوں گے، اس بنا پر درست ہے، کہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی بنا پر
اس امت کے ایک پیروکار ہوں گے۔ اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت پر

قرآن اور سنت کے مطابق عمل کریں گے۔ اور امر و نہی کے احکام ان پر بھی اسی طرح لاگو ہوں گے، جس طرح ساری امت پر لاگو ہیں۔ اسی طرح اگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے، یا حضرت ابراہیم، موسیٰ، نوح اور آدم علیہم السلام کے زمانوں میں مبعوث ہوتے تو یہ انبیا اپنی امتوں کے لیے اسی طرح مامور رہتے اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ان سب کے نبی اور رسول ہوتے۔ اس لحاظ سے آپ کی نبوّت اور رسالت مقابلۃً زیادہ عام، جامع اور عظیم ہے، اور اصولاً ان کی شریعتوں سے متفق ہے، کیونکہ ان میں باہم کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو تمام شرائع پر تقدم حاصل ہے اور اگر اختلاف ہے تو صرف فروع ہیں۔ اس سے ہم پر مندرجہ ذیل دو احادیث کا مفہوم جو ابھی تک ہماری نگاہوں سے اوجھل تھا، واضح ہو گیا۔ پہلی حدیث ہے بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ کَافَۃً۔ ہم اس سے یہ سمجھے تھے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے لے کر قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ اب اس سے واضح ہو گیا، کہ اس سے مراد تمام وہ مخلوق ہے، جو ازل سے ابد تک پیدا ہوتی رہے گی۔ دوسری حدیث ہے:۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمَ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ ہم اس حدیث کا مطلب یہ سمجھے تھے، کہ اس کی حیثیت علمی ہے، لیکن اب معلوم ہوا کہ اس سے کچھ بڑھ کر ہے۔

فصل سوم

اللہ میاں رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے اوصاف اور آپ کی رسالت کے شاہد ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی زبانی تعمیرِ حرم کے موقعہ پر ارشاد ہوتا ہے:۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ[۱]

---

[۱] : بقرہ - ۱۲۷ - ۱۲۹

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ، إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔ خدا نے ان کی دعا قبول کر لی اور اہلِ مکہ میں ان میں سے ایک رسول بھیجا جو اولادِ اسماعیل سے تھا اور مذکورہ اوصاف کا حامل تھا۔ اور تمام مفسرین متفق ہیں، کہ اس آیت سے مراد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، میں اپنے جدِّ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ کی بشارت، جیسا کہ سورۂ صف میں مذکور ہے :۔ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ۔ اور حضرت ابراہیم نے یہ دعا مکے میں اپنی اس اولاد کے لیے کی جو وہاں اور اس پاس موجود تھی۔ اور خدا نے مکے میں سوائے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے اور کوئی نبی نہیں بھیجا۔ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان صفات کے ساتھ بھیج کر خدا نے مومنوں پر احسان کیا ہے۔ ارشادِ باری ہے :۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ۔ مسلمانوں پر اس سے بڑھ کر اللہ کا اور کیا احسان ہو سکتا ہے، کہ اس نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو بھیجا جو راستی اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اس امت پر بہت بڑا احسان ہے۔ کیونکہ اس نعمت کی وجہ سے دین دنیا کی بھلائی مکمل ہو گئی اور اس کی وجہ سے وہ دین بھی مکمل ہو گیا، جو خدا نے اپنے بندوں کیلئے بھیجا تھا۔ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔ یعنی حضور ان جیسے انسان ہیں، جو بوجہِ وحی ممتاز ہیں۔ اَنْفُسِهِمْ ۔ یعنی حضور ان میں اشرف اور افضل ہیں، کیونکہ آپ بنو ہاشم سے تھے جو قریش کا اعلیٰ خاندان ہے اور قریش عربوں میں افضل اور عرب باقی دنیا سے افضل ہیں۔ ارشادِ باری ہے : هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ

---

[1] صف : ۶ [2] عمران : ۱۶۴ [3] الجمعہ : ۲

اٰیَاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ۔ اُمِّیّٖن سے مراد عرب ہیں، جنہیں اس نعمت کی قدر و قیمت اور عظمت پر تنبیہ کی گئی ہے، کیونکہ وہ اَن پڑھ تھے۔ اور ان کے پاس اہلِ کتاب کی طرح نبوّت کی سی کوئی چیز نہ تھی۔ خدا نے انہیں رسولِ کریم اور قرآن کی وساطت سے افضل الامم بنا دیا۔ اور انہیں ان امتوں کی گمراہی کا علم ہو گیا جو پیشتر ازیں گزر چکی تھیں۔ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح اُمّی ہیں، جس طرح وہ امت، جس کی طرف آپ مبعوث ہوئے۔ نہ آپ نے کوئی کتاب پڑھی اور نہ کبھی دائیں ہاتھ سے کچھ لکھا: وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ کِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیْنِکَ[۱]۔ نہ آپ کبھی اپنی قوم کو چھوڑ کر کسی اور ملک میں پڑھنے کو تشریف لے گئے۔ آپ اسی طرح اس اُمّی قوم میں چالیس سال تک مقیم رہے، چنانچہ نہ لکھا نہ پڑھا۔ پھر آپ یہ کتابِ مبین اور روشن شریعت اور دین لائے۔ جس کے بارے میں تمام دنیا کے دانشوروں اور علما کا خیال ہے، کہ دنیا میں اس سے عظیم تر دین کبھی نازل ہوا ہی نہیں۔ اور یہ امر آپ کی صداقت پر بہت بڑی دلیل ہے۔ دوسری بات یہ ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو اہلِ مکہ کی طرف مبعوث ہوئے، ان ہی میں سے تھے، جو آپ کے نسب، شرف، صدق، امانت اور عفت کو اچھی طرح جانتے تھے، اور آپ نے ان میں نشو و نما پائی، وہ ان اوصاف کی وجہ سے مشہور تھے آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا، کہ آپ لوگوں کو جھوٹ کی طرف بلائیں اور پھر خدا پر افترا باندھیں۔ چونکہ یہ بات اصولاً غلط ہے، اسی لیے ہرقل نے آپ کے بارے میں انہی اوصاف سے متعلق دریافت کیا تھا۔ اور اس سے اس نے آپ کی نبوت اور رسالت کی حقانیت پر دلیل قائم کی تھی۔ چنانچہ خدا نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: فَاِنَّھُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ[۲]۔ مروی ہے، ایک شخص نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

[۱] عنکبوت: ۴۸ [۲] انعام: ۳۳

سے کہا: اے محمدؐ! آپ نے کبھی ہم سے جھوٹ نہیں کہا لیکن آج ہم آپ پر تہمت باندھ رہے ہیں، لیکن اگر ہم آپ کا اتباع کریں تو ہمیں زمین سے اچک لیا جائے گا۔ اس پر یہ آیت اتری تھی۔ یہ ابن عباس کا قول ہے، مقاتل راوی ہیں کہ حارث بن عامر حضور اکرم کی علانیہ تکذیب کرتا تھا لیکن جب گھر میں ہوتا، تو کہا کرتا، کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) جھوٹ بولنے والوں سے نہیں۔ نیز مروی ہے کہ مشرکین جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھتے تو کہتے، بلاشبہ یہ شخص نبی ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ راوی ہیں، ابوجہل کہنے لگا، اے محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن آپ کے دین کی تکذیب کرتے ہیں، چنانچہ مذکورہ بالا آیت اتری۔ آیت کا مطلب یہ ہے، باوجودیکہ انہیں آپ کی صداقت کا علم ہے، لیکن پھر بھی وہ منکر ہیں۔ روایت ہے، کہ ایک دفعہ ابوجہل کا رسولِ کریم سے سامنا ہو گیا اور آپ سے مصافحہ کیا، لوگوں نے کہا، کہ تم نے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کیوں مصافحہ کیا۔ کہنے لگا، بخدا مجھے اس بات کا علم ہے کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہے لیکن ہم کب تک بنو عبد مناف کی غلامی کرتے رہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن حاتم) اور سارا قرآن ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے، جو رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی صداقت اور آپ کی رسالت کی حقانیت پر دلالت کرتی ہیں اور خدائی کمال کو یہ بات کیسے زیب دیتی ہے کہ وہ اس شخص کو دوام بخشے، جو اس پر عظیم ترین بہتان لگاتا ہے اور خدا سے خلاف حقیقت باتیں منسوب کرتا ہے، بایں ہمہ وہ (خدا) اس کی امداد کرتا ہے، اس کی تائید کرتا ہے، اس کی باتوں کو اونچا کرتا ہے، اس کی شان کو بڑھاتا ہے، اس کے دشمن کو تباہ کرتا ہے، اور اس کے ہاتھوں پر ایسی علامات اور دلائل کا اظہار فرماتا ہے کہ جن کو انسانی قوی وجود میں نہیں لا سکتیں۔

حیرت ہے، کہ بایں ہمہ وہ شخص کاذب اور مفتری ہے اور زمین میں فساد پھیلانا چاہتا ہے، حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ خدا ہر جگہ حاضر ناظر ہے، اسے ہر چیز پر قدرت

حاصل ہے اور اس کی حکمت، جبروت اور کمال مقدس ہر جگہ ان امور کو گوارا نہیں کرتا اور جو شخص خدا کے بارے میں ایسا ظن کرتا ہے اور اس سے ان امور کے وقوع کو جائز قرار دیتا ہے وہ خدا کو قطعاً سمجھ نہیں سکا۔ جب تم قرآن پر غور کرو گے تو دیکھو گے، کہ قرآن ہر اس شخص کو جسے خدا نے سمجھ عطا کی ہے اور بیدار دل دیا ہے، اسے خدا ان امور کی طرف بلاتا ہے، انہیں عیاں کرتا ہے اور بار بار دہراتا ہے۔ ارشادِ باری ہے:- وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ[1]۔ خدا نے ان لوگوں سے جو صداقتِ رسول کے بارے میں دلیل مانگتے تھے، فرمایا:- اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اِنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰۤئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ[2]۔ چنانچہ خدا نے بتایا، کہ اس کتاب مقدس کی ہر آیت فی ذاتہ مکمل ہے۔ جو اس امر کی دلیل ہے کہ وہ خدا کی طرف سے اتاری گئی ہے، اور خدا نے اپنے رسول کو یہ آیت دے کر روانہ کیا ہے اور اس میں اس کے ماننے والوں کے لیے سعادت ہے، اور عذاب سے نجات دلاتی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے:-[3] قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ پس خداوند تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے، تو اس کی شہادت بہترین اور سچی شہادت ہے جو ایسے مکمل علم پر مبنی ہے، کہ جو مشہود اشیا پر حاوی ہے۔ ارشادِ باری ہے:-[4] اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔ گویا خدا یہ کہہ رہا ہے، کہ اسے وہ انسان کہ جسے ہم نے معرفت عطا کی ہے، ہم نے آپ کو اپنی وحدانیت کا گواہ اور اپنی مکمل انفرادیت کا شاہد بنا کر ارسال کیا ہے، ہمارے بندوں کو بشارت دیں اور ہمارے

---

[1] الحاقہ: ۴۶ [2] عنکبوت: ۵۱-۵۲ [3] عنکبوت ۵۲ [4] احزاب ۴۵-۴۶

احکام کی مخالفت سے ڈرائیں، اور انہیں ہم سے ڈرنے کے مواقع بتائیں اور لوگوں کو ہماری طرف بلائیں، نیز ہم نے آپ کو چراغ بنا کر بھیجا تاکہ اہلِ عالم آپ سے نور حاصل کریں اور ایسا سورج جس کی کرنیں تمام ان لوگوں پر پھیل جائیں جو آپ کی تصدیق کریں اور آپ پر ایمان لائیں، اور ہم تک صرف ان لوگوں کی رسائی ہو سکے گی، جو آپ کے پرو کار خدمت گزار اور خوش آمدید کہنے والے ہوں گے انہیں ہماری نوازشات، انعامات اور احسانات کی بشارت دیجئے، جب خدا موجود تھا۔ تو اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وحدانیت پر گواہ بنایا، اور گواہ مدعی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے خدا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسئلہ وحدانیت میں مدعی نہیں بنایا، کیونکہ مدعی وہ شخص ہوتا ہے، جو کسی غیر ظاہر چیز کے بارے میں دعویٰ کرتا ہے اور وحدانیت تو ظاہر باہر حقیقت ہے۔ رسولِ کریم نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، چنانچہ خدا نے اپنے آپ کو اس کا اس لیے گواہ بنایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی وحدانیت کے گواہ تھے، چنانچہ اسی سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے:۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ[1] ۔ مزید ارشاد ہے:۔ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا۔ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ[2] ۔ اس طرح آپ کی رسالت پر خدا کی طرف سے شہادت پیش کی گئی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۔ قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ[3] ۔ نیز ارشاد ہوتا ہے:۔ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا[4] ۔ نیز وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ نیز مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ[5] ۔ ان سب آیات میں اللہ کے رسول کے بارے میں خدائی شہادت موجود ہے۔ اسطرح خدا نے اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا، اور اس کی صحت کے بارے میں ایسی وضاحت فرمائی، کہ بندوں کے لیے کسی عذر کی گنجائش نہیں رہی، اور اپنی شہادت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت پر دلیل قاطع قائم کی۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ هُوَ الَّذِيْ[6]

[1] منافقون: ۱ [2] رعد: ۴۳ [3] انعام: ۱۹ [4] نساء: ۱۶۶ [5] الفتح: ۲۹ [6] الفتح: ۲۸

اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ۔ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا۔ یہ اظہار دو طریقوں سے ہوا، اوّل دلیل اور بیان سے۔ دوم، خدائی امداد تائید اور غلبے سے، تا آنکہ وہ اپنے مخالفین پر غالب رہے اور کامیاب ہو۔ نیز یہ امر بھی خدائی شہادت میں شامل رہے، کہ اس نے اپنے بندوں کے دلوں میں، اپنے کلام اور وحی کے بارے میں جازم یقینِ کامل اور پختہ اطمینان پیدا کر دیا۔ کیونکہ خدا نے دلوں کی تخلیق اس طریقے سے کی ہے، کہ قبولِ حق پر آمادہ رہتے ہیں، اس کو مانتے ہیں، جس سے انہیں سکون اور اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ اسی طرح دلوں کو جھوٹ سے نفرت ہوتی ہے، اور وہ سکون سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اگر انسانی فطرت علیٰ حالہا باقی رہتی، تو وہ سوائے راستی کے کسی اور چیز کو پسند نہ کرتی، اس کے بغیر اسے سکون اور اطمینان حاصل نہ ہوتا اور اس کے بغیر کسی اور چیز سے اسے انس نہ ہوتا۔ اسی لیے خدا نے قرآن پر تدبر کا حکم دیا ہے، کیونکہ جو شخص بھی قرآن پر تدبر کرتا ہے، اسے اس کا ضروری علم اور پکا یقین ہونا چاہیئے، کہ قرآن راستی ہے، بلکہ ہر راستی سے بڑھ کر راستی اور ہر سچائی سے بڑھ کر سچائی ہے۔ قرآن فرماتا ہے:۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔[ا] اگر دلوں کے قفل کھل جائیں، تو قرآن کے حقائق آشکارا ہو جائیں اور ان میں دین کی شمعیں جل اٹھیں، اور باقی وجدانی حقائق (لذت والم)، کی طرح انہیں معلوم ہو جائے۔ کہ قرآن خدا کی طرف سے اترا ہے، اس میں مذکور حقائق درست ہیں اور جبریل علیہ السلام نے اسے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم پر اتارا۔ اور دل کی یہ وجدانی شہادت، بہترین شہادت ہے۔ (خلاصہ مدارج السالکین)

ارشادِ باری ہے:۔ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا۔[ب] اس آیت میں اس بات کا ذکر ہے، کہ آپ سب انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

ا محمد: ۲۴ ب اعراف: ۱۵۸

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اس امت میں سے جس نے میرے بارے میں سنا اور اسی طرح جس یہودی اور عیسائی کو میرے متعلق علم ہوا اور وہ میری رسالت پر ایمان نہیں لایا، وہ جہنمی ہے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے اور اس میں تمام مذاہب کی تنسیخ کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ [1] يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ ۔ اس آیت میں یہود اور نصاریٰ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا۔ ان کے بعد نہ کوئی نبی ہوگا نہ رسول، بلکہ وہ سب کے بعد آنے والے پیغمبر ہیں۔ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ یعنی حضرت عیسیٰ کے بعد اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے وقفے میں طویل مدت کے بعد۔ اور اس وقفے کی مدت کے بارے میں اختلاف ہے۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں اور مشہور قول بھی یہی ہے، کہ یہ عرصہ چھ سو سال کا تھا۔ میں ابن مریم کے بعد بہترین انسان ہوں کیونکہ اس دوران میں اور کوئی نبی نہیں آیا (بخاری)، اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ خدا نے محمد رسول اللہ کو سلسلۂ رسالت کے رک جانے، راستوں کے نشانات مٹ جانے، آسمانی مذاہب کے مسخ ہو جانے، اصنام، آگ اور صلیب کی عبادت کرنے والوں کے پھیل جانے کے بعد بھیجا۔ اس لحاظ سے یہ نعمت کامل ہے اور اس کا نفع عام ہے۔ امام احمد کی حدیث میں مذکور ہے کہ خدا نے اہلِ زمین پر نگاہ ڈالی اور اہلِ عرب و عجم سے سوائے بنو اسرائیل کے چند آدمیوں کے سب آدمیوں کو ناپسند فرمایا (صحیح مسلم میں اہلِ کتاب کا ذکر ہے) گویا تمام اہلِ زمین نے دین کی تعلیم میں ملاوٹ کر دی تھی۔ خدا نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو بھیجا، جن کی وجہ سے انہوں نے ہدایت پائی۔ خدا نے اندھیروں سے نکال کر روشنی دکھائی۔ اور انہیں روشن درمیانہ راستے اور چمکدار شریعت پر چھوڑا۔

ارشادِ باری ہے: [2] لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

---

[1] مائدہ : ۱۹ [2] توبہ : ۱۲۸

حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْم ۔یعنی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے شرک اور گناہوں سے نفرت تھی اور آپ کو تکلیف ہوتی ۔حضرت حسن سے روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی امت کا آگ میں جانا ناپسند تھا اور یہ آپ کی زبردست خواہش تھی، کہ آپ کے پیروکار جنت میں داخل ہوں۔ آپ کی اس خواہش کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو بات ہم تک پہنچانا اور سمجھانا چاہتے تھے آپ اس چیز کی حیثیت کو پیشِ نظر رکھتے تھے، بلکہ ہماری حیثیت کا خیال فرماتے ۔ارشادِ باری ہے : وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ[1] ۔ اور جو چیز فہم سے بالا ہو۔اس کے بارے میں حکم دینا، رحمت کی ذیل میں نہیں آتا۔یہی وجہ تھی کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اکثر محسوسات کی مثالیں دیا کرتے، تاکہ بآسانی سمجھی جا سکیں۔جو شخص بھی کتاب وسنت کے تتبع کی کوشش کرے گا، اسے بڑی بڑی عجیب باتیں دیکھنے کو ملیں گی۔جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت سے مساوات پیدا کی، تو خدا نے مسلمانوں کو اپنی رحمت اور نوازش سے مخصوص فرمایا۔ابوبکر بن طاہر کہتے ہیں، کہ خدا نے محمّد رسول اللہ کو رحمت کی خوبی سے نوازا، اس بنا پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود (فی ذاتہٖ) رحمت ہے، اور آپ کے اطوار اور اخلاق اہلِ دنیا کے لیے رحمت ہیں۔چنانچہ جنہیں آپ کی رحمت سے حصّہ ملا، وہ دین و دنیا میں ہر بلا سے نجات پا گئے، اور ہر مرغوب چیز انہیں مرحمت ہوئی۔ابنِ عباس فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر اچھے بُرے کے لیے باعثِ رحمت تھے۔کیونکہ جب نبی کی تکذیب کی جاتی ہے، تو تکذیب کرنے والوں کو خدا ہلاک کر دیتا ہے۔اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے تکذیب کرنے والوں کو موت یا قیامت تک کی مہلت دی گئی لیکن جب کسی شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تو دین و دنیا کی سعادت پائی۔علامہ سمرقندی کی رائے میں آپ انسانوں اور جنوں کے لیے باعثِ رحمت تھے۔

---

[1] انبیا : ۱۰۷

ایک قول کے مطابق آپ تمام مخلوق کے لیے باعثِ رحمت تھے۔ مسلمانوں کے لیے ازروئے ہدایت، منافق کے لیے بوجہ امان من القتل اور کافر کے لیے بہ سبب تاخیر عذاب۔ اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت مومن اور کافر ہر دو کے لیے عام ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:- وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں اللہ کی برکتوں والی رحمت ہوں (بیہقی وغیرہ) بعض عارفین کا قول ہے، کہ تمام انبیاء رحمت کا سرچشمہ ہیں اور ہمارے نبی تو عین رحمت ہیں۔ قاضی عیاض نے شفا میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا۔ کیا تمہیں بھی اس رحمت سے کوئی فائدہ پہنچا ہے۔ کہا ہاں میں اپنی عاقبت کے متعلق متفکر تھا لیکن جب خدا نے میرے متعلق مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی، تو میں مطمئن ہو گیا۔ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۔

ارشادِ باری ہے:- مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔ یہ آیت دلیل ہے اس بات کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔ رسول کا تو ذکر ہی نہیں۔ کیونکہ رسول، نبی سے خاص ہے ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ اور اس بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کئی احادیث مذکور ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ نبوت اور رسالت ہر دو ختم ہو گئی ہیں، میرے بعد نہ کوئی نبی ہو گا اور نہ رسول (ترمذی) حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری اور باقی انبیاء کی مثال یوں ہے، کہ ایک شخص نے مکان بنایا۔ اسے مکمل کیا اور سنوارا مگر ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی۔ جو شخص بھی اس مکان میں داخل ہوتا، اس کمی کو محسوس کرتا اور کہتا کہ مکان تو بہت اچھا ہے لیکن ایک اینٹ کی کمی ہے۔ میں ہوں اس اینٹ کی جگہ کو پُر کرنے والا۔ چنانچہ مجھ پر انبیاء کا خاتمہ ہو گیا (مسلم و بخاری) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

---

[1] انفال: ۳۳ [2] تکویر: ۲۱ [3] احزاب: ۴۰

میں مذکور ہے کہ میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور مجھ پر نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور خدا نے اپنی کتاب میں اور رسول نے حدیث میں تواتر سے ارشاد فرمایا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے، کہ جو بھی اس منصب کا ادعا کرے، اسے جھوٹا، کذاب، ضال اور مضل سمجھا جائے۔ خواہ وہ کتنے ہی شعبدے، ٹوٹکے، جادو اور کرشمے دکھائے، یہ سب باتیں محال اور غلط ہیں۔ اس میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ جب آپ نازل ہوں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ہوں گے۔ اس بنا پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔

فصل چہارم

اس فصل میں ان بشارات کا ذکر ہے، جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ادیانِ گزشتہ کی کتابوں توریت اور انجیل میں مذکور ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ۔ یہ آیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقتِ کاملہ کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر یہ بات ان کے یہاں مذکور نہ ہوتی تو اس کے ذکر سے یہود و نصاریٰ کو حد درجہ نفرت ہوتی۔ کیونکہ کذب اور بہتان پر ہر شخص سے ہر آدمی کو سخت نفرت ہوتی ہے۔ اور کوئی عقلمند آدمی ایسی بات نہیں کرتا جس سے اسے نقصان پہنچے اور لوگوں کو اس کی بات ماننے سے نفرت ہو۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ بات کہی، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے اوصاف توریت اور انجیل میں مذکور ہیں، اور آپ کی نبوت کی صحت پر یہ سب سے بڑی دلیل ہے۔ لیکن اہلِ کتاب جیسا کہ قرآنِ پاک میں فی الواقع مذکور ہے، حق کو جان بوجھ کر چھپاتے ہیں

---

[1] اعراف : ۱۵۷

اور الفاظ کے معانی بدل دیتے ہیں اور حقیقت یہ ہے، کہ (خدا انہیں غرق کرے) وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے ہیں، جیسا کہ وہ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں۔ کیونکہ توریت اور انجیل میں آپ کے اوصاف مذکور ہیں، لیکن انہوں نے تحریف کر کے انہیں بدل دیا، تاکہ پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھا دیں، لیکن خدا نے بھی، اپنے نور (دین) کو مکمل کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے، خواہ کفار کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔ اس بنا پر ان کی کتابوں میں آپ کی نبوت کے دلائل باوجود ان کی تحریف کے کافی و وافی اور آپ کی شریعت اور رسالت کے علامات واضح اور روشن طور پر موجود ہیں چنانچہ ان کا انکار بے سود ہے۔

سریانی زبان میں آپ کے اوصاف میں سے، ایک وصف مشفح ہے اور بلاشبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی مشفح ہیں، کیونکہ جب انہیں (سریانیوں کو) الحمد للہ کہنا ہو تو وہ شفاہالاہا کہتے ہیں، جب شفحا کے معنی الحمد ہیں، تو مشفح کے معنی محمد ہوں گے۔ کیونکہ مشفح میں وہ جن اوصاف کا اقرار کرتے ہیں، وہ آپ کے حالات، زمانے، پیدائش، بعثت اور شریعت سے منطبق ہیں۔ اس سے ہم اس شخص تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں جس میں یہ صفات پائی جاتی ہیں، جس کے سامنے کئی امتیں اٹھیں، جو اس کے مطیع ہوئیں اور جنہوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہی۔ اور کون ہے وہ ساربان جس کی وجہ سے بابل اور اس کے صنم کدے تباہ ہو گئے۔ اگر یہ واقعات اور حکایات ان کی کتابوں میں مذکور نہ ہوتیں، تو کیا جو کچھ خدا نے قرآن میں ودیعت کر دیا ہے، اس کی دلیل نہ ہوتا۔ چنانچہ اہلِ کتاب کا انکار نہ کرنا۔ حالانکہ قرآن انہیں باقاعدہ سرزنش کرتا ہے، ان کے اعتراف کی دلیل ہے، کیونکہ قرآن کا ارشاد ہے:۔ [1] اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ۔ نیز قرآن، مسیح کی زبانی کہتا ہے: [2] اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ۔ نیز: [3] یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ

---

[1] اعراف: ۱۵۷ [2] صف: ۶ [3] عمران: ۷۱

بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ - نیز :- اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰاھُمُ الْکِتَابَ[۱] یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَ ھُمْ - اور جب وہ اپنے دشمنوں کے خلاف لڑتے تو کہا کرتے کہ نبی (آخرالزمان) کی پیدائش کا وقت قریب آگیا ہے، اور آپ کی ان صفات کا جو اُن کی کتابوں میں مذکور ہیں، ذکر کرتے تھے، لیکن جس چیز کو وہ جانتے تھے، جب وہ شخص آگیا، تو انہوں نے بربنائے حسد اور اس ڈر سے کہ حکومت ان سے چھن جائے گی انکار کر دیا۔ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِیْنَ[۲]۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اتباع اور تصدیقِ نبوّت کی دعوت دیتے تھے۔ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے، کہ آپ ایک غلط دلیل سے استدلال کر کے، اسے اس سے جو ان کے پاس ہے منطبق کریں اور کہیں، کہ میری نبوّت اور صداقت کی دلیل یہ ہے، کہ یہ تمہارے یہاں تحریر کردہ صورت میں موجود ہے، اور حقیقتِ حال یہ نہ ہو۔ کیا ایسی صورت میں وہ لوگ آپ سے اور زیادہ دُور نہیں ہو جائیں گے۔ حالانکہ آپ کو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی، کہ آپ انہیں ایسے طریقے سے دعوت دیں، کہ وہ آپ سے اور دور ہو جائیں اور ان اہلِ کتاب کے علما میں سے کتنے لوگ ایسے تھے، جو آپ پر ایمان لائے۔ مثلاً عبداللہ بن سلام، تمیم الداری اور کعب۔ جو آپ کے ان دعاوی سے واقف تھے۔ ابنِ عساکر نے تاریخ دمشق میں عبداللہ بن سلام سے روایت کی ہے کہ جب انہوں نے سنا کہ حضورِ اکرم کی بعثت مکے میں ہو چکی ہے، تو وہ آپ سے ملاقات کو آئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ابنِ سلام کیا تم اہلِ مدینہ کے علما میں سے ہو، عرض کیا، ہاں یا رسول اللہ! فرمایا، میں تجھے خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں، جس نے حضرت موسیٰ پر توریت نازل کی، آیا اس میں میرے اوصاف کا ذکر ملتا ہے۔ انہوں نے کہا، آپ ازراہِ کرم اپنے رب کے اوصاف بیان فرمائیں، رسولِ کریم خاموش ہو گئے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا، آپ قل ھو اللہ احد پڑھ کر سنا دیجئے۔ اس پر ابنِ سلام نے کلمۂ شہادت پڑھا اور کہا، اللہ آپ کو اور آپ کے

---

[۱] بقرہ : ۱۴۶ [۲] بقرہ : ۸۹

دین کو باقی دینوں پر غلبہ عطا کرے گا اور بلاشبہ آپ کے اوصاف توریت میں مذکور ہیں قرآن کا ارشاد ہے :- یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا۔ آپ میرے بندے اور رسول ہیں اور میں نے آپ کا نام المتوکل رکھا ہے، آپ نہ درشت خو نہ سخت دل ہیں نہ بازاروں میں زور زور سے بولتے ہیں اور نہ آپ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں، بلکہ معافی اور درگزر سے کام لیتے ہیں۔ اور آپ کی وفات سے پہلے خدا اس ٹیڑھی قوم کو سیدھا کر دے گا، وہ توحید کے قائل ہو جائیں گے، اندھی آنکھیں روشن، بہرے کان شنوا اور دلوں کے پردے اٹھ جائیں گے۔ آپ درشت اور سخت دل نہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے :- فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔ بخاری میں عطا بن لیسار نے حضرت عمرو بن عاص کی روایت میں حِرْزًا لِّلْاُمِّیِّیْنَ کے الفاظ بڑھائے ہیں اور بیہقی کی روایت میں (جوام درداء نے کعب سے بیان کی ہے) یُعِیْنُ الْمَظْلُوْمَ وَیَمْنَعُهٗ اَنْ یُّسْتَضْعَفَ۔ کے الفاظ مذکور ہیں۔ اور ابنِ اسحاق نے مندرجہ ذیل الفاظ میں آپ کے اوصاف بیان کیے ہیں : وہ بازاروں میں شور نہیں کرے گا، اور نہ فحش گفتگو کرے گا اور نہ لغو باتیں کہے گا۔ میں ہر اچھی بات سے اس کی امداد کروں گا اور ہر اچھی خصلت سے اسے سجاؤں گا۔ پھر میں سکونِ قلب کو اس کا لباس، نیکی اس کا شعار، تقویٰ کا ضمیر، حکمت اس کی غلام، راستی اور وفا اس کی طبیعت، عفو اور نیکوکاری اس کی عادت، عدل سیرت حق، شریعت ہدایت، امام، اسلام دین اور احمد اس کا نام رکھوں گا اور گمنامی کے بعد اس کو شہرت عطا کروں گا، قلت کے بعد کثرت، بھوک کے بعد تونگری انتشار کے بعد جمعیت عطا کروں گا۔ اور اس پیغمبر کی وجہ سے منتشر دلوں میں الفت اور پریشاں خواہشات اور متفرق قوموں کو متحد کرونگا۔ اور اس کی امت کو خیرالامم قرار دوں گا۔ بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے، کہ جارود خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر مسلمان

ہو گیا اور عرض کیا، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو راستی پر مبعوث فرمایا کہ میں نے آپ کے اوصاف کو انجیل میں لکھا پایا ہے اور ابن مریم نے آپ کے آنے کی بشارت دی تھی۔ ابن سعد راوی ہے، کہ جب حضرت ابراہیم کو حضرت ہاجرہ کے اخراج کا حکم ملا، تو آپ کو براق پر سوار کیا گیا، چنانچہ جب بھی وہ کسی شاداب اور زرخیز قطعۂ زمین سے گزرتے، تو جبریل کو وہاں اترنے کو کہتے، وہ انکار کر دیتے، تا آنکہ وہ بہ مقام مکّہ پہنچے۔ جبریل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم کو وہاں اترنے کو کہا۔ کہا ایسی جگہ جہاں نہ دودھ ہے نہ کھیتی۔ کہا ہاں، کیونکہ اسی مقام پر وہ نبی پیدا ہو گا، جو آپ کے بیٹے کی پشت سے ہو گا اور جس پر نبوّت ختم ہو جائے گی۔

توریت میں یہود نے بعد از حذف، تحریف اور تبدیلی کے جن الفاظ کا ذکر مناسب سمجھا، انہیں ابن ظفر نے البشر میں اور ابنِ قتیبہ نے اعلام النبوت میں بہ ایں انداز ذکر کیا ہے: خدا نے سینا پر اپنی تجلی دکھائی، ساعیر پر چمکا اور جبل فاران سے اعلانِ حق فرمایا۔ سینا اس پہاڑ کا نام ہے، جس پر خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور ساعیر اس پہاڑ کا نام ہے، جہاں حضرت مسیح کی نبوت کا ظہور ہوا۔ اور فاران بنو ہاشم کے پہاڑوں کا عبرانی نام ہے، جہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عبادت فرمایا کرتے تھے، جہاں وحی کی ابتداء ہوئی، وہاں تین پہاڑ ہیں، ایک ابو قبیس جو قعیقعان کے بالمقابل واقع ہے، تیسرا پہاڑ فاران ہے اور اس کا وہ درّہ، جو قیعقعان سے ملتا ہے، شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہے، جہاں ایک روایت کی رو سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے۔

ابن قتیبہ لکھتے ہیں، کہ اس روایت میں کوئی اشتباہ نہیں۔ کیونکہ سینا پر خدا کی تجلی سے مراد، حضرت موسیٰ پر توریت کا نزول ہے، اور ساعیر پر اللہ کی روشنی اور چمک سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کا نزول ہے، اسی طرح کوہ فاران پر، حق کے اعلان سے مراد، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ قرآن ہے، اسی طرح کوہ فاران مکّے کا پہاڑ ہے،

اور عیسائیوں اور مسلمانوں میں باہم اس باب میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور اگر وہ کہیں، کہ فاران سے مراد مکہ نہیں، تو ہم پوچھیں گے کیا توریت میں یہ مذکور نہیں کہ خدا نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو بہ مقام فاران سکونت عطا کی۔ اور نیز ہم کہیں گے، کہ اگر اس سے مراد مکہ نہیں، تو ہمیں وہ جگہ بتلاؤ، کہ جس کا خدا نے اعلان فرمایا کہ اس کا نام فاران ہے، نیز اس نبی کا نام بتاؤ، جس پر کہ مسیح علیہ السلام کے بعد کتاب نازل ہوئی۔ کیا اِسْتَعْلَنَ اور عَلَنَ بمعنی اظہار اور انکشاف نہیں۔ کیا تم کسی ایسے دین کو جانتے ہو، جو اسلام کی طرح ظاہر ہوا، اور مشرق و مغرب میں پھیل گیا۔ اسی طرح ابن ظفر نے توریت سے اس مقام کا حوالہ دیا ہے، جہاں خدا موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہوتا ہے اور مراد بالخصوص وہ لوگ ہیں، جنہیں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے میقات کے لیے منتخب کیا۔ اور جنہیں زلزلے نے آلیا۔ اور عموماً بنی اسرائیل مراد ہیں: تیرا خدا، تیرے بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے ایک نبی کو اٹھائے گا۔ اس کی بات کو اس طرح سننا جس طرح کہ تو نے ملاقات کے دن بہ مقام حوریت اپنے رب کی بات سنی تھی، اور تو نے کہا تھا۔ کہ میں اس لیے اپنے رب کی آواز سننے آتا ہوں تاکہ میں زندہ رہوں۔ خدا نے کہا، "انہوں نے کیا اچھی بات کہی۔ میں ان میں تمہاری طرح کا ایک نبی، ان کے بھائیوں سے اٹھاؤں گا۔ اور اپنے الفاظ اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جس بات کا حکم دوں گا، کرے گا۔ اور جو شخص بھی میرا نام لے گا، اور میرے احکام کی تعمیل نہیں کرے گا، میں اس سے انتقام لوں گا۔" توریت کے اس حوالے میں محمد رسول اللہ کی نبوت پر کئی دلیلیں ہیں۔ نَبِيًّا مِنْ اِخْوَانِهِمْ۔ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم، بنی اسحاق سے تھی اور بنو اسماعیل ان کے بھائی تھے۔ اگر نبی موعود بنو اسحاق ہی سے ہوتا تو توریت میں مِنْ اَنْفُسِهِمْ کے الفاظ مذکور ہوتے، نہ کہ مِنْ اِخْوَانِهِمْ۔ نَبِيًّا مِثْلَكَ۔ توریت میں مذکور ہے، کہ بنو اسرائیل میں سے کبھی بھی حضرت موسیٰ کی طرح کوئی نبی نہیں پیدا ہوگا۔ یہود کہتے ہیں، کہ نبی موعود سے مراد یوشع بن نون ہیں لیکن یہ خیال غلط ہے، کیونکہ یوشع

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مثیل نہیں تھے، وہ زندگی بھر ان کے خادم رہے اور حضرت موسیٰ کے انتقال کے بعد ان کی دعوت کی تائید کرنے والوں میں سے تھے۔ لازماً نبی موعود سے مراد، محمد رسول اللہ ہیں، کیونکہ وہ مثیل موسیٰ ہیں، کیونکہ دعوتِ حقہ کے قیام، اس کے غلبے، احکام شرعیہ کے اجرا، اور ادیانِ سابقہ کی تنسیخ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مماثل تھے۔ رہا خدا کا یہ ارشاد، کہ میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اس سے صاف ظاہر ہے، کہ خدا کی مراد محمد رسول اللہ ہیں، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے میں اس پر اپنا پیغام بذریعہ وحی روانہ کروں گا، جو اس سے اس طریقے سے گفتگو کرے گا، کہ وہ اسے سنے گا۔ میں اس پر صحیفے یا الواح نازل نہیں کروں گا، کیونکہ وہ اُمّی ہو گا اور لکھی ہوئی کتاب کو پڑھ نہیں سکے گا۔

ابن ظفر بیگ نے 'الدر المنتظم' میں انجیل سے مندرجہ ذیل حوالہ نقل کیا ہے۔ یوحنا نے اپنی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول لکھا ہے: "میں اپنے باپ سے یہ درخواست کروں گا، کہ وہ تمہیں دوسرا فارقلیط دے، جو ابد تک 'حق کی روح'، کو تمہارے ساتھ قائم رکھے جسے دنیا کی کوئی طاقت ختم نہ کر سکے۔" اس مفہوم کو ابن ظفر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"میں باپ سے درخواست کروں گا، کہ وہ تمہیں دوسرا فارقلیط عطا کرے جو ابدالدہر تک تمہارے پاس رہے گا۔ اگر تمہیں مجھ سے انس ہے، تو میری وصیت کو یاد رکھو گے۔" اس قول میں اس امر کی تصریح موجود ہے، کہ خدا جلدی ہی ان میں ایک ایسے آدمی کو روانہ کرے گا جو اس کا قائم مقام ہو گا۔ اور خدائی رسالت کی تبلیغ اور مخلوق کی سیاست میں اس کا نائب ہو گا۔ اور اس کی شریعت ابدالاباد تک باقی رہے گی۔ ایسا آدمی محمد رسول اللہ کے علاوہ اور کون ہو گا۔

فارقلیط کی تشریح میں نصاریٰ میں اختلاف ہے بعض نے اس کے معنی الحامد لکھے ہیں اور بعض نے المخلص۔ اگر ہم تسلیم کر لیں، کہ اس کے معنی المخلص ہیں، تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں

گے، کہ مخلص ایک ایسا نبی ہوگا۔ جو اہلِ عالم کی نجات کے لیے مبعوث ہوگا۔ اور یہ ہمارے مقصد کے عین مطابق ہے، کیونکہ ہر نبی اپنی امت کو کفر سے نجات دینے کے لیے آتا ہے، اور جس کی توثیق مسیح علیہ السلام کے اس قول سے ہوتی ہے، کہ میں اہلِ عالم کی نجات کیلئے آیا ہوں۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ مسیح علیہ السلام نے اپنے آپ کو اہلِ عالم کا نجات دہندہ قرار دیا ہے۔ اور انہوں نے باپ سے دوسرے فارقلیط کے بھیجنے کی درخواست کی ہے تو ان الفاظ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ فارقلیط اوّل گزر چکا ہے اور فارقلیط دوم کا انتظار ہے۔ اور اگر فارقلیط کے معنیٰ الحامد لیے جائیں، تو احمد اور محمدؐ سے بڑھ کر کون سا لفظ اس کے قریب تر ہے۔ اور ابنِ ظفر لکھتا ہے، کہ انجیل میں بعض الفاظ کے ترجمے سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ فارقلیط رسول ہے، کیونکہ مسیح علیہ السلام کہتے ہیں، جو باتیں تم میری زبان سے سن رہے ہو، یہ میری باتیں نہیں، بلکہ اس باپ کی ہیں، جس نے مجھے یہ الفاظ دے کر بھیجا ہے۔ لیکن فارقلیط وہ روح القدس ہے جسے خدا نے میرے نام سے بھیجا ہے، وہ تمہیں ہر بات کی تعلیم دے گا، اور جو کچھ میں کہتا رہا ہوں انہیں دہرائے گا۔

کیا اس کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت ہے۔ کیا اس میں یہ تصریح موجود نہیں، کہ فارقلیط رسول ہے، جسے اللہ بھیجے گا، وہ روح القدس ہے، جو مسیح کی تصدیق کریگا اور وہ اس بات کی وضاحت کرے گا، کہ وہ (مسیح علیہ السلام) خدا کے برحق رسول ہیں اور خدا نہیں۔ اور وہ لوگوں کو ہر بات بتائے گا۔ اور جو کچھ مسیح علیہ السلام دربارۂ توحید کہہ چکے ہیں، انہیں دہرائے گا۔ رہا خدا کے لیے باپ کے لفظ کا استعمال۔ اس میں تحریف کی گئی ہے۔ اور اہلِ کتاب اسے نازیبا نہیں خیال کرتے۔ اس سے ان کی مراد خدا ہے۔ اور ان کے یہاں یہ لفظ تعظیم کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور جس سے شاگرد اپنے استاد کو جس سے علم حاصل کرتا ہے، مخاطب کرتا ہے۔ اور یہ بات سب کو معلوم ہے، کہ نصرانی اپنے بزرگانِ دین کو آبائے روحانی کہہ کر پکارتے ہیں اور

یہودی اور عیسائی ہمیشہ سوئے فہم سے خود کو ابناء اللہ کہتے آئے ہیں۔ اور یہ مسئلہ باسمی سے مراد یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی راستی اور رسالت کی شہادت دیں گے، اور قرآن میں افترا کے خلاف ان کی مدح اور پاکیزگی بیان ہو گی۔

انجیل کے ایک دوسرے ترجمے میں مذکور ہے، کہ جب فارقلیط آئے گا۔ اور اہل عالم کو اُن کی خطاؤں پر لعن طعن کریگا وہ کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہے گا۔ بلکہ جو سنے گا، انہیں بتائے گا اور انہیں قبولِ حق پر اکسائے گا، حوادث کے آنے کی اطلاع دے گا۔ اسے ابنِ طغربیگ نے یہ ایں الفاظ بیان کیا ہے (فاذا جاء روح الحق، لیس ینطق من عندہ بل یتکلم بکل ما یسمع من اللہ و یخبرھم بکل ما یاتی وھو یمجدنی لانہ یاخذ مما ھو لی و یخبرکم) لیس ینطق من عندہ، سے مراد یہ ہے، کہ وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہے گا۔ بلکہ جو خدا سے سنے گا، وہی کچھ تمہیں بتائے گا۔ اور یہ وہی بات ہے، جو خدا نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے بارے میں فرمائی ہے:۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ـــــ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى[1] ـــــ۔ اور مسیح علیہ السلام کا یہ قول وَھُوَ یُمَجِّدُنِی، حق یہ ہے، کہ رسولِ کریم کی طرح کسی اور آدمی نے مسیح علیہ السلام کی ایسی تعریف نہیں کی، کیونکہ آپ نے حضرت مسیح اور ان کی ماں کو ان الزامات سے جو اُن پر لگائے گئے تھے، بری قرار دیا اور اس کو تسلیم کرنے کا حکم دیا۔ ابن طغربیگ لکھتا ہے، وہ سوائے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کون ہے، جس نے علماء کو کتمانِ حق، الفاظ کی تحریف اور دین کو چند کھوٹے دراہم کے بدلے بیچ دینے پر سرزنش کی۔ اور نیز حوادث سے ڈرایا اور غیب کی باتوں سے آگاہ فرمایا۔

بیہقی نے الدلائل میں ہشام بن عاص اموی سے روایت کی، کہ میں ایک اور آدمی کے ساتھ قیصرِ روم کے دربار میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا گیا، پھر اس نے سارا واقعہ بیان کیا، کہ ایک رات اس نے ہمیں بلا بھیجا۔ ہم اس کے دربار میں حاضر ہوئے، پھر اس

---

[1] النجم: ۳، ۴

نے ایک ایسی چیز منگائی، جو ایک سنہری رنگ کی سرائے کی طرح دکھائی دیتی تھی۔ جس میں بہت سے چھوٹے چھوٹے دروازوں والے گھر تھے۔ اس نے ایک دروازہ کھولا اور سیاہ رنگ کا ایک ریشمی کپڑا نکالا اور پھیلا دیا۔ اس پر سرخ رنگ کی تصویر تھی۔ وہ ایک مرد تھا، بڑی بڑی آنکھوں والا اور بھاری سرین والا۔ میں نے اتنی لمبی گردن پہلے نہیں دیکھی تھی۔ اور اس کے سر پر دو خوبصورت زلفیں تھیں۔ پوچھا، کیا اسے جانتے ہو۔ ہم نے کہا، نہیں۔ کہا، یہ آدم علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک اور دروازہ کھولا۔ اور سیاہ رنگ کا ریشمی کپڑا نکالا، جس پر سفید تصویر تھی ایک سرخ آنکھوں والے، موٹے سر والے اور خوبصورت ڈاڑھی والے مرد کی۔ پوچھا، جانتے ہو، کون ہے، ہم نے کہا، نہیں۔ کہا، یہ نوح علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک اور دروازہ کھولا، اور ریشمی کپڑا نکالا، جس پر سفید تصویر تھی۔ اور بخدا وہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی تصویر تھی۔ پوچھا جانتے ہو، کون ہے، ہم نے کہا، یہ محمد رسول اللہ ہیں۔ اس پر قیصر اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر بیٹھ گیا۔ پوچھا، کیا فی الحقیقت محمد رسول اللہ ہیں، ہم نے کہا، ہاں بالکل آپ ہی ہیں۔ گویا تم انہی کو دیکھ رہے ہو۔ پھر وہ تھوڑی دیر تک رک گیا، اور تصویر کو دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔ بخدا یہ تو آخری خانہ (گھر) تھا جسے میں نے کھولنے میں جلدی کی، تاکہ میں تمہاری بات جان سکوں (یا تمہارا عندیہ معلوم کر سکوں) حالانکہ ان خانوں میں حضرات ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور سلیمان علیہم السلام کی تصاویر بھی ہیں، پھر ہم نے پوچھا، تم نے یہ تصاویر کہاں سے لی ہیں؟ کہنے لگا۔ آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے درخواست کی، کہ وہ اسے تمام ان لوگوں کو تصاویر دکھائے جو اس کی اولاد میں سے انبیا مقرر ہوں گے۔ چنانچہ خدا نے یہ تصاویر نازل فرمائیں، جو مغرب الشمس کے قریب آدم علیہ السلام کے خزانے میں تھیں جنہیں ذوالقرنین وہاں سے نکال لائے تھے اور دانیال علیہ السلام کے سپرد کر دی تھیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور کے چوالیسویں گیت میں مذکور ہے: "تمہارے ہونٹوں

سے نعمت پھوٹ بہی، اسی لیے خدا نے آپ کو مبارک گردانا۔ اے باجبروت انسان! اپنی تلوار کو حمائل کر لو، کیونکہ تمہاری شریعت اور سنت کا دار و مدار آپ کے بائیں ہاتھ کی ہیبت پر ہے۔ تمہارے تیر تیز ہیں، چنانچہ تمام اقوام اس کے تحت آجائیں گی۔" یہ گیت محمد رسول اللہ کے متعلق اطلاع فراہم کرتا ہے۔ جو نعمت کہ آپ کے ہونٹوں سے پھوٹ بہی، اس سے وہ الفاظ مراد ہیں، جو آپ کی زبان سے نکلے یعنی وہ کتاب جو آپ پر نازل ہوئی۔ اور جس سنت کی آپ نے بنیاد رکھی۔" اور اے باجبروت انسان! تم اپنی تلوار حمائل کرو۔" یہ نبی اُمی العربی کی نشاندہی کرتا ہے۔ کیونکہ عربوں کے بغیر اور کوئی قوم بھی تلوار کو گلے میں حمائل نہیں کرتی، بلکہ کاندھے پر لٹکاتے ہیں۔ اسی طرح یہ قول کہ تمہاری شریعت اور سنت نص صریح ہے۔ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ صاحب شریعت اور صاحبِ سنت ہیں۔ اور آپ تلوار کے بل پر موجود رہیں گے اور جبار اس آدمی کو کہتے ہیں، جو بزورِ شمشیر حق کو قائم رکھے اور لوگوں کو کفر سے جبراً روکے۔

حضرت وہب بن منبہ راوی ہیں، کہ میں نے بعض قدیم کتابوں میں پڑھا ہے، اللہ فرماتا ہے، مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم، میں عرب کے پہاڑوں پہ ایسا نور نازل کروں گا جو مشرق و مغرب میں پھیل جائے گا اور میں اولادِ اسماعیل سے ایک ایسا عربی اُمی نبی پیدا کروں گا، کہ جس پہ آسمان کے ستاروں اور زمین کی روئیدگی کے حساب سے لوگ ایمان لائیں گے۔ چنانچہ وہ مجھے اپنا رب اور لوگ اسے اپنا رسول تسلیم کر لیں گے، اور آباؤ اجداد کے دین سے نفرت اور اظہار بیزاری کریں گے۔

موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: "اے خدا! تو پاک ہے اور تیرا نام مقدس ہے، تو نے اس نبی کو بڑی عزت اور احترام بخشا ہے۔" خدا نے جواب دیا، "اے موسیٰ! میں اس نبی کے مخالفین سے دین و دنیا میں انتقام لوں گا۔ اور میں اس کی دعوت کو باقی تمام دعوتوں پر غلبہ عطا کروں گا اور جو اس کی مخالفت کرے گا، اسے ذلیل کروں گا۔ میں

نے اسے زیورِ عدل سے سجایا ہے اور مَیں نے اسے انصاف کے فروغ کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔ مجھے اپنی عزت کی قسم! مَیں اس کے وسیلے سے امتوں کو آگ سے نجات دوں گا۔ مَیں نے دنیا کی ابتدا آدم علیہ السلام سے کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اسے ختم کروں گا۔ اے بنی اسرائیل! تم اس بات کو سمجھو، کہ جو کتاب وہ لائے گا، اس کی مثال اس برتن کی سی ہے، جو دودھ سے لبالب بھرا ہے، اس میں خمیر اٹھتا ہے اور پھر مکھن نکل آتا ہے۔ مَیں اس کی کتاب اتار کر یہ سلسلہ ختم کر دوں گا، اور اس کی شریعت بھیج کر یہ سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ جو شخص اس نبی کے عہد میں پیدا ہوُا اور ایمان نہ لایا اور ان کے مذہب میں داخل نہ ہوُا، تو اللہ اس سے بیزار ہے۔ اس کی امت مشرق و مغرب میں مسجدیں تعمیر کرے گی، جب ان مساجد میں میرا نام لیا جائے گا، تو میرے نام کے ساتھ اس نبی کا نام بھی لیا جائے گا۔ اور جب تک یہ دنیا قائم رہے گی، اس کا نام بھی باقی رہے گا۔"

اسے ابن ظفر وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

فصل پنجم

اس فصل میں ان آیات کا ذکر ہے۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی حقانیت کی قسم کھائی ہے، اور ان آیات کا جو خدا کی طرف سے آپ پر نازل ہوئیں، اور نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بلند مرتبے اور آپ کے منصبِ جلیل کا ذکر ہے۔ اور یہ پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔

حصہ اوّل:۔ اس حصے میں خدا نے آپ کے خلقِ عظیم اور فضیلتِ تامہ کی جو صرف آپ کی ذات سے مخصوص ہے، قسم کھائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۔ مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۔ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ کہتے ہیں، کہ نٓ ایک نورانی تختی ہے، کہ جس پر فرشتے خدائی احکام تحریر کرتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا انہوں نے جواب دیا، آپ کا خلق قرآن تھا یعنی آپ کا کلام از روئے تفصل و وضاحت قرآن کے مطابق تھا۔ اور آپ کے علوم قرآنی علوم تھے۔ یعنی آپ کی خواہشات اور اعمال وہی کچھ تھے، جو قرآن نے ضروری قرار دیئے تھے، اور جن کی طرف قرآن بلاتا تھا۔ اور جن جن اعمال سے قرآن روکتا تھا، اور ان کے چھوڑنے کا حکم دیتا تھا، آپ ان سے اعراض فرماتے۔ نیز قرآن جن اعمال کی رغبت دلاتا، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ان میں رغبت

---

[1] القلم: ۱-۴

کا اظہار فرماتے، جن سے روکتا، ان سے رُک جاتے، جنہیں ناپسند کرتا، آپ ناپسند فرماتے، جنہیں پسند کرتا، آپ پسند فرماتے، اور قرآنی احکام کے نفاذ میں کوشش کرتے۔ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قرآن میں پورا ادراک حاصل تھا، اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو بھی نہایت اچھی طرح جانتی تھیں۔ اس لیے آپ نے نہایت عمدہ طریقے سے اس سارے مفہوم کو بایں الفاظ ادا کیا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن[1] جب خدا نے آپ کے خلقِ عظیم کے وصف کو بیان کرنا چاہا، تو فرمایا: فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ۔ یعنی اے رسول! آپ کو اور مشرکین کو جلدی ہی معلوم ہو جائے گا، کہ آپ کی دینی مہم کا کیا انجام ہوتا ہے۔ آپ معزز اور محترم ہوں گے اور آپ کے دشمن ذلیل اور رسوا۔ اور آپ کو ان پر غلبہ حاصل ہوگا۔

حصۂ دوم:- اس حصے میں خدا تعالیٰ آپ کو عطا کردہ نعمتوں کی قسم کھاتا ہے اور آپ کے منصبِ جلیل کا ذکر کرتا ہے: وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى[3]۔ اس مقسم بہ (نورِ صبح، جو رات کی تاریکی کے بعد پھیل جاتا ہے) کی مطابقت اس نورِ وحی سے دی گئی ہے، جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آغوش میں لے لیا ہے اور جو کچھ عرصے کے لیے آپ سے منقطع ہو گیا تھا، اور دشمنوں نے آپ کو طعنہ دیا تھا، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کے خدا نے چھوڑ دیا ہے، لیکن خدا نے اس بات سے انکار کیا، کہ اس نے اپنے نبی کو ترک کر دیا ہے، یعنی چونکہ ہم نے آپ سے اعتنا کیا ہے اور ہم آپ کو پسند کرتے ہیں، اس لئے نہ ہم نے آپ کو چھوڑا ہے اور نہ آپ سے ناراض ہوئے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى[4]۔ اس کا تعلق آپ کی ساری زندگی سے ہے اور اس امر کی دلیل ہے، کہ آپ ترقی کر کے جس حالت کو بھی پہنچیں گے، وہ حالت ماقبل سے بہتر ہوگی، جس طرح کہ دارِ آخرت اپنے ماقبل سے بہتر ہے۔ اسی طرح بعد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسی چیز کا وعدہ کیا

---

[1] القلم: ۵، ۶ [3] الضحیٰ: ۱-۳ [4] الضحیٰ: ۴

گیا ہے، جس کا تقرب بعینہٖ ذاتِ باری کا تقرب ہے اور جس سے آپ کا سینہ کھل جائے گا اور خدا آپ کو ایسی چیز دے گا، جسے آپ پسند کریں گے اور اس سے قرآن، ہدایت، نشرِ اسلام، اعلائے کلمۂ حق اور آپ کی زندگی، خلفا کی زندگی اور ان کے بعد کے زمانے میں، دشمنانِ دین کے خلاف اسلام کی فتح، نیز میدانِ حشر میں منصبِ شفاعت اور مقامِ محمود اسی طرح جنت میں وسیلے، بلند مرتبے اور کوثر کا اعطا مراد ہے۔ اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خدا آپ کو ہر وہ چیز جسے آپ پسند کریں گے، دے گا۔ پھر خدا نے اپنی نعمتیں گنوائیں اور حکم دیا کہ ان کے اندازے کے مطابق، خدا کا شکر ادا کریں:

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَاٰوٰى - الی آخرہ۔[1]

حصّہ سوم:- اس حصے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی تصدیق کی گئی ہے اور آپ کے نطق کو مبرا عن الھوی قرار دیا ہے:- وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى، مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى[2] ــــــ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو ان الزامات سے، جو آپ کے مخالفین، از قسم گمراہی و بے راہ روی آپ سے منسوب کرتے تھے، مبرا قرار دیا ہے۔ ابنِ عباس کی رائے ہے، کہ خدا نے ثریا کے غروب اور سقوط کی قسم کھائی ہے۔ اس آیت پر غور کیجیے: مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى۔ یہاں صاحب کی جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ اس لیے استعمال نہیں کیا، کیونکہ ان کے خلاف یہ حجت قائم کی گئی ہے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے رفیق ہیں اور تم ان کے حالات اقوال اور اعمال سے اچھی طرح واقف ہو۔ اور تم جانتے ہو، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو غلط کار ہیں اور نہ بے راہ۔ اور تم لوگ ان پر کسی طرح کا الزام نہیں لگا سکتے۔ اور خدا نے اسی خیال کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے: اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ[3]۔ پھر خدا نے اپنے رسول کو اس افترا سے منزہ قرار دیا ہے، کہ وہ گفتگو میں نفسِ امارہ کا پیرو کار ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى[4]۔

---

[1] الضحیٰ: ۶ [2] النجم: ۱-۲ [3] المومنون: ۶۹ [4] النجم: ۳، ۴

امام اوزاعی حسان بن عطیہ سے راوی ہیں، کہ جس طرح جبریل علیہ السلام حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن لے کر اترا کرتے تھے، اسی طرح حدیث لے کر بھی اترتے تھے اور آپ کو ان کی تعلیم دیتے تھے۔ پھر خدا نے اس فرد کے اوصاف بھی بیان فرمائے، جو قرآن لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آتا تھا: عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى۔[1] اس سے مراد جبریل ہیں۔ اور معلم کی تعریف سے متعلم کی توصیف مراد ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے: ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ۔[2] پھر ارشاد ہوتا ہے: فَاَوْحٰى[3] اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى، مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى۔ خدا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدے کی دلی تصدیق کی اطلاع دی ہے۔ اور دل کی آنکھوں کے مشاہدے کی تصدیق کی ہے۔ اور آپ اس شخص کی طرح نہیں ہیں، کہ جس نے کسی چیز کو خلافِ واقعہ حالت میں دیکھا۔ اور دل نے آنکھوں کی تکذیب کی، بلکہ جو کچھ آنکھوں نے دیکھا دل نے اس کی تصدیق کی۔ اور آپ نے جان لیا، کہ صورتِ حال یہی ہے۔ ارشادِ باری ہے:۔
فَلَا اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ تا[4] وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ۔[5] میں قسم نہیں کھاتا، کیونکہ معاملہ بالکل واضح ہے اور قسم کی ضرورت نہیں، اس بارے میں اور بھی کئی آرا ہیں۔ یعنی کہ قرآن رسولِ کریم (یہاں اس سے جبریل مراد ہے) کا قول ہے۔ لیکن سورۃ الحاقہ میں رسولِ کریم سے مراد رسولِ اکرم ہیں۔ اس کی اضافتِ تبلیغ فرشتے کی طرف ہوتی ہے اور کبھی آدمی کی طرف، اور یہ اضافت، اضافتِ تبلیغ ہے نہ کہ اضافتِ انشا اور لفظ رسول اس کی نشاندہی کرتا ہے، کیونکہ رسول بھیجنے والے کا پیغام پہنچاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے، کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جبریل کو بھیجنے والے کا کلام ہے۔ جبریل نے یہ کلام خدا سے سیکھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے۔ خدا نے اس صورت میں اپنے ملکی قاصد کو کریم کے لقب سے یاد فرمایا۔ جسے خدا نے بہترین عطایات دی ہیں، مثلاً علم، معرفت، ہدایت، نیکی، ارشاد وغیرہ۔ وَذِيْ قُوَّةٍ۔ سورۂ نجم میں عَلَّمَهٗ

---

[1] النجم: ۵ [2] تکویر: ۲۱ [3] ۱۰، ۱۱ [4] : ۱۵، ۱۶ [5] : ۲۵

شَدِیْدُ الْقُوٰی ۔ اور یوں اپنی قوت سے شیطانوں کو اس کے قریب نہیں آنے دیتا، تاکہ وہ اس میں کمی بیشی نہ کرسکیں۔ اور روایت میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے لوط علیہ السلام کے چار گاؤں کو اپنے پیروں پر اتنا اونچا اٹھا لیا تھا، کہ اہلِ سما نے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں اور بچوں کے رونے کی چیخیں سن لی تھیں۔ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٌ ۔ یعنی ان کی شان و شوکت پائدار ہے، جس کا مطلب اکرام، تشریف اور احترام ہے۔ مُطَاعٍ ۔ اللہ کے ان مقرب فرشتوں میں، جو اس کے حکم سے صادر اور وارد ہوتے ہیں۔ ثَمَّ اَمِیْنٍ ۔ دربارۂ وحی و رسالتِ باری۔ خدا نے اسے خیانت اور فروگزاشتوں سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ یہ پانچ اوصاف ایسے ہیں جو قرآن کے بے عیب ہونے کی دلیل ہیں، چنانچہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے جبریل سے اور جبریل نے خدا سے سنا۔ اور اس سند سے قرآن کی عظمت اور جلال کی تصدیق ہوتی ہے۔ اول تو خدا کی ذات منزہ عَنِ الخطا ہے، پھر اس نے اپنے بشری رسول کو پاک وصاف کا وصف عطا فرمایا، اور جو باتیں مخالفین ان کی طرف منسوب کرتے ہیں ان سے آپ کو مبرا قرار دیا۔ وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ[1] ۔ اس حقیقت کا انہیں علم ہے اور اس بارے میں انہیں کوئی شک نہیں، ہر چند ان کی زبانیں آپ کے خلاف چلتی رہتی ہیں مگر انہیں اپنے جھوٹ کا علم ہے۔

پھر خدا نے بتایا، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے جبریل کو دیکھا۔ وَلَقَدْ رَاٰہُ[2] بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ۔ یعنی وہ ایسا فرشتہ ہے، جو خارج میں موجود ہے، جسے آنکھوں سے روبرو دیکھا جاسکتا ہے۔ وَمَا ھُوَ[3] عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ ۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو کچھ خدا نے نازل فرمایا ہے اس کے ابلاغ میں وہ بخیل نہیں ہیں۔ سب مفسرین اس امر پر متفق ہیں، کہ غیب سے مراد قرآن اور وحی ہے۔ اس لفظ کی ایک صورت بِظَنِیْنٍ بھی ہے، جس کے معنی متہم ہیں: یعنی محمد رسول اللہ دربارۂ قرآن متہم نہیں بلکہ وہ امین ہیں، نہ بڑھاتے ہیں نہ گھٹاتے ہیں۔

---

[1] تکویر : ۲۲ [2] تکویر : ۲۳ [3] تکویر : ۲۴

ارشاد ہوتا ہے: فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ وَمَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ۔ خدا نے تمام اشیا کی قسم کھائی ہے، جن میں سے کچھ دکھائی دیتی ہیں اور کچھ دکھائی نہیں دیتیں اور قسم کا یہ انداز بالعموم قرآن میں مذکور ہے، کیونکہ یہ عالم علوی و سفلی اور دنیا و آخرت پر حاوی ہے جو رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی صداقت کی دلیل ہے، اور جو کچھ آپ لائے ہیں، وہ اللہ کی طرف سے اترا ہے، اور وہ پیغام ایسی حقیقت ثابتہ ہے جیسے کہ تمام کائنات جو مرئی اور غیر مرئی اشیا پر مشتمل ہے، ارشادِ باری ہے: فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اِنَّہٗ لَحَقٌّ مِّثۡلَ مَآ اَنَّکُمۡ تَنۡطِقُوۡنَ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ یہ صداقت ہے جس طرح کہ تمام وہ اشیا جو تم دیکھتے ہو، اور جو تم نہیں دیکھ پاتے، ایک صداقت ہیں، اور ان اشیا میں سے جو انسان کو دکھائی دیتی ہیں اور دکھائی نہیں دیتیں، اسے اپنے نفس اور پیدائش کی ابتدا، نشوونما اور اس کے ظاہری اور باطنی حالات، غور کرنے کو کافی ہیں۔ ان امور میں اللہ کی وحدانیت، اس کی صفات اور ان باتوں کا ثبوت موجود ہے، جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں اور جس شخص کا دل ان امور کو حقیقت نہیں گردانتا، اس کا دل ایمان کی بشاشت سے محروم رہتا ہے۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے رسول کی صداقت پر قاطع دلیل قائم کی اور فرمایا، کہ وہ ہم پر بہتان نہیں باندھتا۔ اور اگر وہ ایسا کرتا، یا افترا پردازی کا مرتکب ہوتا تو ہم اس کے پاؤں نہ جمنے دیتے۔ اور اسے فوراً ہلاک کر دیتے۔ کیونکہ خدا کا علم، قدرت اور حکمت اس امر کی متقاضی ہے، کہ ایسے بہتان تراش اور مفتری کو جس نے اس کے بندوں کو گمراہ کیا، اور جس شخص نے بھی اس کی تکذیب کی، اس کا خون، حرام اور مال کو مباح گردانا۔ خدائے احکم الحاکمین اور قادرِ مطلق کو کیسے زیب دیتا ہے، کہ وہ ایسے آدمی کو دم لینے دے، نیز یہ کتنا غیر مناسب ہوگا۔ کہ وہ ایسے آدمی کی تائید کرے، امداد کرے، بلندی عطا کرے، اس کو ترقی دے اور دشمنوں پر غلبہ عطا کرے۔ تاکہ وہ ان کا خون بہائے، ان کا مال، اولاد

لہ الحاقہ: ۱۴۰ ۵ے ذاریات: ۲۳

شہروں اور عورتوں کو مباح خیال کرے، اور کہتا پھرے کہ خدا نے مجھے اس کا حکم دیا ہے اور ان اشیا کو مباح قرار دیا ہے۔ بلکہ یہ امر غیر موزوں ہے، کہ وہ ہر طریقے سے اس کی تصدیق کرے چنانچہ خود اپنے اقرار اور ان آیات (دلائل) سے جن سے اس کی تصدیق لازم آتی ہے۔ ایسے شخص کی تصدیق کرے، اس طرح ہر دلیل فی نفسہٖ اس کی تصدیق کرتی ہے۔ اس کے بعد وہ اس بارے میں حتمی دلیل پیش کرتا ہے، کہ یہ اس کے اپنے الفاظ اور اپنا کلام ہے، چنانچہ اپنا اقرار، فعل اور قول بطورِ شہادت پیش کرتا۔ پس یہ امر قطعاً محال اور بالکل باطل ہوگا، کہ وہ خدائے احکم الحاکمین سے ان امور کے جواز کو منسوب کرے۔ الرسول الکریم سے مراد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

نیز ارشادِ باری ہے:[۱] فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ، وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ، اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ، لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ بعض کہتے ہیں، کہ اس سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔ بعض کہتے ہیں، اس سے مراد وہ کتاب ہے، جو فرشتوں کے پاس ہے، بعض اس سے مصحف مراد لیتے ہیں۔ ابن الرفعہ نے اس رائے کو ترجیح دی ہے۔

حصّہ چہارم :- اس حصے میں اللہ تعالیٰ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صداقت کی قسم کھاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:[۲] یٰسٓ۔ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ۔ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ ابنِ حنفیہ فرماتے ہیں یٰسین سے مراد محمد رسول اللہ ہیں۔ ابنِ عباس کی رائے ہے، چونکہ یہ قسم ہے، اس لیے یٰسین، خدا کا نام ہے، جس کی اس نے قسم کھائی ہے۔ اس کے بعد فرمایا، وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ یہ ان کفار کی تردید ہے، جو آپ کو پیغمبر نہیں مانتے تھے، چنانچہ خدا نے اپنے نام اور قرآن کی قسم کھائی، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسولِ خدا ہیں، جو بندوں کی طرف اس کی وحی لے کر آئے ہیں اور وہ خود ایمان کے سیدھے راستے پر

---

[۱] واقعہ ۷۵ - ۷۹ ، [۲] یٰسین ۱-۴

ہیں جس میں ٹیڑھ پن نہیں، اور راستی سے منحرف نہیں۔ نقاش کی رائے ہے، کہ خدا نے اپنی کتاب میں سوائے رسولِ کریم کے کسی پیغمبر کی رسالت کی قسم نہیں کھائی۔

حصّہ پنجم:۔ اس حصے میں خدا نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، آپ کے زمانے اور شہر کی قسم کھائی ہے:۔ لَعَمْرُكَ، اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۔[1] عَمر اور عُمر ایک ہی چیز ہے اور جب اس کی قسم کھائی جائے، تو عَمر پڑھتے ہیں۔ اور يَعْمَهُوْنَ کے معنی بھٹکیروں کے ہیں، یعنی وہ حیران ہوتے ہیں۔ مخاطب کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے، کہ یہ جملہ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا تھا۔ دوسری رائے یہ ہے، کہ اس آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب کیا گیا ہے اور اللہ نے آپ کی زندگی کی قسم کھائی ہے، اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی عزت افزائی، احترام و اکرام منظور ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، کہ خدائے تعالیٰ نے کوئی انسان بھی ایسا پیدا نہیں کیا، جو اسے محمّد رسول اللہ سے زیادہ قابلِ احترام ہو۔ اور اس نے آپ کے بغیر کسی اور آدمی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔ یہ ابنِ جریر کی روایت ہے۔ امام بغوی نے اسی خیال کو اپنے الفاظ میں بایں انداز بیان فرمایا ہے۔ کہ خدا نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے علاوہ کسی اور آدمی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ کی مخلوق میں سب سے محترم اور معزز ہیں۔

ارشادِ باری ہے:۔ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَ اَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔[2] خدا نے بلدِ امین یعنی مکّہ کی جو تمام شہروں کی اساس ہے، قسم کھائی۔ اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر کہہ کر، اسے آپ کی اقامت سے مشروط کر دیا۔ اس سے مقصد اس شہر کی عزت کا اظہار ہے اور یہ ظاہر کرنا مقصود ہے، کہ مکان کے شرف کا انحصار مکین پر ہے یہ بیضاوی کی رائے ہے۔ پھر والد اور بیٹے کی قسم کھائی، جس سے مراد حضرت ابراہیم اور

---

[1] حجر: ۷۲ [2] بلد: ۱ و ۲

حضرت اسماعیل اور ما ولد سے مراد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ حِل کے لفظ سے مراد حلول ہے۔ اس لحاظ سے، خدا کا اس شہر کی قسم کھانا، جس میں اس کا رسول اور بندہ مقیم ہے، اس امر کی دلیل ہے، کہ وہ شہر بہترین مقام ہے اور اس میں بہترین انسان قیام پذیر ہے، چنانچہ خدا نے اپنے گھر کو لوگوں کے لیے ہدایت اور اپنے نبی کو ان کا امام اور ہادی بنایا۔ اور مخلوق پر خدا کا یہ بہت بڑا انعام اور احسان ہے اور خدا نے آپ کے شہر کی قسم کھا کر آپ کے شرف میں اضافہ فرمایا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کی فضیلت کا یہ حال ہے کہ خدا نے تمام انبیا میں سے آپ کی زندگی کی قسم کھا کر اس کا اظہار فرمایا اور نیز آپ کے شہر کی قسم بھی کھائی۔ البلد سے مراد مکہ ہے اور بعض کا خیال ہے کہ مدینہ منورہ مراد ہے۔

ارشادِ باری ہے: وَالْعَصْرِ، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ[1]۔ امام رازی اور علامہ بیضاوی وغیرہ کی رائے ہے، کہ خدا نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔ امام رازی لکھتے ہیں، کہ اس امر کی دلیل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا، کہ تمہاری اور اگلی امتوں کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے کئی مزدور کام کے لیے بلائے، اور پوچھا، کہ تم میں سے کون ایک قیراط کے بدلے صبح سے ظہر تک کام کرے گا۔ یہود نے یہ کام سرانجام دیا، پھر پوچھا، ظہر سے عصر تک یہ کام اسی معاوضے پر کون کرے گا۔ یہ کام نصاریٰ نے کیا۔ پھر پوچھا، دو قیراط کے بدلے عصر سے مغرب تک کون کرے گا۔ یہ کام تم نے کیا۔ اس سے یہود اور نصاریٰ بگڑ گئے۔ کہنے لگے، ہم نے زیادہ کام کیا ہے مگر مزدوری تھوڑی ملی ہے۔ خدا نے کہا، کیا میں نے تمہاری مقررہ مزدوری میں کوئی کمی کی ہے، کہا نہیں۔ فرمایا، یہ میرا انعام ہے، جسے چاہوں دے دوں۔ حضور نے

---

[1] العصر : ۱، ۲

فرمایا یہ تم ہو، کہ کام تھوڑا اور اجر زیادہ پایا۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عصر سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے۔ اس بنا پر خدا نے اس آیت میں آپ کے زمانے کی اور اَنْتَ حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ سے آپ کے شہر کی اور لعمرک سے آپ کی زندگی کی قسم کھائی۔ یہ سب ظرف ہیں، جس سے مظروف کی توقیر کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ قسم کی وجہ یہ ہے، کہ خدا کہنا چاہتا ہے کہ وہ لوگ کیسے بدبخت ہیں، جو آپ سے اعراض کرتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اشرف المخلوق ہیں۔

فصل ششم

اس باب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور اور چمکتے دیئے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے، کہ خدا نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو نور سے تشبیہ دی ہے: قَدْ[1] جَاءَکُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ بعض لوگ کہتے ہیں، کہ نور سے مراد قرآن ہے۔ مزید براں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روشن دیئے سے تشبیہ دی ہے: یَا[2] اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنَاکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ سِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ مراد یہ ہے، کہ آپ وضاحت کرنے والے ہادی ہیں، اس دیئے کی طرح جس سے راستہ صاف نظر آنے لگے، مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت، سورج کی روشنی سے زیادہ طاقتور، مکمل اور مؤثر رہی ہے۔ جب صورتِ حال یہ ہے، تو ضروری ہے، کہ آپ کا نفسِ مقدس نورانیت میں سورج سے بڑھ کر ہو۔ پس جس طرح سورج مادی دنیا میں اپنے نور سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے اور خود کسی سے استفادۂ نور نہیں کرتا۔ اسی طرح تمام بشریت آپ کے انوارِ[3] عقلیہ سے استفادہ کرتی ہے، اسی وجہ سے خدا نے سورج کو بھی چراغ کہا ہے:۔ وَجَعَلَ فِیْھَا سِرَاجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا۔

---

[1] مائدہ: ۱۵ [2] احزاب: ۴۵، ۴۶ [3] فرقان: ۶۱

جس طرح خدا نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور سے تشبیہ دی۔ اپنے آپ کو بھی اسی وصف سے یاد فرمایا ہے :۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.[۱] زمین و آسمان میں خدا کے بغیر اور کچھ نہیں، اور اللہ کا نور مقدس وجود، حیات، جمال اور کمال کی روح ہے جس نے عالمِ مادیت کو جگمگا دیا پھر اس نے عالمِ روحانیت پر (جس سے مراد فرشتے ہیں) روشنی ڈالی۔ چنانچہ وہ چراغوں کی طرح جگمگا اٹھے۔ جن سے دوسرے لوگ، اللہ کی مہربانی سے استفادہ کرتے ہیں۔ پھر یہی خدائی نور، انسانی نفوس کی طرف منتقل ہوا۔ جسے انسانی روحوں نے انسانی اجسام پر منعکس کر دیا پس دنیا میں خدا کے نور کے بغیر اور کچھ نہیں، جو اس کی ذات سے اشیائے عالم تک، ان کی صلاحیت کے اندازے اور وسعتِ استعداد کے مطابق پہنچتا رہتا ہے۔ مَثَلُ نُوْرِہٖ میں نور سے مراد ہدایت ہے۔ مقاتل نے اس آیت کا مفہوم بہ انداز ذیل بیان کیا ہے :۔ کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ایمان کی مثال اس فانوس کی سی ہے، جس میں ایک چراغ رکھا ہو۔ فانوس آپ کے والد حضرت عبداللہ کی پشت سے مشابہہ ہے اور شیشے سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسد مبارک ہے اور دیے سے مراد ایمان اور نبوت ہیں۔ جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل منور ہے اور بعض لوگوں نے فانوس سے ابراہیم اور شیشے سے اسماعیل اور چراغ سے حضور اکرم مراد لی ہے۔ اور شجرہ سے مراد نبوت اور رسالت ہے۔

فصل ہفتم

اس فصل میں ان آیات کا ذکر ہے، جن میں آپ کی اطاعت اور اتباعِ سنت کو ضروری قرار دیا گیا ہے :۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔[۲] نیز وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔[۳] نیز قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکَافِرِیْنَ۔[۴] قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ خدا نے اپنی

---

[۱] النور : ۳۵ [۲] عمران : ۳۲ [۳] عمران : ۱۳۲ [۴] عمران : ۳۲

اطاعت کو رسول کی اطاعت اور اپنی اطاعت کو رسولِ اکرم کی اطاعت سے مقرون
قرار دیا۔ اور اس پر زبردست ثواب کا وعدہ کیا اور مخالفت پر سخت عذاب سے ڈرایا۔
ارشاد ہوتا ہے :۔ مَنْ[1] یُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ جس نے، اس رسول کی، جو
لوگوں تک احکامِ الٰہی کو پہنچاتا ہو۔ اطاعت کی، اس نے فی الحقیقت خدا کی اطاعت
کی، اور ایسا صرف خدا کی توفیق ہی سے ہو سکتا ہے :۔ وَمَنْ[2] تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ
عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا۔ کیونکہ جس شخص کو خدا ہدایت سے اندھا کر دے اور سیدھے راستے سے
بھٹکا دے اسے دنیا کی کوئی مخلوق سیدھی راہ نہیں دکھا سکتی۔ اور یہ آیت اس امر کی قوی
دلیل ہے، کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اوامر اور نواہی اور ان احکام میں جو خدا تعالےٰ
سے ملتے ہیں معصوم ہیں، کیونکہ اگر آپ سے کوئی غلطی وقوع پذیر ہوتی۔ تو آپ کی اطاعت
کو خدا کی اطاعت نہ کہا جاتا۔ چونکہ خدا نے آپ کے اتباع کا حکم دیا ہے، اس لیے ضروری
ہے، کہ آپ کے تمام افعال کو معصوم عَنِ الخطا قرار دیا جائے، حکم ہوتا ہے وَاتَّبِعُوْهُ، اور
متابعت کے معنی ہیں کسی دوسرے آدمی کے قول وفعل کی تقلید، سوائے ان اعمال کے جو بوجہ
کسی دلیل کے صرف اس کے لیے مخصوص ہوں۔ پس ثابت ہوا، کہ آدمی کے اقوال وافعال
کی اطاعت خدائی اطاعت شمار ہو گی۔ ارشاد ہوتا ہے، وَمَنْ[3] یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ
فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ
وَالصّٰلِحِیْنَ۔ یہ آیت تمام ان لوگوں کے لیے، جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ
میں سے تھے، یا بعد میں آئے، عام ہے۔ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے، کہ حضرت
ثوبان رضی اللہ عنہ کو، جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، آپ سے
حد درجہ محبت تھی۔ اور جدائی کی تاب نہیں لا سکتے تھے۔ ایک دن وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی خدمت میں حاضر ہوئے، چہرے کا رنگ اڑا ہوا، جسم کمزور اور ڈھیلا ڈھالا اور آثارِ غم
نمایاں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پریشانی کی وجہ دریافت کی، تو کہنے لگے، یا رسول اللہ!

---

[1] نساء : ۸۰ [2] نساء : ۸۰ [3] عمران : ۶۹

مجھے اس کے سوا کوئی تکلیف نہیں، کہ جب میں آپ کو کسی وجہ سے دیکھ نہیں پاتا، تو مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے اور شدید وحشت طاری ہو جاتی ہے، تا آنکہ آپ سے ملاقات نہ ہو جائے اس پر مجھے آخرت کا خیال آگیا۔ جہاں میں آپ کو دیکھ نہیں سکتا، کیونکہ اگر میں بھی جنتیوں میں شامل ہوا، آپ تو انبیا علیہم السلام کے درمیان ہوں گے، اور اگر مجھے جنت میں داخلہ نہ ملا، پھر تو میں آپ کو کبھی بھی دیکھ نہیں سکوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے مسروق سے روایت کی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم آپ سے علیحدگی کے خواہاں نہیں، لیکن اگر آپ کا وصال پہلے ہو گیا، تو آپ کو اتنا اوپر مقام ملے گا کہ ہم وہاں تک نہیں پہنچ سکیں گے، خدا نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت عکرمہ راوی ہیں کہ ایک جوان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آیا، عرض کیا، یا رسول اللہ! دنیا میں تو ہمیں آپ کی زیارت کا موقعہ مل جاتا ہے، لیکن آخرت میں تو ہم آپ کو نہیں دیکھ سکیں گے، کیونکہ آپ بلند ترین مقام پر ہوں گے۔ اس پر آیت نازل ہوئی، اور آپ نے فرمایا، تم جنت میں میرے ساتھ ہو گے۔ ان روایات کی صحت پر محققین کو کوئی اعتراض نہیں۔ ہاں اس صورت میں ایسا ممکن ہے کہ اس آیت کے نزول کی وجہ کوئی ایسی چیز ہو، جو اس سے عظیم تر ہو۔ اور وہ اطاعت اور عبادتِ الٰہی پر اکسانا بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ ہمیں معلوم ہے، کہ کسی خاص سبب کے لیے، عام لفظ کا استعمال غلط نہیں، چنانچہ یہ آیت اپنے حکم کے لحاظ سے تمام مکلفین کے لیے عام ہے، چنانچہ جو آدمی خدا کی اطاعت کرتا ہے اور رسول کی اطاعت بھی کرتا ہے وہ بارگاہِ ایزدی میں بلند درجات اور معزز مقام پانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث صحیح طور پر مروی ہے، کہ آدمی جس سے انس کرتا ہے، اسی کی معیت میں ہو گا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول بھی منقول ہے، کہ مدینے میں کئی گروہ ایسے ہیں کہ آپ جس سفر کو بھی روانہ ہوں اور جس منزل پر بھی اتریں، وہ آپ کا ساتھ دیں گے، اور

کوئی عذر انہیں روک نہیں سکے گا۔ ارشادِ باری ہے:۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ۔ اس آیت کا نام آیۂ محبّت ہے۔ بعض سلف سے مروی ہے، کہ کچھ لوگوں نے اللہ کی محبت کا دعویٰ کیا جس پر یہ آیت اتری جس میں محبت کی دلیل، اس کے ثمرے اور فائدے کا ذکر ہے۔ اس کی دلیل اور علامت رسول کا اتباع ہے اور اس کا فائدہ اور ثمرہ یہ ہے، کہ اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور اگر تم متابعت رسول نہیں کرتے تو تم خدا کی محبّت سے محروم رہو گے۔ حالانکہ اس کی محبّت تمہارے لیے مفید ہے، اور خدا سے ان کی محبت اور ان سے خدا کی محبّت، رسول کی متابعت کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہو سکتی۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ رسول کا اتباع ہی اللہ اور رسول کی محبّت ہے، اور عبودیت میں اس کا وقوع اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک کہ اللہ اور رسول اسے ماسوا سے عزیز تر نہ ہوں۔ اور اگر اسے کوئی چیز ان دو اشیا سے عزیز تر ہے، تو یہ شرک ہے، جو کسی طرح بھی قابلِ معافی نہیں، اور خدا ایسے آدمی کو ہدایت سے نہیں نوازتا۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَا اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ۔ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۔ جس شخص نے بھی ان مذکورہ اشیا کی محبت کو اللہ اور رسول کی محبت پر اور کسی غیر شخص کی بات کو اللہ اور رسول کے قول پر، یا کسی کی رضا کو اللہ اور رسول کی رضا پر، یا کسی غیر اللہ کے خوف، اس سے امید اور توکل کو، اللہ کے خوف، اس کی رحمت کی امید اور اس پر توکل پر، یا ان اشیا سے تعلق اور لگاؤ کو اللہ اور رسول سے تعلق اور لگاؤ پر ترجیح دی، وہ ان لوگوں میں شامل نہیں ہوگا، جو اللہ اور رسول سے محبت کرتے ہیں، اگر وہ زبان سے ایسا کہتا ہے، تو یہ خالص جھوٹ ہے اور ایسی

---

۵ عمران: ۳۱ ۵ے توبہ: ۲۴

بات کہہ رہا ہے، جسے وہ دل سے تسلیم نہیں کرتا۔ (یہ مدارج السالکین کے مندرجات کا خلاصہ ہے۔)

ارشادِ باری ہے :۔ فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔ اس آیت میں ہدایت کی امید کو دو باتوں سے مربوط قرار دیا ہے، ایمان بالرسول اور اتباع الرسول۔ گویا یہ ان لوگوں کے لیے تنبیہ ہے، جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے تصدیق تو کرتے ہیں لیکن آپ کی شریعت کے اتباع کا التزام نہیں کرتے۔ وہ گمراہ ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جو احکام لائے سوائے ان احکام کے جو آپ کی ذات سے مخصوص ہیں، ہم پر ان کا اتباع واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا۔ نور سے مراد قرآن ہے، اس لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہر شخص پر واجب اور فرض ہے۔ چنانچہ آپ پر ایمان لائے بغیر اور کوئی چارہ نہیں، اور اس کے بغیر اسلام کی درستی نہیں ہو سکتی۔ ارشاد ہوتا ہے : وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا۔ مزید ارشاد ہوتا ہے :۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ۔ مفہوم آیت اوّل یہ ہے، کہ جو شخص اللہ اور رسول پر ایمان نہیں لاتا، وہ کافروں میں سے ہے اور ہم نے کافروں کے لیے جہنم تیار کر رکھا ہے۔ دوسری آیت کا مطلب یہ ہے (اس آیت کی ابتدا میں ’لا‘ قسم کے معنوں میں تاکید مزید کے لیے لایا گیا ہے) اور ’لا یؤمنون‘ جوابِ قسم ہے) خداوند تعالیٰ اپنی ذاتِ مقدس کی قسم کھا کر کہتا ہے، کہ کوئی شخص بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اپنے تمام معاملات میں رسول کریم کو حکم نہیں بناتا، اور آپ کے فیصلوں پر رضامند نہیں ہوتا اور دل و جان سے

لہ اعراف : ۱۵۸ ؏ تغابن : ۸ ؎ فتح : ۱۳ ؏ نساء : ۶۵

آپ کی اطاعت نہیں کرتا۔ خواہ وہ حکمِ خداوندی اس کی خواہش کے مطابق ہو یا مخالف ہو۔ حدیث میں آیا ہے، "مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، کہ تم سے کوئی شخص بھی اس وقت تک مومن کہلانے کا مستحق نہیں ہو گا۔ جب تک اس کی خواہشات میری تعلیمات کے مطابق نہیں ہوں گی۔ اس کا مطلب یہ ہے، کہ جو شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر رضامند نہیں ہوتا، مومن نہیں ہو سکتا۔ نیز آپ کے احکام پر دلی پسندیدگی ضروری ہے اور وہ اس طرح کہ اس کے دل میں یہ پختہ یقین ہو کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے احکام برحق اور درست ہیں، اس لیے ظاہر اور باطن میں ان کا اتباع ضروری ہے۔

فصل ہشتم

اس فصل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے چند قواعد کا ذکر ہے۔
ارشادِ باری ہے :- یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ[1]
امام مجاہد لکھتے ہیں، کہ تم رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے از خود کوئی بات نہ پوچھو، کہ جب تک کہ خدا، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت خود بخود بیان نہ کر دے۔ آپ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ادب و احترام پر غور کریں، کہ نماز میں وہ آگے کھڑے تھے، اور کیسے وہ ہٹ کر پیچھے آ گئے، کہنے لگے، کہ ابن ابو قحافہ کو یہ بات کیونکر زیب دیتی تھی، کہ وہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے آگے کھڑا ہو۔ نتیجۃً خدا نے کس طرح آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام کا وارث اور آپ کا جانشین مقرر فرمایا۔ ضحاک نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کسی بات میں کوئی رائے نہ دو۔ بعض لوگ کہتے ہیں، آیت کا مطلب یہ ہے، کہ تم کسی چیز کے کرنے

---

[1] حجرات : ۱

یا نہ کرنے کا حکم نہ دو، جب تک آپ ایسا نہ کریں پس یہ بات آدابِ نبوّت میں شمار ہوگی، کہ کوئی شخص بھی آپ سے پہلے امر و نہی اور اذن و تصرف کا کوئی اقدام نہ کرے جب تک خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلے میں اللہ کے حکم کے مطابق کوئی اقدام نہ فرمائیں۔ اور تا قیامت یہ آیت غیر منسوخ ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی سنت کے خلاف عمل ایسا ہی ہے، جیسا کہ آپ کی زندگی میں ہوتا۔ اور عقلِ سلیم کی نگاہوں میں دونوں حالتوں میں کوئی فرق نہیں۔

آدابِ نبوّت میں یہ امر بھی شامل ہے، کہ مخاطب کی آواز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند تر نہ ہو۔ ارشادِ باری ہے:۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَرْفَعُوٓا۟ أَصْوَٰتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ ٱلنَّبِىِّ وَلَا تَجْهَرُوا۟ لَهُۥ بِٱلْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ ؎

امام رازی کی رائے میں کسی آدمی کو زیب نہیں دیتا، کہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح گفتگو کرے، جس طرح غلام آقا کے سامنے کرتا ہے۔ بلکہ چاہیئے کہ اس کی آواز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اس آواز سے بھی پست تر ہو، جو وہ آقا کے سامنے نکالتا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز نکالنے سے اعمال کے ضیاع کا خطرہ ہو۔ تو آپ کی سنت کے خلاف اپنی رائے اور فکر کے نتیجے کو اہمیت دینے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ مروی ہے، کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، تو حضرت ابوبکر صدیق نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ! اب مجھے آپ سے گفتگو کرتے وقت، کانا پھوسی کا انداز اختیار کرنا پڑے گا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ سے گفتگو کرتے وقت یہی انداز اختیار کرتے، اور نزولِ آیت کے بعد حضور بہ مشکل ان کی بات سن پاتے۔ چنانچہ آپ کو پھر سے دریافت کرنا پڑتا۔ مروی ہے، کہ ابو جعفر منصور نے امام مالک سے مسجدِ نبوی میں کسی بات پر مناظرہ کیا۔ تو امام نے کہا، اے امیر المومنین! اس مسجد میں اونچی آواز نہ نکالیے۔ کیونکہ خدا نے حکم دیا ہے، کہ

؎ حجرات : ۲

پیغمبر کے حضور اونچی آواز نہ نکالو۔ لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ[۱]۔
چنانچہ اِن لوگوں کی تعریف فرمائی، جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے آہستہ بولتے
ہیں:۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ[۲]۔ اور کچھ لوگوں
کی مذمت کی:۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرَاتِ[۳]۔ اور جس طرح
یہ امر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں حرام تھا، وفات کے بعد بھی حرام ہے۔ اس
پر ابوجعفر نے آواز دھیمی کر لی۔

آدابِ نبوت میں یہ امر بھی شامل ہے، کہ ہم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح
نہ بلائیں، جس طرح ہم ایک دوسرے کو بلاتے ہیں:۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ
بَیْنَکُمْ کَدُعَاءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا[۴]۔ اس حکم کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں:۔
(۱)، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر آپ کو مخاطب نہ کیا جائے۔ بلکہ تعظیم اور توقیر
سے آپ کو یارسول اللہ، یانبی اللہ کہہ کر مخاطب کیا جائے۔ (۲) کہ حضورِ اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کی طلب کو تم ایسا نہ سمجھو، جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو طلب کرتے ہو۔
چاہا تو جواب دیا اور نہ چاہا تو نہ دیا۔ بلکہ یہاں صورت یہ ہے، کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
طلب فرمائیں گے یا بلائیں گے، تو تعمیل کے بغیر چارہ نہیں، کیونکہ آپ کی طلب کی تعمیل
واجب ہے اور بغیر اجازت واپس لوٹ جانا حرام ہے۔

اسی طرح آدابِ نبوّت میں یہ امر بھی شامل ہے، کہ جب مسلمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے ساتھ کسی اجتماع میں از قسم خطبہ، جہاد یا کیمپ شریک ہوں تو کوئی شخص بھی بغیر
اجازت اپنے کسی کام کو نہیں جا سکتا:۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰہِ
وَرَسُوْلِہٖ وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰی ـــــ اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْھَبُوْا
حَتّٰی ـــــ یَسْتَاْذِنُوْہُ[۵]۔

نیز آدابِ نبوّت میں یہ امر بھی شامل ہے، کہ اقوالِ نبوت کو دوسرے لوگوں کی

---

[۱] حجرات ۲ [۲] حجرات: ۳ [۳] حجرات: ۴ [۴] النور ۶۳ [۵] النور: ۶۲

آرا سے مشابہ نہ قرار دیا جائے۔ بلکہ برعکس ازیں لوگوں کی آرا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے مطابقت دی جائے اور آپ کے قطعی حکم کو قیاس اور ظن وتخمین کے مقابلے میں نہ لایا جائے۔ بلکہ قیاس کو باطل قرار دے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قطعی حکم کی تعمیل کی جائے۔ اور آپ کے کلام میں حقیقت سے تحریف نہ کی جائے کسی ایسے خیال کے پیش نظر، جسے مخالفین معقول تصور کرتے ہیں۔ بلا شبہ ایسا خیال لغو اور مجہول ہوگا اور حقیقت سے بہت دور۔ نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام لے کر آئے ہیں، اسے کسی کی موافقت کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ یہ تمام امور سوئے ادب میں شامل ہیں اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہت بڑی گستاخی ہے اور احترام نبوت کی بہترین صورت یہ ہے، کہ آدمی کمال تسلیم کو اپنا لے اور آپ کے احکام کی دل وجان سے متابعت کرے اور آپ کی ہر بات کو تسلیم کرے اور اس کی تصدیق کرے اور اسے کوئی خیالِ باطل اس بات پر آمادہ نہ کر سکے، کہ وہ دوسرے لوگوں کی آرا کو آپ کی رائے پر ترجیح دے۔ پس وہ شخص سوائے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کا حکم نہ مانتے، کسی کے آگے سر تسلیم خم نہ کرے، اور نہ کسی اور کی متابعت کرے۔ اور وہ اس باب میں ایسا ہی موحد ہو، جیسا کہ خدا کی عبادت میں موحد ہے۔ یہ دو ایسی توحیدیں ہیں، جن کے بغیر نجات نہیں ہوسکتی۔ اور قرآن میں ایسی آیات کی کوئی کمی نہیں، جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم کا بہ شد ومد ذکر ہے۔

فصل نہم

اس فصل میں ان آیات کا ذکر ہے، جن میں اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاندین کے خلاف، آپ کا دفاع فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:
نٓ ۚ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ۔[1]
جب کفار نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہنا شروع کیا: يَا اَيُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ[2] ۔ تو خدا نے آپ کی طرف سے دشمن کے جواب میں بلا واسطہ ارشاد فرمایا: مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۔ اور احباب کا قاعدہ بھی یہی ہے، کہ جب وہ اپنے دوست کے خلاف کسی شخص کو بدگوئی کرتے سنتے ہیں، تو اس کے جواب کی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہیں۔ اس موقعہ پر خدا نے بغرض امداد خود بخود جواب کی ذمہ داری لی۔ کیونکہ خدائی امداد سے بہتر کوئی امداد نہیں اور اس سے آپ کا مرتبہ اور بلند ہوتا ہے پس خدا نے اپنے رسول کو کفار کے الزامات سے مبرا قرار دینے کے لیے قلم کی قسم کھائی۔ جو اللہ کی عظیم علامات سے ہے۔ اور اس طرح ان کے افترا کی تکذیب فرما دی۔ اس طرح آپ کے ان مخالفین کو، جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں، دنیا ہی میں معلوم ہو جائے گا، کہ فریب خوردہ کون ہے، رسولِ اکرم یا وہ خود۔ اور عالم برزخ میں ان کے علم میں اور اضافہ ہو گا۔ اور آخرت میں تو مکمل طور پر اس کی ایسی وضاحت ہو جائے گی، کہ تمام مخلوق اس بارے میں پورے طور پر باخبر ہو جائے گی۔ ارشادِ باری ہے: مَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ۔[3]

جب عاصی بن وائل سہمی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ حرام سے دجب

---

[1] قلم: ۱-۳ [2] حجر: ۶ [3] تکویر: ۲۲

وہ خود مسجد میں داخل ہو رہا تھا، نکلتے دیکھا، تو دونوں کا باہم بنو سہم کے دروازے کے پاس آمنا سامنا ہو گیا، اور کچھ بات چیت بھی ہوئی، اس اثنا میں سرداران قریش کی ایک جماعت مسجد میں بیٹھی ہوئی تھی۔ جب عاصی مسجد میں داخل ہوا، تو سرداران قریش نے دریافت کیا، جس سے تم باتیں کر رہے تھے، وہ کون تھا۔ اس نے کہا۔ اَبتَر۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادے، جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، فوت ہوئے تھے، چنانچہ خدا نے اس منہ پھٹ کے جواب میں فرمایا:۔[۱]

اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ۔

اسی طرح جب دشمنوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کہنا شروع کیا: [۲] اِفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا۔ تو جواب میں خدا نے کہا:۔ [۳] بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ فِی الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِیْدِ۔ نیز جب کفار نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا:۔ لَسْتَ مُرْسَلًا۔ تو خدا نے کہا: [۴] یٰسٓ، وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ۔ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ پھر جب مخالفین نے کہا: [۵] اَئِنَّا لَتَارِکُوْٓا اٰلِھَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ۔ خدا نے تردید کرتے ہوئے فرمایا:۔ [۶] بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاندین کو عذاب کی بشارت دی: [۷] اِنَّکُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِیْمِ۔ پھر جب کفار نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا: [۸] اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِہٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ۔ تو خدا نے ان کی تردید میں فرمایا:۔ [۹] وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَہٗ۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ۔ جب خدا نے کفار کا یہ قول (الزام) بیان فرمایا:۔ [۱۰] اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اِفْکُ نِافْتَرٰہُ وَ اَعَانَہٗ عَلَیْہِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ۔ تو ان کی تردید بھی کر دی:۔ [۱۱] فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا۔ اور جب انہوں نے قرآن کو اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ کہا، تو خدا نے جواباً کہا: [۱۲] قُلْ اَنْزَلَہُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اور جب کفار نے قرآن کے بارے

---

[۱] کوثر: ۳ [۲] سبا: ۸ [۳] سبا: ۸ [۴] یٰسین: ۱، ۳ [۵] صافات: ۳۶ [۶] صافات: ۳۷ [۷] صافات: ۳۸
[۸] طور: ۳۰ [۹] یٰسین: ۶۹ [۱۰] فرقان: ۴ [۱۱] فرقان: ۴ [۱۲] فرقان: ۶

میں کہا، کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شیطانی القاء ہے۔ (نعوذ باللہ) تو خدا نے فرمایا:۔ [1] مَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفوں کو گزرے ہوئے لوگوں کے حالات سنائے، تو نضر بن حارث کہنے لگا:۔ [2] لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا إِنْ هٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ۔ خدا نے ان کی تکذیب کی: [3] قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا۔ جب ولید بن مغیرہ نے کہا:۔ [4] إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ، إِنْ هٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ۔ تو خدا نے جواب میں فرمایا:۔ [5] كَذٰلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ۔ اس سے مراد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا تھا۔ اسی طرح جب کفار نے کہا، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کے رب نے چھوڑ دیا ہے، تو خدا نے اس کی تردید بایں الفاظ کی: [6] مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى۔ اور جب کفار نے کہا:۔ [7] مَالِ هٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ۔ تو خدا نے فرمایا:۔ [8] وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ۔ جب دشمنانِ خدا یہود نے آپ سے کثرتِ نکاح اور تعددِ ازواج پر اعتراض کیا اور کہنے لگے، کہ اس سارے ہنگامے سے آپ کا مقصد بس یہی کچھ ہے [9] أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلٰى مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا۔ اور جب کفار نے اس امر پر اظہارِ تعجب کیا، کہ خدا نے ایک انسان کو کیسے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، چنانچہ قرآن نے اس اعتراض کو بایں الفاظ بیان کیا ہے:۔ [10] وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدٰى إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَسُولًا۔ ان لوگوں کو اتنی بات بھی معلوم نہ تھی، کہ ہم جنس سے انس ہوتا ہے اور

---

[1] شعراء: ۲۱۰ [2] انفال: ۳۱ [3] بنی اسرائیل: ۸۸ [4] مدثر: ۲۴، ۲۵ [5] ذاریات: ۵۲ [6] ضحی: ۳
[7] فرقان: ۷ [8] فرقان: ۲۰ [9] نساء: ۵۴ [10] بنی اسرائیل: ۹۴

غیر جنس سے نفرت ہوتی ہے۔ ارشادِ باری ہے :۔ قُل لَّو کَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِکَۃٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْھِمْ مَلَکًا رَّسُوْلًا۔ اگر دنیا میں فرشتے بستے ہوتے، تو لازماً ان کا رسول بھی فرشتہ ہی ہوتا لیکن جب ساکنانِ زمین انسان ہیں تو ضروری ہے کہ ان کا رسول بھی انسان ہو۔ اور تمام انبیا اپنے دفاع میں ہمیشہ خود لگے رہے ہیں اور خود ہی دشمنوں کی تردید کرتے رہے ہیں۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا :۔ [2] یَا قَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلَالَۃٌ۔ اسی طرح ہود علیہ السلام نے کہا :۔ [3] یَا قَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاھَۃٌ۔ (سوائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جن کا دفاع، خود بذاتِ باری نے فرمایا)۔

فصل دہم

اس فصل میں ان غیر واضح قرآنی آیات کی، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وارد ہوئی ہیں وضاحت کر کے شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: [4] وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی۔ تمام علمائے امت اس پر متفق ہیں، کہ حضور کبھی ہرگز ایک لمحے کے لیے بھی گمراہ نہیں ہوئے۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں، کہ تمام انبیا قبل از نبوت بھی اللہ کی ذات و صفات کے بارے میں معصوم عن الخطا ہیں اور وہ اس باب میں کسی طرح کی تشکیک کا شکار نہیں ہوتے۔ اور تمام اخبار و آثار، دربارۂ انبیا، اس پر متفق ہیں، کہ انبیا علیہم السلام از ابتدائے ولادت اس نقص سے پاک ہیں اور ان کی نشوو نما توحید اور ایمان، بلکہ نورِ معرفت کی روشنی اور الطافِ سعادت کے جھونکوں میں ہوئی ہے اور اہلِ علم سے کوئی ایسی روایت مروی نہیں، کہ کبھی بھی کسی ایسے شخص کو نبوت کے لیے منتخب کیا گیا ہو، جو پیشتر ازیں کفر اور شرک میں شہرت پا چکا ہو۔ اور تمام علما اس پر متفق

---

[1] بنی اسرائیل : ۹۵ [2] اعراف : ۶۱ [3] اعراف ۶۷ [4] ضحی : ۷

ہیں۔ بہرحال اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے، عبداللہ بن عباس اور علما کی ایک جماعت کا خیال ہے، کہ آپ علاماتِ نبوت سے ناآشنا تھے، چنانچہ ارشادِ باری ہے :۔ مَا كُنْتَ[1] تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ وَ لَا الْاِيْمَانُ یعنی نزولِ وحی سے پہلے آپ کو قطعاً معلوم نہیں تھا، کہ آپ کیسے قرآن پڑھیں اور لوگوں کو ایمان کی طرف کیسے بلائیں۔ یہ رائے علامہ سمرقندی کی ہے، قاضی بکر کا خیال ہے، کہ آپ فرائض اور احکامِ شریعت سے جو اصلِ ایمان ہے، ناواقف تھے۔ حضورِ اکرم، قبل از نبوت توحیدِ باری پر تو ایمان رکھتے تھے، پھر فرائض اور احکام کا نزول ہوا جن سے حضور بیشتر ازیں ناواقف تھے۔ چنانچہ ان پر ایمان لانا ضروری ہوا۔ امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، ان کے نزدیک گویا، یہ واقعہ اس آیت کی تفسیر ہے :۔ ضَلَلْتُ عَنْ جَدِّيْ عَبْدُ الْمُطَّلِبْ وَ اَنَا صَبِيٌّ حَتّٰى كَادَ الْجُوْعُ يَقْتُلُنِيْ فَهَدَانِي اللهُ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ دو دفعہ کے سوا، میں نے اہلِ جاہلیت کے کاموں میں کبھی دلچسپی لینے کا ارادہ نہیں کیا مگر ہر دفعہ خدا میرے اور میرے ارادے کے درمیان حائل ہو گیا، چنانچہ بعد ازاں تا بعثت مجھے کسی ایسی چیز کا خیال بھی نہ آیا۔ ایک رات میں نے قریش کے ایک لڑکے کو، جو مکے کے بالائی حصے میں بکریاں چراتا تھا، کہا، کہ تم رات کو میری بکریوں کی رکھوالی کرنا، میں آج مکے میں راگ رنگ کی محفل میں شرکت کرنا چاہتا ہوں، میں روانہ ہو کر مکے کے قریب پہنچا تو مجھے گانے بجانے کی آواز سنائی دی، میں بھی ان میں شامل ہو گیا، اتنے میں خدا نے میرے کان بند کر دیئے اور میں سو گیا۔ دوسرے دن اس وقت جاگا، جب دھوپ نکل آئی۔ دوسری شام کو پھر میں نے ویسا ہی کیا۔ چنانچہ پھر خدا نے میرے کان بند کر دیئے، اور اس وقت جاگا، جب دھوپ نکل آئی تھی۔ اس کے بعد میں نے کبھی بھی کسی ایسے فعل کا ارادہ نہیں کیا، تا آنکہ اللہ نے مجھے خلعتِ نبوت سے سرفراز فرمایا۔

---

[1] زخرف : ۵۲

قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت :- وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ -[1] کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے، کہا گیا ہے، کہ اس سے مراد نبوت کا وہ بوجھ ہے، جو آدمی کی کمر کو سیدھا نہیں ہونے دیتا اور جس کے احکام کی پابندی سخت مشکل ہے، چنانچہ خدا نے یہ مشکل آسان کر دی۔ اور اس بوجھ کو ہلکا کر دیا۔ بعض کی رائے ہے، کہ وِزْر سے مراد وہ ناگوار تبدیلی ہے، جو کفارِ مکہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت میں رائج کر دی تھی، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں روک نہیں سکتے تھے۔ تاآنکہ خدا نے آپ کو تقویت دی اور فرمایا، آپ اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم کی پیروی کریں۔

ایک دوسری آیت میں مذکور ہے :- لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ۔[2] حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ سے کوئی گناہ سرزد ہوتا بھی، جب بھی آپ سے کوئی مواخذہ نہ کیا جاتا۔ ایک قول یہ ہے، کہ اس سے مراد امت کے گناہ ہیں۔ ایک رائے یہ ہے، کہ خطا (ذنب) سے مراد، ترکِ اولیٰ ہے، جیسا کہ مشہور ہے : حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ - امام سبکی لکھتے ہیں، کہ آیت کے سیاق وسباق پر غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں، کہ اس کی صرف ایک ہی توجیہہ ممکن ہے۔ کہ اس سے مراد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور توقیر ہے، حالانکہ آپ سے کوئی قصور سرزد نہیں ہوا۔ یہی تفسیر ان سے پہلے ابنِ عطیہ نے کی۔ وہ کہتے ہیں، اس سے مراد آپ کا احترام ہے، حالانکہ آپ کسی فروگزاشت کے مرتکب نہیں ہوئے۔ اور اس امر کا تصوّر بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ آپ کے حالات کے دو حصے ہیں : اقوال اور اعمال۔ اول الذکر کے بارے میں ارشادِ باری ہے :- وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔[3] رہے اعمال، سو ان کے بارے میں تمام صحابہ کا اس بات پر اجماع ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے۔ اور آپ کے تمام چھوٹے بڑے اعمال میں اقتدا کی جائے۔ اور وہ اس باب میں نہ توقف کرتے تھے۔

---

[1] انشراح : ۲، ۳ [2] فتح : ۲ [3] نجم : ۳، ۴

اور نہ بحث۔ یہاں تک کہ ان اعمال کے بارے میں بھی، جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت اور تنہائی میں سرزد ہوتے۔ جاننے کے خواہش مند ہوتے۔ اور ان پر عمل پیرا ہوتے خواہ آپ کو اس کا علم ہوتا یا نہ ہوتا۔ اور جو شخص بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کے لگاؤ اور تعلق پر غور کرے گا، اسے شرم آئے گی، کہ وہ اپنے دل میں اس کے خلاف عمل پیرا ہونے کا تصور بھی لا سکے۔

ارشاد ہوتا ہے:۔ [1] یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ الْکَافِرِیْنَ۔
اس میں خدا نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تقویٰ کا حکم دیا ہے۔ جس سے خدا کا حاضر ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بعض کے خیال میں اس سے مراد دوام علی التقوی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے، لیکن مراد امت ہے دلیل یہ لکھتا ہے، جو اس آیت کے آخر میں آتا ہے: [2] اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا۔ وہاں بِمَا تَعْمَلُ نہیں کہا۔

[3] فَلَا تُطِعِ الْمُکَذِّبِیْنَ۔ جب خدا نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کفار کا عندیہ بیان کر دیا، اور نیز اس الزام کا جو وہ آپ پر لگاتے تھے، مع اس نعمت کے جو دربارۂ دین اور خلقِ عظیم آپ کو عطا کی تھی، ذکر کر دیا، تو اس کے بعد خدا نے اس چیز کا ذکر کرنا مناسب جانا جس سے آپ کا دل مضبوط ہو، چنانچہ آپ کو اپنی قوم سے تعلق کو مضبوط کرنے کا حکم دیا، تاکہ مسلمانوں کی تعداد کی کمی اور کفار کی کثرت کے باوجود آپ کا حوصلہ بلند رہے (یہ ان سورتوں میں سے ہے، جو ابتدائے اسلام میں نازل ہوئیں) خدا نے حکم دیا:۔ فَلَا تُطِعِ الْمُکَذِّبِیْنَ۔ ان سے مراد سردارانِ قریشِ مکہ ہیں، کیونکہ وہ آپ کو اپنے دین کی طرف بلا رہے تھے، چنانچہ خدا نے آپ کو منع کر دیا۔ اس سے خدا کا مقصد آپ کو ان کے خلاف شدت سے اکسانا تھا۔

[4] فَاِنْ کُنْتَ فِیْ شَکٍّ مِّمَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ فَاسْئَلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ

---

[1] احزاب: ۱ [2] نساء: ۹۴ [3] قلم: ۸ [4] یونس: ۹۴

اَلْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکَ بعض لوگوں کا خیال ہے، کہ اس آیت کے مخاطب آپ کے علاوہ اور لوگ ہیں بعض کہتے ہیں، کہ ظاہر میں تو خطاب آپ سے ہے، لیکن اس سے مراد اور لوگ ہیں۔

وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنَا ھُمُ الْکِتَابَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ۔ یعنی آپ سے اس امر میں، کہ وہ آپ کے بارے میں جانتے ہیں، کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیئے۔

ارشادِ باری ہے:۔ وَلَوْشَاءَ اللّٰہُ لَجَمَعَھُمْ عَلَی الْھُدٰی فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْجَاھِلِیْنَ۔ اس میں خدائے تعالیٰ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی روگردانی پر صبر کا حکم دیا ہے، کہ خواہ مخواہ آپ ان باتوں سے تنگ دل نہ ہوں اور ناواقف لوگوں کی طرح شدت حسرت سے پریشان نہ ہوں۔ ایک روایت کی رو سے، اس آیت کے مخاطب تمام افرادِ امت ہیں، اور قرآن میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں، مثلاً:۔ اِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ اور اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اور اِنْ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِکَ اور وَلَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ۔ ان سب باتوں سے مراد رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی ذات نہیں ہے۔

ارشادِ باری ہے:۔ وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِہٖ لَمِنَ الْغَافِلِیْنَ۔ یہاں غفلت کے وہ معنی مراد نہیں، جو اس آیت میں پائے جاتے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ اٰیَاتِنَا غَافِلُوْنَ۔ بلکہ مراد یہ ہے، کہ آپ یوسف علیہ السلام کے قصّے سے ناواقف تھے، جس کا آپ کو تصوّر بھی نہ تھا، اور نہ ہی اس کی بھنک ہی آپ کے کانوں میں پڑی تھی، چنانچہ آپ کو بذریعہ وحی اس کا علم ہوا۔

ارشاد ہوتا ہے:۔ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ۔ نزغ کے معنی معمولی چھیڑ چھاڑ کے ہیں پس اگر شیطان آپ سے چھیڑ چھاڑ کرکے مشرکین

---

[1] انعام: ۱۱۵ [2] انعام: ۳۸ [3] انعام: ۱۱۷ [4] عمران: ۱۴۹ [5] شوریٰ: ۲۴ [6] زمر: ۶۵
[7] یوسف: ۳ [8] یونس: ۷ [9] اعراف: ۲۰۰

کے عدم التفات کی وجہ سے آپ کو غصہ دلا دے (تو اللہ سے پناہ مانگیے)

ارشاد ہوتا ہے :- وَمَا اَرْسَلْنَاکَ مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَلَا نَبِیٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰی اَلْقَی الشَّیْطَانُ فِیْ اُمْنِیَّتِہٖ[1]-اس آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے، کہ تمنٰی سے مراد اس مقام پر تلاوت ہے۔ اور شیطانی القا سے مراد، وہ خیالات ہیں، جو اس دوران میں انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ قاری پر وہم اور نسیان کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ یا سامعین کے دماغوں میں تحریفِ مفہوم، یا غلط تاویل داخل کر دیتا ہے جسے خدا زائل کر کے دل و دماغ سے محو کر دیتا ہے اور التباس کو رفع کر کے حقیقت کو واضح کر دیتا ہے۔

ارشاد ہے :- عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَاءَہُ الْاَعْمٰی[2]-اس آیت میں اور نیز بعد کی آیات میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی فروگزاشت کی نشاندہی نہیں کی گئی، اور اس سلسلے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل اور کافر سے اعتنا (کہ وہ اسلام قبول کرے) میں اللہ کی اطاعت ہے، تبلیغِ دین ہے اور اس کو حسبِ اجازتِ شرع مائل بہ اسلام کرنا ہے۔ نہ کہ معصیت یا احکامِ الٰہی کی مخالفت ہے، اور اس واقعہ کے بیان کرنے سے خدا کا مقصد آپ کو دونوں آدمیوں کی کیفیت سے آگاہ کرنا ہے اور نیز کافر کی توہین اور اس سے اعراض کا حکم دینا ہے۔

وَمَا عَلَیْکَ اَنْ لَّا یَزَّکّٰی[3] یعنی اگر وہ کافر اسلام قبول کر کے کفر کی نجاست کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا، تو آپ کا کچھ نہیں بگڑتا یعنی آپ کو ان کفار کے قبولِ اسلام کی خواہش اتنی شدید نہیں ہونا چاہیئے، کہ آپ ان لوگوں سے، جو قبولِ اسلام پر آمادہ ہیں، بے اعتنائی برتیں۔ کیونکہ آپ کا کام تو صرف ابلاغ ہے۔

عَفَا اللہُ عَنْکَ، لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ[4]-ابنِ ابی حاتم نے مسعر سے اور اس نے عون سے روایت کی ہے، وہ کہتا ہے، کہ کیا تم نے اس سے بہتر سرزنش کا طریقہ کبھی

---

[1] حج: ۵۲ [2] عبس: ۱، ۲ [3] عبس: ۷ [4] توبہ: ۴۳

دیکھا ہے۔ کہ سرزنش سے پہلے ہی معافی دے دی گئی ہو۔ قتادہ کی رائے یہ ہے، کہ خدا نے اس آیت میں آپ کو تنبیہ فرمائی۔ اور پھر سورۂ نور میں اجازت دے دی، کہ اگر آپ مناسب سمجھیں، تو ایسا کر سکتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ ؎ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْکَ لِبَعْضِ شَاْنِہِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْہُمْ ۔ اس آیت میں معاملہ آپ کی رائے کے سپرد کر دیا ہے۔ عمرو بن میمون کہتا ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو منافقین کو تخلف عن الجہاد کی اجازت دی گئی تھی اور نہ بدر کے جنگی قیدیوں کا فدیہ قبول کرنے کا حکم ملا تھا۔ اس پر خدا نے جیسا کہ تم دیکھتے ہو، آپ کو سرزنش فرمائی یہ امر آپ کی توقیر اور تعظیم میں مبالغہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے، کہ آپ کسی قابلِ احترام آدمی سے کہیں۔ عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ مَا جَوَابُکَ عَنْ کَلَامِیْ وَعَافَاکَ اللّٰہُ اَلَا عَرَفْتَ حَقِّیْ۔ اس طرزِ خطاب سے مخاطب کی تکریم اور عزت افزائی مقصود ہوتی ہے۔ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے، کہ آپ کو سرزنش کی گئی ہے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اجازت تھی کہ جیسا چاہیں کریں مگر بعد میں خدا نے آپ کو بتا دیا۔ کہ اگر انہیں جانے کی اجازت نہ دیتے، تو منافق بوجہ نفاق بیٹھے رہتے۔ بہر حال اگر اجازت دے دی، تو چنداں حرج نہیں۔

بدر کے قیدیوں کے بارے میں خدائی ارشاد:۔ ؎ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ تَکُوْنَ لَہٗ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ۔ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ اِلٰی آخِرِہٖ ۔ اس بارے میں امام مسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان میں مشرکین کو ہزیمت سے دوچار کیا۔ تو ان میں سے ستر مارے گئے اور ستر جنگی قیدی بنا لیے گئے، تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر نے کہا، یا رسول اللہ! یہ لوگ ہمارے چچازاد، رشتہ دار اور بھائی ہیں، میری رائے ہے، کہ آپ

؎ النور : ۶۲ ؎ انفال : ۶۷

ان سے فدیہ قبول کرلیں، یہ رقم ہمارے لیے کفار کے خلاف باعث تقویت ہوگی۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ خدا انہیں ہدایت کردے اور ہمارے دست و بازو بن جائیں۔ پھر حضور نے فرمایا، "عمر! تمہاری کیا رائے ہے۔ میں نے کہا، بخدا! میں ابوبکر سے متفق نہیں ہوں۔ میری رائے یہ ہے، کہ فلاں آدمی کو جو میرا قریبی عزیز ہے، میرے حوالے کردیں، تاکہ میں اسکی گردن مار دوں، عقیل کو علی کے حوالے کر دیجئے، تاکہ وہ اس کی گردن اڑا دے۔ عباس کو اس کے بھائی حمزہ کے حوالے کر دیجئے، وہ اسے قتل کر دے، تاکہ خدا کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دلوں میں کفار کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کی بات سے اتفاق کیا، اور میری بات نہ مانی۔ اور فدیہ قبول کر لیا۔ دوسرے دن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابوبکر بھی وہیں تھے، اور دونوں رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا وجہ ہے، کہ آپ اور ابوبکر رو رہے ہیں۔ اور اگر کوئی رونے کی بات ہے، تو میں بھی روؤں، ورنہ اس کے سبب کو دور کرنے کی کوشش کروں۔ فرمایا، قبولِ فدیہ کی وجہ سے جو صورتِ حال پیش آئی ہے، میں اس کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ وہ عذاب جو اس کی وجہ سے تم پر نازل ہونے والا تھا، مجھے اتنا نزدیک دکھایا گیا، جتنا کہ یہ درخت ہے۔ پھر یہ آیت اتری[1]: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ۔ آیت کے اختتام تک۔ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ یعنی کثرت سے خوں ریزی کرے، تاکہ کفر ذلیل ہو۔ کفار کی تعداد کم ہو۔ اسلام کی توقیر بڑھے اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو۔ اس آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی فرد گزاشت کا الزام نہیں ہے۔ بلکہ اس میں آپ کی خصوصیت اور باقی انبیاء پر آپ کی فضیلت کا ذکر ہے، گویا خدا یہ کہہ رہا ہے، کہ آپ کے بغیر یہ بات کسی اور نبی کے لیے جائز نہیں۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، کہ میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا ہے، جو اس سے پہلے اور کسی نبی کے لیے جائز نہیں تھا۔ تُرِيدُونَ

[1] انفال: ۶۷

عَرَضَ الدُّنیَا اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں، جن کے دل میں ایسی خواہش پیدا ہوئی، اور انہوں نے اپنا مقصد صرف کثرتِ متاعِ دنیا قرار دیا۔ تُرِیدُوْنَ کا خطاب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کبار صحابہ سے نہیں ہے۔ بلکہ حسبِ روایت حضرت ضحاک جب جنگِ بدر کے دن کفار بھاگ کھڑے ہوئے اور کچھ لوگ لوٹ مار اور مالِ غنیمت کے جمع کرنے میں لگ گئے، تو اس موقعہ پر حضرت عمر کے دل میں اندیشہ پیدا ہوا، مبادا دشمن لوٹ آئے اور ان پر حملہ آور ہو جائے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے:۔ لَوْلَا کِتَابٌ مِنَ اللّٰہِ سَبَقَ ۔ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے، ایک معنی یہ ہیں،" اگر میں فیصلہ کر نہ چکا ہوتا۔ کہ اس وقت تک کسی کو عذاب نہ دوں گا، جب تک پہلے متنبہ نہ کر دوں گا۔ تو تمہیں ضرور سزا دیتا۔ اس سے ثابت ہوا، کہ جنگی قیدیوں کا معاملہ فردگزاشت کی ذیل میں نہیں آتا۔ ایک تفسیر کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم قرآن پر، جو کتابِ سابق ہے، ایمان نہ لا چکے ہوتے (جس کی وجہ سے تم سے درگزر کرنا ضروری ہو گیا) تو مالِ غنیمت کے جمع کرنے پر تمہیں ضرور سزا دی جاتی۔ ایک شخص نے یہ مفہوم بیان کیا ہے اگر ہم پیشتر ہی لوحِ محفوظ میں یہ رقم نہ کر چکے ہوتے، کہ مالِ غنیمت تمہارے لیے حلال ہے، تو تمہیں ضرور سزا دی جاتی۔ ان تفاسیر سے خطا اور فروگزاشت کا عندیہ غلط قرار پاتا ہے، کیونکہ جو شخص بھی کوئی ایسا فعل کرتا ہے، جو جائز ہے، تو وہ کسی جرم کا مرتکب نہیں ہوتا۔

ارشادِ باری ہے:۔ فَکُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا۔[2] قاضی بکر بن العلاء لکھتے ہیں، کہ خدا نے اس آیت میں اپنے نبی کو بتا دیا ہے، کہ آپ کی تاویل دربارۂ حلت مالِ غنیمت و قبولِ فدیہ، ہماری اس رائے کے عین مطابق ہے، جو ہم نے لوحِ محفوظ میں لکھ دی ہے۔ اس سے ثابت ہوا، کہ قیدیوں کے بارے میں آپ کا عمل، بصیرت اور تاویل پر مبنی تھا، جسے خدا نے ناپسند نہیں فرمایا، بلکہ واقعۂ بدر اور جنگی قیدیوں کی کثرت

---

[1] انفال : ۶۸ [2] انفال : ۶۹

کو بیان کر کے اپنی نعمت اور نوازش کا اظہار فرمایا ہے، کہ ہم نے پہلے سے ہی یہ بات لوح محفوظ پر لکھ دی تھی، اس سے سرزنش اور انکار مرادِ نہیں۔

ارشاد ہوتا ہے:- وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا[1] اِذًا لَّاَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ۔ اس کا مطلب یہ ہے، کہ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے، تو قریب تھا، کہ آپ ان کفار کی خواہش کے مطابق چل پڑتے، لیکن ہماری حفاظت آپ کے کام آگئی اور آپ رک گئے۔ چہ جائیکہ آپ ان کی طرف مائل ہوتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے، کہ باوجود اتنی ترغیبات کے حضور نے ان کی بات ماننے کی خواہش نہ کی۔ اور خطا سے بچنے کا دارو مدار تو اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم پر ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا[2] مِنْهُ الْوَتِيْنَ۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے، کہ اگر وہ ہم پر اپنی طرف سے کوئی افترا باندھتا، تو ہم اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے اور اس کے دل کی رگ کاٹ کر اسے ہلاک کر دیتے اللہ نے آپ کو افترا پردازی سے بچا لیا۔

مَاكُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْاِيْمَانُ[3]۔ اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا گیا ہے، کہ آپ ایمان کے اس مفہوم سے جو قرآن میں بالتفصیل بیان ہوا ہے، واقف نہ تھے۔ یہ امر احادیث میں مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم توحید باری کے قائل تھے، اور بتوں کی پرستش سے نفرت کرتے تھے، نیز آپ حج اور عمرہ بھی ادا کرتے تھے۔ حضرت علی سے مروی ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استفسار کیا گیا، کہ کیا کبھی آپ نے بتوں کی پرستش بھی کی تھی، فرمایا نہیں۔ پوچھا کبھی شراب پی، فرمایا نہیں، میں اچھی طرح جانتا تھا، کہ جو کچھ یہ کفار کر رہے ہیں، وہ کفر ہے۔ ہر چند مجھے کتاب اور ایمان کا علم

---

[1] بنی اسرائیل: ۷۴ [2] حاقہ: ۴۴-۴۶ [3] زخرف: ۵۲

میں تھا۔ اور روایت میں ہے، کہ عرب بچے کھچے دین اسماعیل پر قائم رہے. مثلاً حج، ختنہ اور غسل جنابت وغیرہ۔ آپ بتوں کی عبادت کے قریب بھی نہیں جاتے تھے۔ اور اسے معیوب جانتے تھے۔ اور اس دین سے جو خدا نے آپ پر اتارا، ناواقف تھے۔ یہی اس آیت کا مطلب ہے۔

باب ہفتم

اس باب میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت آپ کی سنت کے اتباع اور آپ کے دین کی اطاعت سے بحث کی گئی ہے، اور نیز آپ کی آل اور آپ کے صحابہ سے الفت کو ضروری جاننے اور آپ پر درود وسلام بھیجنے کی تاکید کی گئی ہے۔ یہ باب تین فصول پر مشتمل ہے فصل اوّل میں حضورِ اکرم سے محبت۔ اتباع سنت اور آپ کے دین کی پیروی کے وجوب (فرضیت) پر بحث کی جائیگی۔

فصل اول

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے، کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت وہ مقام ہے، کہ جس کی تمنا ہر چاہنے والے کے دل میں پائی جاتی ہے، اور جس پر عمل کرنے والوں کی نگاہیں لگی رہتی ہیں، اور جس کے لیے عشاق اپنے آپ کو فنا کر دیتے ہیں، اور جس کی روح افزا نسیم عبادت گزار دل کو تروتازہ کر دیتی ہے۔ آپ کی محبت، دلوں کی قوت روحوں کی غذا اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اور یہ ایسی زندگی ہے، کہ جو اس سے محروم ہے اس کا شمار مُردوں میں ہوگا، اور وہ ایسا نور ہے کہ جو اسے نہ پا سکا، وہ اندھیروں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا بس رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی محبّت ایمان، اعمال، احوال

باطنی اور مقاماتِ روحانی کی روح ہے۔ جب انسان، ایسے شخص سے (جو اس سے اس فانی اور اختتام پذیر دنیا میں ایک آدھ بھلائی کرتا ہے، یا اسے کسی ناپائدار مصیبت یا تکلیف سے نجات دلاتا ہے) محبّت کرنے پر مجبور ہے، تو تمہارا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے، جس کا احسان دائمی اور پائدار ہے اور جو تمہیں جہنم کے ابدی عذاب سے چھڑاتا ہے جب ایک شخص ایک غیر آدمی سے بھی جمالِ صورت یا حُسنِ سیرت کی بنا پر محبّت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نبی مکرم اور رسولِ معظم کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہوگی۔ جو اخلاقِ حسنہ کے جامع اور مکارمِ اخلاق کا مجموعہ ہیں اور جن کے باعث ہم دین و دنیا کی سعادتوں اور ظاہری اور باطنی نعمتوں سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔ ایسی مقدس ہستی بذریعہ اولی اس بات کی مستحق ہے کہ اس سے ہم اپنے نفس، اولاد اہل وعیال، مال و متاع بلکہ تمام مخلوق سے بڑھ کر پیار کریں۔ بلکہ اگر ہمارے ہر بال کی جڑ میں اس ذاتِ مقدس کی مکمل اور تام محبت بھی پائی جائے۔ جب بھی ہم اس کا پورا حق ادا نہیں کر سکیں گے۔ قاضی عیاض کی رائے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبتِ کاملہ ایمان کی شرط ہے۔ کیونکہ اس کے خیال میں محبت کے معنی تعظیم و تکریم ہے۔ بعض اور علما کا خیال ہے، کہ تعظیم کے اعتقاد سے یہ لازم نہیں آتا، کہ اس شخص کے دل میں محبت بھی ہو۔ کیونکہ بعض اوقات دل میں کسی چیز کی تعظیم پائی جاتی ہے، لیکن اس کی محبت نہیں ہوتی۔ اس لیے جس کے دل میں محبّتِ رسول نہ پائی جائے، اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں جسے بخاری نے باب ایمان و نذور میں نقل کیا ہے۔ مذکور ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ مجھے دنیا کی ہر چیز سے (سوائے میری ذات کے جو میرے پہلو میں ہے) عزیز تر ہیں۔ فرمایا، اے عمر! تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک مجھے وہ اپنی ذات سے بھی عزیز تر نہ سمجھے۔ اس پر حضرت عمر نے کہا،

مجھے اس ذات کی قسم، جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی، کہ آپ مجھے میری ذات سے بھی، جو میرے پہلو میں ہے، عزیز تر ہیں۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، عمر! ہاں اب یہ درست ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبت کا تعلق اعتقادِ تعظیم سے نہیں، کیونکہ وہ اعتقاد تو حضرت عمر کے دل میں پہلے بھی موجود تھا۔

اس محبت کی ایک علامت یہ ہے، کہ انسان اپنے نفس سے پوچھے، کہ اگر اسے یہ اختیار دیا جائے، کہ وہ اپنی کسی دنیوی غرض سے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی خاطر (بشرطیکہ اس کا امکان ہو) دست بردار ہو جائے، اور یہ دست برداری اسے شاق نہ گزرے، تو ایسے شخص کا دل بلاشبہ آپ کی محبت سے سرشار ہو گا۔ ورنہ نہیں۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں، کہ جو شخص بھی صحیح طور سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے، اس کے دل میں تھوڑی بہت محبت ضرور پائی جاتی ہے۔ ہاں مدارجِ محبت میں فرق ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کے دل میں یہ محبت اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے اور بعض میں ادنیٰ درجے کی۔ جیسا کہ بعض آدمی شہوات میں غرق ہوتے ہیں اور اکثر اوقات ان کی آنکھوں پر غفلت کا پردہ پڑا رہتا ہے۔ تاہم بیشتر تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے، کہ جب ان کے سامنے حضور کا نام لیا جاتا ہے، تو وہ آپ کے شوقِ زیارت میں، اہل و عیال اور مال و متاع سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے نفس کو خطرناک مہمات میں ڈال دیتے ہیں، اور اس کے دل میں یہ رجحان بلا تردد بڑا زبردست ہوتا ہے، چنانچہ ان میں بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں، جو آپ کے روضۂ مبارک اور ان مقامات کی زیارت کو، جہاں آپ کے آثار پائے جاتے ہیں، تمام مذکورہ بالا اشیا پر ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ ان کے دل میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا احترام ہوتا ہے۔ ہاں البتہ یہ محبت متواتر غفلتوں کی وجہ سے سریع الزوال بھی ہے۔ اسی لیے ہر مسلمان کے دل میں خدا اور رسول کی محبت کا پایا جانا ضروری ہے، کیونکہ یہ اسلام کی ضروری شرط ہے۔

اس فیض کی وجہ سے جو لوگوں کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے دین و دنیا میں حاصل ہوتا ہے، آپ سے لگاؤ کے مختلف درجے ہیں، چنانچہ اس باب میں صحابہ کرام کا حصّہ سب سے زیادہ ہے کیونکہ یہ لگاؤ، معرفت (واقفیت) کا نتیجہ ہے، اور صحابہ اس باب میں سب سے آگے ہے۔ ابنِ اسحاق راوی ہیں، کہ احد کی جنگ میں ایک انصار عورت کا باپ، بھائی اور خاوند شہید ہو گئے۔ اس نے دریافت کیا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا، بحمد اللہ، حسبِ مراد آپ بہ خیر و عافیت ہیں۔ کہنے لگی، ذرا مجھے دکھاؤ، دیکھا تو خدا کا شکر بجا لائی اور کہنے لگی، آپ سلامت ہیں تو کسی مصیبت کی کوئی پرواہ نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں مال اولاد اور آباؤ اجداد سے زیادہ پیارے تھے، بلکہ اس ٹھنڈے پانی سے بھی، جو لبِ مرگ پیاسے کو پیش کیا جائے جب اہلِ مکہ حضرت زید بن الدثنہ کو قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر لائے، تو ابوسفیان بن حرب نے مخاطب ہو کر دریافت کیا "اے زید! میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، سچ سچ بتا، کیا تیرا دل نہیں چاہتا، کہ اس وقت محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں ہوتا ہم اسے قتل کرتے اور تو اپنے اہل و عیال میں ہوتا۔ زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، بخدا مَیں تو یہ بھی نہیں چاہتا۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں وہ اس وقت ہیں، کانٹا بھی چبھے اور اور مَیں اپنے اہل و عیال کے درمیان بیٹھا ہُوا ہوں۔" ابوسفیان کہنے لگا، مَیں نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا، جس سے اس کے پیروکار اس طرح محبت کرتے ہوں، جس طرح کہ اصحابِ محمد، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت کرتے ہیں۔ امام البغوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں، کہ مندرجہ ذیل آیت حضرت ثوبان (جو رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے آزاد کردہ غلام تھے) کے بارے میں نازل ہوئی۔ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا[1] حضرت ثوبان کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت

---

[1] نساء : ۶۹

تھی، اور آپ کے فراق کی تاب نہیں لا سکتے تھے۔ ایک دن وہ آپ کی خدمت میں آئے، ان کا رنگ اڑا ہوا تھا، اور آثارِ غم چہرے پر نمایاں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، آج تمہارا چہرہ کیوں مغموم ہے؟ کہا، یا رسول اللہ! مجھے کوئی مرض ہے نہ درد۔ بات صرف اتنی ہے، جب میں آپ کو دیکھ نہیں پاتا تو میں سخت پریشان ہو جاتا ہوں۔ اس پر مجھے آخرت کا خیال آیا، تو گھبراہٹ ہوئی، کہ شاید وہاں آپ کو دیکھنے کا موقعہ ہی نہ ملے، کیونکہ آپ کا مقام تو انبیاء علیہم السلام میں ہو گا۔ اگر میں جنت میں داخل ہوا بھی، تو میرا مقام آپ کے مقام سے بہت پست ہو گا، اور اگر وہاں داخلے کی اجازت نہ مل سکی، پھر تو میں کبھی بھی آپ کو دیکھ نہیں سکوں گا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ اس کو واحدی نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

عامر الشعبی سے روایت ہے، کہ ایک انصاری، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہنے لگا، یا رسول اللہ! آپ مجھے میری جان، مال، اولاد اور خاندان سے عزیز تر ہیں۔ اگر کسی وجہ سے آپ کی زیارت نہ ہو، تو میں آکر آپ کا دیدار کر لیتا ہوں۔ میں سوچتا ہوں، اگر آپ فوت ہو گئے۔ اس پر وہ انصاری رو پڑا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رونے کی وجہ دریافت فرمائی۔ کہنے لگا، میں اس لیے رو رہا ہوں کہ جلد ہی آپ فوت ہو جائیں گے، ہم بھی مر جائیں گے، آپ کو تو انبیاء میں مقام ملے گا، اور ہمیں اگر جنت میں داخلہ ملا بھی، تو آپ کے مقام سے پست تر مقام میں ہوں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سن کر خاموش ہو گئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مقاتل بن سلیمان لکھتے ہیں کہ اس صحابی کا نام عبداللہ بن زید تھا، اور یہ وہی شخص ہیں، جنہوں نے کسی شخص کو خواب میں اذان کہتے سنا تھا، اسی صحابی کے

بارے میں مذکور ہے، کہ وہ اپنے باغ میں کام کاج کرتے تھے، وہاں انہیں اطلاع ملی، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وصال فرما گئے ہیں، انہوں نے دعا کی کہ اے خدا! تو میری آنکھیں بند کر دے، تاکہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کو نہ دیکھ پاؤں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے، کہ دل کی زندگی کا دارومدار، خدا اور اس کے رسول کی محبت پر ہے اور حقیقی عیش انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، جو اپنی آنکھوں کو اپنے حبیب کے دیدار سے ٹھنڈا کرتے ہیں۔ اور جن کی روحوں کو اس سے سکون ملتا ہے، اور دل مطمئن ہوتے ہیں۔ اس کے قرب کی خواہش کرتے ہیں اور اس کی محبت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ہر دل میں ایک جذبہ ہے، جسے صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہی قابو میں رکھ سکتی ہے، اور جو شخص اس جذبے پر قابو نہیں پا سکتا، اس کی ساری زندگی، غم والم اور مصائب و تکالیف کا شکار رہتی ہے۔ صاحب المدارج لکھتے ہیں، کہ کوئی بندہ بھی اس بلند مقام اور اعلیٰ درجے پر فائز نہیں ہو سکتا، جب تک وہ خدا کو نہ پہچانے۔ اور اس رستے پر نہ چلے، جس کے ذریعے خدا تک رسائی ہو سکتی ہے اور جب تک بصیرت کے شعاعوں سے، مادیت کے اندھیروں کو نابود نہ کر دے۔ اس طرح اس کے دل میں آخرت کے شواہد میں سے ایک شاہد اٹھ کھڑا ہو گا، اور یوں وہ انسان کلیتاً آخرت کی طرف کھچا چلا جائے گا۔ فانی تعلقات سے پرہیز کرے گا۔ تصحیح توبہ میں کوشاں ہو گا، ظاہری اور باطنی مامورات کو بجا لائے گا اور ہر طرح کے ممنوع کاموں سے پرہیز کرے گا، پھر وہ اپنے دل کی نگرانی کرے گا اور ایسے امور کے بارے میں جو خدا کو ناپسند ہیں مسامحت نہیں برتے گا اور کسی ایسے کام کا ارتکاب نہیں کرے گا جو لغو ہیں۔ اور اس طرح سے اللہ کے ذکر، اس کی محبت اور انابت (رجوع) سے اس کا دل پاک صاف

ہو جائے گا۔ اس منزل پہ اس کا دل مطمئن ہو جائے گا، اور اس کا نفس، خدائی ارادے کے ماتحت ہو جائے گا۔ اسے اسی کی طلب ہوگی اور اسی کا شوق ہوگا۔ جب وہ اس معاملے میں مخلص ہوگا تو اسے عشقِ رسول عطا ہوگا، اور اس کی روحانیت دل پر قابض ہو جائے گی چنانچہ عشقِ رسول اس کا امام، استاد، معلم، شیخ اور رہبر بن جائے گا، جیسا کہ خدا نے اس کے نبی، ہادی اور رسول کو یہ منصبِ ارزانی فرمایا ہے۔ وہ شخص، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، آپ کی ابتدائی زندگی اور نزولِ وحی کی کیفیت پر غور کرے گا، اور آپ کے صفات واخلاق، آداب، حرکات وسکنات، بیداری وخواب، عبادت اور اہل وعیال اور صحابہ سے حُسن سلوک اور نیز تمام ان اوصاف پر جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہیں، توجہ مبذول کرے گا، اور اس کی اخلاقی حالت ایسی ہو جائے گی گویا وہ بھی آپ کے صحابہ میں شامل تھا۔

علاماتِ عشقِ رسول

ا۔ عشقِ رسول کی سب سے بڑی علامت، رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا اقتدا، آپ کی سنت پر عمل، آپ کے رستے پر چلنا، آپ کی ہدایت اور سیرت کی پیروی، اور حدودِ شریعت کی پاسداری ہے۔ ارشادِ باری ہے:۔ قُلْ[1] إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ۔ اس آیت میں خدا نے، متابعتِ رسول کو بندے کی اپنے اللہ سے محبت کی نشانی قرار دیا ہے۔ اور اس بندے کے لیے، جو نہایت اچھے طریقے سے رسولِ خدا کی پیروی کرتا ہے، اپنی محبت کو اس کا صلہ مقرر کیا۔ اور اسی اتباع کے تناسب سے بندے کو اللہ کی محبت اور محبوبیت عطا ہوتی ہے اور یہ مہم ان دو باتوں کے بغیر کامیاب

---

[1] آل عمران : ۳۱

نہیں ہو سکتی۔ مقصد صرف یہ نہیں، کہ تو اللہ سے محبت کرے، بلکہ یہ ہے، کہ اللہ بھی تجھ سے محبت کرے اور یہ اسی وقت ممکن ہو گا، کہ تو ظاہر و باطن میں اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے، اس کی ہر بات کی تصدیق کرے، اس کے احکام کو ماننے، اس کی دعوت پر لبیک کہے۔ اس کی بندگی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لے اور اس کے حکم اور محبت کے سامنے، غیر کے حکم اور محبت کو ٹھکرا دے۔ اور اگر صورت حال یہ نہ ہو، تو تمہارے سب دعوے فضول ہیں اور تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تم آیت کے اس حصے پر غور کرو۔ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تم سے محبت کرے، نہ یہ کہ تم اس سے محبت کرو، اور یہ مقام رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے اتباع کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ علامہ محاسبی لکھتے ہیں، کہ خدا سے بندے کی محبت کی علامت یہ ہے، کہ وہ اس کی رضا کا پابند اور سنتِ رسول کا پیروکار ہو۔ جب بندہ ایمان کے مزے کو چکھتا ہے، تو اس کے اعضا اور زبان پر اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے، زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہو جاتا ہے اور اس کے اعضا طاعتِ باری کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایمان کی محبت اس طرح اس کے دل میں داخل ہو جاتی ہے، جس طرح کہ ٹھنڈے پانی کی خواہش سخت گرم دن میں سخت پیاسے کے دل میں داخل ہو جاتی ہے اور چونکہ اسے عبادت گزاری سے لذت حاصل ہوتی ہے، اس لیے عبادت کی مشقت ختم ہو جاتی ہے۔ بلکہ عبادت، اس کے دل کی غذا، آنکھوں کی ٹھنڈک اور روح کی مسرت بن جاتی ہے، جس سے وہ بہترین جسمانی لذت حاصل کرتا ہے، چنانچہ عبادت کے وظائف میں کلفت نہیں رہتی۔ ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جس نے میری سنت کو دل سے لگایا، اس نے مجھے دل سے لگایا اور ایسا شخص جنت میں میرا ساتھی

ہو گا۔ ابنِ عطا سے مروی ہے کہ جس شخص نے لزوماً آدابِ سنت کی پیروی کی اللہ اس کے دل کو نورِ معرفت سے جگمگا دے گا اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی پیروی سے (اوامر و نواہی اور افعال و اخلاق میں) بلند تر اور کوئی مقام نہیں۔

ابواسحاق رقی جو جنید بغدادی کے معاصرین سے ہیں، لکھتے ہیں، کہ اللہ کی محبت کی علامت، اس کی اطاعت اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی سنت کی پیروی ہے۔ کسی اور بزرگ کا ارشاد ہے، کہ اتباعِ سنت اور بدعت سے اجتناب کے بغیر کسی شخص سے بھی نورِ ایمان کا ظہور نہیں ہو پاتا۔ بلکہ جو شخص کتاب و سنت سے اعراض کرتا ہے، اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی مشعل سے علم حاصل نہیں کرتا، اگر وہ اپنے دعوے کے مطابق خود کو علم لدنی سے سرفراز بتاتا ہے، تو ایسا علم نفسانی اور شیطانی شمار ہو گا۔ صرف وہی علم لدنی رحمانی شمار ہو گا، جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے حاصل ہو گا۔ اور ایسا علم عبودیت اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے اتباع ہی کا ثمرہ ہو سکتا ہے، اور اسی کی وجہ سے قرآن اور سنت کا ایسا فہم عطا ہوتا ہے، جو صرف اس آدمی کی ذات پر منحصر ہوتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا گیا، کیا آپ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام کے مقابلے میں کوئی خاص چیز بھی عطا کی تھی، کہا نہیں، مگر وہ سمجھ جو خدا بندے کو مطالبِ قرآن کے حل کے لیے عطا کرتا ہے اور یہی حقیقی علم لدنی ہے، اس لحاظ سے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی اطاعت دلوں کی زندگی، آنکھوں کا نور، سینوں کی شفا، نفس کی خوشی، روح کی لذت، اجنبی کے لیے باعثِ انس اور بھٹکے ہوئے لوگوں کے لیے دلیل راہ ہے۔

۲۔ محبتِ رسول کی ایک علامت یہ بھی ہے، کہ وہ بطور مدعی قرآن کے فیصلے پر مطمئن اور راضی ہو، اور خدائی فیصلے کے خلاف اس کے دل میں کوئی دغدغہ

نہ ہو۔ ارشاد ہوتا ہے :۔ فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ، ثُمَّ لَمْ یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ؎ اس آیت کی رو سے، اس شخص سے ایمان کا نام چھین لیا جاتا ہے۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیصلے سے دل میں مطمئن نہ ہو اور اسے تسلیم نہ کرے۔ تاج الدین بن عطا، اللہ لکھتا ہے، کہ خداوند تعالیٰ ہمیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشرب کی لذت سے بہرہ یاب کرے۔ یہ آیت اس امر کی دلیل ہے، کہ ایمان حقیقی صرف اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو قولاً و فعلاً خدا اور رسول کو اپنے نفس پر حاکم بنا لیتا ہے۔ نیز لینے دینے اور محبت اور عداوت کو خدا و رسول کی مرضی کے تابع کر دیتا ہے، پھر خدا نے اس شخص کے بارے میں، جس نے خدائی حکم کو قولاً و فعلاً نہ مانا، یا دل میں اس کے متعلق کدورت رکھی، صرف نفی ایمان پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ اس ربوبیت کی، جو مخصوص بالرسول ہے، قسم کھائی (فَلَا وَرَبِّکَ) جو رسولِ اکرم سے خاص عنایت اور خاص رعایت کی مظہر ہے، اس طرزِ ادا میں قسم سے تاکید پیدا کی گئی ہے، کیونکہ خدا کو معلوم ہے، کہ انسانی نفوس میں غلبے اور تسلط کی خواہش، خواہ اس کے لیے مفید ہو یا غیر مفید، اس کے خمیر میں شامل ہے۔ اس آیت کریمہ میں، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے اتنی زبردست عنایت کا اظہار فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو اپنا حکم اور رسول کے فیصلے کو اپنا فیصلہ قرار دیا۔ چنانچہ انسانوں کے لیے آپ کے حکم کو تسلیم کرنا اور آپ کے اوامر کی تعمیل کو لازمی قرار دیا۔ اور اپنی الوہیت کے بارے میں ان کے ایمان کو رسول کے احکام کے اتباع سے مشروط کر دیا۔ کیونکہ خدا نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی تعریف میں فرمایا ہے :۔ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ؎ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ اس لیے آپ کا حکم، اللہ کا حکم اور آپ کا فیصلہ اللہ کا فیصلہ شمار ہوگا جیسا کہ

؎ نساء : ۶۵ ؎ النجم ۴/۳

ارشادِ باری ہے :- اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ
اسی بات کی یوں تاکید فرمائی :- یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ۔ نیز اس آیت
(فَلَا وَرَبِّکَ) میں آپ کی تعظیم و تکریم کے بارے میں ایک اور اشارہ ملتا ہے۔
کہ خدا نے اپنی ذات کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا (وَرَبِّکَ)
جیساکہ ایک دوسری آیت میں مذکور ہے :- ذِکْرُ رَحْمَۃِ رَبِّکَ عَبْدَہٗ زَکَرِیَّا۔
اس آیت میں بھی خدا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی ذات کی طرف منسوب
کرکے پھر حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنی طرف منسوب کیا، تاکہ لوگ دونوں بزرگوں
کے مقام اور منصب میں فرق کو محسوس کرسکیں۔ پھر خدا نے ظاہری حکم پذیری کو مومن
ہونے کے لیے کافی نہیں گردانا بلکہ یہ شرط بھی عائد کردی، کہ اس آدمی کے دل میں
بھی، خدا کے رسول کے حکم کے خلاف کوئی کدورت اور بددلی پیدا نہ ہونے پائے۔
خواہ فیصلہ اس کی خواہشات کے مطابق ہو، یا مطابق نہ ہو۔ اس بددلی کی وجہ انوارِ
الٰہی کا فقدان اور غیر اللہ کا وجود ہوا کرتا ہے۔ اور مومن ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس
کا دل انوارِ الٰہی سے لبریز ہوتا ہے۔ چنانچہ اس میں وسعت اور انشراح پیدا ہو
جاتا ہے۔ یہ وسعت خدائے علیم کے نور سے پیدا ہوتی ہے، اور اس کے فضلِ عظیم
کی وجہ سے دل کی حدود پھیل جاتی ہیں اور وہ اس کے تمام احکام کی تعمیل کے لیے
مستعد رہتا ہے اور ہر حالت میں، نقض ہو یا ابرام، خود کو اس کے سپرد کردیتا ہے
سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں، جو شخص اپنے تمام احوال میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی سیادت کا احساس نہیں رکھتا، اور اپنی ذات کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
قبضۂ قدرت میں نہیں سمجھتا، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی لذت سے
ناآشنا رہتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے :- کہ تم میں سے کوئی شخص
بھی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا، جب تک وہ مجھے اپنی ذات سے

---

[1] الفتح : ۱۰ [2] مریم : ۲

عزیز تر نہ جانے۔

۳۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کی ایک علامت یہ ہے، کہ انسان قول و فعل سے آپ کے دین کی مدد اور آپ کی شریعت کا دفاع کرے۔ نیز سخاوت، ایثار، حلم، صبر اور تواضع میں آپ کے اخلاق کی پیروی کرے، جو شخص اس طریقے سے اپنے نفس کی تربیت کرتا ہے، وہ ایمان کی حلاوت سے بہرہ ور ہوتا ہے اور ایسا شخص عبادتِ الٰہی سے لطف اندوز ہوتا ہے اور دین کیلئے دکھ اٹھاتا ہے اور فانی دنیا سے منہ موڑ لیتا ہے۔

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کی ایک علامت یہ بھی ہے، کہ اسے مصائب برداشت کرنے میں لطف آتا ہے، کیونکہ عاشق کو عشق میں ایسا لطف آتا ہے کہ وہ مصائب کو بھول جاتا ہے اور ان سے اسے اس دکھ کا احساس نہیں ہوتا جو دوسروں کو ہوتا ہے۔ اس طرح اس میں ایک دوسری فطرت جنم لیتی ہے جو پہلی فطرت سے مختلف ہوتی ہے، اور جذبۂ محبّت کی تقویت کا باعث ہوتی ہے اور اس طرح وہ بیشتر مصائب سے مقابلۃً زیادہ خط اندوز ہوتا ہے۔

۵۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر ذکر کرنا بھی علاماتِ محبت سے ہے، کیونکہ جو شخص جس چیز کو پسند کرتا ہے، وہ بکثرت اس کا ذکر کرتا ہے۔

۶۔ آپ کی محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے، کہ آپ کا نام تعظیم سے لیا جائے۔ اور آپ کا نام سن کر خضوع و خشوع اور انکسار کا اظہار کیا جائے، کیونکہ جو شخص کسی چیز کو پسند کرتا ہے، اس کا نام سن کر اظہارِ خشوع کرتا ہے، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد اکثر صحابہ کی حالت تھی، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا، تو انکسار سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور وہ رو پڑتے

یہی حالت اکثر تابعین کی بھی۔ جو لوگ ان کے بعد آئے، وہ بھی از راہ محبت و شوق اور نیز آپ کی ہیبت اور توقیر کی وجہ سے ایسا ہی کرتے تھے۔ ابو ابراہیم التجیبی لکھتے ہیں، کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام لیا جائے، تو ہر مومن پہ واجب ہے، کہ وہ خضوع وخشوع کا اظہار کرے، باوقار انداز اختیار کرے، اور حرکت بند کر دے، اور یوں اپنے اوپر ہیبت و دہشت طاری کرلے، گویا وہ بذاتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے موجود ہے، اور اس طرح مؤدب ہو جائے، جیسا کہ خدا نے ہمیں اس بارے میں حکم دیا ہے۔ حضرت ایوب السختیانی کی یہ حالت تھی کہ جب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا نام لیا جاتا، وہ اس شدت سے روتے کہ ہمیں ان پر رحم آتا۔ حضرت جعفر بن محمد بڑے ظریف الطبع آدمی تھے، جب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جاتا، ان کا رنگ زرد پڑ جاتا۔ اسی طرح جب عبدالرحمٰن بن قاسم کے سامنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام لیا جاتا، ان کے چہرے کا رنگ ایسا دکھائی دیتا، گویا خون نکال لیا گیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت سے زبان منہ میں خشک ہو جاتی، حضرت عبداللہ بن زبیر کی یہ حالت تھی کہ جب بھی حضور کا نام لیا جاتا، وہ اس کثرت سے روتے، کہ ان کی آنکھوں میں آنسو خشک ہو جاتے امام زہری بڑے ہی خوش خلق اور ملنسار آدمی تھے، لیکن جب آپ کا نام لیا جاتا، تو وہ اس طرح ہو جاتے، گویا نہ تُو انہیں جانتا ہے اور نہ وہ تجھے جانتے ہیں، اسی طرح صفوان بن سلیم عبادت گزار مجتہدین سے تھے۔ جب آپ کا نام لیا جاتا تو رونا دھونا اور آہ وزاری شروع کر دیتے، تا آنکہ لوگ انہیں اسی حال میں چھوڑ کر چل دیتے۔ یہی حال قتادہ کا تھا، جب حدیث سنتے تو ان پر رقت طاری ہو جاتی، یہ روایات قاضی عیاض نے بیان کی ہیں۔

۷۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کا شوق بھی، آپ کی محبت کی

علامات میں سے ہے، جب صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شوق زیارت بے کل اور مضطرب کر دیتا، تو وہ بے تابانہ اٹھ کر آپ کی طرف چل دیتے آپ کی زیارت اور آپ کی صحبت میں بیٹھنے سے مسرت حاصل کرتے اور آپ کو دیکھ کر جویائے برکت ہوتے، عبدہ دختر خالدان بن معدان جو تابعی تھے، راوی ہیں کہ میرے والد سونے سے پہلے شوق سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ (مہاجرین اور انصار کو نام لے لے کر یاد کرتے اور کہتے " اے خدا یہی لوگ میرے خویش اور بھائی ہیں، میرا دل ہر وقت ان کی یاد میں کڑھتا ہے، اور میرا شوق مجھے ان کی طرف کھینچے لیے جا رہا ہے۔ تو جلدی میری روح قبض کر " اسی حالت میں انہیں نیند آجاتی جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ فوت ہونے لگے، تو ان کی بیوی نے کہا، " ہائے افسوس " حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے سنا، تو کہنے لگے، " مقام صد مسرت ہے، کہ انشاء اللہ کل میری ملاقات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ سے ہوگی۔"

۸۔ قرآن حکیم (جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، اور جس سے آپ نے رہنمائی حاصل کی اور لوگوں کی رہنمائی فرمائی اور جس کے مطابق آپ نے عمل کیا) کی محبت بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کی علامت ہے، جب تم یہ اندازہ لگانا چاہو، کہ خود تمہیں اور باقی لوگوں کو اللہ اور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی ذات سے کتنی محبت ہے، تو تم اس محبت کا جو تمہارے دل میں قرآن سے پائی جاتی ہے، اندازہ لگاؤ، اور نیز دیکھو، کہ آیا تمہیں سماعت قرآن سے حظ حاصل ہوتا ہے اور آیا یہ حظ، اس حظ سے جو راگ سننے والوں کو گانے بجانے سے حاصل ہوتا ہے زیادہ ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا، کہ اگر ہمارے دل پاک ہوں، تو کلام اللہ سننے سے ہم کبھی سیر نہ ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا، مجھے قرآن سناؤ۔

عرض کیا، یارسول اللہ! میں آپ کو سناؤں۔ حالانکہ قرآن کا نزول آپ پر ہوا ہے۔ فرمایا میں دوسرے سے سننا پسند کرتا ہوں۔ تعمیلِ ارشاد میں انہوں نے سورۂ نسا کی قرأت کی۔ جب اس آیت پر پہنچے:۔ [1] فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۔ فرمایا بس کافی ہے، آپ نے سر اٹھایا، تو آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی تھیں (بخاری) اور یہ صورتِ حال ہر آدمی کو پیش آتی ہے، جو قرآن کو دل کے کانوں سے سنتا ہے، ارشادِ باری ہے:۔ [2] وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب اپنے اوراد و وظائف میں کوئی آیت تلاوت کرتے تو ہیبت سے ان کا گلا گھٹ جاتا اور وہ گر پڑتے۔ اور ایک آدھ دن گھر میں پڑے رہتے اور لوگ ان کی عیادت کو آتے۔ جب تم کوئی ایسا آدمی دیکھو، جس پر اشعار کے سننے سے وجد وطرب طاری ہو جائے۔ مگر سماعِ آیات سے یہ حالت نہ ہو، تو یہ اس امر کی پختہ تریں دلیل ہے کہ اس کا دل اللہ اور اس کی محبت سے خالی ہے۔ خدا ہمیں اپنے فضل وکرم سے اس لذت سے بہرہ ور کرے۔

۹۔ آپ کی سنت سے محبت اور حدیث کا پڑھنا بھی ایک علامتِ محبتِ رسول ہے، کیونکہ جس شخص کے دل میں ایمان کی حلاوت داخل ہو جائے ایسا شخص جب بھی قرآن کی آیت سنتا ہے یا حدیث پڑھتا ہے اس کی روح، دل اور نفس خوشی سے سرشار ہو جاتا ہے۔

۱۰۔ ایک علامتِ محبت یہ ہے، کہ جب حضور کا ذکر کیا جائے، یا آپ کا مقدس نام سنے تو اس پر ایسی حالت سکر طاری ہو جائے، کہ اس کی روح، دل اور نفس اس میں ڈوب جائیں۔ جس شخص میں مذکورہ بالا اوصاف پائے جائیں ایسا شخص

---

[1] نساء : ۴۱ [2] مائدہ : ۸۳

اللہ اور رسول کی محبت میں کامل شمار ہوگا اور جس میں بعض اوصاف نہ پائے جائیں اس کی محبّت ناقص ہے، مگر اس سے محروم نہیں ہے۔ مثلاً ایک شخص کو شراب نوشی کی وجہ سے حد ماری گئی، تو بعض لوگوں نے اسے بُرا بھلا کہا، اور کہا کہ اسے پوری سزا نہیں ملی۔ آپ نے فرمایا، اسے بُرا بھلا نہ کہو، کیونکہ وہ اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے۔ گویا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا، کہ بایں ہمہ وہ خدا اور رسول کی محبت سے خالی نہیں ہے۔

محبّت اور خلت میں فرق :- محبّت خلت سے بہتر ہے، مگر بعض لوگوں کا خیال ہے، کہ معاملہ اس کے برعکس ہے بعض کہتے ہیں کہ دونوں برابر ہیں، اور ہمارے پیغمبر اللہ کے حبیب ہیں اور خلیل بھی۔ اگرچہ مشہور یہ امر ہے، کہ آپ حبیب ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل ہیں اور اس پر اجماع امت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیا بلکہ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

فصل دوم

اس فصل میں ان احکام کا ذکر ہے، جن میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کے لئے کہا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:- اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ کہا جاتا ہے، کہ یہ آیت ماہِ شعبان میں اتری تھی، اسی وجہ سے اس مہینے کو ماہِ صلوٰۃ کہا جاتا ہے۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں، کہ صلوٰۃ بر محمدؐ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ، فرشتوں کے سامنے آپ کے اوصاف بیان کرتا ہے، اور صلاۃ الملائکۃ کے معنی یہ ہیں کہ فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعا کرتے ہیں۔ فتح الباری میں مذکور ہے، کہ صلوٰۃ کے یہ معنی نہایت عمدہ ہیں۔ بنابریں صلاۃ اللہ بر رسول کے معنی ثنائے رسول اور صلاۃ الملائکہ کے معنی یہ ہوں گے، کہ اللہ سے اس کی رحمت طلب کی جائے اور مقصد طلب الزیادت ہے، طلب اصل الصلوٰۃ نہیں۔ قاضی عیاض نے بکر القشیری سے بیان کیا ہے کہ خدا کی طرف سے صلاۃ علی النبی سے مراد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام میں زیادتی اور اضافہ ہے، اور نبی کے علاوہ کسی اور انسان پر صلاۃ اللہ سے مراد رحمت ہے۔ اس سے نبی اور باقی مومنوں کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے جیسا کہ سورۂ احزاب میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:- اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ۔ اور اسی صورت میں اس سے پہلے مذکور ہے:- ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ۔

---

[1] احزاب: ۵۶ [2] احزاب: ۴۳

اور ظاہر ہے، کہ اس لفظ (صلاۃ) کا جو مفہوم نبی کے لیے موزوں ہے، وہ اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے، جو دوسروں کے لیے موزوں ہے اور اس بات پر امت کا اجتماع ہے، کہ اس آیت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور توقیر کا ذکر جس طریقے سے آیا ہے، ویسا اور کسی اور آیت میں مذکور نہیں۔

علامہ حلیمی لکھتے ہیں، کہ صلاۃ علی النبی کے معنی تعظیم و تکریم ہے، اس بنا پر صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے معنی ہوں گے، اے خدا! تو رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو عظمت عطا کر اور دنیا میں تعظیم سے مراد، آپ کے دین کا غلبہ اور آپ کی شریعت کا دوام ہے اور آخرت میں اس سے مراد ثوابِ جزیل شفاعتِ امت اور مقامِ محمود پر فائز کرنا ہے، اس صورت میں صَلُّوْا عَلَیْہِ کا مطلب ہو گا، تم اپنے رب کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ بھیجنے کے لیے بلاؤ اور صلاۃ علی النبی سے مراد خدا کے احکام کی تعمیل سے اس کے تقرب کی تمنا اور ہم پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض حقوق کی ادائیگی ہے۔ ابنِ عبد السلام لکھتے ہیں، کہ صلوٰۃ بر محمدؐ سے مراد شفاعت نہیں، کیونکہ ہمارے پایے کے لوگ، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے لیے کیسے شفاعت کر سکتے ہیں۔ لیکن خدا نے ہمیں حکم دیا، کہ جو شخص ہم سے بھلائی کرے ہم اس کا بدلہ دیں اور اگر ہم کسی وجہ سے ایسا نہ کریں، تو اس کے حق میں دعائے خیر کریں۔ چونکہ خدا کو معلوم ہے، کہ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ دینے سے قاصر ہیں اس لیے اس نے ہماری رہنمائی فرمائی۔ ابنِ عربی لکھتے ہیں، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا فائدہ درود بھیجنے والے کو ملتا ہے، کیونکہ یہ عمل پختگی عقیدہ، خلوصِ نیت، اظہارِ محبت، مداومتِ اطاعت اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم پر (کیونکہ آپ مقدس وسیلہ ہیں) دلالت کرتا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کے بارے میں علمائے امت

کے کئی اقوال ہیں :۔

(۱) امام شافعی اور ان کے متبعین کی رائے یہ ہے، کہ درود نماز کے آخر میں بہ حالت قعود، تشہد اور سلام کے درمیان پڑھا جائے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے، کہ درود کا پڑھنا (گنتی بغیر) ضروری ہے، لیکن شرط پورا کرنے کے لیے ایک دفعہ پڑھنا ہی کافی ہے۔

(۳) ابوبکر بن بکیر مالکی کی رائے ہے، کہ تعداد کا خیال رکھے بغیر بہ کثرت درود پڑھنا واجب ہے۔

(۴) اکثر احناف، شوافع اور مالکیوں کا قول ہے، کہ جب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جائے، درود پڑھنا واجب ہے، دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس کے سامنے میرا نام لیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہیں بھیجا اور اس اثنا میں مرگیا، وہ داخلِ نار ہوگا۔ خدا ہمیں اس سے بچائے۔ اسی طرح حدیث "رَغِمَ اَنف" بھی بطور دلیل پیش کی جاتی ہے :۔ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔ نیز حدیث شقی :۔ عَبْدٌ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔

(۵) ہر محفل میں کم از کم ایک دفعہ درود پڑھنا واجب ہے، خواہ آپ کا ذکر بار بار کیوں نہ آئے۔

(۶) علامہ زمخشری کی رائے ہے، کہ ہر دعا میں آپ پر درودِ پاک پڑھنا ضروری ہے۔

(۷) علامہ ابنِ جریر طبری کا قول ہے کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم پر درود پڑھنا مستحب ہے۔

(۸) ابوبکر رازی جو احناف سے ہیں، لکھتے ہیں، کہ زندگی بھر میں ایک دفعہ

پڑھنا واجب ہے، نماز میں پڑھے یا یونہی پڑھ لے۔

(۹) ابو جعفر باقر فرماتے ہیں، کہ نماز میں درود پڑھنا واجب ہے، جہاں چاہے پڑھ لے۔

(۱۰) امام شعبی اور اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں، کہ پہلے اور دوسرے تشہد میں درود پڑھنا فرض ہے۔

درود پڑھنے کا طریقہ:۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میری ملاقات کعب بن عُجرہ سے ہوگئی، کہا، کیا مَیں تجھے ایک تحفہ نہ پیش کروں! ایک دفعہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے، ہم نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو ہمیں معلوم ہے کہ آپ پر سلام کیسے بھیجا جائے، لیکن درود کیسے پڑھیں، فرمایا:۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی) اور ابنِ حاتم نے اس روایت کو بالفاظ ذیل بیان کیا ہے۔ جب یہ آیت: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ۔ نازل ہوئی، ہم نے دریافت کیا، یارسول اللہ! آپ پر درود بھیجنے کا کیا طریقہ ہے فرمایا، پڑھو:۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ ابو حمید الساعدی سے روایت ہے، ہم نے دریافت کیا، یارسول اللہ! ہم آپ پر درود

کیونکر بھیجیں۔ فرمایا، کہو :۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (امام احمد ابومسعود انصاری سے روایت ہے، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ہمارے یہاں تشریف لائے اور ہم لوگ سعد بن عبادہ کی محفل میں بیٹھے تھے، بشیر بن سعد نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہمیں خدا نے آپ پر صلاۃ پڑھنے کا حکم دیا ہے، ہم کیسے پڑھیں آپ خاموش ہوگئے، اس وقت ہمارے دل میں خواہش پیدا ہوئی۔ کاش ہم نے یہ بات نہ پوچھی ہوتی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہو : اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ فِی الْعَالَمِیْنَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اور سلام کے بارے میں تو تم جانتے ہی ہو (مالک اور مسلم وغیرہ)، اور اگر تم کہو کہ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ میں تشبیہ کی گنجائش کہاں ہے، کیونکہ یہ طے شدہ امر ہے کہ مشبہ، مشبہ بہ سے کم تر ہوتا ہے اور یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے، کیونکہ تنہا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آلِ ابراہیم سے بدرجہا افضل ہیں حالانکہ یہاں آلِ محمد کا ذکر بھی شامل ہے اور آپ کے افضل ہونے کی وجہ سے وہ صلاۃ جو آپ کے لیے طلب کی جارہی ہے یقیناً اس صلوٰۃ سے جو کسی اور کے لیے طلب کی گئی ہے پائی جائے گی، بدرجہا بہتر ہوگی۔ علماء نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں، حضرت امام شافعی سے یہ قول نقل کیا گیا ہے، کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کا تشبیہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ سے ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے، کہ مشبہ کا مشبہ بہ سے کمتر ہونا لازمی نہیں، بلکہ بعض اوقات تشبیہ، مساوی اور کمتر

چیز سے بھی دی جاتی ہے جیساکہ اس آیت میں : مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ ۔ اندازہ لگاؤ، کہ ایک فانوس کی خدائی نور سے کیا نسبت ہے ۔ امام نووی لکھتے ہیں، کہ بہتر جواب وہ ہے، جو امام شافعی سے منسوب ہے، کہ تشبیہ اصل صلوۃ کی اصل صلوۃ سے ہے یا مجموعے کی مجموعے سے ۔ اور عارف ربانی، ابو محمد مرجانی کی طرف جو جواب منسوب ہے وہ یہ ہے ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :۔ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اور کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اور یہ نہیں فرمایا، کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی مُوْسٰی، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدائی (جلال)، کی ایک جھلک دیکھی تھی اور بیہوش ہو کر گر پڑے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدائی جمال کی تجلی دکھائی گئی تھی کیونکہ محبت اور خلت خدائی جمال کے آثار سے ہیں ۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کہا کہ تم مجھ پر اس طرح درود بھیجو، جیساکہ خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رحمت بھیجی یعنی آپ کے لیے خدا کی جمالی تجلی کی درخواست کی جائے اور اس سے رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان مساوات کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ یہ حدیث، تجلی جمال میں، مشارکت کی متقاضی ہے، اور دونوں کے مقام اور رتبے میں مساوات کا ہونا لازمی نہیں، کیونکہ خداوند تعالیٰ ہر دو آدمیوں کو ان کے مقام اور رتبے کے مطابق اپنی تجلی جمال سے فیض یاب کرتا ہے، خواہ وہ دونوں اس وصف میں شریک ہی ہوں ۔ پس وہ دونوں آدمیوں کو ان کے رتبے اور درجے کے مطابق، اپنی تجلی جمال سے بہرہ ور کرے گا ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے درجے کے مطابق اور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اپنے درجے کے مطابق مستفیض ہوں گے ۔ اس تشریح سے حدیث کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔

اس حدیث میں آل محمدؐ سے مراد وہ لوگ ہیں، جن پر صدقہ حرام ہے، جیساکہ امام شافعی سے منقول ہے اور جسے جمہور علما نے پسند کیا ہے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں، اس

ٰ النور : ۳۵

سے مراد ازواجِ مطہرات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال بچے ہیں. بعض کہتے ہیں، کہ اس سے مراد ساری امت ہے، بعض کہتے ہیں، اس سے مراد پرہیز گار ہیں اس حدیث میں صلاۃ سے مراد ، افضل الصلوات ہے، کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے بہترین اور اعلیٰ چیز پسند فرمائیں گے ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے، کہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہترین صلاۃ بھیجے گا، تو اسے اپنی قسم پورا کرنے کے لیے یہی صورت اختیار کرنا پڑے گی۔ اس کی امام نووی نے تصویب کی ہے۔ ایک روایت میں قسم سے برأت کی صورت یہ ہے کہ وہ یوں کہے : كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُونَ وَكُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُونَ ۔ امام شافعی نے اپنے ایک رسالے کے خطبے میں یہی صورت بیان کی ہے۔

قاضی حسین لکھتے ہیں، کہ برأتِ قسم کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے :۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا هُوَ اَہْلُهٗ وَيَسْتَحِقُّهٗ ۔ اور اگر چاہے، تو اسے اور جو کچھ حدیث میں بیان ہوا ہے جمع کرلے اور امام شافعی کے بیان کردہ الفاظ کا اضافہ کرلے۔ لیکن جو کچھ قاضی حسین نے کہا ہے وہ زیادہ جامع ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ تمام درست روایات پر غور کرے اور ان میں سے ایسے الفاظ تلاش کرلے، جن سے یہ مقصد پورا ہو جائے، تو یہ صورت بہتر ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص مجھ پر صلاۃ پڑھنا چاہے وہ یوں پڑھے :۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰى ـــــ اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۔ (حاکم)

حضرت سلامۃ الکندی سے مروی ہے، کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ لوگوں کو

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کے لیے جو الفاظ سکھاتے تھے ان کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے: "اے خدا، زمینوں کے بچھانے والے آسمانوں کے پیدا کرنے والے، اپنی بہترین رحمتیں اور لاتعداد برکتیں نیز شفیق نوازشات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرما جو تیرے بندے اور رسول ہیں۔ جو بند شے (شرع) کو کھولنے والے اور پہلے ادیان کو ختم کرنے والے، راستی کا ٹھیک طور پر اعلان کرنے والے اور کفر کے لشکروں کو بھگا دینے والے ہیں۔ جب آپ پر ذمہ داری کا یہ بوجھ ڈالا گیا تو تیری اطاعت کرتے ہوئے آپ نے تیرے کام کو آگے بڑھایا، اور تیری رضا کے حصول کے لیے فوراً آگے بڑھے۔ تیری وحی کی حفاظت کی، تیرے عہد کو نبھایا اور تیرے احکام کے نفاذ پر ڈٹ گئے۔ تاآنکہ آپ نے حق کے متلاشی کے لیے شعلہ بھڑکا دیا جس سے اللہ کی نعمتیں، مستحقین تک پہنچ گئیں۔ اسی شعلے کی وجہ سے وہ دل جو فتنوں اور گناہوں کی گہرائیوں میں گر پڑے تھے، راہِ راست پر آگئے، نیز واضح نشانات سے احکامِ الٰہی کا الاؤ اور اسلام کی مشعلیں جل اٹھیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیرے قابلِ اعتماد امین، تیرے مخفی علوم کے خزانچی، یومِ جزا کے شاہد اور تیری طرف سے اہلِ عالم کے لیے نعمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اور تیرے رسول برحق ہیں اور تیری رحمت ہیں۔ اے اللہ! تو اپنے بہشت میں انہیں کھلا مقام عطا کر اور اپنے فضل و کرم سے کئی گنا جزائے خیر دے، تیری یہ رحمتیں تیرے فیض سے خوشگوار ہوں نہ کہ ناگوار اور تیری عطائے جزیل سے وہ بار بار فیضیاب ہوں۔ اے اللہ! تو ان کی عمارت کو تمام اہلِ عالم کی عمارتوں سے اونچا کر دے اور اپنے پاس ان کے قیام اور مقام کو معزز فرما۔ تو ان کے نور کو مکمل کر اور نیز تو اپنے فضل و کرم سے ان کی دعوت کو قبولیتِ عامہ سے سرفراز فرما۔ ان کی گفتگو مبنی بر انصاف ہو، ان کا مشن فارق بین الحق والباطل اور ان کی دلیل اعلیٰ اور ارفع ہو۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے، کہا، جب تم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو، تو عمدہ اور بہتر طریقے سے پڑھو، کیونکہ کون کہہ سکتا ہے، کہ تمہارا درود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا جائے، لوگوں نے کہا، ہمیں سکھائیے، انہوں نے کہا، کہو :- اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِکَ وَ بَرَکَاتِکَ وَ رَحْمَتَکَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ اِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَ رَسُوْلِکَ اِمَامِ الْخَیْرِ وَ رَسُوْلِ الرَّحْمَۃِ۔ اَللّٰھُمَّ ابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یَغْبِطُہٗ فِیْہِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ وَ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

حضرت رویفع بن ثابت انصاری راوی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے میرے لیے مندرجہ ذیل دعا کی، جنت اس پر واجب ہو گئی۔ اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الصِّدْقِ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (طبرانی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص ہم اہل بیت پر درود بھیج کر پورا پورا تولنا چاہیئے تو اسے یوں کہنا چاہیئے :- اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ اَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ ذُرِّیَّتِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (ابو داؤد)

طاؤس سے مروی ہے، کہتے ہیں، میں نے حضرت عبداللہ بن عباس کو حسبِ ذیل انداز میں صلوٰۃ پڑھتے سنا :- اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ شَفَاعَۃَ مُحَمَّدِنِ الْکُبْرٰی

وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ الْعُلْيَا وَاعْطِهٖ سُؤْلَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰی،
کَمَا اٰتَیْتَ اِبْرَاهِیْمَ وَ مُوْسٰی۔

وہ مقام جہاں درود پڑھنا چاہیئے :۔ وہ مقام جہاں درود پڑھنا مشروع ہے :۔ تشہد دوم جس میں صلاۃ پڑھنا واجب ہے، اور تشہد اوّل جس میں درود پڑھنا سنت ہے۔ یہ مختصر ترین صورت میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ہے۔ نیز جمعے اور عیدین کے خطبے، اور جمعے کے دونوں خطبے اس کے بغیر درست نہیں۔ اسی طرح مؤذن کی اذان کے بعد جیسا کہ امام احمد نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم مؤذن کو اذان کہتے سنو، تو جس طرح وہ کہے، تم بھی ساتھ ساتھ وہی الفاظ دہراتے جاؤ، پھر مجھ پر درود پڑھو، کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھتا ہے خدا اس پر دس دفعہ درود پڑھتا ہے۔ پھر تم خدا سے میرے لیے وسیلے کی دعا مانگو، کیونکہ وہ جنت میں ایک ایسا مقام ہے جس کا استحقاق اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کو حاصل ہو گا۔ اور چاہتا ہوں، کہ وہ بندہ میں ہی ہنوں اور جس شخص نے میرے لیے اس وسیلے کی دعا مانگی اس کی شفاعت مجھ پر واجب ہو گئی۔

امام بخاری وغیرہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص بعد از اذان مندرجہ ذیل دعا پڑھتا ہے اس کی شفاعت مجھ پر واجب ہو گئی :۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ آتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَارْفَعْہُ مَقَامًا مَحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ۔ نیز ہر دعا کے شروع، درمیان اور آخر میں درود شریف پڑھا جائے۔ امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم مجھے سوار کے

پیالے کی طرح مت بناؤ، کہ وہ اپنے پیالے کو پانی سے بھرتا ہے، پھر رکھ دیتا ہے، پھر سامان اٹھاتا ہے، اگر پینے کی ضرورت پڑے تو پی لیتا ہے۔ بصورتِ وضو، وضو کر لیتا ہے، ورنہ گرا دیتا ہے۔ بلکہ تم مجھے دعا کے شروع، وسط اور آخر میں دہراؤ۔

نیز درود کا پڑھنا، دعائے قنوت کے آخر میں، بہت ضروری ہے۔ جیسا کہ امام احمد وغیرہ نے حضرت حسن بن علی سے روایت کی، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے بعض کلمات ایسے سکھائے، جنہیں آپ نے دعائے قنوت کے بعد پڑھنے کا حکم دیا:۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ فِیْمَنْ هَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ، وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ، وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ، فَاِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْكَ، وَاِنَّهٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ، وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلَی النَّبِیِّ۔

نیز تکبیراتِ عیدین کے درمیان بھی درود پڑھا جائے۔ یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود نے بیان کی ہے۔ نیز مسجد میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے نکلتے وقت بھی درود پڑھا جائے۔ امام احمد نے حضرت فاطمہ سے روایت کی ہے کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم مسجد میں داخل ہوتے وقت درود پڑھتے اور فرماتے:۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب مسجد سے نکلتے تو پھر درود پڑھ کر آخر میں فرماتے:۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ۔

نیز نمازِ جنازہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے۔ کیونکہ سنت یہ ہے، کہ پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھے اور دوسری کے بعد رسولِ کریم

پر درود پڑھے اور تیسری کے بعد میت کے لیے دعا مانگے اور چوتھی کے بعد یہ الفاظ کہے :۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ لَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ۔ اس بارے میں امام شافعی اور نسائی نے ایک حدیث بیان کی ہے۔

نیز ایامِ حج میں تلبیہ (لبیک) سے فراغت کے بعد، نیز صفا اور مروہ کے مقامات پر قومی اور ملّی اجتماعوں میں اور نیز مجالس برخاست کرتے وقت جیسا کہ امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، کہ جب بھی کوئی ایسا اجتماع ہوا جس میں اللہ کا نام نہ لیا گیا اور مجھ پر درود نہیں بھیجا گیا، ایسا اجتماع ناقص ہوگا۔ خدا چاہے، تو انہیں سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔ حضرت ابوسعید راوی ہیں کہ جب کچھ لوگ اکٹھے ہوں، پھر اٹھ کھڑے ہوں، اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم پر درود نہ بھیجیں خواہ وہ جنت میں داخل کیوں نہ ہو جائیں، جب وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے والوں کا مقام اور درجہ دیکھیں گے، تو ان کے دل میں حسرت پیدا ہوگی۔

نیز صبح و شام کے وقت درود پڑھنا چاہیئے۔ طبرانی نے ابوالدرداء کی حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیان کیا ہے، آپ نے فرمایا، جس نے صبح اور شام کو دس دس مرتبہ درود بھیجا، اسے قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی۔ نیز وضو کرتے وقت درود پڑھنا چاہیئے۔ ابنِ ماجہ نے حضرت سہل بن سعد سے روایت کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو شخص مجھ پر درود نہیں بھیجتا، اس کا وضو نہیں ہوتا۔

اسی طرح جب کوئی چیز بھول جاؤ، تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت

کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب تم کوئی چیز بھول جاؤ، تو مجھ پر درود بھیجو، انشاء اللہ وہ بات یاد آجائے گی۔ اسے ابو موسیٰ المدینی نے بیان کیا ہے نیز چھینک کے بعد جیسا کہ ابو موسیٰ المدینی اور ایک جماعت کی رائے ہے، نیز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کی زیارت کے وقت۔ ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ جب کوئی مجھ پر سلام بھیجے گا۔ تو خدا میری روح کو میرے جسم میں واپس بھیج دے گا اور میں اس کے سلام کا جواب دوں گا۔ ابن عساکر راوی ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جو بھی میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجتا ہے، میں اسے سنتا ہوں اور آپ کا ارشاد ہے کہ جمعے کے دن اور رات کے دوران میں کثرت سے درود پڑھو۔ اوس بن اوس ثقفی راوی ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جمعہ تمام دنوں سے افضل ہے اس دن آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اسی دن ان کی روح قبض ہوئی، اسی دن نفخ صور ہو گا اور اسی دن آسمان سے آگ کا ظہور ہو گا۔ تم کثرت سے مجھ پر درود بھیجو۔ کیونکہ تمہاری کارگزاری میرے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ ہم نے کہا، یا رسول اللہ یہ کیسے ممکن ہے، حالانکہ آپ کی ہڈیاں بھی گل سڑ چکی ہوں گی۔ فرمایا، خدا نے زمین پر انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ (امام احمد وغیرہ)

فضیلتِ جمعہ:۔ بیہقی نے ابوامامہ کی حدیث میں رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے یہ روایت بیان کی ہے کہ آپ نے جمعے کے دن اور رات کو کثرت سے درود پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اگر آپ کہیں کہ اس دن کی خصوصیت میں کیا حکمت ہے، علامہ ابنِ قیم نے یہ جواب دیا ہے کہ حضورِ اکرم سیدالانام ہیں، اور جمعہ سیدالایام ہے، اور اس لیے اس دن کے درود کو باقی دنوں کے درود پر فضیلت حاصل ہے۔ اس میں دوسری حکمت یہ ہے، کہ امت محمدیہ کو

دین و دنیا میں جو بھلائی نصیب ہوئی، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے ہوئی، اور خدا نے اس امت کے لیے دین و دنیا کی بھلائیاں جمع کر دیں۔ اور جو بہتر بھلائی انہیں حاصل ہو گی، وہ جمعے کے دن حاصل ہو گی، کیونکہ اسی دن وہ قبروں سے اٹھ کر جنت میں اپنے محلات میں داخل ہوں گے اور بعد از داخلہ اسی دن ان کے مراتب میں اضافہ ہو گا، اور اسی دن دنیا میں ان کی عید ہوتی ہے۔

اور نیز یہ وہ دن ہے، جب خداوند تعالیٰ ان کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کریگا اور ان کی درخواستوں کو رد نہیں کرے گا، اور امتِ محمدیہ کو یہ تمام نعمتیں رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی معرفت اور آپ کے طفیل حاصل ہوئیں۔ بناءً علیٰ ہذا، آپ کا شکر ادا کرنے کے لیے امتِ محمدیہ پر بقدر اقل یہ ضروری قرار دیا ہے، کہ وہ جمعے کے دن اور رات کے دوران حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہ کثرت درود شریف پڑھیں۔

فضیلت درود:- درود کی فضیلت کا کئی صحیح حدیثوں میں ذکر آیا ہے امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت بیان کی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجا، خدا اس پر دس دفعہ درود بھیجے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے آکر مجھے بتایا، کہ آپ کی امت سے جو شخص آپ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا، خدا اس پر دس دفعہ درود بھیجے گا، اور اسے دس درجے بلند کر دے گا۔ (طبرانی اور ترمذی) ابوطلحہ راوی ہیں، کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور خوشی کے آثار آپ کے چہرے سے نمایاں تھے۔ ہم نے کہا، یا رسول اللہ! آپ کے چہرے پر آثارِ مسرت نمایاں ہیں۔ فرمایا، جبریل آئے تھے، کہنے لگے، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ کو اس

بات سے خوشی نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، جو شخص بھی تمہاری امت سے تجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا، ہم اس پر دس بار رحمت بھیجیں گے اور اسی طرح جو شخص ایک دفعہ سلام بھیجے گا، ہم اس پر دس بار سلام بھیجیں گے۔ (امام احمد وغیرہ) عامر بن ربیعہ راوی ہیں، حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے تو فرشتے اس پر (خواہ وہ زیادہ پڑھے یا تھوڑا پڑھے) باقاعدہ درود بھیجتے رہتے ہیں (امام احمد) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص راوی ہیں، کہ جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجتا ہے، اللہ اور اس کے فرشتے اس آدمی پر ستر بار درود بھیجتے ہیں۔ اب اس کا انحصار اس آدمی پر ہے، خواہ وہ زیادہ پڑھے یا تھوڑا پڑھے۔ حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اکثر آپ پر صلوٰۃ پڑھتا ہوں۔ میں کس قدر اور پڑھوں؟ فرمایا، جو تمہاری مرضی ہے، عرض کیا (دن یا رات کا) چوتھا حصہ فرمایا، تمہاری مرضی، اگر اس پر کچھ اضافہ کر دو گے، تو اس میں تمہاری بھلائی ہے۔ عرض کیا، نصف، فرمایا، تمہاری مرضی، اگر کچھ بڑھا دو، تو اس میں تمہارا بھلا ہے۔ میں نے عرض کیا، دو تہائی، فرمایا، تمہاری مرضی، کچھ اور بڑھا دو، تو فائدے میں رہو گے۔ عرض کیا، میں اپنا سارا وقت آپ پر درود بھیجنے میں گزار دوں گا فرمایا، اس صورت میں تیرے مصائب ختم ہو جائیں گے، اور تیرے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (ترمذی)، امام نووی فرماتے ہیں، کہ صلوٰۃ اور سلام کو علیحدہ کرنا مکروہ ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے، کہ خدا نے مندرجہ ذیل آیت میں دونوں کا حکم دیا ہے:- اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔[1] فتح الباری میں مذکور ہے، اگر صلوٰۃ پڑھے اور سلام بالکل نہ پڑھے تو یہ مکروہ

---

[1] احزاب: ۵۶

ہے، لیکن اگر ایک وقت میں سلام پڑھے اور پھر صلاۃ پڑھ دے، تو اس سے تعمیلِ حکم ہو جائے گی۔

فصل سوم

اس فصل میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال، قرابت داروں، اہلِ بیت اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت کا ذکر ہے۔

علامہ طبرانی لکھتے ہیں، تجھے معلوم ہونا چاہیئے، کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو تمام کائنات سے منتخب فرمایا، اور اپنے عمومی انعامات سے آپ کو مختص کیا، تو جو شخص بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ لحاظ نسب یا کسی اور نسبت سے منسوب ہوا، اللہ نے اسے آپ کی برکت سے بلند مقام عطا کیا۔ اور جو شخص بھی آپ کی امداد کے لیے آپ کے قریب آیا، یا آپ کی صحبت میں شریک ہوا، اللہ نے اسے عزت دی، خدا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقربا سے دوستی کو آدمی کی بریت کے لیے کافی گردانا اور آپ کے اہلِ بیت اور اولاد کی محبت کو فرض قرار دیا۔ فرمایا :- قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى[1]۔ مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو صحابہ نے دریافت کیا، یارسول اللہ! آپ کے قرابت دار کون ہیں؟ فرمایا، علی، فاطمہ اور ان کے دو بیٹے۔ ارشاد ہے: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا[2]۔ اس آیت میں جن اہلِ بیت کا ذکر ہے۔ ان کے بارے میں اختلاف

---

[1] الشوریٰ : ۲۳ [2] احزاب : ۳۳

ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، کہ یہ آیت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کے راوی ابو حاتم ہیں، جنہوں نے حضرت عکرمہ سے روایت کی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف فرما تھے، کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک دیگچی میں خزیرہ (گوشت میں آٹا ملا کر پکاتے تھے) لیے آئیں۔ فرمایا، علی اور بچوں کو بُلا لاؤ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گئیں اور انہیں بلا لائیں۔ وہ آئے اور خزیرہ کھانے لگ گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی اور میں اپنے حجرے میں نماز پڑھ رہی تھی۔ اس اثنا میں یہ آیت نازل ہوئی۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے چادر کا پلو بڑھایا اور ان سب کو اس سے ڈھانپ کر ہاتھ باہر نکالے اور آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا، اے خدا! یہ لوگ میرے اہلِ بیت اور مجھ سے خاص ہیں، تو ان سے گناہوں کی نجاست دور کر۔ اور انہیں پاک صاف بنا دے۔ (ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) میں نے بھی سر باہر نکالا اور کہا، یا رسول اللہ! میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔ فرمایا، تو بھی ان میں شامل ہے، اس فقرے کو پھر دہرایا۔

حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ آیت میرے، علی، فاطمہ اور حسنین کے بارے میں اتری ہے۔ حضرت زید بن ارقم راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کو اٹھے، خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا، اے لوگو! میں بھی تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں، قریب ہے کہ خدا کا پیغام موصول ہو، اور مجھے اس کی تعمیل کرنا پڑے، میں تم میں دو نہایت عمدہ چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ پہلی چیز کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت اور نور ہے، تم اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھام رکھو، آپ نے اس پر لوگوں کو اکسایا اور رغبت دلائی۔ پھر

فرمایا، دوسری چیز اہلِ بیت ہیں، میں تمہیں اس باب میں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔ (آپ نے تین بار یہ فقرہ دہرایا) زید سے پوچھا گیا، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہی اہلِ بیت ہیں، کہا بلاشبہ وہ اہلِ بیت میں شامل ہیں، لیکن یہاں اہلِ بیت سے، تمام وہ لوگ مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ پوچھا، وہ کون ہیں؟ کہا، آلِ علی، آلِ جعفر، آلِ عقیل اور آلِ عباس۔ پوچھا، کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے، کہا، ہاں۔ اور بلاشبہ جو شخص بھی قرآن پر غور کرتا ہے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ ازواجِ مطہرات اس آیت میں شامل ہیں۔ کیونکہ سیاق کلام کا تعلق ان سے ہے۔ یہ ابن عطیہ کی رائے ہے۔ حالانکہ جمہور کا خیال یہ ہے، کہ اس سے مراد علی، فاطمہ اور حسنین ہیں۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں، فرمایا، جلدی ہی مجھے بلایا جائے گا اور مجھے تعمیل کرنا ہو گی، میں تم میں دو اعلیٰ اشیا چھوڑ رہا ہوں، کتاب اللہ اور میری اولاد۔ کتاب اللہ وہ رسی ہے، جو زمین و آسمان کے درمیان بندھی ہوئی ہے اور عترت سے مراد اہلِ بیت ہیں، اور مجھے خدا نے آگاہ کر دیا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے اس وقت تک علیحدہ نہیں ہوں گے، جب تک کہ حوضِ کوثر پر میری اور ان کی ملاقات نہ ہو جائے گی۔ اب یہ تمہارا کام ہے، تم سوچو کہ میرے بعد ان سے کیا سلوک کرو گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے لوگو! تم رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو ان کے اہلِ بیت کے بارے میں کوئی دکھ نہ دینا۔ نیز فرمایا، رسول کریم کے قرابت دار مجھے اپنے قرابت داروں سے زیادہ عزیز ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اللہ سے اس لیے محبت کرو کہ وہ تمہیں رزق دیتا ہے، اور مجھ سے اس لیے محبت کرو کہ تم اللہ سے محبت کرتے ہو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہلِ بیت سے محبت کرو۔ امام احمد مناقب میں لکھتے ہیں، کہ جسے اہلِ بیت سے بغض ہو، وہ منافق ہے۔

بخاری میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا، تمہاری نسبت مجھ سے وہی ہے، جو حضرت ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے حاصل تھی، ہاں مگر میرے بعد کوئی آدمی نبی نہیں ہو سکتا۔ ایک دوسری روایت میں یوں مذکور ہے، کیا تمہیں یہ پسند نہیں، کہ میرے بعد تمہاری حیثیت ایسی ہو جیسی کہ حضرت ہارون کی حیثیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تھی۔ چونکہ حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں خلیفہ تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ حضرت علی بھی، حضور کی زندگی میں آپ کے خلیفہ رہے۔ رہی ترمذی اور نسائی کی یہ حدیث:۔ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاه۔ امام شافعی لکھتے ہیں، اس سے مراد اسلامی بھائی چارہ ہے جیساکہ ارشاد ہوتا ہے:۔ ذَالِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَاَنَّ الْكَافِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ۔ ایک روایت میں آیا ہے آپ نے فرمایا، جس نے علی کو دکھ دیا، اس نے مجھے دکھ دیا۔ (امام احمد) مختص الذہبی کی روایت میں ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، "جس نے علی سے محبت کی، اس نے، مجھ سے محبت کی۔" نقاش لکھتے ہیں کہ مندرجہ ذیل آیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں نازل ہوئی:۔ اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ حضرت محمد بن حنفیہ فرماتے ہیں، کوئی ایسا مومن نہیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اہلبیت سے محبت نہ کرتا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ تمام انسانوں اور حضرت علی تمام مردوں سے زیادہ عزیز تھے۔ بخاری میں مذکور ہے، آپ نے فرمایا، فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، اسے جس نے ناراض کیا، اس نے مجھے ناراض کیا۔ اس سے امام سہیلی نے یہ نتیجہ نکالا

ل محمد : ۱۱ ۔ ط : ۹۶

ہے، کہ جو شخص حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کرتا ہے، وہ کافر ہو جاتا ہے۔ حضرت اسامہ بن زید راوی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن و حسین کے بارے میں فرمایا۔ اے خدا! مَیں ان دو سے محبت کرتا ہوں، تُو بھی ان سے محبّت کر اور اس سے بھی محبت کر، جو ان سے محبت کرتا ہے۔ حافظ سلفی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں، مَیں جب بھی حسن بن علی کو دیکھتا ہوں، تو میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے، کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے تشریف لائے اور مَیں مسجد میں بیٹھا تھا۔ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ پر سہارا لے لیا، تا آنکہ ہم بنو قینقاع کے بازار میں آئے اِدھر اُدھر دیکھا، لوٹے اور آکر مسجد میں بیٹھ گئے۔ فرمایا، میرے بیٹے کو بلاؤ، اتنے میں حضرت حسن بھاگتے آئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گود میں گر پڑے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے منہ کو کھولتے تھے، پھر اپنا منہ ان کے منہ میں ڈالتے، فرماتے، اے اللہ! مَیں اس بچے سے محبت کرتا ہوں، پس جو اس سے محبت کرتا ہے، تُو اس سے محبت کر۔ یہ بات تین دفعہ دہرائی۔ فرمایا جس نے مجھ سے محبت کی اور ان دو بچوں اور ان کے والدین سے محبت کی، وہ قیامت کے دن میرے درجے میں ہو گا۔ یہاں معیت سے مراد، درجے میں برابری نہیں، بلکہ مراد رفع حجاب ہے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:۔ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ۔ عقبہ بن حارث سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں مَیں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ وہ حضرت حسن کو اٹھائے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے، بخدا حسن باپ کے بجائے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہ ہے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ مسکرا رہے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا، مجھے

سلہ نساء: ۶۹

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، کہ کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ تم سے خدا اور رسول کی خاطر محبت نہ کرے، فرمایا اے لوگو! جس نے میرے چچا کو دکھ دیا، اس نے مجھے دکھ دیا۔ چونکہ ہر آدمی کا چچا اس کے باپ کی مثال ہوتا ہے۔ (ترمذی) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور ان کے بیٹے کو چادر سے ڈھانپ لیا تھا۔ پھر دعا میں فرمایا:- اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِہٖ مَغْفِرَۃً ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا اِلَّا سَتَرْتَہٗ، اَللّٰھُمَّ احْفَظْہُ فِیْ وَلَدِہٖ۔ (ترمذی) ابن السّری کی روایت میں ہے۔ کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کالی چادر سے جس میں سُرخ دھاریاں تھیں، ڈھانپ لیا اور فرمایا:- اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ وَعِتْرَتِیْ، فَاسْتُرْھُمْ مِنَ النَّارِ کَسَتْرِھِمْ بِھٰذِہٖ الشَّمْلَۃِ۔ اس گھر میں کوئی اینٹ اور کوئی دروازہ ایسا نہیں تھا جس نے اس دعا پر آمین نہ کہی ہو۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقیل سے فرمایا، مجھے تجھ سے دو طرح کی محبت ہے، ایک تو اس لیے کہ تو میرا قرابت دار ہے اور ایک اس لیے کہ مجھے معلوم ہے، کہ میرا چچا تجھ سے محبّت کرتا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن فرمایا، کہ ابوسفیان بن حارث میرے اچھے رشتہ داروں میں سے ہے۔ (حاکم) ابوسعید راوی ہیں، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا جو شخص میرے اہلِ بیت سے عداوت رکھتا ہے۔ خدا اسے جہنم میں داخل کرے گا۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ان چار الفاظ: آل، اہل، عترت اور ذوی القربیٰ کے معنی ملتے جلتے ہیں اور مامونِ عباسی کے زمانے میں، یہ لوگ بالخصوص شرفا سبز رنگ کا جبہ پہنتے تھے۔ پھر آٹھویں صدی ہجری کے آخر تک اس کا استعمال بند

ہوگیا۔ بعد میں سلطان اشرف نے ۷۷۳ ہجری میں حکم دیا، کہ بہ غرض امتیاز پگڑیوں پر سبز رنگ کی پٹی باندھ لی جائے، چنانچہ مصر اور شام وغیرہ میں اس پر باقاعدہ عمل ہوتا رہا۔

فضیلت صحابہ کرام: صحابہ کرام کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ اس آیت میں خدا نے یہ بتایا ہے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں جس میں کوئی شک نہیں پھر صحابہ کی تعریف میں فرمایا، کہ وہ کفار کے خلاف شدید جذبات رکھتے ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس کے بعد اسی آیت میں بیان فرمایا، کہ وہ اپنے اعمال میں بڑے مخلص ہیں، چنانچہ جو شخص بھی ان کو دیکھتا ہے، اسے ان کی پیشانی کے نشان دیکھ کر ان کے خلوصِ نیت اور حسن اعمال پر تعجب ہوتا ہے، پھر ارشاد ہوتا ہے: ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ۔ یہی حالت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ہے، انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تائید کی اور آپ کی مدد کر کے اس طرح آپ کا ساتھ دیا، جس طرح تنا اور دانہ ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ اسی آیت سے حضرت امام مالک نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے، کہ روافض جو صحابہ کرام کی مخالفت کرتے ہیں، کافر ہیں۔ کیونکہ وہ صحابہ سے بغض اور عناد رکھتے ہیں اور یہی بغض وجہ کفر ہے۔ چنانچہ علما کی ایک جماعت اس باب میں امام مالک کی ہم نوا ہے۔ صحابہ کی فضیلت کے بارے میں کافی احادیث ہیں مگر اس سلسلے میں خدا کی پسندیدگی اور رضا ہی کافی ہے۔ خدا نے ان سے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے، خدا

---

[1] فتح ۴۸ : ۲۹ فتح : ۲۹

کا وعدہ سچا ہے اور برحق ہے، اور اس کے الفاظ نہیں بدل سکتے۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

امام مالک فرماتے ہیں، جب عیسائیوں نے صحابہ کرام کو فتح شام کے موقعہ پر دیکھا، تو کہنے لگے، یہ ہمارے حواریین سے بہتر ہیں، کیونکہ ہمارے صحابہ کا ذکر اقوام گزشتہ کی الہامی کتابوں میں موجود تھا۔

صحابی وہ شخص ہے، جو اسلام لایا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے، یہ مدت کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہو، مستفید ہوا، یا آپ کو دیکھا، اور پھر حالتِ اسلام میں فوت ہوا۔ تمام علمائے قدیم وجدید اس پر متفق ہیں، کہ صحابہ کرام تمام مخلوق سے باستثنائے انبیاء و ملائکہ مقربین افضل اور اعلیٰ ہیں۔ جیسا کہ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ۔ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ۔ فتح الباری میں مرقوم ہے، کہ قرن سے مراد متقارب زمانوں کے وہ لوگ مراد ہیں، جن میں کوئی خوبی مشترک ہو۔ نیز عام زمانہ بھی مراد ہوتا ہے۔ قرن کی مدت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ اس سے دس سال مراد لیتے ہیں اور بعض ایک سو بیس سال۔ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں قرن سے مراد صحابہ ہیں۔ اور صحابہ کی جماعت سے جو شخص سب سے آخر میں فوت ہوا، وہ بالاتفاق ابوالطفیل عامر بن واثلہ اللیثی تھے، جو سن سو ہجری میں فوت ہوئے۔ صحابہ کی تعداد کا صحیح علم صرف اللہ کو ہے، کیونکہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بعثت سے آپ کے وصال تک کافی لوگ ایمان لائے، ایک روایت میں ہے، کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ بہ اجماع اہل السنت والجماعۃ سب سے بہتر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

بعض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان میں سفیان ثوری شامل ہیں۔ مگر جمہور علما حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے ہیں۔ امام مالک اس باب میں خاموش ہیں۔ اور وہ کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتے۔ امام ابو منصور بغدادی کی رائے ہے کہ ہمارے تمام لوگوں کا اس پر اتفاق ہے، کہ اصحاب اربعہ سب سے بہتر ہیں اور ان کے بعد عشرہ مبشرہ کے باقی چھ حضرات :۔ طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمان بن عوف اور عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم۔

امام طبری نے الریاض میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، خدا نے تم پر ابوبکر، عمر، عثمان اور علی کی محبت اس طرح فرض کر دی ہے، جس طرح نماز، زکات، روزہ اور حج فرض کر دیا ہے۔ جو ان کی فضیلت کا منکر ہے، اس کی یہ عبادات منظور نہیں ہوں گی۔ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث میں مذکور ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ ابوبکر کی محبت میری امت پر فرض ہے۔ انصاری نے حضرت انس سے اس روایت کا اخراج کیا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، "اے ابوبکر! کاش میں اپنے بھائیوں سے مل سکتا" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، ہم آپ کے بھائی ہیں، فرمایا، نہیں تم میرے اصحاب ہو، میرے بھائی وہ لوگ ہیں جنہوں نے دیکھے بغیر میری تصدیق کی اور مجھ سے اتنی محبت کی، کہ میں انہیں ان کی اولاد اور اجداد سے زیادہ عزیز ہوں۔" اس پر صحابہ نے سن کر کہا، یارسول اللہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں۔ فرمایا نہیں بلکہ تم میرے صحابی ہو۔ اے ابوبکر! کیا تم ان لوگوں کو پسند نہیں کرتے، جو تجھ سے اس لیے محبت کرتے ہیں، کہ تو مجھ سے محبت کرتا ہے، کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان لوگوں سے اس وقت

تک محبت کرتا رہوں گا۔ جب تک وہ مجھ سے (آپ سے محبت کی وجہ سے) محبت کرتے رہیں گے پس اس شخص کی محبت، جس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اہلِ بیت اور صحابہ کی طرح محبت کرتے ہیں، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے محبت کی علامت ہے جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت اللہ کی محبت کی علامت ہے۔

اسی طرح اس شخص کی عداوت جو صحابہ سے عداوت کرتا ہے اور اس شخص کا بغض جو ان سے بغض روا رکھتا ہے اور انہیں گالیاں دیتا ہے (گویا یہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت اور بغض کے مترادف ہے) جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے، وہ اس سے محبت کرنے والے سے بھی محبت کرتا ہے اور عداوت کرنے والے سے عداوت رکھتا ہے۔ ارشادِ باری ہے:۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ اس لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت، صحابہ، اولاد اور ازواجِ مطہرات کی محبت مقرر واجبات سے ہے اور ان کا بغض تباہ کرنے والا ہے۔ ان حضرات کا حقِ محبت اس امر کا متقاضی ہے، کہ ہم ان کی توقیر کریں اور ان کے حقوق بجا لائیں۔ ان کی اقتدا کر کے ان کی سنت پر چلیں، ان کے طور طریقے اپنائیں اور ان کے اقوال پر، جن میں عقل کو مداخلت کی گنجائش نہیں، عمل پیرا ہوں۔ نیز ہم ان کی تعریف کو (ان کے عمدہ اوصاف اور بہترین خوبیوں کی وجہ سے) اس طرح بیان کریں، کہ ان کی تعظیم کا اظہار ہو۔ خدا نے اپنی کتاب میں ان کی تعریف بیان کی ہے، اور جس کی تعریف خدا نے بیان کی ہو، ان کی تعریف کرنا ضروری ہے۔

شیخ ولی الدین عراقی کہتے ہیں جس نے اس امر کو جان لیا، کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الامت بالترتیب ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم ہیں لیکن وہ علی کو ابوبکر سے اچھا جانتا ہے، اگر یہ دینی محبت ہے، تو یہ بے معنی ہے،

ے الحشر : ۲۲

کیونکہ محبت افضلیت کی متقاضی ہے اور یہ آدمی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا زبانی قائل ہے اور دلی طور پر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا قائل ہے اور یہ دینی محبت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت سے زیادہ ہے اور یہ ناجائز ہے اور اگر یہ دینوی محبت ہے، کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہے یا کسی اور وجہ سے وہ ایسا کرتا ہے۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم حضرت سہل بن عبداللہ تستری لکھتے ہیں، جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کا احترام نہیں کرتا اور آپ کا حکم بجا نہیں لاتا، وہ مومن نہیں۔

نیز صحابہ کرام کے درمیان جو جھگڑے اور اختلافات پیدا ہوئے، ان کے بارے میں خاموشی ضروری ہے اور مورخین کی طعنہ آمیز باتوں اور جاہل راویوں اور شیعوں کی گمراہی اور مبتدعین کی لغویت سے صرف نظر کرنا چاہیئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب میرے صحابہ کا نام لیا جائے، تو زبان روک لو۔ اور لوگوں سے یہ التماس کی جاتی ہے، کہ صحابہ کرام کے درمیان جو جھگڑے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے، ان کی عمدہ تاویل کی جائے، اور انہیں بہتر صورت میں پیش کیا جائے، کیونکہ صحابہ اس رعایت کے مستحق ہیں، جیساکہ ان کے مناقب میں مشہور ہے اور ان کے تذکروں میں مذکور ہے۔ جن میں سے بعض کا ذکر بھی باعثِ طوالت ہو گا۔ صحابہ کے درمیان جو جھگڑے پیدا ہوئے اور جو لڑائیاں لڑی گئیں ان کی مناسب تاویلات کی گئیں اور تعبیرات بیان ہوئیں۔ اس بنا پر صحابہ کو گالیاں دینا اور لعن طعن کرنا کفر ہے جب یہ حرکت قطعی دلائل کے خلاف ہو۔ مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت وغیرہ، ورنہ وہ فسق اور بدعت ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے لوگو! تم میری بہنوں، سسرال اور صحابہ کے بارے میں زبانیں بند رکھو، کیونکہ ان کی غلطیوں کے بارے میں تم سے

پوچھ گچھ نہیں ہوگی اور یہ ایسا جرم ہے جو معاف نہیں کیا جاسکتا۔ (خلعی) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد تم انہیں اپنی نفسانی اغراض کا ہدف نہ بنانا، جو شخص ان سے محبت کرے گا وہ مجھ سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض کرے گا وہ مجھ سے بغض کا مرتکب ہوگا، جو انہیں دکھ دے گا، وہ مجھے دکھ دے گا۔ اور جس نے مجھے دکھ دیا، اس نے خدا کو دکھ دیا، عجب نہیں کہ خدا اس سے مواخذہ کرے (مخلص الذہبی) اور یہ حدیث ایک طرح سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے دربارۂ صحابہ جس میں ان سے الفت کی ترغیب دی گئی ہے اور بغض سے ڈرایا گیا ہے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ان کی محبت ایمان ہے اور ان کی عداوت کفر ہے۔ کیونکہ حب صحابہ کی عداوت، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی عداوت قرار پاتی ہے تو حدیث سابق (لن یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ نَفْسِہٖ) کی روشنی میں یہ کفر ہے۔ نیز یہ اس امر کی دلیل ہے، کہ صحابہ کرام حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنے قریب تھے، اور انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات سے ایسی عینیت حاصل تھی کہ ان کی تکلیف رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی تکلیف کا باعث بن گئی۔ اور آپ کی ذات تک پہنچ گئی۔ ایک حدیث میں آیا ہے، جو میرے صحابی کو گالی دے اسے کوڑے لگاؤ۔

باب ہشتم

اس باب میں مریضوں اور مصیبت زدہ لوگوں کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طب نیز خوابوں کی تعبیر اور اخبار غیب کا ذکر ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے، کہ کوئی شخص بھی ان علوم کے سمندروں میں سے جو خدا نے آپ کو سحاب معرفت سے عطا فرمائے ہیں، ایک نقطے یا ایک قطرے تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور جب تو خدا کے ان انعامات پر غور کرے گا، جو قرآن (جوامع العلم) کی شکل میں آپ کو دیئے گئے ہیں، نیز ان عجیب وغریب حکمتوں، آپ کی پاکیزہ سیرت، پر از حکمت گفتگو، گزرے ہوئے ادوار اور گزشتہ اقوام اور موجود مذاہب کے وہ واقعات جو ان اقوام کے انبیاء علیہم السلام کو پیش آئے (مثلاً حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کی ملاقات، حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا واقعہ، اصحاب کہف، ذوالقرنین کے قصے، تخلیق عالم کی ابتدا اور قیامت کے حالات) نیز وہ باتیں جو توریت، انجیل، زبور اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں مذکور ہے۔ اسی طرح انبیاء اور ان کی امتوں کے کوائف، ان کے علوم کے رموز، ان کی شریعتوں کے پوشیدہ حالات، ان کی کتابوں کے اسرار وغیرہ سے آپ کو مطلع فرمایا۔ یہ وہ امور ہیں، کہ علماء نے جن کی تصدیق کی، اور آپ کی بیان کردہ

باتوں میں سے کسی چیز کی تکذیب نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ خدا نے آپ کو مقدس علم بہترین اخلاق و عادات، مواعظ و حکم اور عوام کی تنبیہ کے لیے عقلی دلائل کے مختلف طریقوں کے استعمال اور واضح دلائل سے مختلف امتوں کی تردید فرمائی۔ اور بعض ایسے علوم کے مختلف شعبوں کا اشارہ بھی ملتا ہے جسے اہلِ زبان نے اپنا رہنما اصول قرار دیا۔ مثلاً علوم عربیہ (صرف و نحو و معانی و بیان) احکام شرعیہ، سیاست عقلیہ اور معارفِ قلبیہ کے حقائق وغیرہ۔ نیز یہی صورت مختلف علوم و فنون اور ان معارف میں پیش آئی، جن کا تعلق امتِ محمدیہ کی بہتری سے ہے۔ مثلاً علمِ طب، خوابوں کی تعبیر اور حساب وغیرہ جن کی کوئی حد نہیں۔ جب تو ان باتوں کو پیشِ نظر رکھے گا، تو تجھے معلوم ہو جائے گا، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے یہ باب اتنا وسیع ہے، کہ ختم نہیں ہو سکتا۔ اور آپ کے علوم و معارف کا سمندر اتنا بیکراں ہے، کہ کسی طرح بھی محدود نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے، کہ یہ تمام امور ایک انسان کے بس کی بات نہیں، ہاں مگر جب اسے قدرت خداوندی کے سمندروں اور غیبی نوازشات سے مدد ملے گی

یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے :-

فصل اوّل

اس فصل میں مریضوں اور مصیبت زدہ لوگوں کے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طب کا ذکر ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے، کہ یہ بات محقق ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مریض صحابہ کی عیادت فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے اپنے

ایک خادم کی جو اہلِ کتاب سے تھا، عیادت کی۔ اور اپنے چچا حضرت ابو طالب کی بھی، دونوں کو اسلام پیش کیا، اوّل الذکر جو یہودی تھا مسلمان ہوگیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مریض کے قریب اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے اور حال پوچھتے۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں، میں بیمار پڑ گیا، حضور نبی کریم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میری عیادت کو آئے۔ مجھے غشی کے دَورے پڑ رہے تھے۔ آپ نے ہاتھ منہ دھویا اور وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا جس سے مجھے ہوش آگیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قریب بیٹھا دیکھا۔ (بخاری وغیرہ)
رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی عیادت کا دن مقرر تھا نہ وقت۔ اس لیے ہفتے کے دن عیادت نہ کرنا خلافِ سنت ہے، جو یہودی طبیبوں کی بدعت ہے۔ اور غیر مسلم طبیب کے علاج سے پرہیز کرنا بہتر ہے بالخصوص جب مریض دینی اور علمی لحاظ سے بہتر ہو۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مریضوں کی طبیعت کی خوشی اور ان کے دلوں کی تقویت کے لیے ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ ابو سعید خدری کی حدیث میں مذکور ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جب تم مریض کے پاس جاؤ، تو اسے موت کی رغبت دلاؤ (جو ہر انسان کا فطری انجام ہے) کیونکہ اس سے اس کا دل ہلکا ہو جائے گا۔ اس حدیث میں اقسامِ علاج سے ایک عمدہ علاج کا ذکر ملتا ہے، اور وہ یہ ہے، کہ ایسی بات کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جو مریض کے دل کو خوش کر دے۔ اور جس سے اس کی طبیعت کو تقویت پہنچے اور اس کی قوت میں بالیدگی پیدا ہو، اور مریض کے نفس کی تفریح اور دل کی خوشی و مسرت کو، مرض کی کمی اور ازالے میں زبردست تاثیر حاصل ہے۔ الھدیٰ میں مذکور ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مریض سے اس کی تکلیف اشتہا اور حالت کے بارے میں دریافت فرماتے، اور

اگر وہ کوئی چیز خواہش کرتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے، کہ اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں، تو اجازت دے دیتے۔ آپ مریض کی پیشانی یا سینے پر ہاتھ رکھ کر دعا فرماتے اور جو چیز مفید ہوتی، تجویز فرماتے۔ اکثر وضو فرماتے اور وضو کا پانی مریض پر چھڑکتے۔ اکثر مریض کو تسلی دیتے اور فرماتے کہ اس بیماری سے تمہارے گناہ جھڑ جائیں گے اور تم پاک صاف ہو جاؤ گے کیونکہ یہ گناہوں کا کفارہ ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ جب رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم مریض کی عیادت فرماتے، تو جہاں تکلیف ہوتی، وہاں ہاتھ رکھتے پھر بسم اللہ پڑھتے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ مریض کی عیادت یہ ہے، کہ تم اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر حال دریافت کرو۔ (ترمذی) اور ایک روایت میں ہے، کہ مریض سے دریافت کیا جائے، کہ اس نے رات کیسے گزاری اور دن کیسے بسر کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خدا نے ہر بیماری کا علاج بھی پیدا کیا ہے۔ (بخاری و مسلم) محدثین لکھتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اے اللہ کے بندو! علاج کراؤ، کہ خدا نے ہر بیماری کا علاج بھی پیدا کیا ہے، سوائے بڑھاپے کے اور ایک روایت میں موت کا لفظ آیا ہے، یعنی ایسی بیماری جس میں مریض کو موت سے ہمکنار ہونا ہے۔ حضرت ابو درداء راوی ہیں، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، ہر مرض کا علاج ہے اس لیے علاج کراؤ لیکن حرام چیز سے پرہیز کرو۔ (ابو داؤد) بخاری میں ہے، کہ خدا نے حرام شے میں شفا نہیں رکھی، اس لیے اس سے علاج کرانا جائز نہیں۔ امام مسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ہر مرض کا علاج ہے، جب مقررہ دوا مل جائے، تو مریض شفایاب ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں اس امر کا اشارہ پایا جاتا ہے، کہ ہر چیز کا سبب ہے اور یہ منافی توکل نہیں۔

جس طرح کہ بھوک اور پیاس مٹانے کے لیے کھانا پینا منافی توکل نہیں ، اسی طرح مصائب سے بچنا اور شفا کی دعا مانگنا اور نقصان سے بچنا بھی منافی توکل نہیں۔ اور بنی اسرائیل کی کتابوں میں مذکور ہے، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے پوچھا، اے خدا بیماری کس نے پیدا کی؟ خدا نے فرمایا، میں نے، پھر پوچھا، علاج کس نے بنایا؟ فرمایا، میں نے، پھر دریافت کیا، طبیب کی کیا پوزیشن ہے؟ فرمایا، میں مرض کا علاج اس کی معرفت بھیجتا ہوں۔

حذاق اطبا کا مقام :- حذاق اطبا کی طب کی حیثیت زیادہ سے زیادہ یہ ہے، کہ وہ وحی کے مقابلے میں قیاس، حدس اور تجربے پر منحصر ہے، جو مفید بھی ہو سکتی ہے اور مضر بھی۔ اس لحاظ سے حاذق طبیبوں کی طب کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی سے ایسی ہے، جیسی کہ ان کے علوم کی نسبت ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات سے۔ کیونکہ آپ کے الہامات میں جو دوائیں، امراض سے شفا بخشتی ہیں، ان تک طبیبوں کی عقلیں نہیں پہنچ سکتیں۔ اور ان کے تجربے، علوم اور قیاسات ان روحانی اور ذہنی دواؤں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے، جو دل کی قوت اعتماد علی اللہ، توکل، انکسار، صدقے، نماز، دعا، توبہ، استغفار اور لوگوں سے بھلائی کرنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ وہ دوائیں ہیں، جنہیں مختلف قوموں نے باوجود اختلاف مسلک آزمایا ہے، اور ان میں شفا کی وہ تاثیر پائی ہے، جو زبردست اطبا کی دواؤں کو بھی حاصل نہ ہو سکی۔ الاصل میں مذکور ہے بخدا میں نے ان ادویہ کو بارہا آزمایا، اور اتنا مفید پایا، کہ حسی دوائیں اس کا پاسنگ بھی نہ تھیں۔ اور بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طب سے شفا کا حصول یقینی ہے۔ کیونکہ اس کا دار و مدار وحی اور مشعل نبوت پر ہے۔ اور باقی لوگوں کی طب حدس اور تجربے پر مبنی ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، کہ طبِ نبی کا استعمال کرنے والا شفایاب نہیں ہوتا. اس کی وجہ یہ ہے، کہ اس طب کے استعمال کرنے والے کا اعتقاد در بارۂ شفا کمزور ہوتا ہے۔ جو صحت کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اس کی واضح مثال قرآن ہے، جو دلی کدورتوں کے لیے باعث شفا ہے لیکن بایں ہمہ بعض لوگ دلی عوارض سے شفایاب نہیں ہوتے کیونکہ اس کے اعتقاد میں قصور ہوتا ہے۔ بلکہ منافق کی دلی نجاست اور ذہنی مرض اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ پس طب نبوی، پاکیزہ اجسام کے علاوہ اور کسی سے سازگار نہیں ہوتی جس طرح قرآنی شفا، صرف مقدس روحوں اور زندہ دلوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ پس طبِ نبوی سے لوگوں کا اعراض ایسا ہی ہے، جیسا کہ قرآن سے ان کا اعراض۔ جو یقیناً شفا بخش ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مریضوں کے علاج میں تین طریقے استعمال فرماتے۔ روحانی ادویہ، طبعی ادویہ اور ہر دو کا امتزاج۔

حصۂ اول

اس فصل میں روحانی ادویہ کا ذکر ہے تمہیں معلوم ہونا چاہیئے، کہ خدا نے قرآن حکیم سے بڑھ کر شفا کے لیے آسمان سے اور ایسی کوئی چیز نازل نہیں کی، جو دفع مرض کیلئے اتنی عام، اتنی مفید، اتنی عظیم اور اتنی مؤثر ہو۔ قرآن امراض کے لیے شفا اور دلی کدورتوں کے لیے جلا ہے۔ ارشادِ باری ہے:۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ[1]۔ اور مِنْ کا لفظ جنس کے معنوں میں آیا ہے۔ نہ کہ بہ معنی بعض۔ پس قرآن روحانی امراض کا علاج ہے جیسا کہ اعتقاداتِ باطلہ اور اخلاقِ مذموم۔ اور امراضِ جسمانیہ سے بھی باعثِ شفا ہے، لیکن قرأتِ قرآن کی برکت سے کئی امراض کا ازالہ ہو جاتا ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو قرآن سے طلبِ شفا نہیں کرتا، خدا اسے شفا نہ دے۔

---

[1] بنی اسرائیل ۸۲

شیخ ابوالقاسم القشیری سے منقول ہے، کہ ان کا بیٹا اتنا سخت بیمار ہو گیا، کہ قریب مرگ پہنچ گیا اور حالت سخت نازک ہو گئی۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، اور لڑکے کی حالت کے بارے میں آپ کو اطلاع دی، فرمایا، تم نے قرآن کی آیاتِ شفا کو پڑھا ہے، میں جاگ اٹھا اور غور کیا، تو قرآنِ حکیم میں چھ ایسے مقام نکلے، جہاں شفا کا ذکر تھا۔ مثلاً:۔ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ[1]۔ اور شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ[2]۔ اور يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ[3] اور وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ[4]۔ اور وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ[5]۔ اور قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ[6]۔ میں نے یہ آیات لکھیں، پانی میں گھولا اور لڑکے کو پلا دیں۔ اس کی ایسی حالت ہو گئی، گویا کہ اس کی رسی کاٹ دی گئی ہو۔

اس طرح تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ پر، جو بعض دعاؤں میں مذکور ہیں، غور کرو، وَاَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَجِلَاءَ حُزْنِيْ وَشِفَاءَ صَدْرِيْ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ راوی ہیں، آپ نے فرمایا، قرآن بہترین دوا ہے۔ اور ایسے موقعے پر ہر آدمی کو وہ بات پیشِ نظر رکھنا چاہیئے، جس کے بارے میں علامہ ابنِ قیم نے متنبہ کیا ہے کہ ایسی تمام آیات اوراد اور دعائیں جن میں بیماری سے شفا طلب کی جاتی ہے وہ فی ذاتہا شفا بخش اور مفید ہیں، لیکن شرط یہ ہے۔ کہ محل قبول کے لیے آمادہ ہو۔ اور نیز دعا کرنے والے کی ہمت اور تاثیر پر منحصر ہے، پس جب بھی شفا رک گئی، اس کی وجہ دعا مانگنے والے کی تاثیر کی کمی یا محل کی عدم قبولیت ہو گی۔ یا اس کی وجہ کوئی ایسا قوی مانع ہو گا جو تاثیرِ دعا کی راہ میں رکاوٹ بن جائے گا، جیسا کہ عام طور پر دواؤں اور حسی

---

[1] التوبہ: ۱۴ [2] یونس: ۵۷ [3] النحل: ۶۹ [4] بنی اسرائیل: ۸۲ [5] الشعراء: ۸۰ [6] سجدہ ۴۴

امراض میں ہوتا ہے۔

دعا کی اہمیت اور مانگنے کا طریقہ:۔ دعا تمام دواؤں سے مفید تر ہے جو مصیبت کی دشمن ہے، اسے روکتی ہے، اس کا علاج کرتی ہے، اسے ہٹا دیتی ہے اور اس میں کمی کرتی ہے اور دعا مومن کا ہتھیار ہے اور جب دعا کے ساتھ حضورِ قلب بھی جمع ہو جائے اور اجابت دعا کے اوقات (مثلاً آخری حصۂ شب) میں واقع ہو، اور پھر وہ خضوع و خشوع، نہایت انکسار اور عاجزی سے پاک صاف ہو کر قبلہ رو ہو، دونوں ہاتھ اٹھائے، خدا کی حمد و ثنا کرے اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم پر صلوٰۃ وسلام پڑھے اور توبہ، استغفار اور صدقے کے بعد اپنی درخواست کو الحاح و زاری سے پیش کرے، اور دعا میں اللہ کے نام اور اس کی صفات کو وسیلہ بنائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت خدا کی طرف متوجہ ہو، ایسی دعا ہرگز رد نہیں ہو سکتی، بالخصوص جب وہ ان الفاظِ دعا کو استعمال کرے جن کی قبولیت کے بارے میں آپ کا ارشاد موجود ہے، یا جن میں اسمِ اعظم مذکور ہے۔

تعویذ اور اس کا جواز:۔ تعویذ ایک طرح کی طبِ روحانی ہے جن میں معوذات وغیرہ اور اسمائے الٰہی کا استعمال ہوتا ہے بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مرضِ موت میں معوذات (سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور والناس) پڑھ پڑھ کر اپنے اوپر پھونکتے تھے، قرآن میں جہاں بھی شیطان سے پناہ مانگی گئی ہے، وہ طبِ روحانی میں شامل ہے، مثلاً وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ۔[1]
تمام علما تعویذ نویسی کے جواز پر متفق ہیں، بشرطیکہ اس میں تین باتیں پائی جائیں، پہلی شرط یہ ہے، کہ تعوذ کلام اللہ، اسمائے الٰہی اور صفات سے حاصل کیا جائے، عربی

---
[1] مومنون : ۹۷

زبان میں ہو یا ایسے الفاظ ہوں، جن کے معنی سمجھے جاسکیں۔ نیز اسے اعتقاد ہو، کہ تعویذ بذاتہ مؤثر نہیں ہو سکتا، بلکہ خدائی تقدیر سے مربوط ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عوف بن مالک سے مروی ہے، کہ ہم زمانۂ جاہلیت میں ٹونے ٹوٹکے کیا کرتے تھے، ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، فرمایا، اپنے ٹونے ٹوٹکے میرے سامنے پیش کرو، فی الجملہ اگر اس میں شرک نہ ہو، تو کوئی حرج نہیں۔ مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فسوں سے منع فرمایا۔ عمرو بن حزم قبیلے کے لوگ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمت میں آئے، اور عرض کیا، یا رسول اللہ! ہمارے پاس ایک منتر ہے، جس سے ہم بچھو کے کاٹے کا علاج کرتے ہیں، فرمایا، پیش کرو (پڑھو) انہوں نے سنایا۔ فرمایا، کوئی حرج نہیں، تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکے وہ ضرور فائدہ پہنچائے۔ مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چشمِ بد، بخار، مرگی، کان اور خون کے فسون کی اجازت دی ہے۔

نظرِ بد کا علاج :- امام مسلم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، نظر کا لگنا درست ہے، اگر کسی چیز کا وقوع مقدر ہو چکا ہے، نظرِ بد اس پر سبقت لے جا سکتی ہے، یعنی نظرِ بد کا لگنا ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ ہاں البتہ اس کی تاثیر، ارادۂ خداوندی کے تابع ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بلا سے نجات کے لیے معوذتین کا کثرت سے پڑھنا تجویز فرمایا ہے۔ نیز سورۂ فاتحہ اور آیۃ الکرسی کی قرأت کا حکم دیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے موقعہ پر مندرجہ ذیل دعا پڑھتے تھے :- اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّ مِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ۔ نیز آپ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں :- اَعُوْذُ

بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُھُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ وَمِنْ شَرِّ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمِنْ شَرِّ مَا یَعْرُجُ فِیْهَا وَمِنْ شَرِّ مَا ذَرَأَ فِی الْاَرْضِ وَمِنْ شَرِّ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ طَوَارِقِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ اِلَّا طَارِقًا یَطْرُقُ بِخَیْرٍ یَا رَحْمَانُ۔

اور جب کسی شخص کو نظرِ بد کا ڈر ہو، تو اس کے شر کو مندرجہ ذیل دعا پڑھ کر دفع کرے۔ اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلَیْهِ۔ اور نظرِ بد سے بچنے کے لیے یہ دعا پڑھے: مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ انہی دعاؤں میں وہ دعا بھی ہے جو حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی۔ (بروایت مسلم) بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُؤْذِیْکَ مِنْ شَرِّ کُلِّ ذِیْ نَفْسٍ اَوْعَیْنٍ حَاسِدٍ، اَللّٰهُ یَشْفِیْکَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِیْکَ۔

امام احمد اور نسائی نے ابوامامہ سے روایت کی، کہ ان کے والد سہل بن حنیف نے انہیں بتایا، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے باہر نکلے، اور کچھ لوگ آپ کے ساتھ ایک چشمے کی طرف روانہ ہوئے، جب وہ جحفہ کی گھاٹی خرار میں پہنچے، تو سہل بن حنیف نے غسل کیا وہ سفید رنگ کے تھے اور ان کا جسم اور جلد بڑی خوبصورت تھی، جب عامر بن ربیعہ کی نظر ان پر پڑی، تو کہنے لگے، میں نے ایسا خوبصورت منظر اور اتنی دیدہ زیب جلد کبھی نہیں دیکھی۔ سہل پر مرگی کا دورہ پڑا اور وہ گر پڑے۔ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، فرمایا، کیا تم کسی کو الزام دیتے ہو، انہوں نے عامر بن ربیعہ کا نام لیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ناراض ہوئے اور فرمایا، بھلا کیوں تم اپنے بھائی کو قتل کرنا چاہتے ہو، جب تم نے یہ عجیب نظارہ دیکھا تو کیوں بارک اللہ نہیں کہا۔ فرمایا، اب تم سہل کی خاطر غسل کرو۔ اس پر عامر

نے منہ ہاتھ اور بازو دھوئے، پھر گھٹنے، پاؤں اور ازار کے اندر کا حصۂ جسم ایک برتن میں دھویا۔ پھر ایک آدمی نے وہ پانی پچھلی طرف سے اس کے سر اور پیٹھ پر ڈالا۔ پھر اس نے برتن اوندھا کر دیا۔ اس کے بعد سہل ہوش میں آ گئے، اور تکلیف جاتی رہی۔

وہ افسوں جس سے حضور نظرِ بد کے علاوہ علاج فرماتے تھے:۔ عبدالعزیز راوی ہیں، مَیں اور ثابت، انس بن مالک سے ملنے گئے۔ ثابت کہنے لگے، اے ابوحمزہ! میری آنکھوں میں درد ہو رہا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا، کیا مَیں تجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا افسوں بتاؤں، کہا ضرور بتاؤ۔ کہنے لگے، کہو! اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّاسِ، مُذْھِبَ الْبَاسِ، اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شَافِیْ اِلَّا اَنْتَ شِفَاءً لَا تُغَادِرُ سَقَمًا۔ (بخاری)

صحیح مسلم میں عثمان بن العاص سے روایت ہے، کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے جسم میں درد کی شکایت کی۔ فرمایا جسم کے جس حصے پر درد ہے، وہاں ہاتھ رکھو، اور تین دفعہ بسم اللہ پڑھو اور سات دفعہ یہ دعا پڑھو:۔ اَعُوْذُ بِعِزَّۃِ اللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَ اُحَاذِرُ۔

ڈر اور نیند نہ آنے کا علاج:۔ حضرت بریدہ راوی ہیں، کہ حضرت خالد نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے شکایت کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے رات کو نیند نہیں آتی، فرمایا جب تو بستر پر لیٹے، تو یہ دعا پڑھا کر:۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظَلَّتْ وَرَبَّ الْاَرَضِیْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقَلَّتْ وَرَبَّ الشَّیَاطِیْنِ وَمَا اَضَلَّتْ کُنْ لِّیْ جَارًا مِّنْ شَرِّ خَلْقِکَ کُلِّھِمْ جَمِیْعًا اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیَّ اَحَدٌ

مِنْهُمْ اَوْ يَبْتَغِ عَلَيَّ عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ - (ترمذی)

مصیبت کا علاج :- امام مسلم، مالک اور امام احمد، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جس شخص کو کوئی مصیبت پیش آئے، اسے مندرجہ ذیل الفاظ کہنا چاہئیں :-
اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ - اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْهَا - اس سے اللہ اسے مصیبت میں اجر دے گا اور تکلیف کے بعد آرام ملے گا۔

غم اور کوفت کا علاج :- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کرب واندوہ کے موقعہ پر مندرجہ ذیل دعا فرمایا کرتے تھے :- لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ - لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَالْاَرْضِيْنَ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ - (بخاری ومسلم)
ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مشکل کام پیش آتا، تو آسمان کی طرف آنکھ اٹھاتے اور فرماتے :- سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ - اور جب دعا میں منہمک ہوتے تو یاحي یا قیوم کا وِرد کرتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ جب آپ کو کوئی مشکل پیش آتی تو فرماتے : يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِكَ اَسْتَغِيْثُ - ابوداؤد میں حضرت ابوبکر سے روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مشکل کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے :- اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَ اَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ - مسندِ امام احمد میں حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا:
جس انسان کو کوئی دکھ یا غم پیش آئے، اور وہ مندرجہ ذیل دعا پڑھے، اللہ اس کے دکھ ختم کر دے گا، اور تکلیف کے بدلے میں آرام پائے گا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُکَ، اِبْنُ عَبْدِکَ، اِبْنُ اَمَتِکَ، نَاصِیَتِیْ بِیَدِکَ، مَاضٍ فِیَّ حُکْمُکَ، عَدْلٌ فِیَّ قَضَاءُکَ، اَسْأَلُکَ بِکُلِّ اِسْمٍ ھُوَ لَکَ سَمَّیْتَ بِہٖ نَفْسَکَ اَوْ اَنْزَلْتَہٗ فِیْ کِتَابِکَ اَوْ عَلَّمْتَہٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِکَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِہٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ، اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَنُوْرَ صَدْرِیْ وَجِلَاءَ حُزْنِیْ وَذَھَابَ ہَمِّیْ۔

ابوداؤد میں حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مسجد میں تشریف لائے وہاں ایک انصاری بھی موجود تھے، جن کا نام ابوامامہ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت کیا، اے ابوامامہ! آج تم مسجد میں کیا کر رہے ہو، حالانکہ یہ نماز کا وقت نہیں۔ اس نے عرض کیا، یارسول اللہ، مقروض ہوں اور غموں میں گھرا ہوا ہوں، فرمایا، کیا میں تجھے ایسی دعا نہ بتادوں، جس سے خدا تیرے غموں کا ازالہ فرما دے۔ اور تیرا قرض ادا ہو جائے۔ اس نے عرض کیا، یارسول اللہ! ضرور بتایئے، فرمایا صبح و شام یہ دعا پڑھا کرو:۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ۔ ابوامامہ راوی ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا، غموں کا ازالہ ہو گیا، اور قرض ادا ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے

روایت کی، کہ جو شخص مصائب میں گھر جائے، وہ کثرت سے لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھے، اور صحیحین میں یہ بات ثابت ہے کہ یہ کلمات جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہیں، ترمذی میں ہے، کہ جنت کا دروازہ ہیں اور طبرانی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بیان کی ہے جس میں مذکور ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب بھی مجھے کوئی تکلیف پیش آتی، جبریل علیہ السلام میرے سامنے آموجود ہوتے اور مجھے مندرجہ ذیل دعا کی تلقین کرتے :- تَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا۔

ابن السنی کی کتاب میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے آیت الکرسی اور سورہ بقرہ کی آخری آیات مصیبت کے وقت پڑھیں اللہ اس کی مشکلیں آسان کردے گا۔ اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں مذکور ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے ایک ایسی آیت یاد ہے، کہ جو شخص بھی اسے مصیبت کے وقت پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کی مشکل آسان کردے گا اور وہ آیت یہ ہے، جو میرے بھائی یونس علیہ السلام سے مذکور ہے :- اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔

دیلمی نے مسند فردوس میں امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ میرے باپ نے میرے دادا سے روایت کی، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مشکل میں پڑ جاتے، تو آپ مندرجہ ذیل دعا پڑھتے تھے :- اَللّٰهُمَّ احْرُسْنِي بِعَيْنِكَ الَّتِي لَا تَنَامُ وَاكْنُفْنِي بِرُكْنِكَ الَّذِي لَا يُرَامُ وَارْحَمْنِي بِقُدْرَتِكَ عَلَيَّ فَلَا اَهْلِكُ وَاَنْتَ رَجَائِي فَكَمْ مِنْ نِعْمَةٍ

لہ انبیاء : ۸۷

اَنْعَمْتَ بِهَا عَلَیَّ قَلَّ لَکَ بِهَا شُکْرِیْ وَکَمْ مِنْ بَلِیَّۃٍ اِبْتَلَیْتَنِیْ بِهَا، قَلَّ لَکَ بِهَا صَبْرِیْ فَیَا مَنْ قَلَّ عِنْدَ نِعْمَتِهٖ شُکْرِیْ فَلَمْ یَحْرِمْنِیْ وَیَا مَنْ قَلَّ عِنْدَ بَلِیَّتِهٖ صَبْرِیْ، فَلَمْ یَخْذُلْنِیْ وَیَا مَنْ رَاٰنِیْ عَلَی الْخَطَایَا فَلَمْ یَفْضَحْنِیْ یَا ذَا الْمَعْرُوْفِ لَا یَنْقَضِیْ اَبَدًا، وَیَا ذَا النِّعْمَۃِ الَّتِیْ لَا تُحْصٰی عَدَدًا - اَسْئَلُکَ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ - وَبِکَ اَدْرَاُ فِیْ نُحُوْرِ الْاَعْدَاءِ وَالْجَبَّارِیْنَ - اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی دِیْنِیْ بِالدُّنْیَا وَعَلٰی آخِرَتِیْ بِالتَّقْوٰی وَاحْفَظْنِیْ فِیْمَا غِبْتُ عَنْهُ، وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ فِیْمَا حَضَرْتُهٗ - یَا مَنْ لَا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ وَلَا یَنْقُصُهُ الْعَفْوُ - هَبْ لِیْ مَا لَا یَنْقُصُکَ وَاغْفِرْ لِیْ مَا لَا یَضُرُّکَ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ - اَسْئَلُکَ فَرَجًا قَرِیْبًا وَصَبْرًا جَمِیْلًا وَرِزْقًا وَاسِعًا - وَالْعَافِیَۃَ مِنَ الْبَلَایَا وَاَسْئَلُکَ تَمَامَ الْعَافِیَۃِ وَاَسْئَلُکَ دَوَامَ الْعَافِیَۃِ - وَاَسْئَلُکَ الشُّکْرَ عَلَی الْعَافِیَۃِ وَاَسْئَلُکَ الْغِنٰی عَنِ النَّاسِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ -

فقر (افلاس) کا علاج

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ایک شخص نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی، یارسول اللہ! مالِ دنیا نے مجھ سے منہ پھیر لیا ہے، فرمایا، تم فرشتوں کی صلوٰۃ اور مخلوق کی تسبیح جس کے طفیل انہیں رزق ملتا ہے، کیوں نہیں پڑھتے، تم طلوعِ فجر کے بعد سو دفعہ پڑھا کرو:- سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم، استغفر اللہ- دنیا خود بخود بھاگتی چلی آئے گی۔ وہ شخص چلا گیا، کچھ عرصہ گزرا تو پھر حاضر ہوا، عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دنیا واپس آگئی ہے، اب یہ حالت ہے، کہ رکھنے کی جگہ نہیں رہی۔ (خطیب)

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جو شخص دن میں سو مرتبہ لاحول ولا قوۃ الآ باللہ پڑھے گا، افلاس اس کے پاس بھی نہیں آئے گا۔ (ابن ابی الدنیا) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے، جو شخص دن رات کے دوران میں سو دفعہ لا الٰہ الآ اللہ الملک الحق المبین پڑھے گا، وہ افلاس سے محفوظ ہو گا، اور قبر کی وحشت سے بچ جائے گا اور دولت کا دروازہ کھل جائے گا اور اس سے جنت کے دروازے پر دستک دے گا۔ اسے مولانا عبدالحق نے طب النبوی میں ذکر کیا ہے۔

آگ کے بھڑک اٹھنے کا علاج :- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کہیں آگ لگ جائے، تو اللہ اکبر کا ورد کرو، کہ یہ آگ بجھا دیتا ہے۔ ابنِ قیم لکھتے ہیں، ہم نے اور کئی اور لوگوں نے بھی اسے آزمایا، اور درست پایا۔ اسی طرح الاصل میں مذکور ہے، کہ میں نے اس نسخے کو طیبہ (مدینے) میں ۸۰۵ ہجری میں آزمایا اور اسے بڑا مؤثر پایا۔

مرگی کا علاج :- حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرگی کے علاج میں جو خبیث جنوں کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے، بیمار سے مخاطب ہو کر فرماتے :- اُخْرُجْ عَدُوَّ اللّٰه ، اَنَا رَسُوْلُ اللّٰه - اس سے جن نکل جاتا اور بیمار تندرست ہو جاتا۔ الاصل کا مصنف لکھتا ہے، کہ میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی قسم کو محمدٌ رسول اللہ سے لے کر سورۂ فتح کے آخر تک یہ آیات پڑھ کر دو بچوں پر آزمایا، جو بیہوش ہو گئے تھے چنانچہ دونوں تندرست ہو گئے۔ وہ لکھتے ہیں اس سے بھی عجیب تر قصّہ غزالہ حبشیہ کا ہے، جو مکّے کے دروازے پر بیہوش ہو کر گر پڑی جب میں مصر کے ارادے سے ۸۸۵ ہجری میں وہاں سے لوٹا تھا، وہ کئی دن

بیہوش پڑی رہی، مَیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طالبِ امداد ہوا۔ چنانچہ خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے اس جن کو پکڑ لائے، جس نے اسے بیہوش کر رکھا تھا۔ مَیں نے اسے برا بھلا کہا، اس نے قسم کھائی، کہ وہ پھر اسے نہیں ستائے گا۔ اتنے میں مَیں جاگ اٹھا، دیکھا، کہ غزالہ کو کوئی تکلیف نہ تھی۔ اس کے بعد وہ لوٹ کر نہ آیا۔ الحمد للہ، اور وہ بالکل تندرست رہی۔ تا آنکہ ۹۰۸ ہجری میں ہم سے علیحدہ ہو گئی۔

جادو کا علاج:- بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا، چنانچہ آپ کی یہ حالت تھی، آپ سمجھتے کہ آپ کوئی کام کر رہے ہیں، حالانکہ آپ کچھ نہیں کر رہے ہوتے۔ ایک رات آپ نے حضرت عائشہ کے حجرے میں بسر کی اور متواتر دعا مانگتے رہے، پھر فرمایا، اے عائشہ! کیا تجھے اندازہ ہو سکا، کہ جو کچھ مَیں نے خدا سے پوچھا تھا وہ اس نے مجھے بتا دیا ہے۔ میرے پاس دو آدمی آئے، ایک سرہانے بیٹھ گیا اور دوسرا پائینتی پر۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا، اس آدمی کو کیا تکلیف ہے، دوسرے نے کہا، اسے جادو کیا گیا ہے۔ پوچھا، کس نے کیا، کہا، لبید بن اعصم، الیہودی نے۔ پوچھا، کس چیز میں؟ کہا، کنگھی اور بالوں میں اور نر کھجور کے شگوفے کے غلاف میں۔ پوچھا، وہ کہاں ہے؟ کہا ذروان کے کنوئیں میں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض صحابہ کی معیت میں وہاں تشریف لے گئے، واپسی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، کنوئیں کا پانی حنائی رنگ کا تھا، اور اس کی کھجور کے خوشے گویا شیطان کے سر تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا، یا رسول اللہ! آپ نے اسے باہر نہیں نکلوایا، فرمایا، خدا نے مجھے اس کے شر سے بچا لیا ہے، مَیں نے مناسب نہ جانا، کہ لوگوں کو اس کا شر کھول کر بتا دوں۔ آپ کے

حکم سے کنوئیں کو مٹی سے بھر دیا گیا

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے میں توکل علی اللہ اور استمداد بالاسباب سے کام لیا۔ ابتدا میں آپ نے خود کو اللہ اور اس کی تقدیر کے سپرد کر دیا اور صبر کا اجر پایا، پھر جب اس تکلیف نے طول کھینچا اور آپ کو اندیشہ ہوا، کہ کہیں آپ سے عبادتِ الٰہی کے بارے میں کوتاہی نہ ہو جائے، تو آپ نے علاج کا دامن تھاما۔ ابوعبید نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے بیان کیا، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے سر کی رگ کا فصد کرایا۔ پھر دعا کی طرف توجہ فرمائی۔ چنانچہ دونوں معاملوں میں کمال کر دکھایا۔

ایسا کلام جو ہر بیماری کے لیے مفید ہے :۔ حضرت ابودرداء سے مروی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے جو شخص بیمار ہو جائے، اسے مندرجہ ذیل دعا پڑھنا چاہیے۔ اللہ کے حکم سے تندرست ہو جائے گا :۔ رَبَّنَا الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ تَقَدَّسَ اِسْمُکَ، اَمْرُکَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کَمَا رَحْمَتُکَ فِی السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَکَ فِی الْاَرْضِ وَاغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَخَطَایَانَا، اَنْتَ رَبُّ الطَّیِّبِیْنَ اَنْزِلْ رَحْمَۃً مِنْ عِنْدِکَ وَشِفَاءً مِنْ شِفَاءِکَ عَلٰی ھٰذَا الْوَجَعِ۔ (ابوداؤد) ابوالدرداء نے اس کلام کو پیشاب کی خرابی کے لیے مفید قرار دیا ہے۔

دردِ سر کا علاج :۔ حمیدی نے یونس بن یعقوب اور اس نے عبداللہ سے یہ روایت بیان کی، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دردِ سر کے لیے مندرجہ ذیل افسون پڑھتے تھے :۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الْکَبِیْرِ وَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ شَرِّ کُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَّمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ۔ بیہقی راوی ہیں، کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے سر میں ورم

ہو گیا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے کے اوپر سے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر تین دفعہ فرمایا :- بِسْمِ اللهِ اَذْهِبْ عَنْهَا سُوْءَهٗ وَفُحْشَهٗ بِدَعْوَةِ نَبِيِّكَ الْمَكِيْنِ الْمُبَارَكِ عِنْدَكَ - حضرت اسمار رضی اللہ عنہا نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ اس کلام کو تین دفعہ دہرایا، چنانچہ ورم جاتا رہا۔

دانت کے درد کا علاج :- بیہقی راوی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمت میں درد کی شکایت کی۔ آپ نے اپنا ہاتھ ان کے اس رخسار پر رکھا، جس میں درد تھا، اس کے بعد آپ نے سات دفعہ فرمایا :- اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنْهُ سُوْءَ مَا يَجِدُ وَفُحْشَهٗ بِدَعْوَةِ نَبِيِّكَ الْمَكِيْنِ الْمُبَارَكِ عِنْدَكَ - فوراً تکلیف رفع ہو گئی۔

ایک دفعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور دردِ دندان کی شکایت کی، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت ان کے منہ میں ڈالی، اور اس دانت پر رکھی جس میں درد تھا اور فرمایا :- بِسْمِ اللهِ وَ بِاللهِ اَسْئَلُكَ بِعِزَّتِكَ وَجَلَالِكَ وَ قُدْرَتِكَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ - فَاِنَّ مَرْيَمَ لَمْ تَلِدْ غَيْرَ عِيْسٰى مِنْ رُوْحِكَ وَكَلِمَتِكَ اَنْ تَكْشِفَ مَا تَلْقٰى فَاطِمَةُ بِنْتُ خَدِيْجَةَ مِنَ الضُّرِّ كُلِّهٖ - درد جاتا رہا۔

بخار کا علاج :- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ ایک دفعہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ انہیں سخت بخار تھا، اور اسے بُرا بھلا کہہ رہی تھیں۔ فرمایا، اسے بُرا بھلا نہ کہو، کیونکہ یہ تو مامور ہے، ہاں اگر تم چاہو، تو میں تمہیں چند کلمات سکھا دیتا

ہوں۔ جب تُو یہ کلمات دہرائے گی، خدا تیری تکلیف کو دُور کر دے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا، مجھے وہ الفاظ سکھا دیجئے۔ فرمایا کہو:۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ جِلْدِی الرَّقِیْقَ وَعَظْمِی الدَّقِیْقَ مِنْ شِدَّۃِ الْحَرِیْقِ یَا اُمَّ مَلْدَمْ اِنْ کُنْتِ آمَنْتِ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ فَلَا تَصْدَعِی الرَّاْسَ وَلَا تُنْتِنِی الْفَمَ وَلَا تَاْکُلِی اللَّحْمَ وَلَا تَشْرَبِی الدَّمَ وَتَحَوَّلِی عَنِّیْ اِلٰی مَنِ اتَّخَذَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا آخَرَ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ الفاظ کہے اور تکلیف رفع ہو گئی۔ (بیہقی) اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی شامل ہیں:۔ فَاِنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

باقی ماندہ بیماریوں کا علاج:۔ حضرت ابان بن عثمان نے اپنے باپ سے یہ روایت کی، وہ کہتے ہیں، مَیں نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو فرماتے سنا، جو شخص مندرجہ ذیل الفاظ تین دفعہ صبح کو پڑھے تو شام تک اسے کوئی حادثہ پیش نہیں آئے گا، اور جو شخص شام کو پڑھے وہ صبح تک ہر ناگہانی آفت سے محفوظ رہے گا:۔ بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت ابان کو فالج ہو گیا، چنانچہ جو شخص بھی اس کی زبانی یہ حدیث سنتا تو انہیں غور سے دیکھتا۔ وہ کہتے، تم مجھے کیوں غور سے دیکھ رہے ہو، بخدا نہ تو مَیں نے اپنے باپ سے غلط بات منسوب کی ہے اور نہ میرے باپ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ لیکن بہرحال مجھے یہ مصیبت پیش آ ہی گئی۔ (مگر غصے میں، مَیں یہ بات کہنا بھول گیا)

ستر بلاؤں کا علاج:۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے روایت کی، جو شخص دس دفعہ مندرجہ ذیل دعا پڑھے گا، اس کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ گویا وہ ابھی

ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ یہ دعا ستر بیماریوں کا علاج ہے۔ جنون، جذام، برص اور ریح وغیرہ۔

کھانے کی بیماریوں کا علاج:۔ بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس شخص کے سامنے کھانا رکھا جائے اور وہ بِسْمِ اللّٰہِ خَیْرِ الْاَسْمَاءِ فِی الْاَرْضِ وَفِی السَّمَاءِ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ دَاءٌ اِجْعَلْ فِیْہِ رَحْمَۃً وَّشِفَاءً پڑھے، تو اسے کوئی دکھ نہیں پہنچے گا۔

ام الصبیان کا علاج:۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے مروی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس شخص کے گھر بچہ پیدا ہو، اور اس کے دائیں کان میں اذان دی جائے اور بائیں میں اقامت کہی جائے، تو وہ ام الصبیان سے محفوظ رہے گا۔ (ابن السنی)

حصّہ دوم

اس فصل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
تجویز کردہ طبعی دواؤں کا ذکر ہے۔

دردِ سر اور دردِ شقیقہ کا علاج:۔ امام احمد نے حضرت بریدہ سے روایت کی ہے، کہ جب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دردِ شقیقہ کی شکایت ہوتی، تو آپ ایک آدھ دن گھر سے باہر نہ نکلتے۔ شقیقہ اس درد کا نام ہے جو سر کے ایک طرف ہوتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ رسولِ اکرم کو

مرضِ موت میں دردِ سر کی شکایت کی، آپ نے خطبہ دیا، اور سر پر پٹی باندھی ہوئی تھی، اور پٹی اس قسم کی دردوں میں مفید ہے۔ اور بخاری میں مذکور ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا ہوا تھا، اور دردِ شقیقہ کی وجہ سے آپ نے سر میں فصد کرایا، ایک روایت میں ہے کہ سر کے درمیان فصد کرایا، جو بقولِ حکما اس درد کے لیے بہت مفید ہے۔ نیز یہ بھی مروی ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن کی پچھلی دو رگوں اور دونوں کندھوں کے درمیانی رگ میں بھی فصد کرایا، جسے اطبا نے سر، چہرے، کانوں، اور اسی طرح ناک کے لیے مفید بتایا ہے۔ ابنِ ماجہ کی روایت ہے، کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر میں درد ہوتا تو سر پر مہندی لگا لیا کرتے۔ اور فرمایا کرتے، کہ خدا کے حکم سے یہ علاج مفید ہے۔ یعنی اس صورت میں جب دردِ سر کی وجہ گرمی ہو، اور کوئی ایسا مادہ نہ ہو، جس کا استفراغ ضروری ہو۔ ایسی صورت میں حنا کا لیپ بہت مفید ہے۔ تاریخ بخاری اور ابو داؤد میں ہے کہ جب بھی کوئی شخص آپ سے دردِ سر کی شکایت کرتا، تو آپ فصد کرانے کا مشورہ دیتے۔ اور جب کوئی آدمی پاؤں کی تکلیف کی شکایت کرتا، تو مہندی لگانے کا حکم فرماتے۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی بیوی سلمی راوی ہیں کہ جب بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی پھوڑا یا پھنسی نکل آتی، تو مجھے حکم دیتے اور میں مہندی لیپ دیتی۔

دردِ چشم کا علاج:- روایت میں ہے، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم دردِ چشم کا علاج، سکون، آرام اور عدمِ حرکت سے منع فرمایا کرتے تھے۔ ابنِ ماجہ میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ کے سامنے کھجور اور روٹی رکھی تھی۔ فرمایا، قریب آجاؤ اور کھاؤ۔ میں نے کھجور اٹھائی اور کھائی۔ تو آپ نے فرمایا، کہ

تمہاری آنکھیں دکھتی ہیں اور کھجور کھا رہے ہو۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں دوسری طرف چبا رہا ہوں، حضور مسکرا دیئے۔ روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی آنکھیں دکھنے کو آئیں، تو آپ نے انہیں کھجور کھانے سے منع کر دیا۔ بخاری میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، کہ کھمب از قسم من (نعمت) ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے

بچوں کے گلے کے درد کا علاج :- کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عائشہ کے حجرے میں تشریف لائے، وہاں ایک بچے کو دیکھا جس کے گلے سے خون بہہ رہا تھا۔ دریافت فرمایا، اسے کیا تکلیف ہے، انہوں نے جواب دیا، اس کے گلے اور سر میں درد ہے۔ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، حیف ہے، تم ان بچوں کو جان سے مار دو گی جب کسی بچے کو یہ تکلیف ہو، تو عود ہندی لے کر اسے پانی میں حل کرو، اور بچے کو دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے عود ہندی منگوائی اور بچے کو دی تو وہ ٹھیک ہو گیا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،

دستوں کا علاج :- کہ ایک شخص آیا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خدمت میں اپنے بھائی کے پیٹ کے بارے میں شکایت کی، کہ اسے دست لگ گئے ہیں، فرمایا، اسے شہد پلاؤ۔ اس نے پلایا، لیکن مرض بڑھتا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سن کر فرمایا، خدا سچا ہے، لیکن تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ احمد بن یزید بن ہارون کی روایت میں ہے، کہ آپ نے چوتھی دفعہ بھی یہی فرمایا، کہ اسے شہد پلاؤ۔ چنانچہ اس نے تعمیل کی، اور اس کا بھائی ٹھیک ہو گیا، اس پر پھر آپ

نے فرمایا، خدا سچا ہے لیکن تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ فِیْہِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ سے مراد یہ ہے کہ عموماً شہد شفا بخش اثرات کا حامل ہے، جیساکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :۔ عَلَیْکُمْ بِالشِّفَائَیْنِ، اَلْعَسَلِ وَالْقُرْآنِ۔

قبض کا علاج :۔ ترمذی وغیرہ نے حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت بیان کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا، کہ تم جلاب کے لیے کس چیز کو استعمال کرتی ہو؟ انہوں نے کہا شبرم کو (یہ ایک پودے کا نام ہے، جس کی جڑیں مسہل ہوتی ہیں) فرمایا، یہ گرم ہے۔ پھر انہوں نے کہا، مَیں سُنا سے بھی مسہل لیتی ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اگر موت کا علاج ہوتا، تو وہ سُنا ہوتا۔ اور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اسے کھجور کے ساتھ استعمال فرماتے تھے۔ یہ محاسبی کا بیان ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ عَلَیْکُمْ بِالسَّنَا وَالسَّنُّوْتِ فَاِنَّ فِیْہِمَا شِفَاءٌ مِّنْ کُلِّ دَاءٍ اِلَّا السَّام (الموت) سنوت اس شہد کو کہتے ہیں، جو گھی کے برتن میں ڈالا جائے، مطلب یہ ہے، کہ سُنا کو باریک کر کے شہد میں ملایا جائے۔ پھر نگل لی جائے۔ اس طرح سُنا کی گرمی کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

بیماری دل کا علاج :۔ ابو داؤد نے سعد سے روایت بیان کی ہے، مَیں بیمار پڑ گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لائے۔ اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا اور مَیں نے دل پر ہاتھ کی ٹھنڈک محسوس کی۔ فرمایا تمہیں دل کا عارضہ ہے۔ تم حارث بن کلدہ ثقفی کو بلاؤ، کیونکہ وہ طب میں تھوڑی بہت شد بد رکھتا ہے، تم مدینے کی سات کھجوریں لو، اور گٹھلی سمیت کوٹ لو، اور پھر اس ملغوبے کو نگل لو۔ یا انگلی کی مدد سے حلق میں ڈال لو۔

نمونیہ کا علاج :- بخاری میں ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم عود ہندی کو بہ کثرت استعمال کیا کرو کہ اس میں سات بیماریوں کا علاج ہے، جن میں نمونیا بھی شامل ہے۔ ترمذی میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا، تم نمونیہ کا علاج عودِ ہندی اور زیتون کے تیل سے کرو۔ اور طریقہ یہ ہے کہ دوا مریض کے منہ میں انڈیل دی جائے۔

استسقا کا علاج :- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ قبائل عرینہ اور عکل سے کچھ لوگ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمت میں آئے مدینے میں ان کے پیٹ خراب ہو گئے۔ مسلم میں ہے، کہ ان کے پیٹ پھیل گئے، انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، بہتر ہوگا، کہ تم وہاں چلے جاؤ، جہاں صدقے کے اونٹ رکھے گئے ہیں، ان کا دودھ پیو اور بول کا استعمال کرو۔ (بخاری اور مسلم)

عرق النساء کا علاج :- یہ وہ رگ ہے، جو سرین کے جوڑ سے چل کر پاؤں کی پشت تک آتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، عرق النساء کی دوا یہ ہے۔ کہ عربی دنبے کے سرین کی چربی کو پگھلایا جائے، پھر اس کے تین حصے کیے جائیں، اور ہر روز اس کا ایک حصہ نہار منہ پیا جائے، (ابن ماجہ) یہ دوا اہل حجاز، عربوں اور ان کے ہمسایوں کے لیے مخصوص ہے۔

ورم کا علاج :- حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مذکور ہے، میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک آدمی کی عیادت کو گیا جس کی پیٹھ پر ورم تھا انہوں نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں پیپ ہے فرمایا اس میں شگاف دے کر نکال دو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اس میں میں نے

شگاف دیا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دیکھ رہے تھے۔

فصد اور داغ سے علاج:۔ صحیحین میں مذکور ہے، کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ابی بن کعب طبیب کو بلا بھیجا، انہوں نے آپ کی رگ میں شگاف دیا اور فصد کیا۔ مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی شہ رگ کٹ گئی تو حضور اکرم نے داغ دے کر ان کا خون روکا اور ترمذی میں ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو سرخی چہرہ کی وجہ سے داغ دیا۔ اور داغ ایسی باغی خلط کو مٹانے کے لیے دیا جاتا ہے۔ جس کا مادہ اس کے بغیر ختم نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تعریف کی، لیکن پھر اس سے منع کر دیا۔ کیونکہ اس سے سخت درد ہوتا ہے اور اس میں بڑا خطرہ ہے۔ فتح الباری میں ہے، کہ کسی صحیح حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوا، کہ آپ کو داغ دیا گیا ہو۔ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اس لیے منع فرمایا، کہ ناپسندیدہ کام ہے۔

طاعون کا علاج، جہاں طاعون ہو وہاں نہ جانا اور وہاں سے بھاگ نکلنا:۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ طاعون ان گلٹیوں کو کہتے ہیں، جو جسم پر نکل آتی ہیں۔ اور یہ وبا عام مرض ہے، اور صحیحین میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ طاعون خدائی عذاب ہے، جو بنی اسرائیل کے ایک گروہ اور تم سے پہلے بعض لوگوں پر نازل ہوا تھا۔ جب تم اس بیماری کے بارے میں سنو تو وہاں مت جاؤ۔ اور جب یہ وبا وہاں پھوٹ پڑے، جہاں تم رہتے ہو، تو وہاں سے بھاگو مت۔

کھنیدگی (جلد کے پھٹنے) کا علاج:۔ بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت شرحبیل جعفی سے یہ روایت بیان کی ہے، کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ہاتھ کی جلد پھٹی ہوئی تھی۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس نے مجھے بڑا دق کر رکھا ہے، جب میں تلوار کا قبضہ ہاتھ میں لیتا ہوں یا جانور کی باگ پکڑتا ہوں تو یہ درمیان میں حائل ہو جاتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا ہاتھ اس پہ رکھا اور گھمایا، اور ہاتھ پر پھونک ماری، جب ہاتھ اٹھایا، تو تکلیف کا نام و نشان نہ تھا۔ اسی طرح رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ابیض بن حمال کے چہرے پر جس پر داد تھا، ہاتھ پھیرا، اور اس دن کے بعد سے اس کا نام و نشان تک مٹ گیا۔

بخار کا علاج:۔ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ بخار جہنم کا شعلہ ہے، جسے تم پانی سے بجھاؤ۔ ابن ماجہ کی روایت میں ٹھنڈے پانی کا ذکر ہے، حضور کا مقصد ہے، کہ مخصوص حالت میں اس سے غسل کیا جائے۔ اور بہتر یہ ہے، کہ اس قول سے مراد "بخار کو پانی سے ٹھنڈا کرنا" لی جائے۔ جس طرح کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کیا کرتی تھیں، وہ مریض کے بدن پر پانی چھڑکا کرتی تھیں۔ گویا یہ وہ ترشح ہوگا، جس کی ایسے موقعہ پہ اجازت ہوتی ہے، ابن قیم، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس تجویز کو اہل حجاز اور ان کے ملحقہ علاقوں کے لیے مخصوص سمجھتے ہیں۔ اور حدیثیں بتکرار اس امر کا ذکر ملتا ہے، کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم بخار کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے علاج کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے، آپ نے فرمایا، مجھ پر سات بھری مشکوں کا پانی انڈیل دو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی بخار ہوتا، آپ پانی کی مشک منگواتے، اسے سر پر ڈالتے اور غسل فرماتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے

فرمایا، تم میں سے جسے بخار ہو جائے، اسے چاہیئے، کہ ٹھنڈا پانی تین دن تک اپنے اوپر ڈالے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ بخار موت کا قاصد ہے۔ اور دنیا خدا کا جیل خانہ ہے، تم اسے پانی انڈیل کر ٹھنڈا کرو۔ اور مغرب اور عشاء کے اذان کے درمیان اپنے اوپر ڈالو۔ لوگ اس طرح کرتے، اور ان کا بخار جاتا رہتا۔

ترمذی میں حضرت ثوبان سے روایت ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ جب تم میں سے کسی شخص کو بخار آئے، جو جہنم کا ایک حصہ ہے، تو اسے پانی سے بجھائے اور بہتے پانی میں داخل ہو اور اس کے بہاؤ کا سامنا کرے اور یہ دعا بعد از نماز صبح و طلوع آفتاب پڑھے:۔ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ وَصَدِّقْ رَسُوْلَكَ۔ اور اس میں روزانہ تین دن تک، تین غوطے لگائے، اگر تندرست نہ ہو، تو پانچ دن ورنہ سات دن ورنہ نو دن۔ کیونکہ بفضلہ نو دن سے نہیں بڑھے گا۔

خارش اور جوئیں پیدا کرنیوالی بیماری کا علاج:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر بن العوام اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو بوجہ خارش، ریشمی کپڑا پہننے کی اجازت دے دی تھی (بخاری)

خیبر میں دیئے گئے زہر کا علاج:۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خیبر میں بکری کا زہریلا گوشت کھا گئے تو آپ نے کندھوں کے درمیان واقع رگ کا تین دفعہ فصد کرایا۔ اور یہ واقعہ غزوات النبی کے ذیل میں بیان کیا جا چکا ہے۔

حصۂ سوم

اس فصل میں روحانی اور طبعی دواؤں کا ذکر ہے۔

پھنسیوں، زخموں اور باقی بیماریوں کا علاج :- بخاری میں مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے موقعہ پر مندرجہ ذیل الفاظ دہراتے :- بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا وَ رِيْقَةُ بَعْضِنَا يُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا۔ اور مسلم کی روایت میں مذکور ہے، کہ جب کوئی آدمی پھنسی یا زخم کی شکایت کرتا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی انگلی زمین پر رکھتے۔ امام نووی نے حدیث کے یہ معنی بیان کیے ہیں۔ کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اپنا لعابِ دہن، انگشتِ شہادت پر لگاتے، پھر اسے زمین پر رکھتے، اس سے جو مٹی لگ جاتی، اسے متاثر مقام یا زخم پر لگاتے۔ اور اس دوران میں مذکورہ بالا الفاظ دہراتے۔

بچھو کے ڈسنے کا علاج :- حضرت عبداللہ بن مسعود راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، جب سجدہ کیا تو بچھو نے آپ کو انگلی پر ڈس لیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منہ پھیرا، اور فرمایا، خدا کی لعنت ہو بچھو پر، کہ نہ نبی کو چھوڑتا ہے اور نہ غیر نبی کو پھر آپ نے برتن منگایا جس میں پانی اور نمک تھا۔ پھر وہ انگلی برتن میں ڈالی، اور قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھتے رہے، تا آنکہ آرام آگیا۔ (ابن ابی شیبہ)

چیونٹیوں کے رینگنے کا علاج:- یہ پھنسیاں ہیں، جو آدمی کے پہلو میں نکل آتی ہیں، اور مریض یوں محسوس کرتا ہے، گویا اُس کے جسم پر چیونٹیاں رینگ رہی ہیں، اور کاٹ رہی ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زہریلے جانوروں کے کاٹنے، نظرِ بد اور چیونٹیوں کے رینگنے کے متعلق افسون پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ حضرت خلاّل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ شفا بنت عبداللہ زمانۂ جاہلیت میں بھی اس مرض کا افسوں پڑھتی تھیں۔ جب انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیعت کر کے مکے ہجرت کی، تو رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مَیں زمانۂ جاہلیت میں چیونٹیوں کی بیماری کا علاج کیا کرتی تھی۔ مَیں آپ کے سامنے وہ افسوں پیش کرتی ہوں :- بِسْمِ اللّٰہِ ضَلَّتْ حَتّٰی تَعُوْدَ مِنْ اَفْوَاهِهَا وَلَا تَضُرَّ اَحَدًا اَللّٰهُمَّ اكْشِفِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ ـــــ راوی کہتا ہے، کہ وہ یہ افسوں سات دفعہ ایک لکڑی پر پڑھتی تھیں۔ پھر کسی صاف ستھری جگہ پر جاتیں اور لکڑی کو پتھر پہ خالص سرکے سے رگڑتیں اور پھر پھنسیوں پر لیپ دیتیں۔

چھالے کا علاج:- نسائی نے بعض ازواجِ مطہرات کی زبان سے یہ روایت بیان کی ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا، آیا تمہارے پاس زیرہ ہے۔ انہوں نے عرض کیا، ہے، آپ نے منگوایا اور اسے اس چھالے پر، جو آپ کے پاؤں کی دو انگلیوں کے درمیان اٹھ آیا تھا۔ لگا کر فرمایا :- اَللّٰهُمَّ مُطْفِئَ الْكَبِيْرِ وَمُكَبِّرَ الصَّغِيْرِ اَطْفِهَا۔ چنانچہ چھالا مٹ گیا۔

آگ سے جلنے کا علاج :- نسائی نے حضرت محمد بن حاطب سے روایت کی، مَیں نے گرم ہنڈیا کو اٹھایا، اس کا پانی میرے ہاتھ پر لگا، اور پشت دست جل گئی۔ میری ماں مجھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پڑھا :- اِذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاِحْسِبْه - پھر فرمایا، وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ۔ تکلیف جاتی رہی۔

پرہیز سے علاج :- ام منذر دختر قیس (انصاریہ) راوی ہیں کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی معیت میں، جو مرض کی وجہ سے کمزور تھے، ہمارے یہاں تشریف لائے، "ہمارے یہاں انگور لگا ہوا تھا، دونوں حضرات کھانے لگ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی کو بوجہ نقاہت روکتے رہے، تاآنکہ وہ رک گئے۔ پھر مَیں اٹھی اور ان کے لیے جَو اور منقی پکا لائی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے کہا، یہ کھاؤ، "تمہارے لیے مفید ہے۔

پانی سے پرہیز :- حضرت قتادہ بن نعمان سے مروی ہے، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا۔ جب اللہ کسی بندے کو پسند کرتا ہے، تو اسے دنیا کے شر سے بچا لیتا ہے، جس طرح کہ تم اپنے بیماروں کو پانی سے بچاتے ہو۔ (ترمذی) حمیدی، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں۔ اگر لوگ پانی تھوڑا پیئں، تو ان کے جسم محفوظ رہیں۔ طبرانی نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جو شخص نہار منہ پانی پیتا ہے، اس کی طاقت کم ہو جاتی ہے۔

دھوپ سے گرم شدہ پانی سے پرہیز:- امام شافعی اور دارِ قطنی، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم دھوپ میں گرم شدہ پانی سے غسل مت کرو کہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔ اور دارِ قطنی نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے اسی مفہوم کی حدیث بیان کی ہے۔

کنجوس کے کھانے سے پرہیز:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کنجوس کا کھانا بیماری ہے اور سخی کا کھانا شفا ہے۔ اسے تینیسی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے (سوائے موطا کے) روایت کیا ہے۔

دھوپ میں سونے سے پرہیز:- ابو داؤد نے یونس سے اور انہوں نے ربیعہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے۔ انہوں نے اسے دھوپ میں لیٹے دیکھا، تو منع کیا اور کہا، مجھے بتایا گیا ہے، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، اس سے سستی پیدا ہوتی ہے، اور نیز اس سے بعض مخفی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

پیشاب روک کر جماع سے پرہیز:- حضرت حسن رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم سے کوئی شخص ایسی حالت میں جماع نہ کرے کہ اس نے پیشاب روک رکھا ہے، کیونکہ اس سے بواسیر پیدا ہوتی ہے۔

مکھی کا پینے کی چیز میں گرنا:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی برتن میں مکھی گر پڑے، تو اسے اس چیز میں غوطہ دو، اور پھر اسے نکال کر باہر

پھینک دو، کیونکہ اس کے ایک پَر میں شفا ہے اور دوسرے میں بیماری ہے۔

رات کو برتن ڈھانپ کر رکھو:- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اپنے برتنوں کو ڈھانپ دو اور مشک کا منہ بند کر دو۔ کیونکہ سال میں ایک رات ایسی ہوتی ہے جس میں آسمان سے وبا نازل ہوتی ہے، اور وہ جس برتن پر ڈھکنا نہ ہو، یا جس مشک کا منہ بند نہ ہو، وہ بلا اس میں داخل ہو جاتی ہے۔ (مسلم) ایک روایت میں ہے کہ رومی سال کے آخری مہینوں میں (کانون اول) یہ صورت پیش آتی ہے۔

بچّے کو احمق عورت کا دودھ نہ پلایا جائے:- ابوداؤد سے بہ سند صحیح مروی ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احمق عورت کا دودھ پلانے سے منع فرمایا، کیونکہ دودھ سے دودھ پینے اور پلانے والی کے درمیان مشابہت پیدا ہو جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے روایت کی ہے کہ دودھ سے فطرت بدل جاتی ہے، ابنِ حبیب سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاجرہ کا دودھ پلانے سے منع فرمایا۔

سردی سے بچنے کے بارے میں، ابونعیم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ گرمی اور سردی سے بچ کر رہو۔ مستغفری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، فرشتوں کو، میری امت کو سردی سے بچانے میں خوشی ہوتی ہے۔

فصل دوم

اس فصل میں خوابوں کی تعبیرات کا ذکر ہے۔

دارمی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ کہ مدینے میں ایک عورت کا خاوند تاجر تھا، جو تجارت کے لیے آتا جاتا رہتا۔ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میرا خاوند غائب ہے، جب وہ سفر کو چلا تھا، تو میں حاملہ تھی، میں نے خواب میں دیکھا، کہ میرے گھر کا ستون ٹوٹ گیا ہے، اور میں نے ایک بچہ جنا ہے اندھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، انشاء اللہ تیرا خاوند بخیر و عافیت واپس آجائے گا اور تو نیک اور صالح بچہ جنے گی۔ اس نے یہ خواب تین دفعہ سنایا۔ دوسری دفعہ پھر آئی۔ اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم موجود نہ تھے۔ میں نے اس سے دریافت کیا تو اس نے خواب سنایا میں نے اسے کہا، کہ اگر تیرا خواب سچا نکلا، تو تیرا خاوند مر جائے گا اور تو بدمعاش بچہ جنے گی۔ وہ بیٹھ گئی اور رونے لگ گئی۔ اتنے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، فرمایا، عائشہ! دیکھو جب کسی مسلمان کے خواب کی تعبیر بیان کرو، تو خیر کو سامنے رکھو۔ کیونکہ خواب کا نتیجہ ویسا نکلتا ہے، جیسا کہ معبر بیان کرتا ہے۔

عطا بن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی، کہنے لگی، میں نے خواب میں دیکھا، کہ میری چھت کا ستون ٹوٹ گیا ہے، اور میرا شوہر گھر سے باہر ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

فرمایا، خدا تیرے شوہر کو صحیح وسالم واپس لائے گا۔ بیہقی راوی ہیں کہ جب ابنِ زمل، اپنا خواب بیان کرنے لگا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ خَیْرٌ نَلْقَاهُ وَشَرٌّ نَتَوَقَّاهُ وَخَیْرٌ لَنَا وَشَرٌّ عَلٰی أَعْدَائِنَا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ اچھا اب اپنا خواب سنا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خوابوں کی تعبیریں:۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے، کہ سچے خواب، انبیا کے اور ان کی متابعت کرنے والے صالح لوگوں کے ہوتے ہیں۔ اور ان کے سوا اور لوگوں کو شاذ و نادر ہی یہ صورت پیش آتی ہے، اور یہ خواب بہ حالت بیداری اس طرح پیش آتے ہیں، جیسا کہ حالتِ خواب میں۔ اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے سچے خواب اس طرح ہوتے تھے، جیسا کہ طلوعِ صبح الخ۔ بے حد و شمار۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی ابتدا رویائے صادقہ سے ہوئی۔ جب بھی آپ خواب دیکھتے، وہ طلوعِ صبح کی طرح وقوع پذیر ہوتا (بخاری) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً سارے خواب سچے ہوتے اور اچھے ہوتے۔ کچھ خواب ایسے بھی تھے، جو بظاہر اچھے نہ تھے جیسا کہ احد کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ نے مضبوط ذرع (زرہ) پہنی ہوئی ہے اور ایک گائے ذبح کی جا رہی ہے۔ اور آپ کی تلوار میں دندانہ پڑ گیا ہے، آپ نے زرہ سے مراد مدینہ لیا، اور گائے سے مراد آپ کے وہ صحابہ تھے، جو میدانِ اُحد میں شہید ہوئے، اور تلوار کی دھار میں دندانے کا مطلب یہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہلِ بیت سے کوئی آدمی شہید ہوگا۔ اور وہ سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔ (اور عاقبت متقین کے لیے ہے)۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، میں نے حضور

سے سنا، مَیں سو رہا تھا، کہ مجھے خواب میں دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا، مَیں نے اتنا دودھ پیا، کہ اس کی تری میرے ناخنوں سے نکلنے لگ گئی۔ جو بچ رہا وہ مَیں نے عمر بن خطاب کو دے دیا۔ صحابہ نے پوچھا، یا رسول اللہ! دودھ سے آپ نے کیا مراد لی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علم۔

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، مَیں سویا ہوا تھا کہ کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے جانے لگے، جن کے جسم پر کُرتے تھے، بعض لوگوں کے کُرتے سینے تک تھے اور بعض کے اس سے بھی کم تھے۔ اتنے میں عمر بن خطاب کو میرے سامنے لایا گیا۔ ان کے جسم پر ایسا کُرتہ تھا، جسے وہ زمین پر گھسیٹتا آ رہا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس کی کیا تعبیر ہے؟ آپ نے فرمایا۔ دین۔ (بخاری)

امام بخاری حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، مَیں سویا ہوا تھا مَیں نے دیکھا، کہ مجھے سونے کے دو کپڑے پہنائے گئے، جنہیں مَیں نے سخت ناپسند کیا۔ پھر مجھے اجازت دی گئی، مَیں نے پھونک ماری اور وہ دونوں اڑ گئے۔ مَیں نے اس کی یہ تعبیر کی۔ کہ دو جھوٹے نبی میری امت میں پیدا ہوں گے۔ ان میں سے ایک اسود عنسی تھا جسے فیروز نے یمن میں قتل کیا تھا اور دوسرا مسیلمہ کذاب تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس طرح مذکور ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مَیں سو رہا تھا۔ کہ میرے پاس دنیا بھر کے خزانے لائے گئے اور میرے ہاتھوں میں دو کنگن دے دیئے گئے۔ خزائن ارض سے مراد قیصر و کسریٰ کے وہ ممالک ہیں، جو مسلمانوں نے فتح کیے۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسولِ کریم

سے نے فرمایا، مَیں نے ایک سیاہ فام عورت کو جس کے بال پریشاں تھے خواب میں دیکھا وہ مدینے سے نکلی اور جحفہ میں آکر رک گئی۔ جس سے مَیں یہ سمجھا، کہ اس سے مراد وہ وبا ہے۔ جو مدینے سے نکل کر وہاں چلی گئی ہے۔

حضرت ابوموسیٰ سے صحیحین میں مروی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں مکّے سے ہجرت کر کے ایک ایسے شہر میں جا رہا ہوں جس میں کھجوریں ہیں۔ مَیں سمجھا کہ اس سے مراد یمامہ یا ہجر ہے، لیکن وہ مدینہ نکلا۔

امام مسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں، مَیں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ مَیں نے ایک رات خواب میں دیکھا، گویا مَیں دارِ عقبہ بن نافع میں ہوں۔ پھر ہم تروتازہ کھجوروں کے پاس آئے، جو ابن طاب کے کھجوروں کی طرح تھیں، آپ نے اس کی یہ تعبیر کی، کہ مسلمانوں کو دین و دنیا میں بلندی اور عزت حاصل ہو گی۔ اور ہمارا دین پسند کیا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا مَیں نے خواب میں دیکھا، کہ مَیں ایک کنوئیں کی منڈیر پر کھڑا ہوں اور اس پر ڈول ہے، مَیں اس سے پانی کے ڈول نکالتا رہا جب تک خدا کی مرضی تھی۔ پھر ابوبکر نے وہ ڈول لے لیا اور اس نے ایک یا دو ڈول نکالے۔ جب وہ کھینچتا تھا، تو معلوم ہوتا تھا، کہ وہ کچھ کمزور ہے، خدا اسے معاف کرے۔ پھر بڑا ڈول بدلا اور اسے عمر نے پکڑ لیا۔ مَیں نے لوگوں کے سرداروں میں سے کسی کو نہیں دیکھا جس نے عمر کی طرح ڈول کشی کی ہو۔ تاآنکہ لوگ پوری طرح سیر ہو گئے۔ اس خواب کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے دو خلفا کی زندگیوں سے ہے۔

امام احمد اور ابوداؤد نے سمرہ بن جندب سے روایت کی، کہ ایک شخص نے حضورِ اکرم کی خدمت میں عرض کی، یا رسول اللہ! مَیں نے خواب میں دیکھا، کہ آسمان سے ایک

ڈول لٹکایا گیا۔ اتنے میں ابوبکر آئے اور انہوں نے چرخی کو پکڑا اور تھوڑا سا پانی پیا۔ پھر عمر آئے، انہوں نے چرخی پکڑ لی، اور خوب پیٹ بھر کر پیا۔ پھر علی آئے، اور چرخی اٹھا لی گئی اور ان پر اس کے کچھ چھینٹے پڑے۔

لوگوں کے خوابوں کی تعبیرات:- حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے، تو صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر دریافت فرماتے اگر تم میں سے کسی نے رات کو خواب دیکھا ہے، تو بیان کرو، کہ میں تمہیں اس کی تعبیر بتاؤں۔ چنانچہ لوگ اپنے خواب بتلاتے۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھنا چھوڑ دیا، تاکہ تعبیرات کے نتائج مخفی رہیں۔ چنانچہ جو شخص از خود خواب بیان کرتا، رسولِ کریم تعبیر بیان فرما دیتے۔

اس سلسلے میں جو عجیب تریں تعبیر آپ سے نقل کی گئی ہے، وہ زرارہ بن عمرو النخعی کے بارے میں ہے۔ وہ بنو نخع کے وفد کے ساتھ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کیا، یا رسول اللہ! میں نے راستے میں خواب میں دیکھا، کہ ایک گدھی نے جسے میں قبیلے میں چھوڑ آیا تھا۔ بچہ جنا جو چتکبرے رنگ کا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا، کیا تو نے گھر میں ایسی عورت چھوڑی ہے جو حاملہ ہو۔ اس نے کہا، ہاں یا رسول اللہ! ایک لونڈی حاملہ تھی۔ آپ نے فرمایا، اس نے بچہ جنا ہے، جو تیرا بیٹا ہے۔ عرض کیا، یا رسول اللہ، چتکبرے کا کیا مطلب ہے، فرمایا، قریب آجاؤ، پوچھا، کیا تمہیں برص ہے، جسے تم چھپائے پھرتے ہو۔ اس نے جواب دیا، درست ہے یا رسول اللہ۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اسے نہ کسی نے دیکھا اور نہ اس کا کسی کو علم ہی ہے۔ فرمایا، یہ وہی چیز ہے، زرارہ نے کہا، میں نے نعمان بن منذر کو دیکھا۔ اس نے دو بالیاں، دو چوڑیاں اور دو سونے کے کنگن پہن رکھے تھے۔ فرمایا، اس سے مراد ملک عرب ہے، جو پھر سے پُررونق ہو گیا ہے، پھر

اس نے کہا، مَیں نے ایک بڑھیا دیکھی جس کے بال سیاہ اور سفید ہیں، وہ زمین سے برآمد ہوئی، فرمایا، یہ دنیا کا باقی ماندہ حصّہ ہے۔ پھر انہوں نے کہا، مَیں نے زمین سے آگ کو نکلتے دیکھا، جو میرے اور میرے بیٹے عمر کے درمیان حائل ہو گئی اور وہ کہہ رہا تھا، شعلہ شعلہ، بینا، نابینا، تمہارے مال اور اولاد کو نگل جائے گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ آخری زمانے کے فتنے ہیں۔ انہوں نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ! فتنہ کیا شے ہے، فرمایا، لوگ اپنے لیڈروں سے دھوکا کھائیں گے۔ پھر وہ سر کی ہڈیوں کی طرح باہم الجھ جائیں گے۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں کو باہم پھنسا دیا) مفسد خود کو محسن شمار کرے گا اور مومن، مومن کے خون کو ٹھنڈے پانی سے شیریں تر شمار کرے گا۔

قیس بن عباد راوی ہے، کہ مَیں احباب کے ایسے حلقے میں تھا جس میں سعد بن مالک اور عبداللہ بن عمر موجود تھے۔ ان کے پاس سے عبداللہ بن سلام گزرے، تو اہلِ حلقہ کہنے لگے کہ یہ شخص اہلِ جنت سے ہے۔ مَیں نے عبداللہ سے اس کا ذکر کیا، وہ کہنے لگے، انہیں ایسی بات نہیں کہنا چاہیئے تھی جس کا انہیں علم نہیں۔ عبداللہ بن سلام کہنے لگے مَیں نے خواب میں دیکھا، کہ ایک سبز باغ کے اندر ایک ستون نصب کیا گیا۔ اس کی چوٹی پر ایک رسی ہے اور نیچے ایک غلام کھڑا ہے، وہ مجھ سے کہنے لگا۔ اوپر چڑھ جاؤ۔ مَیں چڑھ گیا اور رسی کو پکڑ لیا۔ مَیں نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے اپنا خواب بیان کیا، فرمایا، تم فوت ہوگے اور دین کی مضبوط رسی پکڑے ہوگے۔ (بخاری)

امام مسلم راوی ہیں، عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا، مَیں سویا ہوا تھا، دیکھا، کہ ایک شخص خواب میں آیا، میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا، اٹھو، مجھے ساتھ لے کر چل دیا، ہم ایک راستے پر جا پہنچے، جو بائیں جانب سے آتا تھا۔ ایک کشادہ راستہ میرے دائیں ہاتھ بھی تھا۔ اس آدمی نے کہا، یہ راستہ پکڑ لو، ہم ایک پہاڑ کے قریب پہنچ گئے، مجھے کہا، اوپر چڑھو۔ مَیں نے تعمیل کی، لیکن نیچے گر پڑا۔ اس عمل کو کئی دفعہ دہرایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے سُن کر فرمایا، اس خواب میں تیرے لیے بھلائی ہے۔ کشادہ راستے سے مراد میدانِ حشر ہے اور پہاڑ سے مراد شہدا کا مقام ہے، لیکن تم وہاں نہیں پہنچ سکو گے۔ یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی علامت ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو شہادت نہ نصیب ہو سکی اور وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عہدِ خلافت میں فوت ہوئے تھے۔

بخاری نے ام العلا سے روایت کی، کہ مَیں نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے بیعت کی اور عثمان بن مظعون کی وفات کے بعد مَیں نے خواب میں ایک بہتا چشمہ دیکھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا، یہ اُس کا عمل ہے، جو بعد از وفات جاری ہے۔

فصل سوم

اس فصل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب کی باتوں کا ذکر ہے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے، کہ علمِ غیب خدا کی ذات کا خاصہ ہے، اور جن باتوں کا ظہور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور کی زبان سے ہوا، وہ خدا کی طرف سے (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے اثبات کے لیے) یا تو بذریعہ وحی ہوا یا بذریعہ الہام۔ حدیث میں آیا ہے، آپ نے فرمایا، بخدا مجھے ان ہی چیزوں کا علم ہوتا ہے جو خدا مجھے بتاتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوّت کی شہرت اور دین کی اشاعت، امورِ غیب کے علم پر منحصر ہے، چنانچہ اس عہد کے لوگ اپنے ساتھی سے کہا کرتے، خاموش رہو۔ اگر ہم میں کوئی اس کا مخبر نہ بھی ہو، جب بھی بطحا کے کنکر اسے

ہماری باتیں بتلادیں گے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

وَفِینَا رَسُولُ اللّٰهِ یَتْلُو کِتَابَهٗ ۔۔۔ إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوفٌ مِنَ الصُّبْحِ سَاطِعُ

أَرَانَا الْهُدٰی بَعْدَ الْعَمٰی فَقُلُوبُنَا ۔۔۔ بِهٖ مُوقِنَاتٌ أَنَّ مَا قَالَ وَاقِعُ

(ترجمہ) ۱۔ اور ہم میں رسولِ کریم ہیں، جو اللہ کی کتاب کو اس وقت پڑھتے ہیں، جب صبح کا روشن چہرہ نمودار ہوتا ہے۔

۲۔ آپ نے اندھے پن کے بعد ہدایت کی روشنی دکھائی، ہمیں آپ کی ان باتوں سے اس امر کا یقین ہے کہ جو آپ نے فرمایا وہ ضرور واقع ہوگا۔

اسی طرح حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں :۔

نَبِیٌّ یَرٰی مَالَا یَرَی النَّاسُ حَوْلَهٗ ۔۔۔ وَیَتْلُو کِتَابَ اللّٰهِ فِی کُلِّ مَشْهَدِ

فَإِنْ قَالَ فِی یَوْمٍ مَقَالَةَ غَائِبٍ ۔۔۔ فَتَصْدِیقُهَا فِی ضَحْوَةِ الْیَوْمِ أَوْ غَدِ

۱۔ آپ ایسے پیغمبر ہیں، کہ جس کا مشاہدہ آپ کرتے ہیں آپ کے اردگرد رہنے والے لوگ ان چیزوں کو نہیں دیکھ پاتے۔

۲۔ اگر آپ کسی دن، کوئی غائب کی بات کہہ دیں۔ اس کی تصدیق اسی دن دوپہر کو ہو جاتی ہے، یا دوسرے دن۔

یہ فصل دو حصّوں میں منقسم ہے۔ حصّہ اول میں وہ باتیں ہیں جن کے بارے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی اور قرآنِ حکیم میں ان کا ذکر ملتا ہے: مثلاً

وَإِنْ کُنْتُمْ فِی رَیْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهٖ تا فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا۔[1] آیت کریمہ کے اس ٹکڑے میں وَلَنْ تَفْعَلُوا کی ترکیب اطلاع عن الغیب ہے، چونکہ وہ لوگ حد درجہ فصیح و بلیغ تھے، اس لیے اصولاً یہ بات ان کی عادت کے خلاف ہے۔ اسی طرح قرآن

---

[1] بقرہ : ۲۳، ۲۴

کی یہ آیت :- وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰهُ اِحْدَی الطَّائِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَةِ تَکُوْنُ لَکُمْ ۔[1] طائفتین سے مراد قافلۂ تجارت اور لشکر ہے۔ خدا نے انہیں ان کے دل کی بھی بات بتا دی اور اپنا وعدہ بھی وفا کیا اور بلاشبہ یہ وعدہ جنگ سے پہلے کیا گیا تھا۔ اسی طرح اللہ کا یہ وعدہ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۔[2] (یعنی کفار قریش کو بدر کے دن یہ صورت پیش آئے گی) حالانکہ ان کی تعداد نو سو اور ہزار کے درمیان تھی۔ اور مالدار ہونے کے علاوہ پوری طرح مسلح تھے اور مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ اللہ نے کفار کو شکست دی اور کفار کے بہادروں کے قتل اور مالِ غنیمت سے مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی۔

اسی طرح ارشادِ باری ہے :- سَنُلْقِیْ[3] فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَکُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا ۔ اس سے مراد وہ رعب ہے، جو خدا نے اُحد کے دن کفار کے دلوں میں ڈال دیا اور وہ بغیر وجہ بھاگ گئے۔

نیز ارشاد ہوتا ہے :- الٓمّٓ[4] ، غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۔ اس آیت کے نزول کی وجہ یہ ہے، کہ قیصر و کسریٰ میں جنگ ہوئی، جس میں کسریٰ کو فتح ہوئی۔ مسلمانوں کو اس سے رنج ہوا، کیونکہ اہلِ روم، اہلِ کتاب تھے، اور نیز اس لیے کہ قیصر نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب کی تعظیم کی تھی ؟ اور کسریٰ نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے مکتوب کو پھاڑ دیا تھا؟ اور کفارِ مکہ کو کسریٰ کی فتح سے خوشی ہوئی تھی، پس خدا نے قرآن میں بتا دیا کہ چند برسوں کے بعد رومیوں کو فتح حاصل ہوگی (بضع سے مراد تین سے دس تک ہے) چنانچہ رومیوں نے،

---

[1] انفال : ۷ [2] قمر : ۴۵ [3] آل عمران : ۱۵۱ [4] روم : ۲-۴

ایرانیوں کو حدیبیہ کے موقعہ پر شکست دی تھی اور انہیں اپنے علاقے سے نکال دیا تھا اور یہ واقعہ سات سال کے بعد پیش آیا تھا۔

اسی طرح ارشادِ باری ہے :۔ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ [1] اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ۔اس آیت میں اطلاع دی گئی ہے، کہ وہ نہ تو دل سے موت کی خواہش کرتے ہیں اور نہ زبان سے۔ حالانکہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ اگر انہیں اس کا یقین نہ ہوتا۔ اگر انہوں نے زبان سے بھی موت کی خواہش کی، تو موت انہیں دبوچ لے گی، تو وہ قرآن کی تکذیب کے لیے ضرور ایسا کرتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر وہ موت کی خواہش کرتے، تو فی الفور ہر آدمی کا گلا بند ہو جاتا اور وہ مر جاتا، اور روئے زمین پر کوئی یہودی باقی نہ رہتا۔

اسی طرح ارشاد ہوتا ہے :۔ وَعَدَ اللّٰهُ [2] الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔اس آیت میں خدا کی طرف سے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے وعدہ کیا گیا ہے، کہ وہ آپ کی امت کو آپ کے بعد خلیفہ فی الارض، نیز لوگوں کے امام اور ان کا والی مقرر فرمائے گا۔ چنانچہ ان کی وجہ سے مختلف ممالک میں اخلاقی اصلاح ہو جائے گی، اور لوگ امتِ محمدیہ کے مطیع ہو جائیں گے۔ اور بالکل ایسا ہی ہوا، اور خدا کا شکر کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے پہلے ہی مکہ، خیبر، بحرین، باقی جزیرۂ عرب اور سارا یمن فتح ہو گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہجر کے مجوسیوں اور شام کے نواحی سے جزیہ وصول کیا اور قیصرِ روم کے علاوہ مقوقس مصر، اسکندریہ، نیز شاہ عمان اور حبشہ کے شاہ نجاشی نے جو اصمہ کے بعد والی سلطنت ہوا تھا، تحائف بھیجے۔ اور جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے، تو جن لوگوں نے علیحدہ ہونا چاہا، خلیفہ نے انہیں ایسا نہ کرنے دیا، اور

---
[1] بقرہ: ۹۵ [2] نور: ۵۵

سارے جزیرۂ عرب کو ہموار کر دیا اور اسلامی لشکر نے فارس پر چڑھائی کی اور اس کا ایک حصہ فتح کر لیا۔ دوسرا لشکر شام کو اور تیسرا مصر کو روانہ کیا۔ چنانچہ حضرت صدیق کے عہدِ خلافت میں اس لشکر نے بصریٰ، دمشق اور ان کے اطراف کے علاوہ حوران اور اس کا علاقہ بھی فتح کر لیا۔ جب وہ وفات پا گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے ایسے جانشین ہوئے کہ بعد از انبیا چشمِ فلک نے ان کی مثال شاید ہی دیکھی ہوگی اور ان کے عہدِ خلافت میں شامی علاقے تمام کے تمام، نیز مصر اور فارس کا بیشتر حصہ اسلامی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں، اسلامی حکومت کی حدود مشرق اور مغرب میں دُور دُور تک پھیل گئیں۔ اور مشرق و مغرب سے خراج کا آنا شروع ہو گیا۔ اس کے بعد بھی اسلامی ممالک کی وسعت بڑھتی رہی اور اب ہم خدا اور رسول کے وعدے کی صداقت کو بچشمِ خود دیکھ رہے ہیں۔

نیز ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ۔ کے رو سے یہود تمام دنیا کے کفار میں سے ذلیل ترین مخلوق ہیں۔

اسی طرح ارشادِ باری :- هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ اور یہ امر واضح ہے، کہ فی الوقت دینِ اسلام تمام ادیان پر غالب ہے۔

اسی طرح ارشاد ہوتا ہے : اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ حسبِ بشارت اقوامِ عالم دینِ اسلام میں گروہ در گروہ داخل ہوئیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے وقت، عرب کا کوئی شہر یا بستی ایسی نہ تھی، جہاں اسلام نہ پہنچ چکا ہو۔

قسم دوم :- اس عنوان کے تحت ان غیب کی باتوں کا ذکر ہے، جن کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی، لیکن قرآن میں اس کا ذکر نہیں آیا۔ چنانچہ یہ امورِ غیب، رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی وفات کے بعد اسی طرح

ل بقرہ : ۶۱ س توبہ : ۳۳ س نصر : ۱

ظہور پذیر ہوئے، جیساکہ آپ کی زندگی میں ہوتے رہے تھے۔

۱۔ طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خدا نے دنیا میرے سامنے لا کھڑی کی ہے، چنانچہ مَیں اسے اور جو کچھ اس میں تا قیامت ظہور پذیر ہوتا رہے گا، یوں دیکھ رہا ہوں جس طرح کہ ہاتھ کی ہتھیلی کو۔

۲۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے درمیان ایسے مقام پر سرفراز رہے کہ آپ نے تا قیامت وقوع پذیر اشیا کا ذکر فرما دیا۔ چنانچہ جو آدمی ان کو یاد رکھ سکا، اس نے یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا، اس نے بھلا دیا۔ اور میرے ان دوستوں کو وہ باتیں یاد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ مَیں کوئی بات بھول چکا ہوں لیکن مَیں اسے دیکھتے ہی پہچان لوں گا اور مجھے اس طرح اس کی یاد آ جائے گی، جس طرح کوئی شخص کسی غائب ہونے والے آدمی کو یاد رکھتا ہے، اور دیکھتے ہی اسے پہچان لیتا ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا، مَیں نہیں کہہ سکتا، آیا میرے احباب ان باتوں کو بھول چکے ہیں، یا بھول جائیں گے۔ بخدا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک آنے والے تمام مفسدوں اور ان کے ساتھیوں کا ذکر فرما دیا تھا۔ جن کی تعداد تین سو سے کچھ اوپر تھی۔ نیز آپ نے ان کے، ان کے آبا کے اور ان کے قبیلوں کے نام بھی ہمیں بتا دیئے تھے۔ (ابوداؤد)

۳۔ امام مسلم عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں، کہ دجال دس سواروں کو بطور جاسوس (دریافت حال) کے لیے روانہ کرے گا۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، مجھے ان کے نام معلوم ہیں اور ان کے باپ دادا کے بھی۔ نیز ان کے گھوڑوں کے رنگوں کا بھی مجھے علم ہے۔ اور وہ دنیا کے بہترین شاہ سواروں میں شمار ہوتے ہیں اس سے واضح ہوا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان حالات سے واقف تھے جو آپ کی

زندگی میں وقوع پذیر ہوئے اور نیز ان سے جو آپ کے انتقال کے بعد واقع ہوں گے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں ہم سے رخصت ہوئے، کہ ہوا کے اندر اگر کوئی پرندہ بھی اپنے پر پھڑپھڑاتا تھا، تو رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ہمیں اس کے بارے میں بتا دیا کرتے تھے۔

۴۔ شیخین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے، کہ جس دن نجاشی (اصحمہ) کی موت واقع ہوئی، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتا دیا، آپ صحابہ کے ساتھ عیدگاہ کو تشریف لے گئے، نمازِ جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔

۵۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام احمد اور بخاری نے روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُحد کے پہاڑ پر چڑھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، عمر، اور عثمان رضی اللہ عنہم تھے۔ اتنے میں پہاڑ کانپنے لگ گیا، اور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اس پر پاؤں مار کر فرمایا، اے اُحد! مت کانپ، کیونکہ تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا، جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

۶۔ شیخین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کسریٰ اور قیصر مر گئے، تو ان کے بعد مزید کوئی کسریٰ اور قیصر نہیں ہوگا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، کہ تم ان کے خزانوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔ امام نووی لکھتے ہیں، امام شافعی اور باقی علما کا خیال ہے، کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بعد ازیں عراق میں کسریٰ نہیں ہوگا اور شام میں قیصر نہیں ہوگا، جیسا کہ آپ کے زمانے میں تھا۔ اس طرح آپ نے ان کی حکومتوں کے خاتمے کے بارے میں اطلاع دے دی۔

۷۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سراقہ سے فرمایا، جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے تو تمہارا کیا حال ہوگا۔ جب وہ کنگن لائے گئے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں پہنائے

اور کہا، خدا کا شکر ہے کہ اس نے کسریٰ سے چھین کر سراقہ کو جو بنو مدلج کا بدو عرب ہے، پہنا دیئے۔

۸۔ اسی ذیل میں آتا ہے وہ واقعہ ہے، جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا کچھ مال چھپا کر اپنی بیوی ام الفضل کے پاس رکھ دیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بتا دی، حالانکہ سوائے حضرت عباس اور ام الفضل کے اور کسی کو اس کا علم نہ تھا۔ اس کے بعد حضرت عباس ایمان لے آئے۔

۹۔ اسی طرح آپ نے اس خط کی نشاندہی فرما دی جو حضرت حاطب نے اہلِ مکہ کو لکھا تھا۔

۱۰۔ آپ کی اونٹنی گم ہو گئی، اور اس کی مہار ایک درخت میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ واقعہ بھی لوگوں کو بتا دیا تھا۔

۱۱۔ جب کفار جنگِ احزاب سے واپس چلے گئے، تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اب ہم ان سے جنگ کرنے جایا کریں گے، یہ ہم سے جنگ کرنے نہیں آئیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۱۲۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے بہ مقام موتہ ایک لشکر روانہ فرمایا، اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر مقرر فرمایا، حکم دیا، اگر وہ شہید ہو جائیں، تو جعفر بن ابی طالب ان کے جانشین ہوں گے اگر وہ بھی جامِ شہادت نوش کر جائیں تو عبداللہ بن رواحہ ان کی جگہ لیں گے۔ جب موتہ میں جنگ شروع ہوئی، تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے، آپ کو کشف عطا فرمایا گیا۔ چنانچہ آپ میدانِ جنگ کا نظارہ فرما رہے تھے۔ فرمایا، یہ لو، اب کمان زید بن حارثہ کے پاس ہے، وہ شہید ہو گئے، تو آپ نے ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھائی، اور فرمایا، کہ اس کی مغفرت کی دعا مانگو پھر کمان جعفر بن ابی طالب نے سنبھالی، وہ بھی شہید ہو گئے، تو آپ نے ان کی نمازِ جنازہ

بھی پڑھائی اور فرمایا اپنے بھائی جعفر کے لیے دعائے مغفرت مانگو۔ اسی طرح آپ نے صحابہ کو ان کے قتل کے بارے میں اسی وقت اطلاع دی، جب وہ مارے گئے۔

۱۳۔ حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہ جس دن حضرت جعفر اور ان کے ساتھی شہید ہوئے اسی دن آپ تشریف لائے، اور فرمایا، کہ جعفر کے بیٹے کہاں ہیں؟ میں انہیں لے آئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گلے لگایا اور چوما۔ پھر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آپ رو پڑے۔ میں نے پوچھا، یا رسول اللہ! کیا جعفر کے بارے میں آپ کو کوئی اطلاع موصول ہوئی ہے، فرمایا، ہاں وہ آج شہید ہو گیا ہے۔ (بغوی)

۱۴۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، زمین میرے سامنے پیش کی گئی، اور میں نے اس کے مشرق و مغرب پر نگاہ ڈالی۔ جلدی ہی میری امت کی سلطنت، ان مقامات تک، جو مجھے دکھائے گئے ہیں پہنچ جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور یہ سلطنت اقصائے مشرق سے بحرِ طنجہ تک پہنچ گئی۔

۱۵۔ اسی قبیل سے ہے، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے قریش کو بتایا، کہ دیمک ان کے اس صحیفے کو چاٹ گئی ہے، جو انہوں نے بنو ہاشم پر دباؤ ڈالنے اور قطع تعلقات کے لیے لکھا تھا، اور اس میں صرف اللہ کا نام سالم بچا ہے۔ اور بعد از معائنہ صورتِ حال ایسی ہی نکلی تھی۔

۱۶۔ بزاز نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث بیان کی ہے، میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو آدمی حاضر ہوئے، ایک انصاری اور دوسرا ثقفی۔ سلام کہہ کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم آپ سے کچھ دریافت کرنے آئے ہیں۔ فرمایا، اگر تم چاہو، تو میں تمہیں بتا دوں، کہ تم مجھ سے کیا دریافت کرنے آئے ہو۔ اور اگر تم چاہو، تو میں خاموش رہتا ہوں، اور تم خود دریافت کر لو۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ فرمائیں۔ ثقفی نے انصاری

سے کہا، تم آگے آؤ، اس نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ میرے متعلق ارشاد فرمائیں۔ فرمایا تُو مجھ سے یہ دریافت کرنے آیا ہے، کہ تُو گھر سے نکل کر کعبے کو جانا چاہتا ہے، تجھے کیا کرنا چاہیئے۔ اور بعد از طواف دو رکعت نماز کے بارے میں، اور تجھے کیا کرنا چاہیئے۔ اور دربارۂ سعی درمیان صفا و مروہ، اور تجھے کیا کرنا چاہیئے۔ اور عرفہ کی رات کو وقوف کے بارے میں، اور تجھے کیا کرنا چاہیئے، اور رمی جمار کے متعلق اور تجھے کیا کرنا چاہیئے اور دربارۂ قربانی، اور تجھے کیا کرنا چاہیئے۔ اور سر تراشی کے بارے میں اور نیز واپسی کے متعلق اس نے کہا، یارسول اللہ! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا۔ کہ میں یہی باتیں دریافت کرنے کو آیا تھا۔

۱۷۔ حضرت واثلہ بن اسقع سے مروی ہے، میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا، اور آپ کے پاس کچھ صحابہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں اس حلقے کے درمیان بیٹھ گیا۔ اس پر بعض صحابہ نے کہا، اے واثلہ! تم یہاں سے اٹھ کھڑے ہو، کیونکہ ہمیں ایسا کرنے سے روکا گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم اسے میرے پاس بیٹھا رہنے دو، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ یہ گھر سے کیوں آیا ہے۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ فرمائیں کہ میں کیوں آیا ہوں۔ فرمایا، تو اس لیے آیا ہے کہ مجھ سے دربارۂ نیکی اور دربارۂ شک دریافت کرے، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اس خدا کی قسم جس نے آپ کو مبعوث فرمایا، میں اسی غرض کے لیے آیا تھا۔ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، نیکی وہ ہے جو دل میں گھر کر جائے اور جس سے دل مطمئن ہو۔ اور شک وہ ہے جس کو دل نہ مانے، پس وہ چیز جس میں تجھے شبہ ہو، اس چیز کے لیے، جس میں تجھے شبہ نہ ہو، چھوڑ دے۔ خواہ تجھے، کوئی فریب خوردہ آدمی، اس بارے میں فتویٰ کیوں نہ دے۔

۱۸۔ اسی ذیل میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بات بھی آتی ہے جو آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے قبل از وفات ارشاد فرمائی تھی۔ کہ اہل بیت میں سے تم پیشتر از ہمہ

مجھ سے آملو گی، چنانچہ وہ آپ کے بعد صرف آٹھ یا چھ ماہ زندہ رہیں۔

۱۹۔ اسی طرح آپ نے ازواج مطہرات سے فرمایا، کہ تم میں سے جس کے ہاتھ لمبے ہیں (یعنی زیادہ سخی ہے) وہ سب سے پہلے مجھ سے آملے گی۔ وہ حضرت زینب بن جحش تھیں جو زیادہ صدقات دیتی تھیں۔

۲۰۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے پوچھا، کیا تم جانتے ہو کہ بعد کے آنے والوں میں بدبخت ترین انسان کون ہے۔ انہوں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا۔ تمہارا قاتل۔ (امام احمد)

۲۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امیر معاویہ سے فرمایا۔ میرے بعد جلد ہی امت کی عنانِ اختیار تیرے ہاتھ میں دے دی جائے گی۔ جب یہ حالت ہو، تو ان کے اچھے لوگوں سے حسن سلوک سے پیش آنا اور بروں کو معاف کر دینا۔ (ابن عساکر)

۲۲۔ حضرت اسامہ بن زید سے مروی ہے، کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے مدینے کے قلعوں پر نگاہ ڈالی اور فرمایا، جو کچھ میں دیکھتا ہوں کیا تمہیں بھی دکھائی دیتا ہے۔ میں تمہارے گھروں کے درمیان فتنہ و فساد کو بارش کے قطروں کی طرح برستا دیکھتا ہوں۔ چنانچہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے واقعۂ یزید تک مختلف فتنے ظہور پذیر ہوتے رہے۔

۲۳۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت ابو موسیٰ سے، جب وہ اُریس کے کنوئیں کی منڈیر پہ بیٹھے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھٹکھٹایا، فرمایا، دروازہ کھول دو، اور عثمان کو جنت کی بشارت دو۔ اس سے مراد حضرت عثمان کی شہادت تھی جو باغیوں کے ہاتھوں واقع ہوئی۔ اس کی تصریح امام احمد کی روایت میں پائی جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک فتنے کا ذکر فرما رہے تھے کہ ایک آدمی وہاں سے گزرا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ آدمی بے انصافی سے اس ہنگامے میں شہید ہوگا۔ میں نے دیکھا تو وہ عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ (بہ اسناد صحیح)

۲۴۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ جمل اور صفین کی اور حضرت عائشہ اور حضرت زبیر کی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے خلاف جنگ کا ذکر فرمایا (حاکم)، بیہقی کی روایت میں ہے، حضور نے حضرت زبیر سے فرمایا، تم علی سے جنگ کرو گے اور تم ناحق پر ہوگے۔

۲۵۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے حضرت حسن سے مخاطب ہو کر فرمایا، میرا یہ بیٹا سردارِ قوم ہے اور خدا اس کی معرفت مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں مصالحت کرائے گا (بخاری) اس کا اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے، جب حضرت حسن نے امیر معاویہ سے صلح کی۔

۲۶۔ اسی طرح آپ نے کربلا میں امام حسین کی شہادت کی اطلاع دی۔ آپ نے مٹی ہاتھ میں اٹھائی اور فرمایا، کہ اس میں امام کی آرام گاہ ہوگی۔ (بغوی)

۲۷۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار سے فرمایا، کہ تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ چنانچہ اسی طرح ہوا۔

۲۸۔ ابن عبد البر راوی ہیں، کہ حضرت عبد اللہ بن عمر نے ایک اجنبی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دیکھا۔ آپ نے فرمایا، تم نے یہ شخص دیکھا، انہوں نے کہا، ہاں یا رسول اللہ! فرمایا یہ جبریل تھے، تم جلدی ہی اپنی آنکھیں ضائع کر بیٹھو گے۔ چنانچہ وہ آخری عمر میں اندھے ہو گئے تھے۔

۲۹۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ثابت بن قیس بن شماس سے فرمایا، تو قابلِ ستائش زندگی بسر کرے گا اور بطور شہید قتل ہوگا۔ وہ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑتے لڑتے مارے گئے تھے۔

۳۰۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن زبیر سے فرمایا، خدا تجھے لوگوں سے بچائے اور لوگوں کو تجھ سے بچائے۔ چنانچہ انہیں حجاج بن یوسف کے خلاف خطرناک معرکہ پیش آیا۔

۳۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، دینِ اسلام کی ابتدا نبوت اور رحمت سے

ہوئی۔ پھر یہ دین خلافت اور رحمت میں بدل جائے گا، پھر سلطنت بنے گا اور لوگوں کیلئے زحمت ہوگا، پھر سلطنت اور جبر کا روپ دھار لیگا۔

۳۲۔ حدیث سفینہ میں مذکور ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی۔ پھر اس کے بعد ملوکیت بن جائے گی۔ صورتِ حال یہی رہی اور خلافت کے تیس سالوں کی تکمیل ان چھ ماہ سے ہوتی ہے، جن کے دوران میں حضرت حسن خلیفہ رہے۔

۳۳۔ ابونعیم نے عبداللہ بن عباس سے روایت بیان کی، کہ ام الفضل (حضرت عباس کی بیوی) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزریں تو آپ نے فرمایا "کہ تو حاملہ ہے، جب تو اس بچے کو جنے تو اسے میرے پاس لانا۔ جب بچہ پیدا ہوا، تو میں اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لے گئی، آپ نے اس کے دائیں کان میں اذان کہی اور بائیں میں اقامت، پھر فرمایا، اب اس ابوالخلفاء کو اٹھالے جاؤ۔ میں نے جاکر عباس کو بتایا، انہوں نے حاضر ہوکر اس امر کا تذکرہ کیا، فرمایا، ہاں، بات یہی ہے، کہ یہ لڑکا ابوالخلفاء ہوگا۔ تاآنکہ ان میں سفاح پیدا ہوگا اور پھر مہدی کی باری آئے گی۔

۳۴۔ حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا، وہ زمانہ قریب آرہا ہے کہ لوگ اپنی اونٹنیوں پر سوار ہوکر علما کی تلاش میں نکلیں گے۔ مگر انہیں مدینے کے عالم سے بڑا عالم نہیں ملے گا۔ سفیان بن عیینہ کی رائے ہے، کہ اس سے مراد امام مالک ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم قریش کو بُرا بھلا مت کہو، کہ ان کا ایک عالم دنیا کے مختلف حصوں کو علم سے بھر دے گا (ابو داؤد الطیالسی) امام احمد سے مروی ہے، کہ اس عالم سے مراد امام شافعی ہیں۔ کیونکہ دنیا میں کسی شخص سے بھی بہ شمولِ صحابہ، علم کی اتنی اشاعت نہیں ہوئی، جتنی کہ امام شافعی کے ہاتھوں ہوئی۔

۳۵۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ میری امت میں سے ایک گروہ تا قیامت ہمیشہ فائز بحق رہے گا۔ (بخاری و مسلم)

۳۶۔ آپ نے فرمایا، ہر صدی کے اختتام پر میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا، جو دین کی تجدید کرے گا۔ (حاکم)

۳۷۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، آہستہ آہستہ اچھے لوگ یکے بعد دیگرے رخصت ہوتے چلے جائیں گے۔ (حاکم)

۳۸۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے خوارج کے بارے میں بھی پیش گوئی فرمائی۔ حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت کی تقسیم فرمارہے تھے کہ ذوالخویصرہ آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ! انصاف کیجئے، آپ نے فرمایا، اگر میں نے انصاف نہ کیا تو اور کون کرے گا اگر میں نے انصاف نہ کیا، تو تو سخت خسارے اور گھاٹے میں ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، یارسول اللہ مجھے اجازت دیجئے، کہ میں اس کی گردن ماردوں، فرمایا، درگزر کرو، کیونکہ اس کے احباب میں ایسے لوگ شامل ہیں، کہ تمہارا ہر آدمی اس کے صوم وصلوٰۃ کو ان کے صوم وصلوٰۃ سمیت ناقابلِ توجہ خیال کرے گا، وہ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور وہ اسلام سے یوں بچ کر نکل جائیں گے، جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ ان کی علامت، ان کا وہ سیاہ فام آدمی ہے جس کا ایک کندھا عورت کے پستان کی طرح ہے وہ ایک موقعہ پر لوگوں سے علیحدہ ہوکر بغاوت کردیں گے۔ حضرت ابوسعید کہتے ہیں، میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے آپ سے یہ بات سنی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان سے جنگ کی اور میں حضرت علی کے ساتھ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کی تلاش کا حکم دیا۔ تلاش سے وہ مل گیا، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لایا گیا چنانچہ میں نے اسے ویسا ہی پایا، جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا۔

۳۹۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رافضیوں کے فرقے کے متعلق بھی اطلاع دی۔ بیہقی نے حضرت علی سے یہ روایت بیان کی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، میری امت میں ایک گروہ ایسا ہوگا، جسے رافضی کہا جائے گا، کیونکہ وہ اسلام کو چھوڑ دیں گے۔

۴۰۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قدریہ اور مرجیۂ فرقے کے بارے میں بھی خبر دی، فرمایا، کہ یہ لوگ اس امت کے مجوسی ہیں (طبرانی) قدریہ کو قدریہ اس لیے کہتے ہیں، کہ وہ تقدیر کے منکر ہیں، اور وہ افعال انسانی کو اس کی اپنی کارگزاری قرار دیتے ہیں، اور نیز ان کا یہ اعتقاد ہے، کہ شر خدائی تقدیر نہیں۔ مرجیۂ، عمل اور ارادے میں کسی رشتے کے قائل نہیں کیونکہ ان کے نظریے کے رُو سے ایمان قول کا نام ہے، نہ کہ عمل کا۔

۴۱۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے صحابہ کو بعض ایسی باتیں بھی بتائیں۔ جن کا تعلق اس زمانے سے تھا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور قیامِ قیامت کے درمیان واقع ہے۔ اور اس کے اچانک آجانے سے ڈرنے کی ہدایت فرمائی۔ اور قیامت اس وقت قائم ہوگی، جب دنیا کی ساری (مخفی) دولت ظاہر ہو جائے گی۔ اسی طرح یہ روایت بھی ہے کہ دنیا سے امانت اور قرآن اٹھالیا جائے گا، خیانت اور حسد پھیل جائے گا۔ مرد کم ہو جائیں گے اور عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ اور اسی طرح کی اور باتیں جن کی صحت پر احادیث وارد ہیں۔

۴۲۔ بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت اس وقت قائم ہوگی جب دو بڑے گروہوں کے درمیان زبردست جنگ ہوگی اور دونوں کا مقصد ایک ہوگا نیز جب تقریباً تیس جھوٹے اور مکار آدمی پیدا ہوں گے، ان میں سے ہر آدمی یہ خیال کرے گا کہ وہ خدا کا پیغمبر ہے۔ اسی طرح علم کم ہو جائے گا اور زلزلے زیادہ آئیں گے زمانہ قریب الختم ہو جائے گا، فتنے پھیل جائیں گے اور خونریزی بڑھ جائے گی۔ اسی طرح مال کی اتنی کثرت ہو جائے گی کہ ایک آدمی ایسے شخص کی تلاش کرے گا، جو صدقہ قبول کرے، وہ اسے اس آدمی

کے سامنے پیش کرے گا لیکن وہ پینے سے انکار کر دے گا۔ لوگ اپنی اصل پر فخر کریں گے اور ایک آدمی دوسرے کی قبر سے گزرے گا اور کہے گا، کاش میں اس کی جگہ ہوتا سورج مغرب سے طلوع کرے گا۔ جب ایسی صورت پیش آئے گی اور لوگ دیکھیں گے، تو لوگ بالاجماع ایمان لے آئیں گے۔ لیکن اس وقت ایمان لانا اس آدمی کو مفید نہیں ہو گا، جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا اور ایمان لا کر کوئی بھلائی نہیں کی۔

اور بلاشبہ قیامت کا قیام ایسی حالت میں وقوع پذیر ہو گا، کہ دو آدمیوں نے کپڑے پھیلا رکھے ہوں گے، نہ تو وہ خرید و فروخت کر پائیں گے اور نہ اسے لپیٹ سکیں گے۔ اسی طرح بلاشبہ قیامت کا قیام ایسی حالت میں عمل میں آئے گا، کہ ایک آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ دوہ کر لائے گا مگر اسے پی نہ پائے گا اور بلاشبہ قیامت آجائے گی اور ایک آدمی اپنے حوض کو لیپ رہا ہو گا مگر اس سے پینے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اسی طرح قیامت ایسی حالت میں آموجود ہو گی کہ ایک آدمی نے لقمہ ہاتھ میں اٹھایا ہو گا اور اسے کھانے کا موقعہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح کی تیرہ علامات ہیں، جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث میں جمع کی ہیں اور جن میں سے اکثر علامات واقع ہو چکی ہیں۔

۴۳۔ بخاری اور مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیام قیامت سے پہلے حجاز سے ایک آگ نمودار ہو گی، جس کی چمک سے بُصری میں اونٹوں کی گردنیں دیکھی جا سکیں گی اور مدینہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ایک زبردست آگ ظاہر ہو چکی ہے۔ اور اس کی ابتداء ایک زبردست زلزلے سے ہوئی تھی، جو ۶۵۴ ہجری میں جمادی الآخر کی تین تاریخ کو بدھ وار کے دن بعد از نماز عشاء آیا تھا۔ اور منگل وار کے دن ہی زلزلے کے جھٹکے تیز ہو گئے تھے لپکپاہٹ بڑھ گئی تھی۔ پے در پے شکست و ریخت جاری تھی اور زمین پر ہر چیز کانپ رہی تھی، چنانچہ اہل مدینہ کو تباہی کا یقین ہو گیا تھا۔ چونکہ ایک دن میں (رات کو چھوڑ کر) اٹھارہ جھٹکے آئے تھے، اس

لیے لوگ سخت گھبرا گئے تھے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مدینے میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آرہے تھے اور اس آگ سے ایسا طوفان گرد وغبار اٹھ رہا تھا جیسا کہ سمندر میں طوفان اٹھتا ہے۔ یہ آگ یمن کے ایک قصبے کے پاس جا کر ختم ہو گئی، جسے اس نے جلا ڈالا۔ میرے بعض احباب نے مجھے بتایا کہ انہوں نے اس آگ کو پانچ دن کی مسافت سے دیکھا تھا۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ یہ آگ مکے سے بھی دکھائی دیتی تھی اور نیز بصریٰ کی پہاڑیوں سے بھی۔ قطب القسطلانی لکھتے ہیں، کہ یہ آگ باون دن جلتی رہی، اور رجب کی ستائیس تاریخ کو جو شبِ معراج ہے مکمل طور پر بجھ گئی۔

باب نہم

اس باب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات کا ذکر ہے' اللہ نے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا :- وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَکُنْ مِّنَ السَّاجِدِیْنَ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی[1] ـــــ یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ ۔ نیز ارشاد ہوتا ہے :- وَاعْبُدْہُ[2] وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِہٖ اور وَلِلّٰہِ[3] غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ فَاعْبُدْہُ وَتَوَکَّلْ عَلَیْہِ ۔ علماء میں باہم اس امر پر اختلاف ہے، کہ آیا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے کسی سابقہ شریعت کے مطابق عمل کرتے تھے یا نہیں ۔ ایک جماعت کی رائے ہے، کہ آپ کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے اور یہی عام لوگوں کا خیال ہے اور مندرجہ ذیل آیت میں :- ثُمَّ[4] اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا ۔ مراد اتباع فی التوحید ہے ۔ شیخ الاسلام بلقینی، شرح بخاری میں لکھتے ہیں، کہ جو احادیث ہمارے علم میں آئی ہیں، ان میں کہیں آپ کی عبادت کی کیفیت کا ذکر نہیں لیکن ابن اسحاق وغیرہ لکھتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایک مہینے کے لیے غارِ حرا میں عبادت کے لیے جایا کرتے تھے اور جب اس عزلت گزینی سے واپس ہوتے، تو گھر تشریف لے جانے سے پہلے کعبے کا طواف کرتے اور بعض لوگوں کے خیال میں عبادت سے مراد یہی غور و فکر ہے ۔

---

[1] النحل : ۹۷ - ۹۹ [2] مریم ۶۵ [3] یوسف : ۱۲۳ [4] النحل : ۱۲۳

یہ باب سات فصول پر مشتمل ہے

فصل اوّل

اس فصل میں طہارت کا ذکر ہے

اس کے چھ حصے ہیں۔ حصۂ اول میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو، مسواک اور پانی کی مقدار کا ذکر ہے۔ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں، کہ اہلِ سیر کا اس پر اتفاق ہے، کہ غسل جنابت حضور پر مکی زندگی ہی میں فرض کر دیا گیا تھا جس طرح نماز، جو آپ ہمیشہ وضو کر کے ادا فرماتے تھے۔ اور کوئی پڑھا لکھا اس سے نابلد نہیں ہوگا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو فرماتے تھے، ان سے پوچھا گیا، کہ آپ لوگ کیا کرتے تھے؟ انہوں سے جواب دیا، جب تک وضو ٹوٹ نہ جاتا، ہم اسے درست سمجھتے۔ (اور نماز پڑھتے رہتے) (بخاری) امام مسلم نے حضرت بریدہ سے روایت کی، کہ حضور اکرم ہر نماز کے لیے وضو فرماتے مگر فتح مکہ کے موقعہ پر آپ نے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آج آپ نے ایک ایسی بات کی جو اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھی۔ فرمایا، اے عمر! مَیں نے دانستہ ایسا کیا ہے تاکہ اس کا جواز ثابت ہو۔ اور امام احمد اور ابو داؤد نے عبداللہ بن غسیل سے روایت کیا ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے تازہ وضو فرماتے تھے، جب یہ باعث تکلیف ہو گیا، تو آپ کو ہر نماز سے پہلے مسواک کا حکم دیا گیا، اور وضو کی شرط اڑا دی گئی ہاں مگر بصورتِ حدث۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین باتیں مجھ پر فرض ہیں جو تمہارے لیے سنت ہیں۔ وتر، مسواک اور نمازِ تہجد (طبرانی) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غسل کے لیے ایک صاع (چار سیر)، اور وضو کے لیے ایک مُد (ایک سیر) پانی استعمال کرتے تھے۔

حصۂ دوم میں ذکر ہے حضور اکرم کے وضو کا :- (ایک بار، دو بار اور سہ بار)
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بخاری میں مروی ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر عضو کو ایک ایک بار دھویا۔ حضرت عبداللہ بن زید سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر عضو کو دو دو بار دھویا۔ اور فرمایا، کہ یہ نُورٌ عَلیٰ نور ہے (رُزَین) حضرت عثمان راوی ہیں، کہ حضور نبی کریم علیہ التحیہ والتسلیم نے ہر عضو کو تین تین دفعہ دھویا۔ (احمد و مسلم)

حصۂ سوم، حضور اکرم کے وضو کی کیفیت کے بارے میں ہے :- حضرت عثمان سے مروی ہے کہ آپ نے پانی کا برتن منگوایا اور ہاتھ پر تین دفعہ پانی ڈالا، انہیں دھویا، پھر دائیں ہاتھ کو برتن میں ڈال کر کُلی کی اور پھر ناک میں ڈالا، پھر منہ کو تین بار اور بازوؤں کو کہنیوں تک تین بار دھویا، پھر سر پر مسح کیا، پھر ٹخنوں تک پاؤں کو تین بار دھویا۔ پھر فرمایا، جو شخص میری طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے اور اس دوران میں اپنے آپ سے کوئی بات نہ کرے (دل میں اور کوئی خیال نہ آنے دے) اس کے تمام پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم الانصاری سے مروی ہے کہ مجھے لوگوں نے کہا، کہ میں رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے وضو کا نمونہ بتاؤں۔ میں نے پانی کا برتن منگوایا، اور اس سے ہاتھوں پر پانی ڈال کر انہیں دھویا، پھر برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی نکالا، ایک ہاتھ سے کلی کی اور ناک میں تین بار پانی ڈالا۔ پھر برتن میں ہاتھ ڈال کر دو دو دفعہ کہنیوں تک ہاتھ دھوئے، پھر ہاتھ ڈالا، تو سر پر مسح کیا، ہاتھوں کو پہلے آگے لایا پھر پیچھے لے جایا گیا۔ پھر پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا۔ میں نے کہا، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس طریقے پر وضو فرمایا کرتے تھے۔ ایک روایت میں مذکور ہے، کہ وہ صحابی پہلے اپنے ہاتھوں کو آگے لائے اور پھر پیچھے لے گئے، یعنی ابتدا سر کے اگلے حصے سے کی، پھر ہاتھوں کو پیچھے گدی تک لے گئے۔ پھر انہیں وہاں تک لائے، جہاں سے شروع کیا تھا۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)

ابوداؤد کی روایت میں مذکور ہے، کہ انہوں نے سر پر مسح کرکے کانوں کے اندر اور باہر بھی مسح کیا اور کانوں کے سوراخ میں انگلی ڈالی۔ اور ابوداؤد کی روایت کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کان کے اندر بھی مسح فرماتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ آپؐ اپنی ریش مبارک کا خلال کرتے تھے۔ (ترمذی وابن ماجہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ حضور اکرم وضو کے بعد اپنے رخسار کو تھوڑا سا ملتے اور پھر نیچے سے اپنی ڈاڑھی میں انگلیوں سے خلال کرتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وضو کر چکتے، تو چلو بھر پانی لے کر ٹھوڑی کے نیچے سے ڈاڑھی میں ڈالتے اور خلال کرتے اور فرماتے کہ مجھے خدا نے اس کا حکم دیا ہے (ابوداؤد) حضرت ابورافع سے مذکور ہے، کہ جب رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم وضو کرتے تو اپنی انگشتری کو حرکت دیتے۔ (ابنِ ماجہ) مستورد بن شداد راوی ہیں کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے، تو اپنے پاؤں کی انگلیوں کو چھنگلی سے آہستہ آہستہ مالش (خلال) کرتے۔ (ترمذی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپؐ کا دایاں ہاتھ طہارت اور طعام کے لیے تھا اور بایاں ہاتھ حوائجِ ضروریہ کے لیے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ راوی ہیں، کہ آپ ایک سفر کے دوران میں رفع حاجت کے لیے گئے۔ حضرت مغیرہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں پر پانی ڈالتے تھے اور آپ وضو فرما رہے تھے۔ (بخاری ومسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ آپ کے پاس ایک کپڑا تھا، جس سے بعد از وضو ہاتھ منہ پونچھ لیتے۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم جب بعد از خواب بیدار ہوتے، تو کبھی وضو فرماتے اور کبھی نہ فرماتے۔ کیونکہ اگرچہ آپ کی آنکھیں سوتیں لیکن دل نہیں سوتا تھا۔ (بخاری) آپ کے دل پر نیند کا اثر اس لیے نہیں ہوتا تھا، تاکہ آپ کو وہ وحی یاد رہ سکے، جو دورانِ خواب نازل ہو۔

حصۂ چہارم میں موزوں پر مسح کا ذکر ہے :- حضرت مغیرہ بن شعبہ راوی ہیں

کہ مَیں غزوۂ تبوک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھا۔ آپ قبل از فجر رفع حاجت کے لیے صحرا کی طرف نکلتے، مَیں پانی کا برتن لے کر ساتھ ہو لیا۔ جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آئے تو مَیں برتن سے آپ کے ہاتھوں پر پانی انڈیلنے لگا۔ آپ نے اولاً ہاتھ دھوئے، پھر منہ دھویا۔ آپ نے اون کا جبہ پہن رکھا تھا۔ بازو باہر نکالنا چاہے لیکن اس کی آستینیں تنگ تھیں، آپ نے جبہ کندھوں پر ڈال دیا اور نیچے سے بازو باہر نکال کر انہیں دھویا، پھر ماتھے اور پگڑی پر مسح فرمایا۔ بعدہٗ مَیں نیچے جھکا، تاکہ آپ کے موزے اتار دوں، فرمایا رہنے دو، کہ مَیں نے اس وقت پہنے تھے، جب پاؤں پاک تھے پھر آپ نے ان پر مسح کیا۔ پھر آپ سوار ہو لیے، اور میں بھی سوار ہو گیا (مسلم) حضرت علی راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کو متواتر تین دن اور مقیم کو ایک دن رات موزوں پر مسح کی اجازت دی۔ (مسلم)

حصۂ پنجم میں تیمم کا ذکر ہے: ۔حضرت حذیفہ سے مروی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہمیں باقی امتوں کے مقابلے میں تین باتوں میں فضیلت حاصل ہے۔ ۱۔ ہماری نماز کی صفوں کو فرشتوں کی صفوں کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ ۲۔ ساری زمین ہماری مسجد بنا دی گئی ہے۔ ۳۔ اور زمین کی مٹی کو، جب پانی نہ ملے ہمارے لیے پاک بنا دیا گیا ہے۔ (مسلم) حضرت عمار سے مروی ہے، ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، کہنے لگا، مَیں جنبی ہوں اور پانی دستیاب نہیں۔ حضرت عمار نے حضرت عمر سے کہا، کیا آپ بھول گئے ہیں، ہم دونوں سفر میں تھے (اور دونوں جنبی ہو گئے) تم نے نماز نہ پڑھی اور مَیں نے زمین پر دو چار کروٹیں بدل کر نماز پڑھ لی۔ مَیں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا تمہیں اتنا کافی تھا۔ آپ نے دونوں ہاتھ زمین پر مار کر پھونک ماری، پھر اپنے منہ اور ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا (بخاری و مسلم)

حضرت ابوالجہیم سے مروی ہے، مَیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے گزرا، آپ

پیشاب کر رہے تھے، میں نے سلام کہا، لیکن آپ نے جواب نہ دیا، بعدۂ آپ اٹھ کر ایک دیوار کی طرف گئے اور عصا جو ہاتھ میں تھا، اسے کھودا اور پھر اپنے ہاتھ دیوار پر رکھ کر ہاتھ اور منہ پر مسح کیا اور پھر میرے سلام کا جواب دیا (بغوی)۔

حصہ ششم، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے متعلق ہے:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی غسل میں، تمام ازواج مطہرات سے مجامعت کر لیتے تھے (مسلم) حضرت ابورافع سے مروی ہے، کہ آپ نے ایک دن تمام ازواج سے مجامعت کی اور ہر دفعہ غسل فرمایا۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ، کیا آخر میں ایک ہی غسل کافی نہ ہوتا! فرمایا، اس میں زیادہ پاکیزگی اور طہارت ہے۔ (امام احمد وغیرہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غسلِ جنابت کرتے تو پہلے ہاتھ دھوتے اور پھر اس طرح وضو کرتے، جس طرح نماز کے لیے کیا جاتا ہے، پھر ہاتھ پانی میں ڈال کر، بالوں کی جڑوں میں انگلیوں سے خلال کرتے، پھر ہاتھ سے سر پر تین دفعہ پانی ڈالتے پھر سارے جسم پر پانی انڈیل دیتے (بخاری)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، میں نے آپ کے غسل کا پانی رکھا آپ نے دو یا تین دفعہ ہاتھوں کو دھویا۔ پھر بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر شرمگاہ کو دھویا، پھر ہاتھ کو زمین پر مل کر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر منہ اور بازو دھوئے، پھر جسم پر پانی ڈالا بعدۂ اپنی جگہ سے اٹھ کر پاؤں دھوئے۔ امام بخاری نے حدیث میمونہ کے سلسلے میں لکھا ہے وہ فرماتی ہیں، میں نے آپ کے لیے غسل کا پانی رکھا۔ اور اسے کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ آپ نے ہاتھوں پر دھونے کیلئے پانی ڈالا۔ پھر دائیں ہاتھ سے بائیں پر ڈال کر شرمگاہ کو دھویا پھر اس ہاتھ کو زمین پر رگڑ کر پانی سے دھویا، پھر کلی کی، ناک میں پانی ڈالا اور منہ اور بازو کہنیوں تک دھوئے پھر سر اور جسم پر پانی ڈالا۔ پھر اپنی جگہ سے ہٹ کر پاؤں دھوئے۔ میں نے آپ کو کپڑا دیا، لیکن آپ نے نہ لیا۔ آپ چل پڑے اور ہاتھوں کو مروڑتے جا

رہے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جنابت کی حالت میں سونے کا ارادہ کرتے، تو شرمگاہ کو دھوتے اور نماز کا وضو کرتے (بخاری) بیہقی سے روایت ہے، کہ جب آپ جنابت کی حالت میں سونے کا ارادہ فرماتے، تو وضو کرتے یا بصورتِ عدم دستیابی آب تیمم کر لیتے۔

فصل دوم

اس فصل میں حضورِ اکرم کی نماز کا ذکر ہے

فرضیت نماز:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ معراج کی رات کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں، پھر کم کر کے پانچ کر دی گئیں، پھر ندا آئی، اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے یہاں اب اس بات (نماز) میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی، اور ان پانچ نمازوں کا ثواب، پچاس جتنا ہو گا۔ (ترمذی) بخاری اور مسلم نے اس واقعے کو ایک لمبی حدیث میں بیان کیا ہے، جو باب المعراج میں بالوضاحت بیان ہو چکی ہے۔

اوقات نمازِ خمسہ:۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جبریل نے کعبے کے پاس دو دفعہ امامت کی اور پہلی دفعہ مجھے ظہر کی نماز پڑھائی، جبکہ سایہ جوتے کے تسمے کی طرح تھا۔ پھر عصر پڑھائی، جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو چکا تھا۔ پھر نماز مغرب پڑھائی جب سورج غروب ہو گیا اور روزہ دار نے روزہ کھول دیا، پھر عشا پڑھائی جب شفق غائب ہو گئی، پھر صبح پڑھائی، جب صبح طلوع ہوئی اور روزہ دار کو کھانا پینا درست نہ رہا۔

پھر دوسرے موقعہ پر ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی، جبکہ اشیا کا سایہ ان کے مساوی ہوگیا تھا، جو پہلے دن عصر کا وقت تھا۔ پھر عصر پڑھائی، جب ہر چیز کا سایہ اس سے دوگنا ہوچکا تھا، پھر مغرب پہلے وقت کے مطابق پڑھائی۔ پھر عشا اس وقت پڑھائی، جب رات کا تیسرا حصہ گزر چکا تھا۔ پھر صبح پڑھائی، جب سفیدۂ صبح پھیل گیا تھا۔ پھر جبریل نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ آپ سے پہلے انبیا کی عبادت کے اوقات یہ تھے۔ آپ کے اوقاتِ نماز ان دو انتہاؤں کے درمیان ہیں (ترمذی)، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول :۔ وَصَلّٰی بِیَ الظُّھْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِثْلَہٗ۔ یعنی جب آپ نمازِ ظہر سے فارغ ہوچکے (تو چیزوں کا سایہ اس طرح تھا) جس طرح کہ پہلے دن آپ نے نمازِ عصر شروع کی تھی۔ اس بنا پر دونوں نمازوں میں اشتراک نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ مسلم کی حدیث اس کی دلیل ہے جس میں مذکور ہے، کہ ظہر کا وقت زوال آفتاب سے اس وقت تک ہے، جب تک عصر کا وقت نہیں آجاتا۔

اور ابن اسحاق نے المغازی میں، نافع بن جبیر سے بیان کیا ہے کہ حضرت جبریل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن کی صبح کو نماز پڑھائی، جس رات کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج نصیب ہوئی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نمازِ عصر ادا فرماتے اور سورج اتنا اونچا اور اتنا روشن ہوتا، کہ ایک آدمی عوالی (جو مدینے سے چار میل ہے) کو جاتا، اور سورج اس وقت بھی اونچا ہوتا (بخاری) یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ نمازِ عصر کے پڑھنے میں تعجیل فرماتے تھے۔

حضرت سلمہ بن الاکوع سے روایت ہے، کہ آپ نمازِ مغرب اس وقت ادا فرماتے جب سورج غروب ہو کر پردے کے پیچھے چھپ جاتا۔ (بخاری و مسلم) حضرت رافع بن خدیج سے مروی ہے، کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مغرب کی نماز ایسے وقت

میں ادا کرتے، کہ بعد از نماز اگر کوئی آدمی تیر اندازی کرتا، تو تیر کے گرنے کی جگہ کو دیکھ سکتا۔
حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گرمیوں میں نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے، اور سردیوں میں تعجیل فرماتے۔
ایک رات کو عشا کی نماز میں اتنی تاخیر ہوگئی، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مجبوراً کہنا پڑا، یا رسول اللہ! نماز میں بہت دیر ہوگئی ہے، اور عورتیں اور بچے سو گئے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا، کہ اس وقت دنیا میں اور کوئی قوم اس (نماز) کا انتظار نہیں کر رہی (گویا یہ تمہاری خصوصیت ہے) ایک روایت میں ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر تشریف لائے اور آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، فرمایا، اگر میری امت کو دقت نہ ہوتی، تو میں انہیں اس وقت نماز عشا ادا کرنے کا حکم دیتا۔ (بخاری و مسلم) ابوداؤد کی روایت میں ہے۔ فرمایا جب تک تم نماز کا انتظار کرتے رہتے ہو، فی الحقیقت اس وقت تک تم نماز ہی میں شمار ہوتے ہو۔ اگر ضعیف کے ضعف اور بیمار کی بیماری کا خیال مانع نہ ہوتا تو میں اس نماز کو اس وقت تک موخر کر دیتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اگر امت کی تکلیف کا خیال مانع نہ ہوتا تو میں حکم دیتا، کہ تم نماز کو رات کے تیسرے حصے یا آدھی رات تک مؤخر کر دیا کرو۔ (ترمذی)

کیفیت نماز:۔ ابوداؤد سے مروی ہے، کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اقامت کہتے سنتے اور وہ قَدْ قَامَتِ الصَّلوٰۃ۔ کہتے، تو آپ فرماتے، اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا۔ اور نماز کو اللہ اکبر کہہ کر شروع کرتے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جب رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نماز کے لیے اٹھتے تو اللہ اکبر کہتے۔ (بزاز) اور نماز کی نیت کے لیے ضروری ہونے کے بارے میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں، جب آپ نماز کے لیے اٹھتے تو دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے، پھر تکبیر کہتے۔ جب رکوع کرنا ہوتا، تو یہی عمل دہراتے، جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کہتے اور جب سجدہ کرتے یا سجدے سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر نہ کہتے۔

(بخاری ومسلم) اور امام مالک سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر اٹھنے بیٹھنے پر اللہ اکبر کہتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے۔ (ابوداؤد) رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم قرأت اور تکبیر کے درمیان سکوت فرماتے تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ تکبیر اور قرأت کے درمیانی وقفے میں کیا پڑھتے ہیں فرمایا میں مندرجہ ذیل الفاظ دہراتا ہوں :- اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ اَللّٰھُمَّ نَقِّنِیْ مِنْ خَطَایَایَ کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ۔ اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ۔ (بخاری ومسلم)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے مروی ہے، جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور پھر مندرجہ ذیل آیات اور دعائیہ کلمات دہراتے :- وَجَّھْتُ[1] وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ اِنَّ[2] صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ لَاشَرِیْکَ[3] لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْمَلِکُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔ اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُکَ، ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ، فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ جَمِیْعًا لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔ وَاھْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ، لَا یَھْدِیْ لِاَحْسَنِھَا اِلَّا اَنْتَ، وَاصْرِفْ عَنِّیْ سَیِّئَھَا، لَا یَصْرِفُ عَنِّیْ سَیِّئَھَا اِلَّا اَنْتَ، لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ کُلُّهٗ فِیْ یَدَیْکَ وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْکَ اَنَا بِکَ وَاِلَیْکَ، تَبَارَکْتَ وَتَعَالَیْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ۔ (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے تو فرماتے :- سُبْحَانَکَ اَللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُکَ۔ (ترمذی وابوداؤد)

---

[1] انعام : ۸۰ [2] انعام : ۱۶۳ [3] انعام : ۱۶۴

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تو آپ نے پڑھا:۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَاَصِيْلًا، اَعُوْذُ مِنَ الشَّيْطَانِ مِنْ نَفْخِهٖ نَفْثِهٖ وَهَمْزِهٖ۔

فاتحہ کے پہلے بسم اللہ کا پڑھنا:۔ اس بات میں اختلاف ہے، آیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ پڑھتے تھے یا نہ۔ حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں، کہ ان مختلف روایات میں بایں طریق اتفاق ممکن ہے۔ کہ عدمِ قرأت کو عدمِ سماع پر محمول کیا جائے (یعنی چونکہ لوگوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بسم اللہ نہیں سنی، اس لیے انہوں نے کہہ دیا کہ آپ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے) اور عدمِ سماع کو عدمِ جہر پر مبنی قرار دیا جائے (یعنی چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ بالجہر نہیں پڑھی، اس لیے لوگوں نے یہ کہہ دیا، کہ آپ نے بسملہ نہیں پڑھی) اس طریقے سے ان روایات میں اختلاف کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

(فاتحہ پڑھنا اور پھر آمین کہنا) جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ پڑھ چکتے تو آمین کہتے اور آواز کو بلند کرتے۔ ترمذی میں ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آواز کو دھیما رکھتے، ابو داؤد میں ہے، کہ آواز کو بلند فرماتے۔

نمازِ صبح میں فاتحہ کے بعد سورت کا پڑھنا:۔ نسائی میں ابو برزہ سے مروی ہے، کہ آپ صبح کی نماز میں ساٹھ اور سو کے درمیان آیات تلاوت فرماتے۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ پڑھتے۔ جابر بن سمرہ سے روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فجر کی نماز میں، ق، وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ کی طرح کی سورتیں پڑھتے تھے، بعد میں تخفیف فرما

دی تھی (مسلم) ابوداؤد کی روایت کے مطابق آپ نے صبح کی دونوں رکعتوں میں اذا زلزلت تلاوت فرمائی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کے دن صبح کی نماز میں سورۂ السجدۃ اور هَلْ اَتیٰ عَلَی الْاِنْسَانِ۔ پوری پوری تلاوت فرماتے اور اس سے کم پڑھنا خلافِ سنت ہے۔ طبرانی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت کی ہے، کہ آپ نے جمعے کے دن صبح کی نماز میں سورۂ سجدہ پڑھی اور سجدہ کیا۔

نماز ظہر اور عصر میں قرأت :۔ حضرت ابو قتادہ سے روایت ہے، حضور اکرم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ تلاوت فرماتے کبھی ایک آدھ آیت ہمارے کان میں پڑ جاتی، اور پہلی رکعت دوسری رکعت سے طویل تر ہوتی۔ اسی طرح نمازِ عصر اور صبح میں ہوتا۔ (بخاری و مسلم)۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے ہم ظہر اور عصر کی نمازوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کا اندازہ لگاتے تھے۔ چنانچہ ظہر کی دو رکعتوں کے قیام کا وقفہ سورۂ سجدہ کے وقفۂ قرأت کے برابر ہوتا، اور آخری دو رکعتوں کے قیام کا وقفہ اس کے نصف کے برابر ہوتا۔ اسی طرح عصر کی پہلی دو رکعتوں کے قیام کا وقفہ ظہر کی دو آخری رکعتوں کے وقفۂ قیام کے برابر اور دو آخری رکعتوں کے قیام کا وقفہ اس کے نصف ہوتا۔ (مسلم) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ ظہر میں وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی، اور ایک روایت کے مطابق سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی، تلاوت فرماتے اور اسی طرح نمازِ عصر میں۔ ان ہی سے یہ روایت بھی ہے، کہ آپ ظہر اور عصر میں وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ۔ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ پڑھتے (ابوداؤد) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ظہر کی نماز میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی اور هَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃِ تلاوت فرمائی۔ (النسائی)

نمازِ مغرب میں قرأت سور :۔ ام الفضل بنت حارث سے مروی ہے

کہ مَیں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ مغرب میں سب سے آخر بار المرسلات عرفاً پڑھتے سنا (بخاری وسلم) ابن شہاب سے مروی ہے کہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری نمازِ مغرب تھی۔ حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے، مَیں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ مغرب میں سورۂ طور پڑھتے سنا۔ (بخاری ومسلم) نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے نمازِ مغرب میں سورۂ الطور پڑھی اور اسے دونوں رکعتوں میں بانٹ دیا۔ عبداللہ بن عتبہ سے ہے، آپ نے نمازِ مغرب میں سورۂ دخان تلاوت فرمائی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مَیں نے کسی شخص کی نماز کو فلاں آدمی کی نماز کے مقابلے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہ تر نہیں پایا۔ اور وہ آدمی صبح کی نماز میں طوالِ مفصل (ابتدائی نو سورتیں) اور نمازِ مغرب میں قصارِ مفصل (حجرات سے آخر قرآن تک) پڑھا کرتا تھا۔

نمازِ عشاء میں قرأتِ سور، اس ذیل میں تمام ان حدیثوں کا ذکر ہے جن کا تعلق نماز سے ہے :

حضرت براء سے مروی ہے کہ حضورِ نمازِ عشاء میں سورۂ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ تلاوت فرماتے تھے۔ مَیں نے آپ سے بہتر آواز سنی اور نہ بہتر قرأت سنی۔ (بخاری ومسلم) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسی آیت تک پہنچتے جس میں عذاب کا ذکر ہوتا تو آپ رک جاتے اور خدا سے پناہ مانگتے۔ امام ترمذی نے حضرت حذیفہ سے بیان کیا ہے جب آپ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی تلاوت فرماتے تو سبحان ربی الاعلیٰ کہتے (احمد وابوداؤد) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے، آپ نے فرمایا، تم میں سے جو شخص وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ، اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ تک پڑھے، وہ بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ پڑھے اور جو شخص لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ کو تا اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى پڑھے وہ بلیٰ کہے اور جو شخص

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا تا فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ پڑھے تو آمنا باللہ کہے۔
اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ اور قرأت کے وقفے میں خاموش رہتے۔ اسی طرح بعد از قرأت فاتحہ خاموش ہو جاتے اور تیسری دفعہ بعد از قرأت سورت سکوت اختیار کر لیتے۔ اور یہ وقفہ بہت ہی مختصر ہوتا، تاکہ آپ دم لے سکیں۔ اور قرأت اور رکوع کو ملاتے نہیں تھے۔ پہلا وقفہ اتنا ہوتا جس میں سبحانک اللّٰھم پڑھا جا سکے۔ اور دوسرا اس لیے تاکہ مقتدی فاتحہ پڑھ سکے، چنانچہ اسے اتنا ہی لمبا کرنا پڑتا۔

دربارۂ رکوع :- ابو حمید ساعدی سے مروی ہے، کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے اٹھتے، تو اپنے ہاتھ کندھوں تک اوپر اٹھاتے، پھر تکبیر کہتے اور ہاتھوں کو پھر کندھوں تک لے جاتے، رکوع کرتے اور دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے پھر سیدھے ہوتے، لیکن سر کو نہ تو جھکائے رکھتے اور نہ زیادہ اوپر اٹھاتے (ابو داؤد و دارمی) حضرت انس بن مالک سے مروی ہے، کہ میں نے تابعین میں سے سوائے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے کسی اور ایسے شخص کی اقتدا میں کبھی نماز نہیں پڑھی کہ جس کی نماز حضورِ اکرم کی نماز سے مشابہ تر ہو۔ میں نے ان کے رکوع و سجود کا اندازہ لگایا، وہ دس تسبیح پڑھنے کے برابر ہوتے۔ (ابو داؤد) حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا رکوع، سجود اور ہر دو سجدوں، اور نیز رکوع سے اٹھنے کے بعد کا وقفہ (قیام اور قعود کے علاوہ) سب برابر ہوتے۔ (بخاری و مسلم) امام نووی لکھتے ہیں کہ حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قیام طویل ہوتا تھا۔

رکوع میں اور اس کے بعد آپ کیا پڑھتے تھے :- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر سجدے اور رکوع اور بعد ازاں مندرجہ ذیل کلمات دہراتے تھے :-
سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ ، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ــــ اور ان کلمات کے

کے پڑھنے سے قرآن کے اس حکم کی تعمیل فرماتے: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا۔[1] حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآنِ حکیم کی آیت کے تتبع میں مذکورہ بالا کلمات کو نہایت فراوانی سے دہراتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رکوع اور سجدے میں سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ پڑھتے تھے (مسلم) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ آپ رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے تھے۔ حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں، کہ جب رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم رکوع سے سر اٹھاتے تو مندرجہ ذیل کلمات دہراتے تھے:۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ اَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَکَ عَبْدٌ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔ (مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ کے بعد آپ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْنِیْ بِالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَالْمَاءِ الْبَارِدِ۔ پڑھتے تھے۔

درباره سجود و دعائے سجود:۔ جب رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم رکوع کے بعد قیام کو ختم کر چکتے تو تکبیر کہہ کر سجدے میں گر پڑتے اور رفع یدین نہ کرتے اور یہ روایت بھی ہے کہ رفع یدین فرماتے۔ اور بعض حفاظ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ بروایت ابو داؤد آپ اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھتے پھر ماتھا اور ناک رکھ دیتے۔ آپ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے، کہ میں سات بڑے اعضا سے سجدہ کروں (پیشانی، دو ہاتھ، دو گھٹنے اور دو پاؤں) بخاری اور مسلم نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت کی ہے۔ اور جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے، تو دونوں ہاتھوں کو اتنا پھیلاتے، کہ بغلوں کی سفیدی نمایاں ہو جاتی۔ (بخاری و مسلم) اور آپ سجدہ میں فرماتے:۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ عَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ (مسلم)

---

[1] نصر: ۲-۳

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہ میں نے ایک رات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بستر سے غائب پایا، انہیں تلاش کیا، تو میرے ہاتھ آپ کے پاؤں کے تلووں سے ٹکرائے جو اٹھے ہوئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھ رہے تھے :- اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْکَ، لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔ (مسلم) رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم تکبیر کہہ کر سجدے سے بغیر از رفع یدین سر اٹھاتے اور دایاں پاؤں کھڑا کر کے، بائیں پاؤں پر بیٹھ جاتے ۔ (مسلم) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اعضا کو آرام دینے کے لیے تھوڑی دیر تک بیٹھتے اور پھر دوسری رکعت کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔ (بخاری) ہر دو سجدوں کے درمیانی وقفے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ دعا پڑھتے :- اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ ۔ (ابوداؤد، دارمی)

دربارۂ قعود برائے تشہد :- جب آپ تشہد کے لیے بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھا کر دایاں پاؤں کھڑا کر دیتے ۔ (مسلم) ابوحمید ساعدی نے دس صحابہ کی موجودگی میں کہا، کہ میں آپ لوگوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ بتاتا ہوں۔ انہوں نے کہا، ٹھیک ہے، پیش کرو، انہوں نے حدیث دربارۂ نماز بیان کی اور جب وہ اس منزل پر پہنچے، جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری سجدہ ادا فرماتے، تو ابوحمید نے کہا کہ آپ بایاں پاؤں لٹکا لیتے، اور بائیں سرین پر سہارا لے کر بیٹھ جاتے پھر سلام پھیرتے۔ صحابہ نے کہا، تو نے ٹھیک کہا، آپ اسی طرح نماز ادا کرتے تھے۔ اسی طرح جب تشہد کے لیے قعود فرماتے، تو ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے اور اپنی اس انگلی کو جو انگوٹھے کے ساتھ ہے اٹھاتے اور دعا فرماتے، اور اپنا بایاں ہاتھ گھٹنے پر رکھ کر پھیلا دیتے ۔ اور آپ اپنی انگلیوں کو رفع یدین، رکوع اور سجود کے وقت قبلہ رخ رکھتے اور سجدے میں پاؤں کی انگلیوں کا رخ بھی قبلے کی طرف ہوتا تھا۔

در بارۂ تشہد:- حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ تشہد آخری جلسہ کے دوران میں پڑھتے، اور صحابہ کو بھی بتاتے، کہ وہ بھی مندرجہ ذیل طریقے سے تشہد پڑھیں:- اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ وَالصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (مسلم)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مندرجہ ذیل دعا مانگتے تھے:- اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ، اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ۔ ایک شخص نے دریافت کیا، یا رسول اللہ! مغرم کیا ہے جس سے آپ بکثرت پناہ مانگتے ہیں۔ فرمایا، مغرم یہ ہے، کہ جب بھی آدمی بات کرے، جھوٹ بولے اور وعدہ کرے، تو وفا نہ کرے (بخاری و مسلم) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا، امت کی رہنمائی کے لیے تھی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشہد اور سلام پھیرنے کے درمیان یہ دعا پڑھا کرتے تھے:- اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ، اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ (مسلم)

در بارۂ سلام وغیرہ:- حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اوّل دائیں طرف سلام کہتے اور پھر بائیں طرف (ترمذی) ابو داؤد کی روایت میں ہے، کہ آپ چہرے کو اتنا پھیرتے، کہ عارضِ مبارک کی سفیدی دیکھی جا سکتی۔ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو سر کو جھکا

لیتے۔ (امام احمد) اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں، آپ کی انگشتِ شہادت سے پرے نہ جاتیں۔ اور اگرچہ خدا نے نماز میں آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی تھی جیسا کہ حضور کا ارشاد ہے :۔ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ ۔ اور دربارِ خداوندی میں آپ کو قرب حاصل تھا، بایں ہمہ آپ مقتدیوں کے حالات اور ضروریات سے صرفِ نظر نہیں فرماتے تھے، رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نماز شروع کرتے اور آپ کا ارادہ اسے لمبا کرنے کا ہوتا، اس اثنا میں کسی بچے کے رونے کی آواز سن پاتے، تو نماز کو مختصر فرما دیتے۔ کہ ماں کو تکلیف نہ ہو۔ (بخاری وغیرہ) بعض اوقات آپ امامتِ نماز کے دوران میں اپنی نواسی امامہ کو اٹھائے ہوتے۔ (مسلم وغیرہ) کبھی آپ نماز پڑھا رہے ہوتے، اس اثنا میں حضرت حسن یا حسین آکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت پر بیٹھ جاتے اور آپ کو سجدہ لمبا کرنا پڑتا، کیونکہ آپ کو یہ بات ناپسند تھی، کہ بچے کو پیٹھ سے نیچے پھینک دیں۔ اگر کوئی شخص دورانِ نماز میں آپ کو سلام کہتا تو انگلی کے اشارے سے جواب دیتے (مسلم و بیہقی) آپ مصروفِ نماز ہوتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے اور قبلے کے درمیان لیٹی ہوتیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے، تو انگلی سے حضرت عائشہ کو مس کرتے اور وہ اپنی ٹانگیں سکیڑ لیتیں۔ جب حضور اٹھتے، تو پھر پھیلا دیتیں۔ (بخاری) مطرف بن عبداللہ نے اپنے والد سے یہ روایت بیان کی، کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ اور آپ کے شکم سے ہنڈیا کے ابال کی آواز آ رہی تھی، یعنی آپ رو رہے تھے۔ آپ نماز کے دوران میں آنکھوں کو بند نہیں کرتے تھے۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی نماز متوسط درجے کی غلو سے خالی ہوتی تھی۔ مثلاً نیت کے بارے میں وسوسہ اور جن اذکار کو آہستہ پڑھنا ہے، انہیں بالجہر پڑھنا، جیسا کہ عموماً مرضِ وسوسہ کے مریض کیا کرتے ہیں (خدا ہمیں اس سے محفوظ رکھے) جو شخص اس بلا سے بچنا چاہتا ہے، اسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (اعتدال) کی پیروی کرنا چاہیئے۔

دربارۂ دعائے قنوت:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ستّر قاریوں کو برائے اشاعتِ دین روانہ فرمایا، انہیں بنو سلیم کے دو قبیلوں رعل اور ذکوان نے روکا اور قتل کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان لوگوں کے خلاف مہینہ بھر نمازِ صبح میں بد دعا کرتے رہے۔ یہ بھی قنوت کی ابتدا، اس سے پیشتر ہم قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھی اور ایک دوسری روایت کی رو سے رکوع کے بعد۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ جب رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے نمازِ فجر میں سجدے سے آخری رکعت میں سر اٹھایا، تو آپ نے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ۔ کے بعد بد دعا کی، اے خدا تو فلاں فلاں اور فلاں پر لعنت بھیج۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ[1] تا فَاِنَّھُمْ ظَالِمُوْنَ۔ (بخاری) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رکعت میں سر اٹھاتے تو فرماتے، اے خدا! تو ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ربیعہ اور مکّے کے کمزوروں کو کفار کے پنجے سے نجات دے۔ اے خدا تو آلِ مضر پر اپنا دباؤ زیادہ کر، اور ان پر حضرت یوسف کا قحط مسلط کر۔ ایک روایت میں ہے، کہ آپ نے یہ کلمات نمازِ فجر میں کہے۔ ایک روایت میں ہے، کہ جب یہ آیت لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اتری، تو آپ نے یہ سلسلہ ختم کر دیا۔ (بخاری ومسلم) حضرت براء سے روایت ہے، کہ آپ نمازِ صبح اور مغرب میں قنوت پڑھا کرتے تھے (مسلم وترمذی) ابوداؤد میں مغرب کا ذکر نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ آپ نمازِ صبح اور رات کے وتروں میں یہ کلمات پڑھتے تھے:۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ، وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَآ اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ،

[1] عمران: ۱۲۸

شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ وَ اَنَّهٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَ تَعَالَیْتَ ۔ (ابو داؤد)

دربارہ سجدہ سہو:- حضرت عبداللہ بن مالک سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم نے کسی نماز کی دو رکعتیں پڑھائیں، مگر قعود نہ فرمایا، آپ اٹھے، تو باقی لوگ بھی آپ کے ساتھ اٹھے، جب نماز پڑھا چکے، تو ہم سلام کے منتظر تھے، کہ قبل از سلام آپ نے تکبیر کہی، دو سجدے ادا کیے، پھر کچھ دیر بیٹھے، پھر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا (بخاری)

بعد از نماز دعا، بیٹھنا اور پھر فوراً ہی رخ پھیرنا:- حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جب آپ بعد از نماز مڑتے تو تین دفعہ استغفار پڑھتے اور پھر یہ کلمات ادا فرماتے:- اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (مسلم) جب آپ نماز پڑھ چکتے تو صحابہ کی طرف منہ کر لیتے، اور اس بارے میں آپ بہت سرعت سے کام لیتے۔ کبھی دائیں جانب سے پھرتے اور کبھی بائیں جانب سے، لیکن اکثر دائیں جانب سے پھرتے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ سلام کے بعد آپ تھوڑی دیر تک ٹھہرے رہتے، امام زہری لکھتے ہیں، ہمارا خیال ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ عمل اس غرض پر مبنی تھا، کہ بعد از نماز عورتیں اٹھ کر چلی جائیں (واللہ اعلم) یہ روایت بخاری سے لی گئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ بعد از نماز صرف اتنی دیر تک بیٹھے رہتے، کہ یہ دعا مانگ سکیں:- اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ۔ (مسلم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلمات بعد از نماز دہراتے:- لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا

اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔
(بخاری ومسلم) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اونچی آواز سے مندرجہ ذیل کلمات ادا فرماتے:۔
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ الْجَمِيْلُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ (مسلم) حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے بیٹوں کو مندرجہ ذیل کلمات سکھاتے تھے اور کہتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نمازوں کے بعد، یہ کلمات استعمال فرماتے:۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ اُرَدَّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ (بخاری) حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ہر نماز کے بعد یہ دعا فرماتے:۔
اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّكَ الرَّبُّ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ، اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اَنَا شَهِيْدٌ۔ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّ الْعِبَادَ كُلَّهُمْ اِخْوَةٌ۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اِجْعَلْنِیْ مُخْلِصًا لَكَ وَاَهْلِیْ فِیْ كُلِّ سَاعَةٍ مِنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ اِسْمَعْ وَاسْتَجِبْ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللّٰهُ الْاَكْبَرُ، حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ اَللّٰهُ الْاَكْبَرُ۔ اللّٰهُ الْاَكْبَرُ۔
(ابوداؤد و امام احمد) امام نسائی کی روایت ہے، کہ جب آپ بعد از نماز مڑ کر بیٹھتے تو فرماتے۔ اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِيْنِیْ۔ اسی طرح مروی ہے، کہ جب نماز مسجد میں کھڑی ہو جاتی، اگر آدمی تھوڑے ہوتے تو آپ بیٹھ جاتے اور اگر

کافی ہوتے، تو نماز پڑھا دیتے (ابوداؤد) ابومسعود بدری راوی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے وقت ہمارے کندھوں کو چھو کر فرماتے، سیدھے کھڑے ہو، اور ٹیڑھے مت کھڑے ہو، ورنہ تمہارے دل بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے، چاہیئے کہ تم میں عقل مند اور فہیم لوگ باہم مل کر کھڑے ہوں تاکہ بعد میں آنے والے بھی یہی کریں۔ (مسلم) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ادائے نماز کے لیے اٹھے، میں آپ کے بائیں ہاتھ پر کھڑا ہوا۔ آپ نے اپنی پیٹھ کے پیچھے سے مجھے سیدھا کرنے کے لیے میرا ہاتھ پکڑا۔ اسی طرح اپنی پیٹھ کے پیچھے ہی سے اپنے دائیں طرف کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

دربارۂ نمازِ جمعہ:۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جمعہ زوالِ آفتاب کے وقت ادا فرماتے (بخاری) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں مینار پر آپ کے سامنے (دو دفعہ) اذان نہیں دی جاتی تھی۔ بلکہ جب آپ منبر پر بیٹھتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے کھڑے ہو کر اذان کہتے۔ ابنِ اسحاق راوی ہیں، جب رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم تشریف فرمائے مدینہ ہوئے، تو قبا میں بنو عمرو بن عوف کے یہاں سوموار، منگلوار، بدھ وار اور جمعرات کا دن گزارا اور مسجد تعمیر فرمائی، جمعے کے دن وہاں سے کوچ فرمایا، جب بنو سالم کی بستی میں پہنچے، تو نمازِ جمعہ کا وقت ہو گیا آپ نے اس مسجد میں جو وادی کے اندر تھی، نماز پڑھی۔ مدینے میں یہ آپ کا پہلا جمعہ تھا، اور یہ مسجدِ نبوی کی تعمیر سے پہلے کی بات ہے، آپ نے خطبہ دیا اور یہ مدینہ میں آپ کا پہلا خطبہ تھا:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَحْمَدُهٗ وَاَسْتَعِيْنُهٗ وَاَسْتَغْفِرُهٗ وَاَسْتَهْدِيْهِ وَاُوْمِنُ بِهٖ وَلَا اَكْفُرُ وَاُعَادِيْ مَنْ يَّكْفُرُ بِهٖ۔ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ وَالنُّوْرِ وَالْمَوْعِظَةِ وَالْحِكْمَةِ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ وَ

قِلَّةٍ مِنَ الْعِلْمِ وَضَلَالَةٍ مِنَ النَّاسِ وَانْقِطَاعٍ مِنَ الزَّمَانِ وَدُنُوٍّ مِنَ
السَّاعَةِ وَقُرْبٍ مِنَ الْاَجَلِ. مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ
يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ غَوٰى، وَفَرَّطَ وَضَلَّ ضَلَالًا بَعِيْدًا، اُوْصِيْكُمْ
بِتَقْوَى اللّٰهِ فَاِنَّ خَيْرَ مَنْ اَوْصٰى بِهِ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ اَنْ يَحُضَّهٗ
عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنْ يَاْمُرَهٗ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَاحْذَرُوْا مَا حَذَّرَكُمُ اللّٰهُ مِنْ
نَفْسِهٖ. فَاِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ لِمَنْ عَمِلَ بِهَا عَلٰى وَجَلٍ وَمَخَافَةٍ مِنْ رَبِّهٖ
عَوْنٌ وَصِدْقٌ عَلٰى مَا يَبْتَغُوْنَ مِنَ الْاٰخِرَةِ. وَمَنْ يَصِلُ الَّذِىْ بَيْنَهٗ
وَبَيْنَ اللّٰهِ مِنْ اَمْرِهٖ فِى السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ لَا يَنْوِىْ بِهٖ اِلَّا وَجْهَ اللّٰهِ،
يَكُنْ لَهٗ ذِكْرًا فِى الْعَاجِلِ وَذُخْرًا فِيْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ حِيْنَ يَفْتَقِرُ الْمَرْءُ
اِلٰى مَا قَدَّمَ. وَمَا كَانَ مِمَّا سِوٰى ذٰلِكَ يَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اَمَدًا
بَعِيْدًا. وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ. هُوَ الَّذِىْ
صَدَقَ قَوْلَهٗ وَاَنْجَزَ وَعْدَهٗ لَا خُلْفَ لِذٰلِكَ فَاِنَّهٗ يَقُوْلُ مَا يُبَدَّلُ
الْقَوْلُ لَدَىَّ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ. فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِىْ عَاجِلِ اَمْرِكُمْ وَ
اٰجِلِهٖ فِى السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ، فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ
وَيُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا. وَاِنَّ تَقْوَى
اللّٰهِ تُوَقِّىْ عُقُوْبَتَهٗ وَسَخَطَهٗ وَاَنَّ تَقْوَى اللّٰهِ تُبَيِّضُ الْوَجْهَ
وَتُرْضِى الرَّبَّ وَتَرْفَعُ الدَّرَجَةَ. فَخُذُوْا بِحَظِّكُمْ وَلَا تُفَرِّطُوْا
فِىْ جَنْبِ اللّٰهِ. فَقَدْ عَلَّمَكُمْ كِتَابَهٗ وَنَهَجَ لَكُمْ سَبِيْلَهٗ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ
صَدَقُوْا وَيَعْلَمَ الْكَاذِبِيْنَ. فَاَحْسِنُوْا كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ وَعَادُوْا
اَعْدَاءَهٗ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ. هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَسَمَّاكُمُ
الْمُسْلِمِيْنَ. لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ.

لہ عمران ۳۰ ۔ لہ ق : ۲۹

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ فَاَكْثِرُوْا ذِكْرَ اللّٰهِ وَاعْمَلُوْا لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ۔ فَاِنَّهٗ مَنْ يُّصْلِحْ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ يَكْفِهِ اللّٰهُ مَا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ النَّاسِ۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يَقْضِيْ عَلَى النَّاسِ وَلَا يَقْضُوْنَ عَلَيْهِ۔ وَيَمْلِكُ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، کہ آپ دو خطبے دیتے تھے، جب منبر پر چڑھتے تو بیٹھ جاتے تا آنکہ مؤذن اذان سے فارغ ہو جاتا۔ پھر اٹھتے، خطبہ پڑھتے پھر بیٹھ جاتے۔ اور کوئی بات کیے بغیر پھر اٹھ کر خطبہ دیتے۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی اور مزاج میں اس طرح تندی آ جاتی، گویا آپ کسی لشکر کو دھمکا رہے ہیں۔ فرماتے تمہاری صبح اور شام بہ خیر ہو، پھر فرماتے، میں اور قیامت یوں جُڑے ہوئے ہیں جس طرح یہ دو انگلیاں، چنانچہ انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو جوڑ دیتے۔ پھر فرماتے:۔ اَمَّا بَعْدُ، فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرُ الْهُدٰى هُدٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ وَشَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔ پھر فرماتے:۔ اَنَا اَوْلٰى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهٖ۔ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِاَهْلِهٖ وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضَيَاعًا فَاِلَيَّ وَعَلَيَّ۔ (مسلم)

ام ہشام بنت حارث سے مروی ہے، کہ میں نے ق، والقرآنِ المجید، حضورِ اکرم کی زبانِ مبارک سے سُن سُن کر یاد کر لی۔ ہر جمعے کو جب خطبہ دیتے تو یہ سورت تلاوت فرماتے۔ (مسلم)

حضرت حکم بن حزن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، سات میں ساتواں تھا یا نو میں نواں۔ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت

میں کچھ دن مقیم رہے اور نمازِ جمعہ میں موجود تھے۔ آپ کمان یا لاٹھی پر سہارا لیئے اٹھے، اللہ کی ثنا نہایت ہلکے پھلکے، پاکیزہ اور مبارک الفاظ میں بیان فرمائی، پھر فرمایا، اے لوگو! جن باتوں کا میں نے حکم دیا ہے، نہ تم انہیں کر سکو گے اور نہ تم میں اس کی ہمت ہی ہے، لیکن مبارک ہو، کہ اس کا ثواب تمہیں ملتا رہے گا۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ ایک جمعے کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیل کا خطبہ ارشاد فرمایا:۔ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا وَ بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ قَبْلَ اَنْ تَشْتَغِلُوْا وَصِلُوا الَّذِیْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ رَبِّكُمْ تَسْعَدُوْا وَ اَكْثِرُوا الصَّدَقَةِ تُرْزَقُوْا۔ وَاْمُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ تُخْصِبُوْا وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ تُنْصَرُوْا۔ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اَكْيَسَكُمْ اَكْثَرُكُمْ ذِكْرًا لِلْمَوْتِ۔ وَاَكْرَمَكُمْ اَحْسَنُكُمْ اِسْتِعْدَادًا لَهٗ۔ اَلَا وَاِنَّ مِنْ عَلَامَاتِ الْعَقْلِ، اَلتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةَ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالتَّزَوُّدُ لِسُكْنٰی الْقُبُوْرِ وَالتَّاهُّبَ لِيَوْمِ النُّشُوْرِ۔ (ابن ماجہ)

ابوداؤد میں امام زہری سے مروی ہے۔ کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے خطبے کے ابتدائی کلمات حسب ذیل ہوا کرتے:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِیَ لَهٗ۔ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بَيْنَ يَدَیِ السَّاعَةِ۔ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰی۔ نَسْاَلُ اللّٰهَ رَبَّنَا اَنْ يَّجْعَلَنَا مِمَّنْ يُّطِيْعُهٗ وَيُطِيْعُ رَسُوْلَهٗ وَيَتَّبِعُ رِضْوَانَهٗ وَ يَجْتَنِبُ سَخَطَهٗ۔

امام زہری سے یہ روایت بھی مروی ہے، کہ ایک دفعہ آپ نے مندرجہ ذیل

خطبہ دیا:۔ کُلُّ مَا ھُوَ آتٍ قَرِیْبٌ، لَا بُعْدَ لِمَا ھُوَ آتٍ۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ اَمْرًا وَ یُرِیْدُ النَّاسُ اَمْرًا۔ مَاشَاءَ اللّٰہُ کَانَ وَلَوْ کَرِہَ النَّاسُ۔ وَلَا مُبْعِدَ لِمَا قَرَّبَ اللّٰہُ وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا اَبْعَدَ اللّٰہُ۔ لَا یَکُوْنُ شَیْءٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کے دن خطبے میں خدا کی حمد کر چکتے اور انبیا علیہم السلام پر درود بھیج چکتے تو فرماتے:۔

یَا اَیُّھَا النَّاسُ! اِنَّ لَکُمْ مَعَالِمَ، فَانْتَھُوْا اِلٰی مَعَالِمِکُمْ وَاِنَّ لَکُمْ نِھَایَۃً فَانْتَھُوْا اِلٰی نِھَایَتِکُمْ۔ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ بَیْنَ مَخَافَتَیْنِ: بَیْنَ اَجَلٍ قَدْ مَضٰی، لَا یَدْرِیْ مَا اللّٰہُ قَاضٍ فِیْہِ، وَ بَیْنَ اَجَلٍ قَدْ بَقِیَ، لَا یَدْرِیْ مَا اللّٰہِ صَانِعٌ فِیْہِ۔ فَلْیَاْخُذِ الْعَبْدُ مِنْ نَفْسِہٖ لِنَفْسِہٖ وَمِنْ دُنْیَاہُ لِاٰخِرَتِہٖ وَمِنَ الشَّیْبَۃِ قَبْلَ الْکِبَرِ وَمِنَ الْحَیَاۃِ قَبْلَ الْمَوْتِ۔ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ، مَا بَعْدَ الْمَوْتِ مِنْ مُسْتَعْتَبٍ وَمَا بَعْدَ الدُّنْیَا مِنْ دَارٍ اِلَّا الْجَنَّۃُ اَوِ النَّارُ۔ اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَ لَکُمْ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جمعہ معتدل درجے کی ہوتی تھی، نہ لمبی نہ چھوٹی۔ اسی طرح خطبہ بھی۔ (مسلم) ابوداؤد میں ہے حضور اکرم قرآن کی آیات پڑھ کر لوگوں کو نصیحت فرماتے۔

حضرت عمرو بن حریث سے روایت ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور سیاہ رنگ کی پگڑی جس کا ایک کنارہ دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑ رکھا تھا۔ باندھی ہوئی تھی۔ (مسلم) علامہ ابن قیم الھدیٰ میں لکھتے ہیں جب لوگ مسجد میں اکٹھے ہو جاتے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے گھر سے نکلتے، نہ کوئی چاوش آپ کے آگے آگے، ہٹو بچو، کی صدا لگاتا، نہ آپ نے جبہ اوڑھا ہوتا۔ اور نہ کسی اور نمود و نمایش کا

اہتمام ہوتا۔جب مسجد میں داخل ہوتے،تو سلام کہتے۔جب منبر پہ چڑھتے تو لوگوں کی طرف منہ کر کے پھر سلام کہتے۔بیٹھ جاتے،تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کہتے۔ وہ فارغ ہوتے تو آپ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے،اور اذان اور خطبے کے درمیان کسی قسم کی گفتگو نہ فرماتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس اثنا میں ہاتھ میں تلوار وغیرہ نہ پکڑتے۔بلکہ منبر بننے سے پہلے آپ کمان یا لاٹھی پر سہارا لیتے تھے۔لوگوں کو قریب بلا لیتے اور خموشی سے سننے کی تاکید فرماتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں سورۂ الجمعہ اور دوسری میں اِذَا جَاءَکَ الْمُنَافِقُوْنَ۔ تلاوت فرماتے۔نعمان بن بشیر کی حدیث میں مذکور ہے،کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعے کی نماز میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ اور ھَلْ اَتَاکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃِ۔پڑھا کرتے تھے۔بیہقی،حضرت عبداللہ بن مسعود سے راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینے میں جمعے کی نماز پڑھائی اور نمازیوں کی تعداد چالیس تھی۔

دربارۂ نمازِ تہجد:۔ تہجد نیند سے جاگنے کے بعد کی نماز کا نام ہے،پھر دوسری نماز پھر تیسری نماز۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے،کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اتنا طویل قیام فرماتے،کہ آپ کے پاؤں میں ورم آگیا تھا۔میں نے عرض کیا،یارسول اللہ!آپ ایسا کیوں کرتے ہیں،حالانکہ خدا نے آپ کی اگلی پچھلی تقصیرات معاف فرما دی ہیں۔جواب دیا،کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں!حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں،جب آپ کا بدن بھاری ہو گیا اور گوشت زیادہ ہو گیا، تو بیٹھ کر نماز پڑھتے،جب رکوع کرنا چاہتے تو کھڑے ہو جاتے،پھر قرأت کے بعد رکوع کرتے۔(بخاری و مسلم)

نمازِ تہجد کا سیاق:۔ حضرت شریح،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعد از نمازِ عشا جب بھی میرے ہاں تشریف لاتے تو چار یا چھ رکعتیں ادا کرتے(ابو داؤد) بخاری اور مسلم میں ہے،کہ

جب مرغا اذان دیتا، تو آپ نمازِ تہجد کے لیے اٹھتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رات کے پہلے حصے میں سو جاتے اور آخری حصے میں اٹھ کر نماز پڑھتے اور پھر بستر پر پڑ رہتے۔ جب مؤذن اذان دیتا، پھر اٹھ کھڑے ہوتے، اگر ضرورت ہوتی تو نہاتے ورنہ وضو کر کے مسجد کو چلے جاتے (بخاری) نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہ کبھی آپ اوّل شب غسل فرماتے اور کبھی آخر شب اسی طرح نمازِ وتر کبھی اولِ شب اور کبھی آخرِ شب پڑھتے۔ کبھی قرأت اونچی آواز سے کرتے اور کبھی دھیمی آواز سے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں نماز پڑھتے، پھر اتنی دیر آرام فرماتے جتنی دیر تک نماز پڑھی تھی، پھر اٹھتے اور جتنی دیر نیند کی تھی، اتنی دیر تک نماز پڑھتے، علیٰ ھٰذا القیاس۔ صبح ہو جاتی۔ (ابو داؤد) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جب بھی ہم نے خواہش کی، کہ ہم رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو بحالت نماز دیکھیں، اور جب بھی چاہا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بحالتِ خواب دیکھیں تو آپ کو بحالت نماز پایا۔ (النسائی)

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب سے بیدار ہوتے تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ - اَللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَسْتَغْفِرُکَ لِذَنْبِیْ وَاَسْأَلُکَ رَحْمَتَکَ۔ اَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنِیْ وَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً، اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ، پڑھتے (ابو داؤد)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ جب رات کو ٹھنڈی ہوا چلتی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دس بار اللہ اکبر، دس بار الحمد للہ، اور دس بار سبحان اللہ وبحمدہ اور پھر سبحان الملک القدوس دس بار اور استغفر اللہ دس بار اور لا الٰہ

اِلَّا اللہ دس بار اور آخر میں دس بار اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا وَضِیْقِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ پڑھتے۔ اس کے بعد نماز شروع کرتے۔ (ابوداؤد)۔

حضور کا قیام:۔ امام بخاری اور مسلم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں، کہ مَیں ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ کے گھر سویا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس رات ان کے پاس تھے۔ آپ تھوڑی دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے، پھر سو گئے۔ رات کا تیسرا حصہ گزرا ہوگا یا آدھی رات گزر چکی ہوگی کہ آپ اٹھے، آسمان پر نگاہ ڈالی اور اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[1]، آخرِ سورت تک تلاوت فرمائی۔ پھر اٹھ کر پانی کی مشک کے پاس گئے، اس کا دھاگہ کھولا اور ایک کھلے برتن میں پانی انڈیلا، پھر اچھی طرح وضو کیا، اعتدال کو ملحوظ رکھا اور حد سے تجاوز نہیں کیا، لیکن عمدہ طریقے سے وضو کیا، پھر اٹھ کر نماز پڑھی۔ مَیں نے بھی اٹھ کر وضو کیا اور آپ کے بائیں ہاتھ کھڑا ہو گیا۔ مجھے کانوں سے پکڑ کر اپنے دائیں ہاتھ کھڑا کر دیا۔ اور تیرہ رکعتیں پڑھ کر اپنی نماز پوری کی پھر لیٹ گئے۔ نیند آ گئی، اور خراٹوں کی آواز آنے لگی (یہ آپ کا معمول تھا) اتنے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کو جگایا، آپ نے بغیر از تجدید وضو نماز پڑھائی۔ آپ دعا میں مندرجہ ذیل کلمات ادا فرماتے :۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا، وَفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا۔ وَفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا۔ وَعَنْ یَمِیْنِیْ نُوْرًا۔ وَعَنْ یَسَارِیْ نُوْرًا۔ وَفَوْقِیْ نُوْرًا۔ وَتَحْتِیْ نُوْرًا۔ وَاَمَامِیْ نُوْرًا وَخَلْفِیْ نُوْرًا وَ اجْعَلْ لِیْ نُوْرًا۔ اور بعض روایات میں فِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا۔ بھی مذکور ہے اور نیز عَصَبِیْ، لَحْمِیْ، دَمِیْ، شَعْرِیْ اور بَشَرِیْ کا ذکر بھی ہے۔ پھر آپ نے تیرہ رکعتیں پڑھیں، جن میں صبح کی دو رکعتیں بھی شامل تھیں۔ مَیں نے آپ کے قیام کا اندازہ لگایا،

---

[1] بقرہ : ۱۶۴

ہر رکعت کا قیام سورۂ مزمل کے برابر تھا۔ ایک روایت میں ہے، کہ دو دو کرکے آپ نے آٹھ رکعتیں ادا کیں، پھر پانچ رکعت نمازِ وتر پڑھی، اور درمیان میں جلسہ نہیں فرمایا۔

سعد بن ہشام سے مروی ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور درخواست کی، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے اخلاق کے بارے میں مجھے مطلع فرمایئے کہا، کیا تم قرآن نہیں پڑھتے! میں نے کہا، پڑھتا ہوں، انہوں نے کہا: کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآن۔ میں نے عرض کیا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کے بارے میں مطلع فرمایئے۔ کہا ہم آپ کا مسواک اور پانی تیار کر رکھتے تھے اور آپ رات کو جب خدا کی مرضی ہوتی اٹھتے، مسواک کرکے وضو کرتے اور نو رکعتیں ادا کرتے اور صرف آٹھویں رکعت کے بعد جلسہ فرماتے، اللہ کی حمد و ثنا کرتے، دعا مانگتے اور سلام پھیرے بغیر اٹھ کھڑے ہوتے اور نویں رکعت پڑھتے، پھر قعود فرماتے، اللہ کی حمد و ثنا کے بعد دعا مانگ کر سلام پھیر دیتے، پھر بیٹھے بیٹھے دو رکعتیں ادا کرتے، اے میرے بیٹے! یہ گیارہ رکعتیں ہوئیں۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر زیادہ ہو گئی اور ذرا جسیم ہو گئے، تو سات رکعتیں ادا فرماتے، اور آخری دو رکعتیں حسبِ سابق ادا فرماتے۔ یہ نو ہو گئیں میرے بیٹے! (مسلم) نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت میں مذکور ہے، آپ چھ رکعتیں ادا فرماتے اور میرے اندازے کے مطابق ان کی قرأت، رکوع اور سجود میں مساوات قائم رکھتے پھر ایک رکعت وتر ادا فرماتے، بعد ازاں بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے اور لیٹ جاتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور روایت میں مروی ہے جب آپ رات کو اٹھتے، تو اپنی نماز دو مختصر سی رکعتوں سے شروع کرتے۔ (مسلم و امام احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عشا سے فراغت کے بعد نمازِ صبح تک گیارہ رکعتیں ادا فرماتے، اور ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے۔ پھر نمازِ وتر کی ایک رکعت پڑھتے اور اس نماز میں اتنی دیر تک سجدے میں

پڑے رہتے۔جتنی دیر میں تم پندرہ آیات تلاوت کرو۔جب مؤذن صبح کی اذان کہہ چکتا اور سپیدۂ سحر نمودار ہوتا، تو آپ مختصر سی دو رکعتیں ادا فرماتے۔پھر آپ دائیں پہلو پر لیٹ جاتے، تا آنکہ مؤذن آپ کو اقامت کے لیے جگاتا۔(ابو داؤد)۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت میں مذکور ہے، کہ آپ تیرہ رکعتیں پڑھتے، جن میں پانچ رکعتیں وتر کی تھیں صرف آخری رکعت میں جلسہ فرماتے(بخاری و مسلم) اور بخاری میں حضرت مسروق سے مذکور ہے میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کے بارے میں دریافت کیا۔انہوں نے جواب دیا، سوائے دو رکعت نمازِ فجر کے ان کی تعداد سات، نو اور گیارہ تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات سے اکثر لوگ التباس میں پڑ گئے لیکن حق یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات کا تعلق مختلف اوقات اور متنوع حالات سے ہے۔(قرطبی)

زید بن خالد سے مروی ہے، حضرت مسروق نے کہا، میں آج رات تمہارے سامنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نمازِ تہجد کو ذرا پھیلا کر بیان کروں گا، چنانچہ انہوں نے دو مختصر رکعتیں ادا کیں، پھر دو لمبی رکعتیں ادا کیں، پھر دو رکعتیں ادا کیں، جو پہلی دو رکعتوں سے کمتر تھیں اور اسی طرح دو دو رکعتیں ادا کرکے مع ایک رکعت وتر کے کل تیرہ رکعتیں ادا کیں (مسلم) حضرت حذیفہ سے مروی ہے، انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دورانِ شب میں نمازِ تہجد پڑھتے دیکھا۔آپ تین بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ ذُوالْمَلَکُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظْمَۃِ کہتے۔پھر نماز شروع کرتے، سورۂ بقرہ کی تلاوت کے بعد رکوع کرتے اور رکوع بھی ایک طرح کا قیام ہوتا۔اور رکوع میں سبحان ربی العظیم پڑھتے رکوع سے سر اٹھاتے اور بعد از رکوع قیام ایک طرح کا رکوع ہوتا، پھر فرماتے لِرَبِّیَ الْحَمْدُ۔ پھر سجدہ کرتے اور سجدہ ایک طرح کا قیام ہوتا۔اور آپ سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے پھر سجدے سے سر اٹھاتے اور دونوں سجدوں کے درمیان کا وقفہ سجدے جتنا ہوتا۔اور

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ پڑھتے۔ حضرت مسروق نے چار رکعتوں میں سورۂ بقرہ، آلِ عمران، المائدہ یا الانعام پڑھی۔ (ابوداؤد)

صحیح مسلم میں یہ روایت بہ ایں الفاظ مذکور ہے، ایک رات میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ تہجد پڑھی۔ آپ نے سورۂ بقرہ شروع کی، میرا اندازہ تھا، کہ سو آیتوں کے بعد سجدہ کریں گے، مگر آپ آگے بڑھ گئے، میں سمجھا، آپ اسے پہلی رکعت میں ختم کر دیں گے، مگر آپ آگے بڑھ گئے۔ میں سمجھا، اب رکوع کریں گے، مگر آپ آگے بڑھ گئے۔ آپ نے سورۂ نسا شروع کر دی اور پڑھتے چلے گئے پھر آلِ عمران شروع کر دی، چنانچہ آپ ترتیل سے پڑھتے گئے، جب کوئی تسبیح کی آیت پڑھتے تو خدا کی تسبیح کرتے، اور جب دعا کی آیت پڑھتے، تو دعا مانگتے، اور جب تعوذ کی آیت پڑھتے تو خدا سے پناہ کے طلبگار ہوتے، پھر آپ نے رکوع کیا اور سبحان ربی العظیم پڑھا۔ آپ کا رکوع ایک طرح کا قیامؒ تھا پھر آپ نے سمع اللہ لمن حمدہ۔ کہا۔ (ایک روایت میں ربنا و لک الحمد کا اضافہ کیا گیا ہے، پھر آپ دیر تک (باندازہ رکوع) کھڑے رہے، پھر سجدہ کیا اور سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا اور سجدہ بہ قدرِ قیام طویل تھا۔ آپ تخویف یا تعظیم کی جس آیت کو پڑھتے، اللہ کو یاد کرتے۔

صورت نماز:۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی تین صورتیں تھیں، ۱۔ زیادہ تر آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں، کہ میں نے رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو وفات سے صرف ایک سال پہلے نفلی نماز کی آخری رکعتوں میں بیٹھتے دیکھا (مسلم وغیرہ) آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے اور اسی حالت میں رکوع کرتے (بخاری وغیرہ) تیسری صورت یہ تھی، کہ جب بیٹھے بیٹھے قرأت کر چکتے، اور تھوڑا سا حصہ باقی رہ جاتا تو اٹھ کھڑے ہوتے اور رکوع کرتے (مسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ میں یہ حدیث یوں بیان ہوئی ہے کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم بیٹھے بیٹھے قرأت کرتے، جب آپ کی قرأت سے بقدر تیس یا چالیس آیات کے رہ جاتا تو اٹھ کھڑے

ہوتے اور باقی حصہ کھڑے کھڑے پڑھتے، پھر رکوع اور سجدہ فرماتے اور دوسری رکعت میں اسی طرح عمل کرتے۔ اور دار قطنی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آپ چار چار رکعتیں پڑھتے تھے اور روایت میں یہ بھی مذکور ہے، کہ آپ وتر کے بعد بیان جواز کے لیے دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

حضورِ اکرم کا قیام نصف شعبان کی رات کو:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس رات کو نماز کے لیے اٹھے اور آپ نے اتنا طویل سجدہ کیا، کہ مجھے خدشہ ہوا کہ آپ فوت نہ ہو گئے ہوں۔ یہ حالت دیکھ کر میں اٹھی اور میں نے آپ کے انگوٹھے کو ہلایا۔ آپ نے حرکت کی تو میں لوٹ آئی۔ جب آپ نے سجدے سے سر اٹھایا اور نماز سے فارغ ہوئے، تو فرمایا اے عائشہ! کیا تم یہ سمجھیں، کہ تمہارے نبی نے تمہیں دھوکا دیا ہے، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں آپ کے غیر معمولی طویل سجدے سے یہ سمجھی، کہ آپ فوت ہو گئے ہیں، فرمایا، جانتی ہو، یہ کون سی رات ہے، عرض کیا، خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا، یہ نصف ماہِ شعبان کی رات ہے، خدا اس رات کو اپنے بندوں کی حالت سے آگاہ ہوتا ہے، چنانچہ استغفار کرنے والوں کو معاف کرتا ہے، اور رحم طلب کرنے والوں پر رحم کرتا ہے اور اہلِ کینہ کو جیسے وہ ہیں، اسی حالت میں رہنے دیتا ہے (بیہقی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہ ایک رات رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو میں نے بستر سے غائب پایا۔ تلاش میں نکلی تو آپ جنت البقیع میں تھے اور سر آسمان کی طرف اٹھا رکھا تھا، فرمایا، کیا تمہیں اس بات کا خدشہ تھا کہ خدا اور اس کا رسول تم سے ناانصافی کریں گے، میں نے عرض کیا، مجھے خیال تھا، کہ آپ کسی دوسری بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں، فرمایا آج نصف شعبان کی رات ہے، جب اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر اتر آتا ہے، اور اتنے لوگوں کو معاف کرتا ہے، جن کی تعداد بنو کلب کی بکریوں

کے بالوں سے زیادہ ہوتی ہے۔

ماہِ رمضان میں حضور اکرم کا قیام:۔ یہ نفلی نماز تراویح کہلاتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، جب رمضان کا آخری عشرہ آتا، تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جاگتے، گھر والوں کو جگائے رکھتے اور مباشرت سے پرہیز رکھتے (بخاری و مسلم) مسلم میں یہ بھی مذکور ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ماہِ رمضان میں جتنی محنت (عبادت) کرتے اور کسی مہینے میں اتنی محنت نہیں کرتے تھے اور اسی طرح جتنی محنت آپ آخری عشرۂ رمضان میں کرتے، اتنی باقی دنوں میں نہیں کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز پڑھی، تو لوگوں نے آپ کے تتبع میں نماز پڑھی۔ اگلی رات کو آپ نے پھر نماز پڑھی اور لوگ کافی تعداد میں وہاں جمع ہو گئے، تیسری رات کو لوگ جمع ہو گئے مگر آپ باہر تشریف نہ لائے۔ جب صبح ہوئی، فرمایا، میں نے تمہاری کارگزاری دیکھ لی تھی، مگر میں اس لیے باہر نہ نکلا، مبادا یہ نماز رمضان میں تم پر فرض ہو جائے۔ (بخاری، مسلم وغیرہ)

حضرت نعمان بن بشیر راوی ہیں کہ ہم رمضان کی تیئیس تاریخ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثلث شب تک نماز پڑھتے رہے، پچیس تاریخ کو یہ سلسلہ نصف شب تک جاری رہا۔ ستائیس تاریخ کو ہم یوں مصروفِ عبادت رہے، اور اندیشہ تھا۔ کہ شاید ہم صبح تک زندہ نہ رہ سکیں۔ (نسائی)

ابو سلمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا، کہ ماہِ رمضان کے دوران حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھتے تھے۔ کہا، رمضان اور غیر رمضان میں آپ کی نماز گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اول چار رکعت پڑھتے ان کی خوبی اور طوالت کے بارے میں کیا پوچھتے ہو۔ اس کے بعد پھر چار رکعتیں ادا فرماتے

اور طوالت اور خوبی کا اتنا ہی خیال رکھتے، پھر تین رکعت پڑھتے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، یارسول اللہ آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں، فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل جاگتا ہے (بخاری و مسلم)۔

رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم رمضان کی راتوں میں بمقابلہ اور دنوں کے طویل قرأت فرمایا کرتے چنانچہ رمضان کی ایک رات کو حضرت حذیفہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے اولاً سورۂ بقرہ پھر نساء پھر آلِ عمران پڑھی۔ جب بھی کوئی ایسی آیت پڑھتے، جس میں اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا، تو آپ ٹھہر جاتے اور دعا مانگتے۔ آپ نے بہ مشکل دو رکعتیں پڑھی ہوں گی، کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آگئے اور آپ کو نمازِ صبح کے بارے میں بتایا۔ (احمد و نسائی) نسائی میں یہ روایت بھی مذکور ہے، کہ آپ نے بہ مشکل چار رکعتیں پڑھی ہوں گی، کہ حضرت بلال نمازِ صبح کی دعوت دینے آگئے۔

نماز وتر:- حدیثِ صحیح میں آیا ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ رکعت نمازِ وتر ادا فرماتے اور صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے۔ حاکم نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعتیں ادا فرماتے اور صرف آخری رکعت میں جلسہ کرتے۔ امام طحاوی سالم بن عبداللہ بن عمر سے راوی ہیں، انہوں نے اپنے والد سے روایت کی، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جفت اور طاق (وتر) کو بذریعہ سلام علیحدہ کر دیتے تھے اور حسبِ اطلاع آپ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ مسلم وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہ آپ کسی رات کو بوجہ تکلیف سو جاتے اور رات کو نہ اٹھ سکتے تو دن کے وقت بارہ رکعتیں پڑھتے۔ اور وتر کو قضا نہ کرتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نمازِ وتر رات بھر یعنی بعد از عشا ابتدائے شب، نصف شب اور آخرِ شب میں ادا فرماتے رہتے اور وتر کا وقت طلوعِ سحر سے پہلے ختم ہوتا ہے (بخاری و مسلم)۔

احتمال ہے، کہ نمازِ وتر کے وقت کا یہ اختلاف بوجہ اختلافِ احوال ہو۔ زیادہ تر آپ اس نماز

کو آخر شب میں پابندی سے ادا کرتے تھے، امام احمد نے حضرت معاذ سے ایک روایت بیان کی ہے، آپ نے فرمایا، خدا نے مجھے ایک زائد نماز ادا کرنے کی ہدایت فرمائی ہے جس کا وقت عشا سے طلوع صبح تک ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نمازِ وتر کی تین رکعتیں ادا فرماتے تھے جن میں نو مفصل سورتیں تلاوت فرماتے تھے۔ ہر رکعت میں تین سورتیں پڑھتے، جن میں آخری سورت قل ھو اللہ ہوتی تھی۔ (ترمذی) حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ پہلی رکعت میں آپ سبّح اسم ربک الاعلیٰ، دوسری میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھتے (ترمذی و ابو داؤد) جب سلام پھیرتے تو سبحان الملک القدوس پڑھتے۔ نسائی میں ہے کہ تین دفعہ یہ الفاظ دہراتے اور آخری دفعہ زور سے پڑھتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے آخر میں مندرجہ ذیل کلمات دہراتے :- اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔ (ابوداؤد)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتوں اور نمازِ وتر میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اور قُلْ یَا اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ پڑھتے تھے۔

نماز اشراق :- عبداللہ بن اوفی سے مروی ہے، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اشراق کی دو رکعتیں ادا کیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ چار رکعتیں پڑھتے اور جتنا چاہتے اضافہ کر دیتے۔ حضرت جابر اور مطعم بن عدی سے روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چھ رکعتیں ادا کیں۔ حضرت ام ہانی اور حضرت انس کی روایت میں ہے، کہ آپ نے آٹھ رکعتیں پڑھیں۔ حضرت ام سلمہ کی روایت میں ہے کہ آپ بارہ رکعتیں ادا فرماتے۔

نمازِ نوافل:- حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے دو رکعتیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ اور بعد از مغرب گھر میں دو رکعت نماز ادا کرتے۔ اسی طرح بعد از نمازِ عشا بھی۔ نمازِ جمعہ کے بعد کچھ نہ پڑھتے، مگر گھر آکر دو رکعت نماز ادا کرتے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، جب مؤذن صبح کی اذان سے فارغ ہوتا اور سپیدۂ سحر نمودار ہوتا تو حضور نماز سے پہلے دو مختصر سی رکعتیں پڑھتے (بخاری) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ ظہر سے پہلے گھر میں چار رکعتیں پڑھتے، پھر لوگوں کو جاکر نماز پڑھاتے، پھر واپس آکر دو رکعتیں ادا کرتے۔ لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھاتے، پھر واپس آکر دو رکعت ادا فرماتے۔ پھر لوگوں کو نمازِ عشار پڑھاتے اور گھر واپس آکر دو رکعت نماز پڑھتے اور حدیث کے آخر میں مذکور ہے، جب صبح طلوع ہوتی تو دو رکعتیں ادا فرماتے (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ نوافل میں سے کسی عبادت کا اتنا اہتمام نہ فرماتے تھے، جتنا کہ صبح کی دو رکعتوں کا (بخاری، مسلم وغیرہ) مسلم میں ان دو رکعتوں کے بارے میں مذکور ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، مجھے تمام دنیا سے یہ دو رکعتیں عزیز تر ہیں۔ جب مؤذن اذان کہہ چکتا، اور سپیدۂ سحر نمودار ہوتا، تو آپ یہ دو رکعتیں مختصر انداز میں پڑھتے۔ (بخاری، مسلم ونسائی) آپ بالعموم ان دو رکعتوں کی پہلی رکعت میں قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا الخ[1] اور دوسری میں قُلْ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ[2] تلاوت فرماتے (مسلم) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم صبح کی دو رکعتوں میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے (مسلم) ابنِ ماجہ میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آپ صبح کی دو رکعتوں میں مذکورہ دو سورتیں پڑھتے تھے۔ اور جب یہ نماز پڑھ چکتے تو دائیں کروٹ لیٹ جاتے۔ (مسلم وبخاری)

---

[1] بقرہ: ۱۳۶ [2] عمران: ۶۴

ظہر کی سنت موکدہ :- حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے، کہ میں نے آپ کے ساتھ دو رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو بعد میں پڑھیں (بخاری) حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ حضور اکرم چار رکعت نماز ظہر سے پہلے اور دو رکعت نماز فجر سے پہلے ضرور ادا فرماتے تھے۔ ابو جعفر طبری کہتے ہیں، کہ اکثر حالات میں حضور اکرم چار رکعتیں اور کبھی کبھی دو رکعتیں ادا فرماتے تھے۔ بزاز حضرت ثوبان سے راوی ہیں، کہ حضور بعد از زوال ادائے ظہر کو اچھا سمجھتے تھے۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ میں دیکھتی ہوں، کہ آپ اس وقت ادائے نماز کو بہتر خیال فرماتے ہیں۔ فرمایا، اس وقت آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور خدا اپنی مخلوق کو رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے، اور یہی وہ نماز ہے، جس پر آدم سے عیسیٰ تک تمام انبیاء نے مواظبت کی۔ حضرت عبداللہ بن سائب سے مروی ہے، کہ زوال آفتاب کے بعد قبل از ظہر آپ چار رکعتیں ادا فرماتے تھے۔ نیز فرماتے، کہ یہ وہ وقت ہے جب آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور میری خواہش ہوتی ہے، کہ میرا نیک عمل بھی آسمان میں داخل ہو۔

نماز عصر کی سنتیں :- حضرت علی سے مروی ہے، کہ آپ قبل از عصر دو رکعتیں ادا فرماتے تھے (ابو داؤد) نیز مروی ہے، کہ آپ قبل العصر چار رکعتیں ادا فرماتے اور ملائکہ مقربین اور اپنے پیروکار مسلمانوں اور مومنوں پر سلام بھیج کر ان میں فاصلہ ڈال دیتے تھے (ترمذی) نیز روایت ہے، حضور نے فرمایا، اللہ اس شخص پر رحم کرے، جو قبل از عصر چار رکعتیں ادا کرتا ہے۔ اور ابو داؤد میں حضرت عائشہ سے مروی ہے

کہ حضور بعد از عصر دو رکعتیں ادا فرماتے، لیکن لوگوں کو منع فرما دیا۔

مغرب کی موکدہ سنتیں:- حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ میں شمار نہیں کر سکتا کہ آپ نے نماز مغرب کے بعد اور نماز صبح سے پہلے کی دو رکعتوں میں کتنی بار قُلْ یَا اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَد پڑھا (ترمذی) حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے، کہ حضور مغرب کی نماز کے بعد کی دو رکعتوں میں قرأت کو اتنا لمبا کرتے کہ اہل مسجد ایک ایک کر کے اٹھ جاتے (ابو داؤد) آپ نے قبل از مغرب دو رکعتیں نہیں پڑھیں، ہاں آپ کے صحابہ نے پڑھیں، اور آپ نے انہیں اس پہ جمے رہنے کو کہا (ابو داؤد)

نماز عشا کی موکدہ سنتیں:- حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ حضور اکرم جب بھی بعد از ادائے نماز عشا میرے پاس تشریف لاتے، تو چار یا چھ رکعتیں ادا فرماتے (ابو داؤد) اور مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ عشا کی نماز پڑھانے کے بعد میرے گھر تشریف لاتے اور دو رکعت ادا کرتے۔

نماز جمعہ کی موکدہ سنتیں:- حضرت عبداللہ بن عمر قبل از جمعہ نماز کو لمبا کرتے اور دو رکعتیں اپنے گھر میں پڑھتے اور کہا کرتے، کہ حضور اکرم ایسا ہی کیا کرتے تھے (ابو داؤد) اور حضرت سُلیک الغطفانی بروز جمعہ حضور کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے، کہ آپ خطبہ دے رہے تھے۔ دریافت فرمایا۔ تم نے نماز پڑھی ہے، عرض کیا نہیں، فرمایا، دو رکعتیں ادا کرو (بخاری و مسلم)۔

دربارۂ رکعات نماز عید:- حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ حضور اکرم نماز عید کے لئے نکلے اور آپ نے دو رکعتیں ادا کیں، جو اس سے پہلے کبھی پڑھی تھیں اور نہ اس کے بعد۔ پھر حضرت بلال کے ساتھ عورتوں کے مجمعے میں گئے، اور انہیں صدقے کے لئے کہا چنانچہ عورتوں نے انگشتریاں

اور ہار صدقے میں دیئے۔

دربارہ تکبیرات عید:۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ حضور اکرم عید الفطر اور عید الاضحی کی پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ اور رکوع کے علاوہ سات زائد تکبیریں اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہتے تھے (ابوداؤد)

وقت و مکان:۔ حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحی کے موقعہ پر، عیدگاہ کو تشریف لے جاتے اور اول از ہمہ نماز ادا فرماتے (بخاری و مسلم)

اذان و اقامت:۔ حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے، کہ میں نے رسول اکرم کے ساتھ عید میں سوائے ایک دفعہ کے ہمیشہ بغیر از اذان واقامت نماز ادا کی (مسلم)

قرأت:۔ حضرت ابوواقد اللیثی سے مروی ہے کہ رسول کریم عیدین کے موقعہ پر رکعت اول میں قٓ ، وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ اور دوسری میں اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ تلاوت فرماتے (مسلم وغیرہ) نعمان بن بشیر سے روایت ہے، کہ حضور عیدین اور جمعہ کی نمازوں میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی اور ھَلْ اَتَاکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃِ پڑھتے۔

دربارہ خطبہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے، کہ رسول اکرم اور حضرت ابوبکر اور عمر نماز عید قبل از خطبہ ادا فرماتے (بخاری مسلم وغیرہ) حضرت جابر سے مروی ہے۔ میں ایک عید کے موقعہ پر حضور اکرم کے ساتھ تھا، آپ نے بغیر از اذان واقامت نماز پڑھائی، پھر حضرت بلال پر سہارا لے کر اٹھے، لوگوں کو اللہ سے ڈرنے اور اس کی عبادت پر اکسایا، نیز لوگوں کو وعظ ونصیحت فرمائی۔ پھر عورتوں کے مجمعے میں تشریف لاکر انہیں وعظ ونصیحت کی۔ فرمایا تم صدقہ کیا کرو، کہ تم سے اکثر جہنم

کا اینددھن ہیں اس پر ان کے درمیان سے ایک سیاہ داغوں والی عورت اٹھی اور وجہ دریافت کی فرمایا اس لیئے کہ تم اکثر شاکی رہتی ہو اور خاوندوں کی نافرمانی کرتی ہو۔ اس پر عورتوں نے اپنے زیور انگشتریاں اور کانوں کے کانٹے حضرت بلال کے کپڑے میں ڈالے۔ (بخاری ومسلم) ابن خزیمہ سے مروی ہے۔ کہ حضور اکرم عید کا خطبہ دیتے وقت اپنے پاؤں پر کھڑے تھے، یعنی ابھی تک عید گاہ میں منبر نہیں لایا گیا تھا۔

عید فطر کی نماز سے بیشتر کھانا:۔ حضرت انس سے مروی ہے، کہ حضور اکرم عید فطر کے دن بغیر چند کھجوریں کھانے کے گھر سے نہیں نکلتے تھے (بخاری) نیز مروی ہے کہ کھجوروں کی تعداد طاق ہوتی (حاکم) حضرت بریدہ سے مروی ہے، کہ عید فطر کے موقعہ پر حضور اکرم بغیر کھائے گھر سے نہیں نکلتے تھے اور عید الاضحیٰ کے موقعہ پر نماز سے پہلے نہیں کھاتے تھے (ترمذی) امام شافعی نے الام میں امام زہری سے ذکر کیا ہے کہ حضور اکرم عیدین اور جنازے کے لئے سوار ہو کر نہیں جاتے تھے۔ ترمذی میں حضرت علی سے مروی ہے، کہ عیدین کے لئے چل کر جانا سنت ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے، کہ عید کے دن حضور اکرم جس راستے سے جاتے، واپسی پر دوسرا راستہ اختیار کرتے (ترمذی) حضور اکرم عیدین کے موقعہ پر چھوٹا عصا لے کر نکلتے اور اسی پر سہارا لے کر خطبہ دیتے (نسائی) حضور اکرم نے ایک عید کے موقعہ پر دو سفید رنگ کے سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی دی اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور تکبیر کہی۔ اور بخاری میں حضرت انس سے مروی ہے، کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے جبڑے پر پاؤں رکھتے دیکھا اور بسم اللہ اللہ اکبر کہتے سنا حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ حضور اکرم نے ایک مینڈھے کے جس کی ٹانگیں سیاہ تھیں خریدنے کا حکم دیا۔ چنانچہ قربانی کے لئے ایک مینڈھا لایا گیا۔ فرمایا، عائشہ مجھے چھری لا کر دو۔ پھر فرمایا، اسے پتھر پر رگڑو میں نے تعمیل کی۔ پھر مجھ سے لے کر مینڈھے کو زمین پر لٹایا اور ذبح کر دیا اور یہ کلمات کہے: اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ

مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّتِہٖ مُحَمَّدٍ (مسلم)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے، کہ رسول اکرم نے قربانی کے دن دو مینڈھے سینگوں والے سیاہ اور سفید رنگ کے جو خصی تھے، ذبح کئے، جب انہیں قبلہ رُخ لٹایا، تو مندرجہ ذیل کلمات ادا فرمائے۔:۔ اِنِّیْ وَجَّہْتُ وَجْہِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّۃِ اِبْرَاہِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ مِنْ مُحَمَّدٍ وَ اُمَّتِہٖ بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔ ان کلمات کے بعد ذبح فرمایا (ابوداؤد وغیرہ) اور امام احمد اور ترمذی کی روایت میں ہے، کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور فرمایا بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ ھٰذَا عَنِّیْ وَعَمَّنْ لَمْ یُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ۔

دربارۂ نوافل بابت نماز خسوف:- حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ کے زمانے میں سورج کو گہن لگا۔ آپ نے نماز نفل میں اتنا لمبا قیام فرمایا، کہ جتنی دیر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے۔ پھر آپ نے طویل رکوع کیا، پھر سر اٹھایا اور اول الذکر قیام سے کمتر قیام فرمایا، پھر پہلے رکوع سے کمتر رکوع کیا، پھر اٹھے سجدہ کیا، اور پھر قیام اول سے کمتر قیام کیا، پھر طویل رکوع کیا، لیکن رکوع اول سے کمتر، پھر سر اٹھایا، پھر سجدہ کیا اور نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا۔ فرمایا، سورج اور چاند اللہ کی نشانیاں ہیں۔ جو نہ تو کسی کی موت سے متاثر ہوتے ہیں اور نہ حیات سے۔ جب ایسی صورت پیش آجائے تو اللہ کو یاد کرو (بخاری)

حضرت اسماء بنت ابوبکر کی حدیث میں ہے جسے بخاری، مسلم، امام مالک اور نسائی نے ذکر کیا ہے، حضور نے فرمایا، بہت سی ایسی چیزیں جو میں نے نہیں دیکھی تھیں، میں اس

مقام پر اس کا مشاہدہ کر رہا ہوں، یہاں تک کہ جنت اور جہنم کا بھی۔ مجھے وحی کی گئی ہے، کہ تم اپنی قبروں میں فتنۂ دجال کی طرح فتنے میں ڈالے جاؤ گے۔ چنانچہ کہا جائے گا۔ کہ تم اس آدمی کے بارے میں کیا جانتے ہو۔ مومن اور صاحب یقین آدمی کہے گا، کہ وہ محمد رسول اللہ ہیں۔ ہمارے پاس دلائل اور ہدایت لے کر آئے، ہم نے آپ کی بات مانی اور پیروی کی پھر وہ شخص تین دفعہ کہے گا، کہ آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسے کہا جائے گا۔ آرام سے سوئے رہو۔ ہمیں معلوم تھا۔ کہ تم صاحب یقین آدمی ہو۔ لیکن منافق اور شکی مزاج والا کہے گا، میں آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ لیکن لوگوں کو جو کچھ کہتے سنا وہی کہہ دیا۔ امام احمد سے مروی ہے، کہ جب حضور اکرم نماز کسوف سے فارغ ہوئے، تو آپ نے خدا کی تعریف و ثنا کہی، پھر خدا کی وحدانیت اور اپنی عبودیت اور رسالت کی شہادت دی اور فرمایا: اے لوگو! میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، اگر تمہیں معلوم ہو، کہ میں نے خدائی پیغامات کو تم تک پہنچانے میں کوئی کمی کی ہے، تب مجھے ضرور بتاؤ۔ اس پر ایک آدمی نے اٹھ کر کہا۔ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کے احکام ہم تک پہنچائے، اپنی امت کو نصیحت فرمائی اور جو بات آپ پر فرض تھی، وہ آپ نے پوری کر دی۔ فرمایا بخدا جب سے میں نماز کے لئے کھڑا ہوا ہوں، جو کچھ تمہیں دنیا اور آخرت میں پیش آنے والا ہے، اس کا مشاہدہ کر تا رہا ہوں۔ واللہ قیامت اس تک نہیں آئیگی، جب تک کہ تیس جھوٹے نبی آنہ چکیں جن میں سے آخری جھوٹا نبی کانا دجال ہو گا۔ جو شخص اس کی پیروی کریگا، اس کے اعمالِ صالحہ اسے کوئی فائدہ نہ دیں گے۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ جب حضور اکرم کے زمانے میں سورج کو گہن لگا، تو آپ نے اَلصَّلوٰۃُ جَامِعَۃٌ کی منادی کرائی اور ابن حبّان سے روایت ہے کہ حضور اکرم نے کسوف اور خوف کے موقعہ پر حسب معمول دو رکعت نماز ادا کی۔

نماز بارش کے لئے: نماز استسقا کئی طرح کی ہوتی تھی۔ کبھی آپ دو رکعت نماز ادا

فرماتے اور دو خطبے دیتے۔ مگر اس سے پہلے صدقہ دیتے، روزہ رکھتے، توبہ کرتے، اچھے کاموں کی ترغیب دیتے اور برے کاموں سے روکتے وغیرہ وغیرہ۔ ابوداؤد اور ابن حبان نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے، کہ لوگوں نے حضور اکرم سے بارش کے قحط کی شکایت کی، حکم دیا کہ عیدگاہ میں منبر رکھا جائے، اور لوگوں کو بتا دیا، فلاں دن وہاں جمع ہو جائیں جب سورج کی روشنی پھیل گئی، تو آپ عیدگاہ کو چلے، منبر پر بیٹھ کر خدا کی حمد و ثنا بیان فرمائی، اے لوگو تم نے قحط سالی اور شروع سے بارش کی کمی کی شکایت کی ہے۔ خدا نے تمہیں حکم دیا ہے۔ کہ تم اس سے دعا مانگو اور اس نے تم سے قبولیت کا وعدہ کیا ہے پھر فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ، اَلَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ، یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ۔ اَنْتَ الْغَنِیُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ اِلَیْکَ۔ اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْ عَلَیْنَا الْغَیْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ قُوَّۃً وَبَلَاغًا اِلٰی حِیْنٍ۔ پھر آپ نے ہاتھ اوپر اٹھائے تا آنکہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ پھر لوگوں کی طرف پیٹھ کر کے رخ قبلے کی طرف پھیرا۔ پھر آپ نے اپنی چادر کو الٹا اور ابھی تک ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے پھر لوگوں کی طرف منہ کر کے نیچے اترے اور دو رکعت نماز ادا کی۔ اتنے میں خدا نے بادل اٹھائے جو گرجے اور چمکے۔ پھر بارش شروع ہو گئی اور آپ ابھی واپس مسجد تک نہیں پہنچے تھے، کہ جل تھل کا عالم ہو گیا۔ جب حضور اکرم نے ان کی تیزی تندی اور گھروں کو بھاگتا دیکھا، تو آپ اتنا ہنسے، کہ آپ کی ڈاڑھیں دکھائی دینے لگیں۔ فرمایا۔ میں اس بات کا شاہد ہوں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے، اور میں اس کا بندہ اور رسول ہوں۔ بخاری میں حضرت عبداللہ بن زید سے روایت ہے، کہ آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی اور قراءت بلند آواز سے کی حضرت ابن حبان نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے۔ کہ یہ نمازِ استسقا حضور نے ہجرت کے چھٹے برس رمضان کے مہینے میں ادا کی تھی۔ ابوداؤد میں عبّاد سے روایت ہے، کہ حضور نے نماز

استسقا پڑھائی اور آپ نے گرم چادر اوڑھ رکھی تھی۔ آپ نے چاہا۔ کہ چادر کا دامن پکڑ کر اسے اوپر لے جا کر الٹ دیں۔ چونکہ چادر بھاری تھی۔ اس لئے آپ نے اس کا دامن کندھے پر رکھ لیا۔

استسقا کی دوسری صورت یہ ہے۔ کہ آپ نے نماز جمعہ کے خطبے میں بارش کے لئے دعا فرمائی۔ جیسا کہ ہم بیشتر ازیں آپ کے معجزات کے سلسلے میں بیان کر چکے ہیں۔

امام بیہقی نے الدلائل میں استسقا کی ایک تیسری قسم بیان کی ہے۔ کہ حضور اکرم نے منبر مدینہ پر کھڑے ہو کر بارش کے لئے دعا کی۔ یزید بن عبید السُّلمی سے مروی ہے۔ کہ جب رسول اکرم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ تو بنو فزارہ کا ایک وفد جس میں دس بارہ آدمی تھے۔ حاضر خدمت ہوئے۔ ان میں خارجہ بن حِصن اور حُر بن قیس (جو سب سے چھوٹا تھا) بھی شامل تھے رملہ بنت حارث انصاری کے مکان میں اترے۔ یہ لوگ دبلے اونٹوں پر سوار ہو کر آئے تھے اور قحط زدہ تھے۔ وہ آئے، تو اسلام کے اقراری تھے۔ رسول اکرم نے ان سے ان کی بستیوں کی حالت دریافت کی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے علاقے اور بستیاں خشک سالی کی زد میں ہیں۔ ہمارے بال بچے بھوکے ہیں اور ہمارے مویشی ہلاک ہو گئے ہیں۔ اپنے رب کو بلایئے کہ وہ ہماری امداد کرے۔ اور اپنے خدا سے ہماری شفاعت کیجئے۔ اور نیز اپنے رب سے کہئے کہ آپ سے ہماری سفارش کرے۔ حضور نے فرمایا۔ سبحان اللہ! تیرا بھلا نہ ہو۔ میں تو اپنے رب کے پاس سفارش کروں گا۔ لیکن وہ کون ہے۔ جس کے پاس ہمارا رب سفارش کرے۔ لَا اِلٰـهَ اِلَّاھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَسِعَ کُرْسِیُّـهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ یَئِطُّ مِنْ عَظْمَتِـهٖ وَجَلَالِهٖ کَمَا یَئِطُّ الرَّحْلُ الْجَدِیْدُ۔ حضور اکرم نے فرمایا خدا تمہاری اس شفقت اور فوری بارش پر ہنستا ہے۔ بدو نے کہا، یا رسول اللہ کیا ہمارا خدا ہنستا ہے فرمایا، ہاں۔ بدو کہنے لگا۔ یا رسول اللہ اس خدا کو جو یوں از راہِ لطف و کرم ہنستا ہے، ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیئے۔ حضور اکرم اس کی بات سن کر ہنس دیئے۔ اس

کے بعد منبر پر چڑھے چند کلمات ارشاد فرمائے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ اور رسول اکرم سوائے بارش کے اور کسی مقصد کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ پھر حضور نے ہاتھ اٹھائے تاآنکہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی گئی۔ آپ کی دعا کے جو الفاظ مجھے یاد ہیں وہ یہ تھے

اَللّٰھُمَّ اسْقِ بَلَدَکَ وَبَھِیْمَتَکَ وَانْشُرْ رَحْمَتَکَ وَاُحْیِ بَلَدَکَ الْمَیِّتَ۔ اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا مُغِیْثًا مَرِیْئًا مَرِیْعًا طَبَقًا وَاسِعًا عَاجِلًا غَیْرَ اٰجِلٍ نَافِعًا غَیْرَ ضَارٍ۔ اَللّٰھُمَّ سُقْیَا رَحْمَتِہٖ لَا سُقْیَا عَذَابٍ وَلَا ھَدَمٍ وَلَا غَرَقٍ وَلَا مَحْقٍ۔ اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا الْغَیْثَ وَانْصُرْنَا عَلَی الْاَعْدَاءِ۔

اس پر ابولبابہ بن منذر اٹھے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ کھجوریں خشک کرنے کے لئے ذخیرہ گاہوں میں پڑی ہیں۔ حضور نے کہا۔ اے خدا باران رحمت سے نواز۔ ابولبابہ نے پھر کہا، یارسول اللہ کھجوریں ذخیرہ گاہوں میں خشک کی جارہی ہیں۔ ابولبابہ نے تین بار یہ بات دہرائی اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اللہ تو ہمیں باران رحمت سے نواز یہاں تک کہ ابولبابہ کو اپنے ذخیرے کے سوراخ کو اپنے ازار سے بند کرنے کے لئے ننگا ہونا پڑے۔ راوی کہتا ہے کہ بخدا آسمان پر بادل تھا نہ بادل کا ٹکڑا۔ اور مسجد اور پہاڑی کے درمیان نہ کوئی مکان تھا اور نہ کوئی عمارت تھی۔ اتنے میں پہاڑی کے پیچھے سے ایک بادل جس کی شکل ڈھال کی سی تھی، اٹھا۔ جب آسمان کے درمیان میں آیا، تو پھیل گیا۔ اور وہ دیکھ رہے تھے۔ پھر بارش شروع ہوگئی اور ہفتوں تک کسی نے سورج نہ دیکھا۔ اور ابولبابہ کو اپنی ازار ذخیرہ گاہ کا سوراخ بند کرنے کے لئے تاکہ کھجوریں بہ نہ جائیں ننگا ہونا پڑا۔ پھر اسی شخص نے جس نے حضور اکرم سے بارش کی درخواست کی تھی۔ التماس کی۔ یارسول اللہ، مویشی ہلاک ہوگئے ہیں اور راستے کٹ گئے ہیں۔ حضور اکرم پھر منبر پر چڑھے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، تاآنکہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی آپ نے دعا کی،۔ اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا۔ اَللّٰھُمَّ عَلَی الْاِکَامِ وَالظِّرَابِ

وَ بُطُونِ الْاَوْدِیَۃِ وَ مَنَابِتِ الشَّجَرِ۔ اس کے بعد بادل مدینے کی فضا سے اس طرح اتار لئے گئے جس طرح کپڑا اتار لیا جاتا ہے۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے، کہ ایک بدو حضور اکرم کی خدمت میں آیا کہنے لگا، یارسول اللہ! نہ ہمارا کوئی بچہ سلامت ہے، جو بولے اور نہ کوئی اونٹ ہے، جو آواز نکالے پھر ایک شعر پڑھا جس میں خشک سالی کی وجہ سے اپنی بدحالی کا ذکر کیا۔ حضور اکرم اٹھے اور چادر گھسیٹتے منبر پر چڑھے پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا مُغِیْثًا مُرِیْعًا غَدَقًا طَبَقًا نافِعًا غَیْرَ ضَارٍ عَاجِلًا غَیْرَ رَائِثٍ تَمْلَأُ الضَّرْعَ وَتُنْبِتُ بِہِ الزَّرْعَ وَ تُحْیِی بِہِ الْاَرْضَ بعد مَوْتِہَا راوی کہتا ہے کہ ابھی حضور اکرم نے اپنے ہاتھ بہ مشکل واپس سینے پر رکھے ہوں گے کہ آسمان پر بجلی چمکنے لگ گئی۔ اور وادیوں میں رہنے والے لوگ غرق غرق کہتے بھاگتے آئے۔ آپ نے دعا فرمائی:۔ اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا لَا عَلَیْنَا۔ بادل مدینے کی فضا سے ہٹ گیا۔ اور تاج کی طرح مدینے کو گھیر لیا حضور اکرم اس منظر سے بہت محظوظ ہوتے۔ خدا ابو طالب کو جزائے خیر دے۔ اگر وہ اس وقت زندہ ہوتے، تو انہیں کتنی خوشی ہوتی۔ ہمیں ان کے وہ اشعار کون سنائے گا! حضرت علی نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ کی مراد مندرجہ ذیل اشعار سے ہے:۔

وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِلْاَرَامِلِ

(ترجمہ) وہ سفید چہرہ انسان، کہ جس کے صدقے میں بادل سے بارش برسائی جاتی ہے وہ ذات مقدس یتیموں کو کھانا کھلانے والی اور بیواؤں کی حفاظت کرنے والی ہے

تُطِیْفُ بِہِ الْھُلَّاکُ مِنْ آلِ ھَاشِمٍ وَھُمْ عِنْدَہٗ فِیْ نِعْمَۃٍ وَفَوَاضِلٖ

(ترجمہ) بنو ہاشم کے قحط زدہ لوگ اس کے گرد طواف کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ اس کے پاس آرام و آسائش میں زندگی گزار رہے ہیں۔

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللهِ يُبْزَىٰ مُحَمَّدٌ　　وَلَمَّا نُطَاعِنُ حَوْلَهُ وَنُنَاضِلِ

(ترجمہ) تم نے اس کی تکذیب کی۔ اور بیت اللہ کی قسم کہ محمدؐ کو دکھ نہیں پہنچا جب ہم ان کے گرد نیزے چلا رہے ہیں اور تیر برسا رہے ہیں۔

وَنُسْلِمُهُ حَتَّىٰ نُصَرَّعَ حَوْلَهُ　　وَنَذْهَلَ عَنْ أَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

(ترجمہ) اور ہم انہیں دشمن کے حوالے نہیں کرینگے، جب تک کہ ہم ان کے اردگرد پچھاڑ نہ دیئے جائیں۔ اور جب تک ہم اپنے اہل وعیال سے محروم نہ کر دیئے جائیں۔

دعائے استسقا بغیر از نماز:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے، کہ جب قریش نے قبولِ اسلام میں تساہل برتا۔ اس پر حضور اکرم نے ان کے حق میں بد دعا فرمائی چنانچہ انہیں قحط نے آلیا، جس نے ان پر ہلاکت مسلط کر دی اور لوگ مردار اور ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے۔ ابوسفیان حضور کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا محمدؐ! آپ لوگوں کو صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ آپ کی قوم قحط سے تباہ ہو گئی ہے۔ خدا سے دعا کیجئے۔ رسول کریم نے دعا فرمائی، خدا نے ان پر بارش برسائی۔ اور سات دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر لوگوں نے کثرت باراں کی شکایت کی حضور نے دعا فرمائی حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اور بادل آپ کے سر سے ہٹ گیا اور آس پاس کے لوگوں پر برستا رہا (بخاری)

حضور اکرم نے زوراء کے علاقے میں احجار الزیت کے پاس باب السلام کے باہر بارش کے لئے دعا مانگی۔ آپ نے دونو ہاتھ اپنے چہرے کے سامنے اٹھا رکھے تھے اور سر مبارک ہاتھوں کے محاذ میں تھا (ابوداؤد)

بارش کی دعا ایک غزوہ کے موقعہ پر:۔ حضور اکرم نے ایک غزوے میں بارش کے لئے دعا مانگی۔ جب مشرکین نے پیشتر پہنچ کر پانی پر قبضہ کر لیا تھا، اور مسلمان پیاس کی گرفت میں آگئے تھے انہوں نے حضور کی خدمت

یں شکایت کی۔ بلکہ بعض منافق یہ کہتے سنے گئے، اگر آپ نبی ہوتے۔ تو جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو پانی پلایا تھا، آپ بھی اپنی قوم کو پانی پلاتے۔ حضور اکرم کو اس بات کا پتہ چل گیا۔ فرمایا اچھا، اگر انہوں نے یہ بات کہی ہے، تو اللہ جلدی ہی تمہاری پیاس بجھا دے گا۔ آپ نے ہاتھ پھیلا کر دعا کی۔ ابھی ہاتھ واپس نہیں لائے تھے، کہ سیاہ بادل چھا گئے اور اتنی بارش ہوئی۔ کہ وادی میں سیلاب آگیا، اور لوگوں نے خوب اچھی طرح پیاس بجھائی۔

دعائے استسقا:- حضرت سالم بن عبداللہ اپنے والد سے راوی ہیں، کہ جب حضور بارش کے لئے دعا مانگتے، تو مندرجہ ذیل کلمات ادا فرماتے۔

اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا الْغَیْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّ بِالْعِبَادِ وَالْبِلَادِ وَالْبَھَائِمِ وَالْخَلَائِقِ مِنَ اللَّاْوَاءِ وَالْجَھْدِ وَالضَّنْکِ مَا لَا نَشْکُوْہُ اِلَّا اِلَیْکَ۔ اَللّٰھُمَّ اَنْبِتْ لَنَا الزَّرْعَ وَاَدِرَّ لَنَا الضَّرْعَ۔ وَاسْقِنَا مِنْ بَرَکَاتِ الْاَرْضِ۔ اَللّٰھُمَّ ادْفَعْ عَنَّا الْجَھْدَ وَالْجُوْعَ وَالْعُرْیَ وَاکْشِفْ عَنَّا مِنَ الْبَلَاءِ مَا لَا یَکْشِفُہٗ غَیْرُکَ۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُکَ اِنَّکَ کُنْتَ غَفَّارًا فَاَرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَیْنَا مِدْرَارًا۔

بارش کی دعا حضور اکرم کے روضے کی وساطت سے:- ابو الجوزاء سے مروی ہے کہ ایک دفعہ مدینے میں سخت قحط پڑا۔ لوگوں نے حضرت عائشہ سے شکایت کی۔ انہوں نے کہا، کہ رسول اکرم کی قبر پر جاؤ اور چھت میں ایک ایسا سوراخ بناؤ، کہ روضے اور آسمان کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ ہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، پس بارش شروع ہو گئی۔ گھاس اُگ آئی اور اونٹ اتنے موٹے ہو گئے کہ ان کے جسم چربی سے لد گئے۔ اسی وجہ سے اس سال کو فراوانی کا سال کہتے تھے۔

نماز سفر: قصر:- حضرت انس راوی ہیں، کہ میں نے رسول اکرم کے ساتھ نماز ظہر چار

رکعت ادا کی۔ آپ مکے کے ارادے سے روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ میں جو مدینے سے چار میل کے فاصلے پر ہے، عصر کی دو رکعتیں ادا کیں۔ جمہور فقہا کی رائے یہ ہے، کہ قصر دو مرحلے کے سفر میں جائز ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک تین مرحلوں کی شرط ہے۔

قصر نماز بہ صورت اقامت :- حضرت انس سے مروی ہے، کہ ہم مدینے سے بہ ارادۂ مکہ روانہ ہوئے۔ آپ اس دوران میں واپسی تک دو رکعتیں ادا کرتے رہے۔ ان سے دریافت کیا گیا، کیا آپ نے مکہ میں کچھ دن قیام بھی کیا تھا۔ کہا ہم دس دن ٹھہرے تھے (بخاری مسلم) حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے، کہ آپ نے وہاں انیس دن قیام کیا اور نمازیں قصر کیا (بخاری) ابو داؤد کی روایت میں ہے، کہ آپ نے سترہ دن قیام کیا اور عمران بن حصین کی روایت کے مطابق اٹھارہ دن قیام کیا۔ بعض راویوں نے آنے اور جانے کے دنوں کو شمار کیا ہے اور بعض نے نہیں کیا۔

جمع بین الصلوتین :- ترمذی میں حضرت معاذ بن جبل سے مروی ہے، کہ حضور اکرم نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جب سورج زرد پڑ گیا، کوچ سے تھوڑی دیر پہلے ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی ادا کی۔ اور سورج کے زرد ہونے سے پہلے کوچ فرماتے تو ظہر کو موخر کر کے عصر کے لئے اتر پڑتے، اسی طرح نماز مغرب کے بارے میں عمل فرماتے۔ اگر کوچ سے پہلے سورج غروب ہو جاتا تو مغرب اور عشا کو جمع کر لیتے لیکن اگر غروب آفتاب سے پیشتر کوچ فرماتے، تو مغرب کو موخر کر کے عشا کے لئے اترتے۔ اور دونوں نمازیں اکٹھی ادا فرماتے۔

مزدلفہ میں جمع نماز :- مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضور نے مزدلفہ میں مغرب اور عشا کو جمع کیا۔ مغرب کی تین رکعتیں اور عشا کی دو رکعتیں ادا کیں۔ حضرت جعفر نے اپنے باپ سے روایت کی، کہ آپ نے

عرفہ میں ظہر اور عصر ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائی۔ اور درمیان میں تسبیح نہیں پڑھی اور اسی طریقے سے مغرب اور عشا بھی ایک اذان اور دو اقامتوں سے بغیر تسبیح ادا فرمائی۔

سفر میں ادائے نوافل:۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے، کہ میں نے حضور اکرم، حضرت ابو بکرؓ، عمر اور عثمان کے ساتھ سفر کیا، وہ ظہر اور عصر کی دو دو رکعتیں ادا کرتے تھے اور اول یا آخر اور کچھ نہیں پڑھتے تھے۔ ابن عمر نے کہا۔ اگر میں دو رکعت (فرض) سے پہلے یا بعد کچھ نوافل بھی پڑھتا ہوتا۔ تو اب بھی ضرور پڑھتا۔ (ترمذی)، نیز حضرت عبداللہ سے مروی ہے، کہ میں نے رسول اکرم کے ساتھ حضر اور سفر میں ظہر اور عصر کی نماز ادا کی۔ آپ حضر میں ظہر کی چار رکعتیں ادا فرماتے اور بعد میں دو رکعت۔ اسی طرح میں نے سفر میں آپ کے ساتھ نماز ظہر ادا کی، ظہر کی دو رکعتیں اور بعد میں دو رکعتیں ادا فرماتے۔ عصر کی دو رکعتیں پڑھتے اور بعد میں کچھ نہیں پڑھتے تھے۔ مغرب کی نماز سفر اور حضر میں تین رکعت تھی، جس میں کوئی کمی نہیں فرماتے تھے۔ یہ نمازوں کی وتر شمار ہوتی ہے۔ فرض کے بعد دو رکعتیں ادا کرتے تھے۔ اور مسلم میں صبح کی نماز کے بارے میں قصہ خواب کے بارے میں مذکور ہے کہ حضور نے صبح سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں، پھر حسب معمول صبح کی نماز ادا کی۔ ترمذی میں حضرت براء سے مذکور ہے، کہ میں نے حضور اکرم کے ساتھ اٹھارہ سفر کئے۔ لیکن آپ نے ظہر سے پہلے خواہ سورج زرد پڑ گیا ہو۔ دو رکعت نماز کبھی ترک نہیں کی۔

نماز نفل چار پائے کی پشت پر:۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضور اکرم، اپنی اونٹنی کی پشت پر نماز نفل پڑھتے رہتے تھے، خواہ اس کا رُخ جدھر کو بھی ہوتا، ایک روایت میں ہے، کہ حضور مکے سے مدینے کو روانہ ہوتے اور جدھر بھی منہ ہوتا، نماز پڑھتے چلے جاتے۔ ابو داؤد میں

حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور اکرم جب بھی سفر میں نماز نفل ادا فرمانے کا ارادہ کرتے تو اولاً اونٹنی کا منہ قبلے کی طرف کر لیتے، پھر جس طرف چاہتی، پھرتی چلی جاتی۔ اور یہ اس شخص کی دلیل ہے، جو کہتا ہے کہ ابتدائے نماز میں قبلے کی طرف منہ کر کے تکبیر کہنا چاہیئے

نمازِ خوف:- بخاری و مسلم میں صالح بن خوآت سے مروی ہے، کہ غزوۂ ذات الرقاع میں آپ نے یہ نماز ادا فرمائی، ایک گروہ نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی اور دوسرا گروہ دشمن کی طرف منہ کئے کھڑا رہا۔ آپ نے پہلے گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی، آپ کھڑے رہے اور ان لوگوں نے اپنی نماز پوری کر لی۔ وہ چلے گئے اور انہوں نے دشمن کی طرف منہ کر کے صف باندھ لی، پھر دوسرا گروہ آیا، اور آپ نے اپنی نماز کی باقی ماندہ ایک رکعت ادا کی۔ آپ بیٹھے رہے اور اس گروہ نے بھی اپنی نماز مکمل کر لی۔ پھر آپ نے سلام پھیرا۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ نمازِ خوف کے بارے میں یہ بہترین صورت ہے جو میرے علم میں آئی ہے۔ امام شافعی اور امام احمد ان سے متفق ہیں۔ اس نماز کی اور بھی کئی صورتیں ہیں۔

نمازِ جنازہ:- حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، کہ جس دن نجاشی فوت ہوا حضور اکرم نے لوگوں کو اس کے متعلق بتایا۔ پھر صحابہ کو لے کر عید گاہ کو گئے، صفیں باندھ کر چار تکبیر نماز جنازہ ادا فرمائی (بخاری و مسلم)

قرأت اور دعا:- حضرت سہل بن حُنَیف سے عبدالرزاق اور نسائی نے روایت کی ہے، کہ نماز جنازہ میں مسنون طریقہ یہ ہے، کہ تکبیر کہہ کر سورۂ فاتحہ پڑھی جائے، پھر رسول اکرم پر درود بھیجے، بعدۂ میت کے لئے دعا مانگے۔ اور سوائے تکبیر اوّل کے اور کچھ بھی قرأت نہ کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے، کہ حضور اکرم نے نماز جنازہ پڑھائی اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت فرمائی (ترمذی) حضرت عوف بن مالک سے مروی ہے، کہ حضور نے نماز جنازہ پڑھائی۔ میں نے آپ کی دعا یاد کر لی۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وعافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ وَاَکْرِمْ نُزُلَہٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَہٗ۔ وَاغْسِلْہُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ۔ ونَقِّہٖ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا نَقَّیْتَ الثَّوْبَ الْاَبْیَضَ مِنَ الدَّنَسِ۔ وَابْدِلْہُ دَارًا خَیْرًا مِنْ دَارِہٖ۔ وَاَھْلاً خَیْرًا مِنْ اَھْلِہٖ وَزَوْجًا خَیْرًا مِنْ زَوْجِہٖ وادخِلْہُ الْجَنَّۃَ واعِذْہُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ۔

حضرت عوف کہتے ہیں۔ کہ حضور کی اس دعا کو سن کر میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش میں اس میت کی جگہ ہوتا (مسلم)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم نماز جنازہ میں مندرجہ ذیل دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا۔ اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ (احمد)

نماز جنازہ برقبر:۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے، کہ ایک سیاہ فام عورت مسجد کی خدمت کرتی تھی۔ رسول کریم نے اسے غائب پایا، تو اس کے بارے میں پوچھا، انہوں نے کہا، وہ فوت ہوگئی ہے۔ فرمایا، مجھے کیوں نہیں بتایا۔ انہوں نے جواب دیا، لوگوں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی ہوگی۔ فرمایا، مجھے اس کی قبر بتاؤ۔ صحابہ نے بتائی، تو آپ نے اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی (بخاری ومسلم) ابن حبان نے اپنی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ یہ قبریں اہل قبور کے لئے اندھیرے سے بھری ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ میری وجہ سے انہیں منور کر دیتا ہے

غائب کے لئے نماز جنازہ:۔ حضرت جابر سے مروی ہے، حضور اکرم نے فرمایا۔ آج حبشہ میں ایک نیک آدمی فوت ہو

گیا ہے۔ ان کی نماز جنازہ ادا کرو۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں، ہم نے حضور اکرم کے پیچھے نماز جنازہ ادا کی (بخاری و مسلم) وہ آدمی نجاشی تھا۔

فصل سوم

اس فصل میں دربارۂ زکات آپ کا رویہ بیان کیا گیا ہے۔ جب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی شخص کھانا لاتا۔ تو دریافت فرماتے، ہدیہ ہے یا صدقہ، اگر صدقہ ہوتا، تو صحابہ سے فرماتے کھاؤ اور خود نہیں کھاتے تھے، اگر ہدیہ ہوتا، توآپ لے لیتے اور باقی لوگوں کے ساتھ مل کر کھاتے (بخاری و مسلم)

جب کوئی جماعت حضور اکرم کے پاس صدقہ لے کر آتی، تو دعا فرماتے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی آلِ فُلَانٍ۔ ابواوفیٰ آپ کے پاس صدقہ لے کر آئے۔ فرمایا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی آلِ اَبِی اَوْفٰی۔ (بخاری و مسلم)

اس بات میں اختلاف ہے، کہ پہلے پہل زکات کب فرض ہوئی۔ اکثر لوگوں کی رائے ہے، کہ زکات ہجرت کے بعد فرض ہوئی۔

حضور اکرم نے صدقۂ فطر، جو کا ایک صاع مقرر فرمایا، جو ہر غلام اور آزاد، مرد اور عورت چھوٹے اور بڑے پر فرض تھا۔ اور حکم دیا تھا۔ کہ نماز عید پڑھنے سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دیا جائے۔ (بخاری و مسلم)

فصل چہارم

صیام رمضان:۔ اس مہینے میں حضور اکرم بعض مخصوص عبادتیں ادا فرماتے تھے نیز اس مہینے میں آپ کا دست کرم اور کشادہ ہو جاتا تھا۔ رمضان کے

روزے ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوئے۔ جب حضور فوت ہوئے، تو آپ نو سالوں کے روزے رکھ چکے تھے۔ حضور اکرم اس مہینے میں مختلف النوع عبادات، حصولِ سعادت کے لئے سرانجام دیتے تھے۔ اور ایسی عبادات میں مشغول رہتے تھے، جو صرف آپ کے لئے مخصوص تھیں، نیز آپ اس مہینے میں مقابلتہً زیادہ سخاوت فرمایا کرتے تھے۔

بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ حضور اکرم تمام لوگوں سے زیادہ کریم النفس تھے، بالخصوص ماہِ رمضان میں، جب جبریل علیہ السلام آپ کو قرآن حکیم کا درس دیتے تھے، یہ جذبہ اور زیادہ فروغ پا جاتا تھا، اور آپ اس مہینے میں آزاد ہوا سے بھی زیادہ کشادہ دست ہوتے۔ اور امام احمد کی روایت میں ہے، کہ ان دنوں آپ سے جو چیز بھی مانگی جاتی، آپ عطا فرما دیتے۔

نزول قرآن کی ابتدا رمضان میں ہوئی تھی۔ اسی طرح آسمانِ دنیا پر اس کا بالمقطع نزول بھی رمضان میں ہوا تھا۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام ہر سال اس سلسلے میں آپ سے ملتے اور ایک رمضان سے لے کر دوسرے رمضان تک قرآن کا جتنا حصہ اترا ہوتا۔ اسے دہرا دیتے۔ جس سال حضور اکرم نے وفات پائی، جبرئیل علیہ السلام نے دو دفعہ قرآن دہرایا، جیسا کہ حضرت فاطمہ سے ایک حدیث میں مذکور ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ مُدارست کا یہ عمل رات کو وقوع پذیر ہوتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، کہ حضور اکرم صحابہ کو رمضان کی آمد کی خوش خبری دیا کرتے اور فرماتے، کہ رمضان کا مبارک مہینہ آیا ہے، جس کے روزے تم پر فرض کر دیئے گئے ہیں۔ اس دوران میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، شیطانوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے اور اس میں ایک رات ہزار راتوں سے بہتر ہے۔ جو آدمی اس ماہ کے فوائد سے محروم رہا۔ وہ عظیم فائدے سے محروم رہا۔ جب رجب اور شعبان کا مہینہ آتا، تو حضور یہ دعا مانگا کرتے اَللّٰھُمَّ

بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبٍ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ (طبرانی) جب حضور اکرم رمضان کا چاند دیکھتے تو فرماتے: هِلَالُ رُشْدٍ وَخَيْرٍ، هِلَالُ رُشْدٍ وَخَيْرٍ، آمَنْتُ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ (نسائی)

رویت ہلال:- حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ حضور اکرم شعبان کے مہینے کو نہایت احتیاط سے گنتے تھے اور باقی مہینوں کے بارے میں ایسا اہتمام نہیں فرماتے تھے۔ اور جب رمضان کا چاند دیکھتے، تو روزہ رکھتے۔ اگر بادل چھایا ہوتا۔ تو شعبان کے تیس دن شمار کرتے اور پھر روزہ رکھتے (ابو داؤد)

رویت ہلال بہ شہادت واحد:- حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے، کہ لوگ رویتِ ہلال کر رہے تھے، میں نے حضور کی خدمت میں گذارش کی، کہ میں نے چاند دیکھ لیا ہے۔ حضور نے روزہ رکھ لیا اور باقی لوگوں کو بھی روزے کا حکم دیا (ابو داؤد) حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے، کہ ایک بدو نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے فرمایا، کیا تم اللہ کو مانتے ہو، اس نے کہا، ہاں یا رسول اللہ، آپ نے پھر پوچھا، کیا تم محمدؐ کو خدا کا رسول تسلیم کرتے ہو، اس نے جواب اثبات میں دیا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا، کہ لوگوں کو کہہ دو، کہ وہ روزہ رکھیں (ابو داؤد وغیرہ)

روزے کے دوران میں آپ کے اعمال وافعال:- حضرت ابن عباس سے مروی ہے، کہ حضور نے روزہ رکھا ہوا تھا، اور آپ نے فصد کرائی (بخاری ومسلم وغیرہ) حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ حضور روزے کے دوران میں اپنی ازواج مطہرات کے بوسے لیتے رہتے تھے حضرت عائشہ نے فرمایا، حضور اکرم تم سب لوگوں کے مقابلے میں اپنی خواہشات پر زیادہ قابو رکھ سکتے تھے (بخاری ومسلم وغیرہ) امام بیہقی راوی ہیں، کہ حضور ماہ رمضان میں آنکھوں

میں سرمہ ڈالتے تھے حضرت اُمِّ سلمہ سے مروی ہے، کہ حضور اکرم رمضان میں صبح کو بیدار ہوتے تو بوجہ جماع جنبی ہوتے (نہ بوجۂ احتلام) آپ نہ افطار فرماتے نہ روزہ قضا کرتے۔ (بخاری و مسلم) حضرت عامر بن ربیعہ سے مروی ہے، کہ انہوں نے حضور اکرم کو لاتعداد بار رمضان میں مسواک کرتے دیکھا۔

افطار: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے مروی ہے۔ کہ ہم ماہِ رمضان میں حضور کے ساتھ شریکِ سفر تھے۔ جب سورج غروب ہوا، تو آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا۔ بلال اترو اور کوئی پینے کی چیز تیار کرو۔ انہوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! ابھی تو دن باقی ہے۔ آپ نے پھر وہی بات دہرائی۔ بلال اترے، ستو پانی میں ملائے اور حضور نے نوش جاں کئے پھر ہاتھ کے اشارے سے فرمایا، جب ادھر سورج غروب ہو جائے اور ادھر سے رات نمودار ہو، تو روزہ دار کو افطار کر لینا چاہیئے (بخاری و مسلم)

اشیائے افطار: حضرت انس سے مروی ہے، کہ حضور اکرم ادائے نماز مغرب سے پہلے تازہ کھجوروں سے اور اگر وہ نہ ملتیں تو خشک کھجوروں سے افطار کرتے اور اگر یہ بھی میسّر نہ ہوتیں، تو پانی کے چند گھونٹ پی لیتے (ابوداؤد)

کلمات جو آپ افطار کے وقت کہتے: حضرت ابن عباس سے روایت ہے، کہ جب آپ افطار فرماتے، تو مندرجہ ذیل کلمات پڑھتے:۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔ طبرانی و ابن السنّی) حضرت ابن عمر سے روایت ہے، جب آپ افطار کرتے تو فرماتے: ذَھَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَاءَاللّٰہُ (ابوداؤد) اور زرین نے حدیث کے شروع میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا اضافہ کیا ہے ابن السنّیؒ کی کتاب میں معاذ بن زہرہ سے مروی ہے، کہ آپ بوقت افطار فرماتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَعَانَنِیْ فَصُمْتُ وَرَزَقَنِیْ فَاَفْطَرْتُ ۔

روزے میں تسلسل:۔ بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے، کہ حضور اکرم نے ایک دفعہ روزے کو دوسرے دن سے ملا دیا (یعنی درمیان میں افطار نہ کیا)، لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا اور مشکل میں پڑ گئے۔ حضور نے اس سے منع فرمایا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ بھی تو ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا، میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ مجھے کھلا پلا دیا جاتا ہے۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ ماہِ رمضان کے آخر میں آپ نے روزے کو دوسرے دن سے ملا دیا۔ اور بھی کئی لوگوں نے ایسا کیا۔ آپ کو معلوم ہوا، تو فرمایا اگر اس مہینے کو کھینچ کر لمبا کیا جا سکتا۔ تو ہم روزوں کو اس طرح باہم ملا دیتے، کہ متشددین اپنے تشدد سے باز آجاتے۔ تم میری طرح نہیں ہو۔ کیونکہ میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔

دربارۂ سحری:۔ حضرت ابوہریرہ نے حضور اکرم کے ایک صحابی سے روایت کی ہے کہ وہ حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سحری کھا رہے تھے، فرمایا، یہ خدا کی نعمت ہے، جو اس نے تمہیں دے رکھی ہے، اسے مت چھوڑو (نسائی)

حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم نے مجھے رمضان میں سحری کھانے کے لئے مدعو کیا، فرمایا، آؤ مبارک کھانا کھاؤ (ابوداؤد و نسائی)

حضرت انس سے مروی ہے، کہ حضور اکرم نے سحری کے وقت فرمایا۔ اے انس! میں روزہ رکھنا چاہتا ہوں، مجھے کچھ کھلاؤ، میں کھجوریں اور پانی لے کر آیا اور یہ آپ نے اس وقت کہا، جب بلال نے دورانِ شب میں اذان کہی تھی۔ فرمایا، انس کوئی آدمی ڈھونڈھ لاؤ، جو میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے، میں زید بن ثابت کو بلا لایا۔ وہ آئے، تو کہنے لگے، چونکہ مجھے روزہ رکھنا ہے۔ اس لئے مجھے ستو پلاؤ۔ رسول اکرم نے فرمایا، میں بھی روزہ رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس پر حضرت زید بن ثابت نے آپ کے ساتھ سحری کھائی پھر آپ نے اٹھ کر دو رکعت نماز ادا کی پھر آپ نمازِ صبح کے لئے مسجد کو چلے گئے۔ (نسائی)

حضرت زید بن ثابت راوی ہیں، کہ ہم نے رسول اکرم کے ساتھ سحری کھائی، بعدہٗ ہم نماز کے

لئے اٹھے حضرت انس نے دریافت کیا، دونوں میں وقفہ کتنا تھا۔ انہوں نے جواب دیا، پچاس آیتوں کا (بخاری ومسلم وغیرہ)

روزہ اور افطار سفر میں:۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے، کہ رسول اکرم سال فتح کے رمضان میں مکے کو روانہ ہوئے اور روزہ رکھا۔ جب کراع الغمیم کے مقام پر پہنچے اور لوگوں نے روزہ رکھا، تو آپ نے پانی کا ایک پیالہ منگوا کر اسے اوپر اٹھایا، تاکہ لوگ دیکھ سکیں اور پی لیا۔ اس کے بعد آپ کو بتایا گیا، کہ کچھ لوگوں نے روزہ رکھا ہوا ہے فرمایا، یہ لوگ باغی ہیں باغی، کیونکہ انہوں نے میرے خلاف عمل کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسولِ کریم سفر میں روزہ بھی رکھتے اور افطار بھی کرتے۔ ہم میں سے جو چاہتا روزہ رکھتا اور جو چاہتا افطار کرتا۔ (بخاری ومسلم) حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے، ہم رسول کریم کے ساتھ رمضان میں غزا کرتے تھے، ہم میں روزہ دار بھی ہوتے اور بغیر روزے کے بھی اور کسی کو دوسرے سے کوئی پرخاش نہ ہوتی۔

روزہ ماہِ رمضان کے علاوہ:۔ حضرت انس سے روایت ہے کبھی ایسا ہوتا کہ حضور اکرم کسی مہینے میں کھاتے پیتے رہتے، اور ہمیں دیکھ کر خیال آتا، کہ اس ماہ میں کوئی روزہ نہیں رکھیں گے، پھر روزہ رکھنا شروع کر دیتے، اور دیکھنے والے کو خیال آتا، کہ اب اس میں روزہ رکھنا ترک نہیں کریں گے۔ ایسا بھی ہوتا کہ ہم آپ کو مصروفِ نماز نہ دیکھنا چاہتے، لیکن آپ نماز پڑھ رہے ہوتے۔ اسی طرح ہم چاہتے، کہ آپ سوئے ہوئے نہ ہوں۔ مگر آپ سوئے ہوتے (بخاری) حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے۔ کہ حضور اکرم سوائے ماہ رمضان کے اور کسی مہینے کے مکمل روزے نہ رکھتے۔ آپ کی عام عادت یہ تھی۔ کہ روزے رکھنا شروع کرتے، تو دیکھنے والا کہتا بخدا اب افطار نہیں کریں گے، اور روزہ چھوڑ دیتے، تو دیکھنے والا کہتا، بخدا اب آپ روزہ نہیں رکھیں گے۔ (بخاری ومسلم)

عاشورہ کا روزہ:- حضور اکرم نے عاشورہ کا روزہ رکھا، تو صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ تو وہ دن ہے، جسے یہود اور نصاریٰ قابلِ احترام گردانتے ہیں آپ نے فرمایا، سال آئندہ انشاء اللہ ہم نوتاریخ کو روزہ رکھیں گے۔ راوی کہتا ہے مگر رسولِ اکرم دوسرا سال آنے سے پہلے فوت ہو گئے۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ کہ زمانۂ جاہلیت میں قریش عاشورے کے دن روزہ رکھتے تھے۔ اور جاہلیت میں رسول کریم بھی روزہ رکھا کرتے تھے، جب مدینہ میں آ گئے، تو خود بھی روزہ رکھا اور باقی لوگوں کو بھی روزے کا حکم دیا۔ جب ماہِ رمضان کے روزے فرض ہو گئے، تو عاشورے کا روزہ چھوڑ دیا۔ اب جو چاہتا رکھ لیتا، اور جو چاہتا چھوڑ دیتا (بخاری و مسلم وغیرہ) امام مسلم نے ابو قتادہ کی حدیث میں بیان کیا ہے، رسول کریم نے فرمایا۔ کہ عاشورے کا روزہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ اور عرفہ کا روزہ دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

ماہِ شعبان کے روزے:- حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ حضور اکرم کے ماہِ رمضان کے علاوہ اور کسی مہینے میں مہینہ بھر روزے نہیں رکھے، اور سوائے شعبان کے اور کوئی ایسا مہینہ نہیں تھا جس میں آپ نے بہ کثرت روزے رکھے ہوں۔ (بخاری و مسلم) حضرت اسامہ بن زید سے مروی ہے میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ کسی اور مہینے میں اس کثرت سے روزے نہیں رکھتے جیسا کہ شعبان میں فرمایا یہ وہ مہینہ ہے، کہ جسے لوگ رجب اور رمضان کے درمیان بھول جاتے ہیں۔ یہ وہ مہینہ ہے۔ جس میں انسانوں کے اعمال خدا کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال بھی خدا کے سامنے ایسے حال میں پیش کئے جائیں کہ میں نے روزہ رکھا ہو (ابو داؤد وغیرہ) حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ حضور اکرم ماہِ شعبان میں اکثر روزے سے ہوتے ہیں سے دریافت کیا، یا رسول اللہ! آپ اس مہینے میں اکثر روزے سے ہوتے ہیں۔ فرمایا، یہ وہ مہینہ ہے، کہ جس میں ملک الموت کو

ان لوگوں کی فہرست دے دی جاتی ہے، جنہیں مرنا ہوتا ہے میں چاہتا ہوں، کہ میرا نام بھی لکھا جائے، اور میں روزے سے ہوں۔ در بارۂ روزۂ ماہِ رجب حضرت عطا سے مروی ہے، کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے عروہ نے دریافت کیا، آیا حضور اکرم رجب میں بھی روزہ رکھتے تھے؟ کہا ہاں، آپ روزہ رکھ کر اسے بھی مشرف فرماتے تھے (ابوداؤد وغیرہ) حضرت ابو قلابہ سے روایت ہے۔ کہ جنت میں ماہِ رجب کے روزہ داروں کے لئے ایک خاص مقام ہے۔ امام بیہقی کہتے ہیں، کہ ابو قلابہ کبار تابعین سے ہیں، انہوں نے جو بات کہی ہے، وہ ضرور کسی سے سنی ہوگی۔

ذوالحج کے پہلے نو دنوں کے روزے:- ہنیدہ بن خالد نے اپنی بیوی سے، جنہوں نے ازواج مطہرات میں سے کسی سے سنا، کہ حضور اکرم ذی الحجہ کے پہلے نو دنوں کے روزے رکھا کرتے (ابوداؤد) ان ایام کے روزے بہت ہی مستحسن سمجھے گئے ہیں، بالخصوص نویں تاریخ یعنی عرفہ کا روزہ۔ بخاری میں حضور اکرم سے مروی ہے۔ کہ سال کے باقی دنوں میں اعمالِ صالحہ کا وہ اجر نہیں ملتا، جو ماہ ذی الحج کے عشرہ اول میں ملتا ہے، اور روزہ بھی ایک عمل ہے۔

ایام ہفتہ میں روزہ:- حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم سوموار اور جمعرات کا روزہ پسند فرماتے تھے (ترمذی ونسائی) حضرت ابو قتادہ سے مروی ہے، کہ آپ سے سوموار کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا، فرمایا اسی دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر وحی کی ابتدا ہوئی (مسلم) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، حضور نے فرمایا، کہ انسانوں کے اعمال خدا کے سامنے سوموار اور جمعرات کو پیش کئے جاتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے عمل پیش کئے جائیں، تو میں نے روزہ رکھا ہوا ہو (ترمذی) حضرت اُمّ سلمہ سے مروی ہے، کہ حضور اکرم ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھا کرتے تھے، پہلے ہفتے کے سوموار اور جمعرات کو اور دوسرے ہفتے کے سوموار کو، اور

کبھی مہینے کے پہلے سوموار کو پھر جمعرات کو اور پھر اس سے اگلی جمعرات کو (نسائی) یعنی کبھی آپ ایک طریقہ پر عمل کرتے اور کبھی دوسرے پر، حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ حضور اکرم پہلے مہینے میں ہفتے، اتوار اور سوموار کو روزہ رکھتے اور دوسرے مہینے میں منگل وار، بدھوار اور جمعرات کو روزہ رکھتے (ترمذی) اور حضرت عبداللہ بن عباس کے غلام کُریبؓ راوی ہیں، کہ مجھے بعض صحابہ نے حضرت اُمّ سلمہ کے پاس بھیجا، کہ میں ان سے دریافت کروں، کہ حضور دورانِ ہفتہ میں کن کن دنوں کو اکثر روزہ رکھا کرتے تھے، انہوں نے کہا ہفتے اور اتوار کو اور فرمایا کرتے، کہ یہ دو دن مشرکین کی عید کے ہیں، اس لئے میں ان کے خلاف عمل پیرا ہوتا ہوں (امام احمد اور نسائی) اور صرف جمعے کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا ہے، ہاں مگر اس شرط پر کہ ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی روزہ رکھا جائے۔

ایامِ بیض کے روزے:۔ یہ وہ دن ہیں، جب چاند رات کی ابتدا سے آخر تک موجود رہتا ہے۔ یہ تیرہویں، چودھویں اور پندرھویں راتیں ہوتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے، کہ حضور اکرم سفر ہو یا حضر ایامِ بیض میں روزہ رکھتے تھے۔ (نسائی) حضرت حفصہ سے مروی ہے، کہ حضور اکرم نے چار چیزوں کو کبھی ترک نہیں فرمایا تھا۔ عاشورے، ذوالحج کے پہلے عشرے اور ایامِ بیض کے روزے اور صبح کی دو رکعتیں (امام احمد) اصحاب سنن سے مروی ہے جس کی تصحیح ابن خزیمہ نے کی ہے۔ کہ رسول اکرم ہر مہینے کے پہلے تین دن روزہ رکھتے تھے۔

فصل پنجم

دربارۂ اعتکاف رسول اکرم:۔ رمضان کے آخری عشرے میں آپ زیادہ تر عبادت میں مصروف رہتے اور لیلۃ القدر کی تلاش

فرماتے (مسلم، بخاری) میں ہے، کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا، تو آپ اپنی ازار کو مضبوطی سے باندھ لیتے، راتوں کو جاگتے اور اہل خانہ کو جگائے رکھتے حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ جب رمضان آتا، حضور نماز کو اٹھتے اور سو جاتے۔ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو آپ اپنا بستر لپیٹ دیتے اور عورتوں سے علیحدگی اختیار کر لیتے اور دو اذانوں (عشا اور فجر) کے درمیان غسل فرماتے اور رات کے کھانے کو سحری شمار کرتے (ابن ابی عاصم) حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے۔ کہ حضور اکرم نے رمضان کے عشرۂ اول میں اعتکاف کیا پھر دوسرے عشرے میں ایک چھوٹے سے خیمے میں اعتکاف فرمایا۔ پھر سر باہر نکالا اور فرمایا میں نے عشرہ، اول میں لیلۃ القدر کی تلاش میں اعتکاف کیا۔ پھر درمیانی عشرے میں اعتکاف کیا، بعد میں مجھے بتایا گیا، کہ یہ رات رمضان کے آخری عشرے میں ہے، جو شخص میرا ساتھ دینا چاہتا ہے۔ وہ رمضان کی آخری عشرے میں اعتکاف کرے۔ مجھے یہ رات دکھائی گئی تھی۔ لیکن میں بھول گیا، اور میں نے دیکھا تھا، کہ میں اس رات کی صبح کو کیچڑ میں سجدہ کئے تھا۔ تم اس رات کو عشرہ آخر کی طاق راتوں میں ڈھونڈھو۔ راوی کہتے ہیں، کہ اس رات کو بارش ہوگئی، اور مسجد کی چھت کھجور کے پتوں کی تھی، جس سے مسجد میں کیچڑ ہوگئی، چنانچہ میری آنکھوں نے اکیسویں رات کی صبح کو آپ کے ماتھے پر کیچڑ کا نشان دیکھا (بخاری و مسلم) لیلۃ القدر کی کچھ علامات امام احمد نے بیان کی ہیں۔ عبادہ بن صامت نے حضور اکرم سے روایت کی، کہ وہ رات اتنی صاف اور روشن ہوتی ہے۔ گویا چاند نکلا ہوا ہے۔ جس میں نہ گرمی ہے نہ سردی۔ اور نہ اس رات شہاب ثاقب چھوٹتے ہیں۔ اور اس کی ایک نشانی یہ ہے، کہ اس رات کی صبح کا سورج ہموار دکھائی دیتا ہے۔ اس میں کرنیں نہیں ہوتیں۔ گویا وہ چودھویں کا چاند ہے۔ اور اس دن شیطان اس کے ساتھ نمودار نہیں ہوتا۔ (بیہقی)

فصل ششم

حضرت علی سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا جس آدمی

حضور اکرم کا حج اور عمرہ:- کے پاس سواری ہے اور اتنا زادِ سفر کہ وہ کعبے تک پہنچ سکتا ہے، اور وہ حج نہیں کر سکتا۔ اس کی مرضی ہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ (ترمذی) ابن اثیر کہتے ہیں، کہ ہجرت سے پہلے ہر سال آپ حج ادا کرتے تھے۔ اور امام مسلم حضرت جابر سے راوی ہیں، کہ حضور اکرم صلعم قیام مدینہ کے دوران میں نو سال تک حج نہ کر سکے پھر دسویں سال لوگوں میں منادی کرائی گئی، کہ حضور اکرم حج پر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ نتیجتاً لوگوں کی کثیر تعداد آپ کی اقتدا میں حج کرنے اور آپ کے اعمال کی پیروی میں عمل کرنے کو جمع ہو گئی۔ ہم آپ کی معیت میں روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ کے مقام پر اترے اس مقام پر اسماء بنت عمیس کے بطن سے محمد بن ابوبکر نے جنم لیا۔ اس نے رسولِ اکرم سے دریافت کیا، کہ میں اب کیا کروں۔ فرمایا۔ نہا کر شرمگاہ کے سامنے اچھی طرح کپڑا رکھ لو اور احرام باندھ لو۔ آپ نے مسجد میں نماز پڑھی اور اونٹنی پر سوار ہوئے۔ جب آپ کی اونٹنی کھلے میدان میں داخل ہوئی، تو جہاں تک میری نگاہ جاتی تھی، آپ کے آگے پیچھے، دائیں اور بائیں ہر طرف سوار تھے اور پیادے۔ رسول اکرم ہمارے درمیان تھے، آپ پر قرآن کا نزول ہو رہا تھا۔ آپ ہی اس کا مفہوم سمجھتے تھے، چنانچہ جو کچھ آپ نے کیا، ہم نے اس کا تتبع کیا۔ حضور اکرم مدینے سے ظہر اور عصر کے درمیان روانہ ہوئے۔ سب ازواج مطہرات آپ کے ساتھ تھیں۔ آپ نے اس رات کو سب سے جماع کیا۔ پھر احرام حج کے لئے آپ نے دوبارہ غسل فرمایا۔

بخاری و مسلم میں ہے، کہ حضرت عائشہ نے رسولِ اکرم کو عطر لگایا۔ حضرت عائشہ سے

مروی ہے، کہ میں نے احرام سے پہلے آپ کو عطر لگایا، پھر آپ نے سب ازواج سے جماع کیا اور دوسری صبح کو احرام باندھا۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے، کہ حضور اکرم نے ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر جب آپ کی اونٹنی آپ کو لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ تو آپ نے مسجد ذوالحلیفہ کے پاس تلبیہ پڑھی۔

صحابہ کی روایات، اس بارے میں مختلف ہیں، کہ آیا آپ کا حج مفرد تھا (یعنی صرف حج ادا فرمایا تھا) یا حج اور عمرہ اکٹھے ادا کئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی، پھر اپنی اونٹنی کو منگوا کر اس کے کوہان کے دائیں جانب چاقو سے کاٹا جس سے لہو بہنے لگ گیا۔ بعدہٗ آپ نے اس کے گلے میں قلاوہ ڈال دیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے، کہ یہ قربانی کا جانور ہے۔ اور حضور اکرم نے جس بوسیدہ پالان پر بیٹھ کر حج ادا کیا وہ بمشکل چار درہم کا ہو گا (ترمذی)

جب آپ وادی عُسفان سے گزرے۔ حضرت ابوبکرؓ سے دریافت فرمایا، ابوبکر! یہ کون سی وادی ہے۔ عرض کیا، یا رسول اللہ! وادی عسفان۔ فرمایا، یہاں سے ہود اور صالح (علیہما السلام) گزر چکے ہیں، جو دو سُرخ اونٹوں پر سوار تھے، جن کی مہاریں کھجور کی چھال کی تھیں اور ان کی دھوتیاں کھجور کے پتوں کی اور ان کی چادریں اون کی تھیں۔ اور صحیح مسلم میں عبداللہؓ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم وادی ازرق سے گزرے تو فرمایا۔ گویا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گھاٹی سے اترتا دیکھ رہا ہوں، انگلیاں کانوں میں ڈالی ہوئی ہیں، اس وادی سے گزر رہے ہیں اور لبیک کہتے خدا کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ جب آپ وادی ذی طویٰ میں زاہر کے چشموں کے پاس پہنچے، تو آپ نے دو گھاٹیوں کے درمیان رات گزاری۔ جب صبح ہوئی، تو نماز ادا کر کے غسل فرمایا (بخاری)، اور حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں مذکور ہے کہ حضور اکرم مکے میں اس اونچی گھاٹی کی طرف سے داخل ہوتے تھے جس سے اتر کر آدمی مکے کے

قبرستان (مُعلاة) میں پہنچ جاتا۔ جسے کداء اور حجون کہتے تھے۔

رسول اکرم مکے میں ذی الحج کی پانچ تاریخ کو داخل ہوئے۔ اور دوپہر کے وقت کعبے میں بنو عبد مناف کے دروازے سے، کہ کعبے کا دروازہ بھی اسی سمت میں واقع ہے، داخل ہوئے اور طبرانی حضرت حذیفہ بن اسید سے راوی ہیں کہ جب حضور اکرم کی نگاہ کعبے پر پڑی تو فرمایا: اَللّٰهُمَّ زِدْ بَيْتَكَ هٰذَا تَشْرِيفًا وَتَعْظِيمًا وَتَكْرِيمًا وَبِرًّا وَمَهَابَةً وَزِدْ مَنْ شَرَّفَهُ وَعَظَّمَهُ وَمَنْ حَجَّهُ وَاعْتَمَرَهُ تَعْظِيمًا وَتَشْرِيفًا وَبِرًّا وَمَهَابَةً۔ اور آپ نے وہاں دو رکعت نماز نفل (تحیۃ المسجد) ادا نہ فرمائی۔ بلکہ طواف کعبہ کیا، کیونکہ یہی عمل تحیۃ البیت شمار ہوتا ہے۔ پھر حضور اکرم نے ہاتھ کی چھڑی سے حجر اسود کو مس کیا، اور امام شافعی حضرت عبداللہ بن عمر سے راوی ہیں۔ کہ حضور اکرم حجر اسود کے پاس تشریف لے گئے اور آپ نے اپنے ہونٹ دیر تک اس پر رکھے رکھے اور حضور جب بھی حجر اسود کو مس کرتے تو بسم اللہ، اللہ اکبر کہتے۔ اور جب حجر اسود کے پاس آتے تو اللہ اکبر کہتے (طبرانی) جب آپ حجر اسود کو مس کر چکے، تو دائیں طرف کو پھر گئے۔ تین دفعہ ہلکی چلے اور چار دفعہ آہستہ آہستہ جب طواف کر چکے تو مقام ابراہیم پر آکر یہ آیت پڑھی:۔ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى۔ وہاں دو رکعت نماز ادا کی اور ان میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ پڑھیں۔ پھر اس رکن، جس میں حجر اسود نصب ہے، کی طرف تشریف لائے، اسے مس کر کے دروازے سے نکل کر صفا کی طرف چلے۔ اور قریب پہنچ کر اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ پڑھا۔ ابتدا صفا سے کی، اوپر چڑھ گئے اور جب بیت اللہ کو دیکھا تو خدا کی توحید اور تکبیر بیان کی اور فرمایا:۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ یہ کلمات تین دفعہ دہرائے۔ پھر آپ مروہ پہاڑی کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب آپ

نے وادی کے اندر قدم رکھے۔ تو وہاں سے تیز تیز قدم اٹھائے اور اس وقت تک دوڑتے آئے۔ جب تک مروہ پر پہنچ نہ گئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے، کہ لوگوں کا ہجوم حضور اکرم کے ارد گرد جمع ہو گیا اور ایک دوسرے کو بتاتے، کہ یہ محمد رسول اللہ ہیں، چنانچہ گردنیں گھروں سے باہر نکل آئیں اور حضور اکرم لوگوں میں پھنس کر رہ گئے۔ جب ہجوم بہت زیادہ ہو گیا، تو آپ سوار ہو گئے حالانکہ سعی بین الصفا والمروہ میں چلنا بہتر ہے (مسلم)، اور حضور اکرم مکے میں قیام کے دوران میں جہاں آپ صحابہ کے ساتھ بیرونِ شہر اترتے تھے۔ نمازیں قصر فرماتے رہے اور منیٰ جانے سے پہلے آپ کی مدتِ قیام چار دن تھی۔ اسی اثنا میں حضرت علی یمن سے تشریف لائے۔ دریافت فرمایا، کہ تم نے تہلیل میں کیا الفاظ کہے تھے۔ عرض کیا جو آپ نے کہے۔ فرمایا، اگر میرے ساتھ قربانی کے اونٹ نہ ہوتے، تو میں احرام توڑ دیتا (بخاری و مسلم) اور قربانی کے اونٹوں کی تعداد بشمول ان کے جو حضور اپنے ساتھ لائے تھے اور جو حضرت علی یمن سے لائے تھے، سو تھی۔ جب ذی الحج کی آٹھویں تاریخ کو (کہ جمعرات کا دن تھا) دوپہر ہو گئی، تو سوار ہو کر مسلمانوں کی معیت میں منیٰ کو روانہ ہوئے۔ چنانچہ جن لوگوں نے احرام توڑ دیا تھا۔ انہوں نے پھر احرام باندھ لیا۔ پھر حضور اکرم نے منیٰ ظہر، عصر، مغرب، عشا اور صبح کی نمازیں پڑھیں۔ تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد سورج نکل آیا۔ حضور نے بالوں کا خیمہ کھڑا کرنے کا حکم دیا، جو عرفہ کے ایک ٹیلے پر لگا دیا گیا۔ جب آپ کو اطلاع ملی، تو آپ اس میں آکر اتر پڑے۔ جب سورج روشن ہو گیا، تو آپ نے اونٹنی منگوائی اور سوار ہو کر وادی میں تشریف لائے، اور مندرجہ ذیل خطبہ دیا۔

اِنَّ دِمَاءَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ حَرَامٌ عَلَیْکُمْ، کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا، فِیْ شَهْرِکُمْ هٰذَا، فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا۔ اَلَاکُلُّ شَیْئٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِیَّةِ تَحْتَ قَدَمِیْ مَوْضُوْعٌ وَوَضَعَ دِمَاءَ الْجَاهِلِیَّةِ وَرِبَاهَا وَاَوْصٰی بِالنِّسَاءِ

خَیْرًا۔ وَقَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ کِتَابَ اللّٰہِ وَاَنْتُمْ تُسْئَلُوْنَ عَنِّیْ فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ۔ لوگوں نے جواب دیا، یارسول اللہ بلا شبہ آپ نے احکام الٰہی ہم تک پہنچائے۔ اور تبلیغ کا حق ادا کیا اور ہمیں نصائح سے نوازا۔ پھر آپ نے شہادت کی انگلی اٹھائی اور آسمان کی طرف اشارہ کرکے تین بار فرمایا، اے خدا گواہ رہنا۔ پھر حضرت بلال نے اذان دی، اقامت کے بعد آپ نے ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر اقامت کہی اور عصر کی نماز پڑھی۔ ان دو نمازوں کے درمیان آپ نے اور کچھ نہیں کیا۔

جب حضور اکرم نماز سے فارغ ہوئے، تو سوار ہوکر موقف میں تشریف لائے تو اونٹنی کا پیٹ ضحرات کی طرف کرکے اور جبل المشاۃ کے سامنے کھڑے ہوکر قبلے کی طرف منہ کیا۔ چنانچہ عرفہ کے دن آپ نے زیادہ تر دعائیں بہ مقام موقف مانگیں :۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَالَّذِیْ نَقُوْلُ وَخَیْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ وَاِلَیْکَ مَآبِیْ وَلَکَ رَبِّ تُرَاثِیْ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَوَسْوَسَۃِ الصَّدْرِ وَشَتَاتِ الْاَمْرِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا تَجِیْئُ بِہِ الرِّیَاحُ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا تَجِیْئُ بِہِ الرِّیْحُ (ترمذی) ترمذی میں ہے حضور نے فرمایا، عرفہ کے دن وہ بہترین دعا جو آپ نے اور آپ سے پہلے انبیا نے مانگی وہ یہ ہے: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ۔ حضور اکرم نے عرفہ کے دن جو دعا مانگی، حسب روایت طبرانی یہ بھی اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَسْمَعُ کَلَامِیْ وَتَرٰی مَکَانِیْ وَتَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ لَا تَخْفٰی عَلَیْکَ شَیْئٌ مِّنْ اَمْرِیْ۔ اَنَا الْبَائِسُ الْفَقِیْرُ الْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ، الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذُنُوْبِہٖ۔ اَسْاَلُکَ مَسْئَلَۃَ الْمِسْکِیْنَ

وَابْتَهِلُ اِلَيْكَ اِبْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ، وَاَدْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيْرِ. مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهٗ وَفَاضَتْ لَكَ عَبْرَتُهٗ، وَذَلَّ لَكَ جِسْمُهٗ وَرَغِمَ لَكَ اَنْفُهٗ۔ اَللّٰهُمَّ لَاتَجْعَلْنِيْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا! وَكُنْ بِيْ رَؤُوْفًا رَحِيْمًا۔ يَا خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ وَيَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ۔

حضور اکرم ابھی عرفات میں تھے، کہ نجد کے کچھ لوگ حاضر خدمت ہوئے۔ اور حج کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے منادی کرادی، کہ حج قیام عرفات کا نام ہے، جو شخص بھی مزدلفے میں قبل طلوع الفجر پہنچ گیا۔ اس نے حج پالیا۔ ایام منیٰ تین ہیں، جو شخص پہلے دو دن گزارے۔ یا تاخیر کردے، کوئی حرج نہیں۔ (ترمذی، ابوداؤد) میں حضرت جابر سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ میں فرمایا، کہ میں نے اس جگہ مقام کیا ہے اور عرفہ سارے کا سارا موقف ہے۔ اور یہیں مجھ پر اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ نازل ہوئی۔ یہی حدیث بخاری ومسلم میں حضرت عمر سے مروی ہے۔

جب سورج غروب ہوگیا اور تھوڑی بہت زردی کسی قدر دور ہوگئی (اور سورج کی ٹکیہ اوجھل ہوگئی) تو حضور اکرم عرفات سے واپس لوٹے اور حضرت اسامہ اونٹنی پر آپ کے پیچھے بیٹھے تھے۔ حضور اکرم نے اونٹنی کی مہار کو اتنے زور سے کھینچا کہ اس کا سر آپ کی رکاب سے چھونے لگا۔ حضور اپنے دائیں ہاتھ کے اشارے سے فرمارہے تھے، اے لوگو! آرام اور اطمینان سے چلو۔ جب بھی کوئی ریت کا ٹیلہ سامنے آجاتا۔ تو مہار کو ذرا ڈھیلا کردیتے تاکہ اسے اوپر چڑھنے میں آسانی ہو۔ اور آپ مازمین کے راستے سے جو عرفہ اور مشعر الحرام کے درمیان واقع ہے، واپس ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں ہے، کہ حضور اکرم نے اپنے پیچھے شور وغوغا اور اونٹوں کو چھڑیوں سے ہانکنے کی آواز سنی۔ آپ نے کوڑے سے اشارہ کرکے فرمایا۔ لوگو

اطمینان اور سکون سے چلو، کہ جلدی میں کوئی بھلائی نہیں۔ حضرت اسامہ بن زید سے بخاری اور مسلم میں مروی ہے، کہ حضور درمیانہ رفتار سے چلے آرہے تھے۔ جہاں ہجوم کم ہوتا، رفتار کو ذرا تیز کر لیتے۔ حضور اکرم نے اثنائے راہ میں پیشاب کر کے مختصر سا وضو کیا۔ حضرت اسامہ نے عرض کیا، یارسول اللہ کیا وقت نماز ہے، فرمایا، نماز آگے پڑھی جائیگی۔ آپ سوار ہو لئے اور مزدلفہ پہنچے، وہاں آپ نے نماز مغرب اور عشا، علیحدہ علیحدہ اقامت سے ادا فرمائی۔ اس رات کو آپ نے نماز تہجد ادا نہ فرمائی، اور صبح تک سوتے رہے، حالانکہ آپ کی شب خیزی کا یہ حال تھا۔ کہ کثرتِ قیام سے پاؤں مبارک متورم ہو گئے تھے۔ لیکن حضور اکرم نے وقوفِ عرفات کی تھکان اور قربانی کے دن پیش آنے والے حالات کو سامنے رکھ کر (آپ نے تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح فرمائے تھے) آرام کر لینا مناسب سمجھا۔ وہاں سے آپ مکے کو گئے آخری طواف کے لئے اور پھر منیٰ کو واپس آگئے۔

حضرت عباس بن مرداس سے مروی ہے، کہ حضور اکرم نے عرفہ کی شام کو اپنی امت کی مغفرت کے لئے دعا فرمائی۔ باری تعالیٰ نے جواب میں فرمایا، سوائے ظالم کے جس سے میں مظلوم کا انتقام لوں گا۔ سب کو بخشتا ہوں۔ عرض کیا۔ اے خدا۔ اگر تو مناسب سمجھے تو مظلوم کا درجہ جنت میں زیادہ کر کے ظالم کو معاف فرما دے۔ یہ دعا اس شام کو منظور نہ ہوئی۔ دوسرے دن صبح کو مزدلفہ میں آپ نے پھر اس دعا کو دہرایا۔ چنانچہ درخواست منظور ہو گئی۔ اس پر حضور اکرم ہنسے یا آپ نے تبسم فرمایا۔ حضرت ابوبکر اور عمر نے عرض کیا، یارسول اللہ، ایسے مواقع پر تو آپ ہنسا نہیں کرتے وہ کیا چیز ہے۔ جس نے آپ کو ہنسایا خدا کرے۔ آپ ہمیشہ خوش و خرم رہیں۔ فرمایا، جب ابلیس کو علم ہوا، کہ خدا نے میری دعا قبول کر کے میری امت کو بخش دیا ہے، تو اس نے مٹی ٹھاکر اپنے سر پر ڈالی اور رونے پیٹنے لگ گیا۔ اس کی چیخ و پکار سن کر مجھے ہنسی آگئی۔ (ابن ماجہ و ابوداؤد)

اس روایت کے برعکس بعض اور روایات میں اس طرح مذکور ہے، کہ امت سے مراد وہ گروہ ہے، جنہیں عرفات میں وقوف کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور علامہ طبری لکھتے ہیں۔ کہ مظالم والی بشارت کا تعلق ان لوگوں سے ہے، جو توبہ کریں اور ظلم کی تلافی نہ کر سکیں۔ صحیح ترمذی میں مذکور ہے، کہ جس نے حج کیا اور اس دوران میں نہ کسی سے گالی گلوچ کی، اور نہ کسی اور گناہ کا مرتکب ہوا۔ تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں، جیسا کہ وہ ماں کے پیٹ سے آج ہی پیدا ہوا ہے۔ لیکن گناہوں سے مراد وہ گناہ ہیں، جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے نہ کہ حقوق العباد سے۔ جب صبح طلوع ہوئی، تو حضور اکرم نے سپیدۂ صبح کے نمودار ہونے پر اذان اور اقامت سے نماز ادا فرمائی۔

سنن نسائی میں مذکور ہے۔ رسولِ اکرم نے فضل بن عباس سے، قربانی کی صبح کو، جب اونٹنی پر سوار تھے، فرمایا میرے لئے کنکر اٹھا لاؤ۔ وہ چھوٹے چھوٹے کنکر اٹھا لائے۔ جب آپ نے وہ کنکر ہاتھ میں لئے، فرمایا، لوگو! دیکھو، تمہیں ایسے کنکر مارنا چاہیں، اور دین میں غلو (انتہا پسندی) سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے کئی امتیں انتہا پسندی کی وجہ سے ہلاک ہو چکی ہیں۔ اس کے بعد حضور اکرم اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر الحرام پر تشریف لائے۔ اوپر چڑھے اور قبلے کی طرف منہ کر کے اللہ کی حمد و ثنا کی، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ کا ورد کیا، وہاں کھڑے رہے، تا آنکہ کافی روشنی پھیل گئی، چنانچہ طلوع آفتاب سے پہلے وہاں سے روانہ ہو پڑے۔ علامہ طبری نے حضرت علی سے یہ حدیث بیان کی ہے، کہ جب دوسرے دن مزدلفہ میں صبح طلوع ہوئی، تو آپ قزح پہاڑ پر چڑھے اور فضل کو پیچھے بٹھا لیا۔ فرمایا یہ بھی موقف ہے، بلکہ سارا مزدلفہ موقف ہے، جب روشنی پھیل گئی، تو آپ وہاں سے چل پڑے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں ہے، کہ حضرت اسامہ کہنے لگے، کہ میں عرفہ سے مزدلفہ تک اور فضل مزدلفہ سے منیٰ تک حضور اکرم کے پیچھے اونٹنی پر سوار رہے، دونوں سے مروی ہے، کہ آپ جمرۂ عقبہ تک تلبیہ پڑھتے چلے گئے (بخاری و مسلم

وغیرہ) اور حضرت جابر کی روایت میں ہے، کہ جب رسولِ اکرم وادی محسّر میں پہنچے، تو آپ نے اونٹنی کو ذرا تیز کر لیا۔ محسّر وہ مقام ہے، جہاں اصحابِ فیل پر عذاب نازل ہوا تھا۔

پھر حضور اکرم وہاں سے نکل کر درمیانے راستے سے جمرۂ کبری کو روانہ ہوئے تا آنکہ آپ اس جمرہ کے پاس پہنچے، جو ایک درخت کے پاس ہے۔ آپ نے اس پر سات کنکریاں پھینکیں اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھی۔ آپ وادی کے اندر کھڑے وہاں سے کنکریاں پھینک رہے تھے۔ کعبہ آپ کے بائیں طرف تھا اور منیٰ دائیں طرف اور جمرہ سامنے تھا۔ اور حضور نے قربانی کے دن دوپہر کے وقت رمی جمار کی (مسلم) اور ابوداؤد میں ام الحصین سے مروی ہے، کہ انہوں نے حضرت اسامہ اور بلال کو دیکھا، کہ ایک نے اونٹنی کی مہار تھام رکھی تھی۔ اور دوسرے نے آپ کو دھوپ سے بچانے کے لئے کپڑا تان رکھا تھا، اور آپ جمرۂ عقبہ پر کنکریاں پھینک رہے تھے ام جُندُب سے روایت ہے، کہ میں نے حضور اکرم کو بطنِ وادی میں جمرہ پر کنکریاں پھینکتے دیکھا، آپ سوار تھے، اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے، اور فضل بن عباس نے آپ کو دھوپ سے بچانے کے لئے کپڑا تان رکھا تھا جب ہجوم بڑھ گیا، تو حضور نے فرمایا، لوگو! ایک دوسرے کو پاؤں تلے روند نہ ڈالنا، اور جب کنکریاں پھینکو، تو چھوٹی چھوٹی کنکریاں پھینکنا مسلم اور ابوداؤد میں حضرت جابر سے مروی ہے، کہ حضور اکرم قربانی کے دن اونٹنی پر سوار ہو کر کنکریاں پھینک رہے تھے اور فرما رہے تھے۔ اے لوگو! مجھ سے عبادت کے طریقے سیکھ لو، میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ اگلے سال میں حج کر سکوں یا نہ حضرت قدامہ کی روایت میں ہے۔ کہ میں نے حضور اکرم کو اونٹنی پر سے رمی کرتے دیکھا اور کسی قسم کی تندی تیزی اور جلدی کا اظہار نہیں فرما رہے تھے۔

وہاں سے حضور قربان گاہ کو چلے اور تریسٹھ اونٹ ذبح فرمائے۔ پھر چھری حضرت علی کے حوالے کی اور باقی ماندہ اونٹ انہوں نے ذبح کئے۔ کل تعداد سو تھی۔ پھر حکم دیا کہ ہر اونٹ سے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا کاٹ کر ہنڈیا میں ڈالو۔ جب گوشت پک گیا

تو آپ نے اور حضرت علی نے گوشت کھایا اور شوربا پیا۔ حضرت جابر کی روایت میں ہے۔ کہ حضور نے ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔

اس کے بعد حضور اکرم منیٰ میں اپنے ٹھکانے پر تشریف لائے اور حجام کو حکم دیا کہ استرا پکڑو، اس نے پہلے دائیں حصے کو مونڈنا شروع کیا۔ اور حضور نے ایک ایک دو دو بال لوگوں میں تقسیم فرما دیئے۔ پھر بائیں حصے کے مونڈنے کا حکم دیا، اور حسب سابق یہ بھی بانٹ دیئے۔ پھر فرمایا، یہاں سے ابو طلحہ کو دو، چنانچہ وہ بال ان کے حوالے کر دیئے۔ اور امام احمد کی یہاں مذکور ہے، کہ حضور اکرم نے ناخن اتروائے اور لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، کہ حضور اکرم نے دعا فرمائی۔ اے اللہ! تو سر منڈانے والوں کو معاف کر دے۔ لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! بال کتروانے والوں کے لئے بھی دعا فرمایئے۔ حضور نے دو دفعہ پھر یہی فقرہ دہرایا۔ چوتھی دفعہ جب صحابہ نے مقصرین کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست کی، تو حضور نے مقصرین کے لئے بھی دعائے مغفرت فرمائی (بخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمر کی روایت میں مذکور ہے، کہ آپ حجۃ الوداع میں بہ مقام منیٰ کھڑے لوگوں کے سوالوں کا جواب دے رہے تھے۔ ایک شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے علم نہیں تھا۔ اور میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر کے بال منڈا ڈالے۔ فرمایا۔ قربانی کر لو۔ کوئی حرج نہیں۔ ایک اور آدمی نے آکر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے رمی جمار سے پہلے قربانی کر ڈالی۔ فرمایا کوئی حرج نہیں۔ اب رمی جمار کر لو۔ جب بھی کوئی شخص مناسک حج کی تقدیم و تاخیر کے بارے میں دریافت کرتا، فرماتے کوئی حرج نہیں، جو کام رہ گیا ہے۔ اب کر لو۔

حضرت ابو بکرہ سے روایت ہے، کہ حضور اکرم قربانی کے دن خطبہ دے رہے تھے،

فرمایا، زمانہ اسی طرح چلتا چلا آیا ہے جس طرح کہ اس دن تھا جب زمین و آسمان پیدا ہوئے تھے۔ سال کے بارہ مہینے ہیں۔ جن میں چار مہینے مقدس ہیں تین مسلسل ہیں ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم۔ چوتھا رجب جو جمادی الاخری اور شعبان کے درمیان ہے۔ حضور نے دریافت فرمایا یہ کونسا مہینہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا، اللہ اور آپؐ کو بہتر علم ہے۔ پھر آپ خاموش ہو گئے۔ ہم سمجھے، آپ اس کا کوئی اور نام بتائیں گے۔ فرمایا۔ کیا یہ مہینہ ذی الحج نہیں ہم نے کہا ٹھیک ہے یارسول اللہ! پھر پوچھا۔ یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول کو بہتر علم ہے آپ خاموش ہو گئے، ہم سمجھے آپ کچھ اور نام لیں گے، فرمایا کہ یہ مکہ نہیں؟ ہم نے کہا، درست ہے یارسول اللہ! اسی طرح دن کے بارے میں جواب وسوال ہوئے۔ پھر فرمایا، کیا یہ قربانی کا دن نہیں۔ ہم نے کہا۔ ایسا ہی ہے یارسول اللہ! پھر فرمایا:۔ اِنَّ دِمَاءَکُمْ وَ اَمْوَالَکُمْ وَ اَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حُرَامٌ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا، فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا، فِیْ شَهْرِکُمْ هٰذَا۔ وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّکُمْ فَیَسْئَلُکُمْ عَنْ اَعْمَالِکُمْ۔ اَلَا لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ کُفَّارًا اَضُلَّالًا۔ لَا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔ اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ لوگوں نے عرض کیا، ہاں یارسول اللہ! پھر فرمایا:۔ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، فَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، رُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ۔ (بخاری ومسلم) بخاری میں یہ بھی مذکور ہے۔ کہ اس کے بعد لوگوں کو وداع فرمایا، ابوداؤد اور نسائی نے عبدالرحمان بن معاذ التیمی سے روایت کی ہے، کہ حضور اکرم نے منیٰ میں خطبہ دیا۔ ہم اتنے متوجہ تھے۔ کہ ہر بات سن رہے تھے۔ اور ہم اپنے ٹھکانوں پر تھے، آپ ان لوگوں کو مناسک حج سکھاتے رہے۔ جب جمار کے قریب پہنچے، تو پہلی دو انگلیاں اٹھائیں حکم دیا، کہ چھوٹی چھوٹی کنکریاں اٹھاؤ۔ پھر مہاجرین کو حکم دیا۔ کہ مسجد کے سامنے اتریں۔ اور انصار کو مسجد کے پیچھے اترنے کا حکم دیا۔ باقی لوگ ان کے بعد اترے۔

اس کے بعد آپ ظہر سے پہلے سوار ہوئے اور بیت اللہ کے رخصتی طواف کو روانہ ہوئے۔ یہ طواف زیارت، رکن و صدر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ جب تک حضور اکرم منیٰ میں قیام فرما رہے، ہر رات کعبے کی زیارت کو تشریف لے جاتے تھے اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاہِ زمزم پر آئے اور حضرت عبدالمطلب کے خاندان کے لوگ پانی پلا رہے تھے۔ فرمایا، اے بنو عبدالمطلب کنوئیں سے پانی نکالو۔ اور اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا۔ کہ لوگ تم پر پانی کے لئے ٹوٹ پڑیں گے، میں بھی کنوئیں سے پانی نکالتا۔ انہوں نے آپ کو ڈول دیا جس سے آپ نے پانی پیا حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں ہے۔ کہ آپ نے بہ حالتِ قیام پانی پیا۔ رسول اکرم نے اس دن نماز ظہر مکے میں ادا کی اور ایک روایت میں ہے، کہ منیٰ میں ادا کی۔ پھر آپ منیٰ کو واپس آ گئے۔ اور ایام تشریق وہیں بسر کئے جب دن کا زوال ہو جاتا، تو رمی جمار کے لئے تشریف لے جاتے، اور ہر جمرہ پہ سات کنکریاں پھینکتے۔ اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے پہلے جمرے کے پاس ٹھہرتے، پھر دوسرے کے پاس دیر تک ٹھہرتے اور بہ تضرع دعا مانگتے۔ پھر تیسرے پر کنکریاں پھینکتے اور وہاں نہ ٹھہرتے۔ (ابوداؤد) ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے، کہ جب حضور اکرم رمی جمار فرماتے، تو ان کی طرف کبھی آتے کبھی جاتے۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے۔ کہ پہلے دو جمروں کی رمی کے وقت آپ قبلے کی طرف منہ کرتے اور تیسرے کی رمی کے وقت بطن وادی میں قیام فرماتے۔

پھر حضور اکرم منگل وار کے دن بعد از ظہر ایام تشریق کی رمی کے بعد واپس لوٹے۔ اور پہلے دو دنوں میں وادی محصب کی طرف جانے میں جلدی نہیں کی۔ محصب کی حدود پہاڑوں کے درمیان قبرستان تک ہے۔ یہ بنو کنانہ کی گھاٹی ہے۔ وہاں آپ نے ان کے آزاد کردہ غلام رافع کو دیکھا جس نے خیمہ لگایا ہوا تھا اور اپنے ساز و سامان کے ساتھ مقیم تھا۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور اکرم نے ظہر تا عشا کی نمازیں

وہاں پڑھیں، پھر محصب میں تھوڑی دیر تک آرام فرمایا۔ پھر سوار ہو کر کعبے کا وداعی طواف کیا

بعد ازاں حضور اکرم نے مدینے کو مراجعت فرمائی اور کدیٰ سے کوچ کیا، یہ مقام باب شبیکہ کے پاس واقع ہے، حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم مقام روحا میں سواروں کے ایک دستے سے ملے۔ دریافت فرمایا۔ کون ہو؟ انہوں نے کہا مسلمان ہیں۔ انہوں نے پوچھا، آپ کون ہیں؟ فرمایا، اللہ کا رسول! ایک عورت نے اپنے ایک بچے کے بارے جو کجاوے میں تھا دریافت کیا، یارسول اللہ، اس کا بھی حج ہو گیا، فرمایا۔ ہاں، اور تجھے بھی اس کا اجر ملے گا جب آپ بہ مقام ذی الحلیفہ پہنچے تو چونکہ آپ مدینے میں رات کو داخل ہونا نہیں چاہتے تھے، اس لئے آپ نے رات وہیں بسر کی جب مدینے پر نگاہ پڑی، تو آپ نے تین دفعہ تکبیر کہی اور فرمایا:

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْـدَهٗ لَاشَـرِيْكَ لَـهٗ۔ لَـهُ الْمُلْكُ وَلَـهُ الْحَمْدُ وَهُـوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَـدِيْـرٌ۔ آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ، عَابِـدُوْنَ، سَاجِـدُوْنَ رَبَّنَا حَامِـدُوْنَ۔ صَـدَقَ اللّٰهُ وَعْـدَهٗ وَنَصَـرَ عَبْـدَهٗ، وَهَـزَمَ الْاَحْـزَابَ وَحْـدَهٗ۔

پھر آپ معرس کے راستے شہر کو روانہ ہوئے۔ معرس اور وہ درخت جہاں حضور اکرم نے مکے جاتے وقت رات گزاری تھی، مدینے سے چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

آپ نے کتنے عمرے ادا کئے: بخاری اور مسلم میں مذکور ہے، کہ آپ نے چار عمرے ادا کئے، حضرت قتادہ سے مروی ہے۔ کہ میں نے انس سے پوچھا، کہ حضور نے کتنے حج کئے۔ کہا، صرف ایک لیکن ادا کردہ عمروں کی تعداد چار ہے۔ ایک عمرہ ذی القعدہ میں، دوسرا حدیبیہ کا، تیسرا وہ عمرہ جو حج کے ساتھ ادا کیا اور چوتھا عمرۂ جعرانہ۔ جب آپ نے غزوۂ حنین کا

مال غنیمت تقسیم فرمایا تھا۔ (ترمذی)

فصل ہفتم

اس فصل میں آپ کی بعض دعاؤں، نیز استجابت دعا، استغفار اور تلاوت کا ذکر ہے :۔

حضور اکرم جامع دعاؤں کو پسند فرماتے۔ اور ان کے ماسوا دعاؤں کو چھوڑ دیتے (ابوداؤد) جامع وہ دعائیں ہیں۔ جن میں نیک خواہشات اور جائز مقاصد جمع کر دیئے جائیں۔ نیز ان میں اللہ کی حمد و ثنا اور دعا مانگنے کے آداب کا ذکر ہو، حضور اکرم اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے :۔ اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ ھُوَ عِصْمَۃُ اَمْرِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْھَا مَعَاشِیْ، وَاَصْلِحْ لِیْ آخِرَتِیَ الَّتِیْ اِلَیْھَا مَعَادِیْ۔ وَاجْعَلِ الْحَیَاۃَ زِیَادَۃً لِّیْ فِیْ کُلِّ خَیْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَۃً لِّیْ مِنْ کُلِّ شَرٍّ۔ (مسلم)

اسی طرح آپ دعا میں فرمایا کرتے اَللّٰھُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ عِلْمًا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَّاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ اَھْلِ النَّارِ (ترمذی) حضور اکرم اس دعا کو زیادہ سے زیادہ بار پڑھتے تھے: رَبَّنَآ آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (بخاری ومسلم) آپ سے یہ دعا بھی مروی ہے :۔ رَبِّ اَعِنِّیْ وَلَا تُعِنْ عَلَیَّ، وَانْصُرْنِیْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَیَّ وَامْکُرْ لِیْ وَلَا تَمْکُرْ عَلَیَّ وَاھْدِ لِیْ وَانْصُرْنِیْ عَلٰی مَنْ بَغٰی عَلَیَّ۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ لَکَ شَاکِرًا لَّکَ ذَاکِرًا لَّکَ رَاھِبًا مِّطْوَاعًا لَّکَ مُخْبِتًا اِلَیْکَ اَوَّاھًا مُّنِیْبًا، رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِیْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِیْ

وَاَجِبْ دَعْوَتِیْ وَ ثَبِّتْ حُجَّتِیْ وَسَدِّدْ لِسَانِیْ وَاهْدِ قَلْبِیْ وَاسْلُلْ سَخِیْمَةَ صَدْرِیْ (ترمذی) رسولِ اکرم کی ایک اور دعا: اَللّٰهُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ آمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَ بِکَ خَاصَمْتُ. اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِعِزَّتِکَ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَنْ تُضِلَّنِیْ، اَنْتَ الْحَیُّ لَا تَمُوْتُ، وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ یَمُوْتُوْنَ (بخاری ومسلم) ایک اور دعا: اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الْهُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی (مسلم وترمذی) ایک اور دعا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَهْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ۔ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ جِدِّیْ وَهَزْلِیْ وَخَطِیْئَتِیْ وَعَمَدِیْ وَکُلُّ ذٰلِکَ عِنْدِیْ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ۔ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (بخاری ومسلم) حضور اکرم اکثر یہ دعا بھی پڑھتے رہتے۔ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ (ترمذی) یہ بھی آپ کی دعا ہے:۔ اَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ فِیْ جَسَدِیْ، وَعَافِنِیْ فِیْ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ۔ وَاجْعَلْهُمَا الْوَارِثَ مِنِّیْ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (ترمذی) حضور کی ایک اور دعا:۔ رَبِّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِیْ مِنْ خَطَایَا کَمَا نَقَّیْتَ الثَّوْبَ الْاَبْیَضَ مِنَ الدَّنَسِ۔ (نسائی) حضور اکرم فرمایا کرتے:۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاکِیْنَ۔ وَاِذَا اَرَدْتَ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْکَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ (امام مالک) دعا:۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا

وَالْمَمَاتِ (بخاری ومسلم) دعا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ۔ دعا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُذَامِ وَالْبَرَصِ وَالْجُنُوْنِ وَسَيِّئِ الْاَسْقَامِ (ابوداؤد ونسائی) دعا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْمَلْ۔ (مسلم) دعا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ، وَمِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ۔ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هٰذِهِ الْاَرْبَعِ (ترمذی ونسائی) دعا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ، وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ (مسلم وابوداؤد) دعا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْقِلَّةِ وَالذِّلَّةِ وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ (ابوداؤد) دعا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ (ابوداؤد) دعا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّهٗ بِئْسَ الضَّجِيْعُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ، فَاِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ (ابوداؤد ونسائی) دعا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الْعَدُوِّ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ (نسائی) دعا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَدْمِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ التَّرَدِّیْ وَمِنَ الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ وَالْهَرَمِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ يَتَخَبَّطَنِیَ الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَمُوْتَ فِیْ سَبِيْلِكَ مُدْبِرًا وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَمُوْتَ لَدِيْغًا۔ (ابوداؤد ونسائی)

دعا: حضور اکرم جنوں اور انسانوں کی نظر بد سے بچنے کے لئے مختلف دعائیں فرماتے، لیکن معوذتین کے نزول کے بعد باقی سب دعائیں چھوڑ دیں (نسائی)، اسی طرح جب حضور اکرم کو دشمن کا خطرہ ہوتا، تو آپ یہ دعا مانگا کرتے: اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ (ابوداؤد) اسی طرح حضور اکرم امام حسن

اور حسین کو شیطان سے بچانے کے لئے فرماتے، اے بچو! تمہارے باپ (حضرت ابراہیمؑ) حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق کو شیطان سے بچانے کے لئے فرماتے: اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّ ھَامَّۃٍ وَّ مِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَامَّۃٍ (بخاری و ترمذی) حضور اکرم ہر مشکل پیش آنے پر مندرجہ ذیل دعا کرتے: لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ، لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ جب بھی حضور اکرم کو کوئی وقت پیش آتی، تو آپ آسمان کی طرف سر اٹھا کر سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ کہتے۔ (ترمذی) اسی طرح جب آپ کو کوئی دقت پیش آتی۔ تو بہ کثرت یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ پڑھتے (ابوداؤد)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب بھی میں کسی مشکل میں ہوتا تو جبرئیل علیہ السلام میرے سامنے آجاتے اور کہتے، مندرجہ ذیل کلمات ادا فرمایئے: تَوَکَّلْتُ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا۔ (طبرانی) جب حضور اکرم کے کوئی اونٹنی گم ہو جاتی، تو آپ فرمایا کرتے اَللّٰھُمَّ رَادَّ الضَّالَّۃِ وَھَادِیَ الضَّالَّۃِ اَنْتَ تَھْدِیْ مِنَ الضَّلَالَۃِ، اُرْدُدْ عَلَیَّ ضَالَّتِیْ بِعِزَّتِکَ وَسُلْطَانِکَ فَاِنَّھَا مِنْ عَطَائِکَ وَفَضْلِکَ (حضور اکرم اسی طرح اپنی ہتھیلیوں کو سیدھا اور نیز اٹھا رکھ کر دعا فرماتے۔ آپ ہاتھ اٹھاتے، تو آپ کے بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی (ابوداؤد) حضرت ابوموسی اشعری سے مروی ہے، کہ حضور اکرم نے دعا کی، آپ نے ہاتھ اٹھائے اور بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ امام احمد حاکم اور ابوداؤد سے مروی ہے۔ کہ حضور اکرم نے اپنے ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھائے اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے، کہ حضور ہاتھوں کو پھیلاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے، کہ جب حضور اکرم دعا مانگتے، تو ہاتھوں کو قریب لے آتے اور ہتھیلیاں

عارض مبارک سے مس کرتیں۔ اور دعائے قنوت میں آپ ہاتھوں کا الٹا حصہ چہرے مبارک سے لگاتے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک حدیث بھی مذکور ہے۔

قبولِ دعا:- حضرت انس سے مروی ہے، کہ حضور اکرمؐ نے میرے لئے دُعا فرمائی اے خدا تو اس کے مال میں برکت دے۔ اس کے بال بچے زیادہ کر۔ اسے لمبی عمر دے اور اسے معاف کر دے۔ چنانچہ میں اب تک اپنی پشت سے ایک سو دو آدمی دفن کر چکا ہوں، میرے باغ کے درختوں میں دو دفعہ پھل آتا ہے۔ اب میں زندگی سے تنگ آگیا ہوں، اور موت کی تمنا کرتا ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مالک بن ربیعہ کے لئے دعا فرمائی، اے اللہ! تو اس کی اولاد میں برکت دے، خدا نے اسے اسی بیٹے دیئے (ابن عساکر)

حضور اکرمؐ نے حضرت علی کو خیبر کے دن بلایا۔ ان کی آنکھیں دکھتی تھیں۔ آپ نے ان میں لعابِ دہن لگایا اور دعا کی: اے خدا! تو اسے سردی اور گرمی سے محفوظ رکھ۔ اس دن سے انہوں نے نہ تو سردی یا گرمی محسوس کی اور نہ کبھی آشوبِ چشم کی شکایت ہی ہوئی۔

حضور اکرمؐ نے حضرت علی کو یمن میں قاضی بنا کر بھیجا۔ عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے فصلِ مقدمات کا کوئی تجربہ نہیں، فرمایا میرے قریب آؤ، میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر دعا فرمائی۔ اے اللہ! تو اس کے دل کو ہدایت کر۔ اور اس کی زبان کو ثبات دے حضرت علی کہتے ہیں۔ اس کے بعد مجھے متخاصمین میں فیصلہ کرتے وقت کبھی کوئی دقت پیش نہ آئی۔ (ابو داؤد)

ایک مرض میں آپ نے حضرت علی کے لئے دعا فرمائی۔ اے خدا! تو اسے شفا بخش اور عافیت عطا فرما۔ پھر حضرت علی سے کہا، اٹھو۔ حضرت علی سے مروی ہے، پھر مجھے اس تکلیف کی کبھی شکایت نہ ہوئی (حاکم)

حضرت ابو طالب بیمار تھے، آپ ان کی عیادت کو گئے۔ انہوں نے کہا۔ اے میرے بھتیجے تو جس خدا کی عبادت کرتا ہے۔ اس سے میری شفا کی دعا مانگ۔ فرمایا: اے خدا! میرے چچا کو شفا دے، ابو طالب یوں اٹھ بیٹھے۔ گویا کسی نے رسی کھول دی ہو۔ کہنے لگے۔ اے بھتیجے! کیا تم اس لئے خدا کی عبادت کرتے ہو، کہ تمہاری بات مان لے۔ حضور نے فرمایا، چچا جان! اگر آپ بھی خدا کی اطاعت کریں گے، تو وہ آپ کی بات بھی مانے گا۔ (بیہقی)۔

حضور اکرم نے حضرت عبداللہ بن عباس کے لئے دعا فرمائی۔ اے اللہ! تو اسے دین کے نکات سمجھا، اور حکمت اور معانی قران سمجھنے کی قابلیت عطا فرما (بغوی) بخاری میں ہے۔ حضور نے دعا کی، اے خدا تو اسے قران کا علم عطا کر، چنانچہ وہ امت کے زبردست فاضل بحر العلوم اور رئیس المفسرین تھے۔

حضور اکرم نے نابغہ جعدی کے حق میں جب انہوں نے حضور اکرم کو دو بیت سنائے۔ فرمایا، خدا تیرے دانت سلامت رکھے۔ چنانچہ وہ سو سال تک زندہ رہے اور ان کے دانت بہت مضبوط تھے۔ (بیہقی)

حضرت عمرو بن اخطب نے حضور اکرم کو شیشے کے گلاس میں پانی پلایا۔ آپ نے ان کی ڈاڑھی میں ایک سفید بال دیکھ کر فرمایا۔ اے اللہ! تو اسے جمال عطا فرما۔ چنانچہ وہ تہتر برس کے ہو گئے اور ڈاڑھی اور سر میں ایک سفید بال بھی نہ آیا (امام احمد) حضرت معمر سے روایت ہے، کہ ایک یہودی نے حضور اکرم کو اونٹنی کا دودھ دوہ کر پلایا۔ دعا فرمائی۔ اے خدا تو اسے حسن عطا کر۔ چنانچہ اس کے سارے بال سیاہ ہو گئے اور تہتر سال تک سیاہ رہے (ابن ابی شیبہ)۔

ابن حمق خزاعی نے حضور اکرم کو دودھ پلایا۔ دعا فرمائی۔ اے خدا تو اسے جوانی سے برخوردار ہونے کا موقعہ دے۔ چنانچہ اسی سال تک اس کے سر اور ڈاڑھی

میں ایک سفید بال بھی نہ تھا (ابونعیم)

یعقوب اسفرائینی سے مذکور ہے، ایک دفعہ حضرت فاطمہ حضور کی خدمت میں آئیں، اور بھوک سے ان کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ حضور نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دعا کی۔ اے بھوکوں کو سیراب کرنے والے، تو فاطمہ بنت محمد کو بھوکا نہ رکھ۔ عمران بن حصین سے مروی ہے کہ میں نے حضرت فاطمہ کے چہرے پر نگاہ ڈالی، تو ان کی زردی پر سرخی غالب آچکی تھی۔ بعدہٗ میں پھر ان سے ملا۔ کہنے لگیں، اے عمران! بعد ازاں، ویسی صورت حال پھر کبھی پیش نہ آئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عروہ بن جعد البارقی کے واسطے دعا فرمائی: اے خدا تو اس کے دائیں ہاتھ کی خرید و فروخت میں برکت دے۔ وہ کہتے ہیں، میں نے جو چیز بھی خریدی، اس میں نفع ہوا۔

حضرت جریر گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ نہیں سکتے تھے (یعنی گر پڑتے تھے) حضور اکرم نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْہُ وَاجْعَلْہُ ھَادِیًا مَّھْدِیًّا۔ اس کے بعد وہ کبھی بھی گھوڑے سے نہیں گرے۔

حضور اکرم نے سعد بن ابی وقاص کے لئے دعا فرمائی۔ اے خدا تو اس کی دعا قبول کر اس کے بعد وہ مستجاب الدعوات ہو گئے (بیہقی) اسی طرح حضور نے حضرت عبدالرحمان بن عوف کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ وہ کہتے، میری یہ حالت ہو گئی، کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا، تو مجھے امید ہوتی، کہ اس کے نیچے سے سونا یا چاندی برآمد ہو گی۔ (بیہقی)

حضور اکرم نے قریش کے خلاف دعا کی، وہ قحط میں مبتلا ہو گئے۔ اور ان کی یہ حالت ہو گئی، کہ وہ خرگوشوں کا لہو پینے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ قریش نے آپ سے دعا کی التجا کی۔

آپ نے عتیبہ بن ابولہب کے خلاف دعا کی: اے خدا تو اپنا ایک کتا اس پر مسلّط فرما۔ چنانچہ ایک شیر نے اسے پھاڑ کھایا۔

حضرت مازن الطائیؒ سے جو عمان میں رہتے تھے، روایت ہے۔ میں نے رسول کریم کی خدمت میں عرض کیا، یارسول اللہ! میں عیش و عشرت کا دلدادہ، شرابی اور عورتوں کا رسیا ہوں۔ عمان میں قحط پڑ گیا ہے۔ جانور مر گئے ہیں اور اہل و عیال بھوک سے لب مرگ ہیں۔ اور میرا کوئی بیٹا بھی نہیں۔ دعا فرمایئے، کہ ان عیوب سے میرا چھٹکارا ہو۔ اور خدا بارش برسائے اور مجھے بیٹا عطا کرے۔ حضور اکرم نے دعا فرمائی۔ اے اللہ تو عیش و عشرت کی جگہ اسے تلاوت قرآن اور حرام کی جگہ حلال کی توفیق عطا فرما۔ اور بارش برسا اور اسے بیٹا دے۔ اللہ تعالیٰ نے بری عادتوں سے میرا چھٹکارا کرا دیا۔ عمان میں بارش ہو گئی، میں نے چار عورتوں سے شادی کی اور خدا نے مجھے حیّان بن مازن عطا کیا۔ (بیہقی)

جب حضور اکرم تبوک میں تھے، تو کھجور کے ایک درخت کو سامنے رکھ کر نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ دوران نماز میں ایک شخص آگے سے گزر گیا۔ فرمایا۔ اس نے ہماری نماز میں خلل ڈالا۔ خدا اس کا خاتمہ کرے۔ وہ بیٹھا اور پھر نہ اٹھ سکا (حدیث مشکوک ہے کیونکہ حضور اکرم رَحْمَةً لِلْعَالَمِیْن ہیں) (ابوداؤد اور بیہقی)

ایک شخص نے جس کا نام بُسر بن راعی تھا، حضور اکرم کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا۔ فرمایا، دائیں ہاتھ سے کھا۔ کہنے لگا۔ میں اس ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔ فرمایا خدا کرے ایسا ہی ہو۔ اس کے بعد وہ ہاتھ منہ کی طرف اٹھا ہی نہیں سکتا تھا۔ (یہ بھی مشکوک ہے)

ایک دن امیر معاویہ حضور اکرم کے پیچھے اونٹنی پر بیٹھے تھے، پوچھا، تیرے جسم کا کونسا حصہ مجھ سے مس کر رہا ہے۔ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرا پیٹ فرمایا،

اے اللہ! تو اسے علم اور حلم سے بھر دے۔ (بخاری)

حضور اکرم نے ابو ثروان کے خلاف دعا فرمائی۔ اے خدا تو اس کے مصائب اور عمر میں اضافہ فرما۔ وہ بوڑھا ہو گیا۔ سخت مصیبت میں مبتلا تھا، اور موت کی تمنا کرتا تھا۔ ابو ثروان اونٹوں کا چرواہا تھا۔ جب حضور اکرم قریش سے بھاگے۔ تو اس کے اونٹوں میں جا گھسے، جہاں سے اس نے آپ کو نکال دیا تھا۔ بعد میں وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اور آپ نے اسے معاف کر دیا تھا۔ چنانچہ کوئی ایسی روایت منقول نہیں کہ آپ نے دعا کی ہو۔ اور قبول نہ ہوئی ہو۔

استغفار:۔ حضور اکرم دن رات میں ستر دفعہ استغفار پڑھتے تھے (بخاری)، نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے، کہ ہم ایک محفل میں بیٹھے گن رہے تھے۔ حضور اکرم نے سو دفعہ پڑھا:۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ نیز ہم گنتے رہے، آپ نے سو بار پڑھا: رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے، کہ رسول اکرم نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا۔ اے لوگو! تم بھی توبہ کیا کرو۔ کہ میں دن میں سو دفعہ توبہ کرتا ہوں۔ حضور اکرم کی توبہ امت کے لئے رہ نمائی تھی۔ اور اظہار عبودیت تھی۔

بخاری میں حضرت شداد بن اوس سے مروی ہے، حضور اکرم نے فرمایا، سید الاستغفار یہ ہے۔ کہ آدمی مندرجہ ذیل کلمات کہے:۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ، خَلَقْتَنِیْ وَ اَنَا عَبْدُکَ، وَ اَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَ وَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ۔ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ۔ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ، فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔ جو شخص دن کے وقت یقین سے پڑھے گا۔ اور اتفاق سے شام سے پہلے فوت ہو گیا۔ وہ جنتی ہے۔ اسی طرح جس

شخص نے یقین سے رات کو یہ کلمات پڑھے اور صبح ہونے سے پہلے مرگیا۔ تو وہ بھی بہشتی ہے اس سے یہ بات واضح ہو گئی، کہ یہ استغفار سب سے بہتر ہے

تلاوت قران:۔ تلاوت کے دوران میں رسول اکرم بسم اللہ پھر الرحمن اور پھر الرحیم کو لمبا کر کے پڑھتے تھے۔ (بخاری)

حضرت ام سلمہؓ نے حضور اکرم کی تلاوت کے بارے میں فرمایا ہے، کہ حضور اکرم ایک ایک لفظ کو واضح کر کے پڑھتے تھے (ابو داؤد) ان سے روایت ہے کہ آپ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت فرماتے۔ مثلاً اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھ کر ٹھہر جاتے۔ پھر الرحمن الرحیم پڑھتے اور ٹھہر جاتے (ترمذی)

حضرت حفصہ سے مروی ہے۔ کہ حضور اتنا ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے، کہ سورت بہت ہی طویل ہو جاتی (مسلم)

حضرت براءؓ سے روایت ہے، کہ حضور اکرم نماز عشا میں وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ پڑھتے۔ میں نے حضور اکرم سے بڑھ کر کوئی خوش آواز اور خوش قرأت آدمی نہیں دیکھا (بخاری و مسلم) حضور اکرم کبھی کبھی اپنی قرأت میں غنا اور حسن صوت سے کام لیتے جس طرح کہ صلح حدیبیہ کے دن آپ نے اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا تلاوت فرمائی تھی

ایک رات حضور اکرم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی تلاوت سنی۔ جب حضور اکرم نے انہیں بتایا۔ تو انہوں نے کہا، یا رسول اللہ! اگر مجھے علم ہوتا، تو میں اور زیادہ اہتمام برتتا۔ اور خوب اچھی طرح بنا سنوار کر پڑھتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ہر چیز کا زیور ہوتا ہے اور قران حکیم کا زیور حسن صوت ہے۔

باب دہم

"اس باب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر ہے، جس سے آپ پر اللہ کی نعمتوں کی تکمیل ہو گئی۔ مزید براں آپ کے روضۂ مبارک اور مقدس مسجد کی زیارت کا بیان ہے اور نیز رسول کریم کی اس فضیلت کی وضاحت کی گئی ہے، جو آخرت میں آپ کو انبیاء مرسلین کے سامنے خدائی قرب کی وجہ سے حاصل ہو گی۔ علاوہ ازیں اولین و آخرین کے مجمعے میں سے شفاعت اور مقام محمود کے لئے آپ کی تخصیص، اور جنت میں آپ کے بلند مقام کی تفصیل ہے۔ یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے۔

فصل اوّل

اس فصل میں اس نعمت کا ذکر ہے، کہ جس کی تکمیل حضور اکرم کی وفات سے ہو گئی، نیز روضۂ مقدس میں آپ کی تدفین کا ذکر ہے۔

یہ امر پیش نظر رہنا چاہیئے، کہ چونکہ موت سے انسان کو طبعی نفرت ہے۔ اس لئے ہر نبی کو اس باب میں اختیار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم کو اِذَا جَاءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ کے نزول سے اپنے انتقال کا علم ہو گیا تھا، روایت میں ہے کہ یہ آخری سورت ہے۔ جو حجۃ الوداع کے موقعہ پر جب حضور اکرم قربانی کے دن منی

میں تھے، اتری۔ اس کے بعد حضور ۸۱ دن زندہ رہے اور حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث میں ہے، کہ جب اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ اتری، تو حضور اکرم نے حضرت فاطمہ کو بلا کر فرمایا۔ مجھے موت کی اطلاع دی گئی ہے، حضرت فاطمہ رونے لگیں، فرمایا، مت روؤ، کیونکہ میرے خاندان سے تم سب سے پہلے مجھ سے آملوگی۔ اس پر حضرت فاطمہ خوش ہو گئیں (طبرانی) حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے، کہ جب یہ سورت نازل ہوئی، تو حضور اکرم کو اپنی موت کا علم ہو گیا، تو آپ نے سفر آخرت کے لئے زور شور سے تیاری شروع کر دی۔ حضرت جابر سے مروی ہے۔ کہ جب یہ سورت حاصل ہوئی، تو حضور اکرم نے حضرت جبریل سے کہا، آپ مجھے موت کی اطلاع دے رہے ہیں۔ انہوں نے جواب میں کہا:-

وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی

ابن رجب کی حدیث میں مذکور ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کثرت سے عبادت کی تھی، کہ آپ پرانی مشک کی طرح ہو گئے تھے۔ حضور اکرم ہر سال ایک دفعہ جبرئیل علیہ السلام کو قرآن شریف سنایا کرتے تھے۔ مگر سال وفات کے قرآن میں دو دفعہ سنایا۔ اسی طرح حضور اکرم ہر سال رمضان کے عشرے میں اعتکاف میں بیٹھتے تھے۔ مگر سالِ وفات میں بیس دن اعتکاف کیا اور کثرت سے ذکر و استغفار کی۔

حضرت ام سلمہ سے مروی ہے، کہ حضور اکرم زندگی کے آخری ایام میں اٹھتے بیٹھتے، آتے جاتے سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمۡدِہٖ اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوۡبُ اِلَیۡہِ بہ کثرت پڑھتے تھے۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ آج کل جو دعائیں آپ مانگ رہے ہیں اس سے پہلے تو نہ مانگتے تھے۔ فرمایا، مجھے خدا نے بتادیا ہے، کہ جلدی ہی میری امت میں افزائش ہو گی۔ چنانچہ جب سے مجھے اس کا علم ہوا ہے۔ میں خدا کے نام کی تسبیح کرتا ہوں اور استغفار پڑھتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے سورۂ اذا جاء پڑھی (ابن جریر)

حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے، کہ حضور اکرم نے جنگ احد کے شہیدوں کے لئے آٹھ سال کے بعد یوں دعائے مغفرت فرمائی، جیسے کوئی شخص زندوں اور مردوں کو الوداع کہہ رہا ہو۔ پھر آپ منبر پر چڑھے اور فرمایا، میں تمہارا پیشرو اور نگراں ہوں۔ اور ہم پھر حوض کوثر پر اکھٹے ہوں گے۔ اور میں یہاں بیٹھے اس منظر کو دیکھ رہا ہوں۔ اور مجھے دنیا کے خزانوں کی کنجی دی گئی ہے۔ مجھے اس کا ڈر تو نہیں، کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے، لیکن مجھے اس امر کا ضرور خطرہ ہے، کہ دنیا کی رعنائیاں تمہیں بہالیں گی۔

حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے، کہ حضور اکرم نے منبر پہ بیٹھ کر فرمایا۔ کہ خدا نے ایک بندے کو اختیار دیا، کہ وہ دنیا کی شان و شوکت اور جو کچھ خدا کے پاس ہے، دونوں میں سے ایک چیز کا انتخاب کرے۔ حضرت ابو بکر رو پڑے اور کہنے لگے، "یا رسول اللہ ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں"۔ لوگوں کو اس پر تعجب ہوا۔ کہنے لگے۔ اس بڈھے کو دیکھو، کہ رسول اکرم ایک آدمی کا ذکر فرماتے ہیں۔ جسے خدا نے دنیا کی زیب و زینت اور آخرت میں انتخاب کا حق دیا۔ اور یہ کہتا ہے، ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں (سوال گندم جواب چنیا) راوی کہتے ہیں، کہ فی الحقیقت یہ حضور اکرم تھے، جنہیں انتخاب کا حق دیا گیا تھا اور بلاشبہ ابو بکر ہم سے زیادہ حضور اکرم کو سمجھتے تھے۔ پھر حضور اکرم نے فرمایا، بلاشبہ ابو بکر کی ذات اور اس کا مال میرے لئے بڑا ہی مفید رہا۔ اور اگر میں اہل عالم میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابو بکر کو بناتا۔ ہاں البتہ اسلامی بھائی چارہ تو ہے ہی۔ جتنے دروازے مسجد میں کھلتے ہیں، سوائے ابو بکر کے دروازے کے سب بند کر دیئے جائیں۔ (بخاری و مسلم)

حضور اکرم نے یہ خطبہ مرض موت کے شروع میں دیا تھا۔ کیونکہ جب حضور اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے۔ تو سر پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔ آپ منبر پر چڑھے اور خطبے کے بعد اترآئے اس حالت میں آپ کو قیامت تک ظہور پذیر ہونے والی سب چیزیں دکھادی گئیں آخر عمر میں حضور اکرم کو موت کے قریب آجانے کا اندازہ ہو چکا تھا چنانچہ جب حجۃ الوداع

کے موقعہ پر آپ نے خطبہ دیا تو فرمایا، لوگو! مجھ سے عبادت کے طریقے سیکھ لو کیونکہ شاید اس کے بعد میری ملاقات تم سے نہ ہو سکے۔ آپ ایک جگہ کھڑے لوگوں کو الوداع کہہ رہے تھے۔ اسی لئے اسے حج وداع کہتے ہیں۔

جب حضور اکرم حجۃ الوداع کے بعد مدینے کو روانہ ہوئے، تو خم کے تالاب پر جو مکے اور مدینے کے درمیان واقع ہے، لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور فرمایا۔ اے لوگو! میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں، جلدی ہی مجھے بلاوا آئے گا، اور مجھے لبیک کہنا ہو گی۔ پھر لوگوں کو قرآن کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا اور اہلِ بیت کے بارے میں وصیت کی۔

حافظ ابن رجب سے مذکور ہے۔ کہ حضور اکرم کی بیماری ماہِ صفر کے آخر میں شروع ہوئی اور بقول خطابی سوموار کا دن تھا۔ آپ کی بیماری کی مدت تیرہ دن تھی۔ بخاری میں حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ جب آپ کا مرض شدت اختیار کر گیا۔ اور حضور اکرم کمزور ہو گئے، تو آپ نے ازواج مطہرات سے میرے حجرے میں قیام کی اجازت طلب کی، جو انہوں نے دے دی۔ حضور اکرم باہر نکلے اور آپ کو دو آدمی حضرت عباس اور حضرت علی دونوں طرف سے تھامے ہوئے تھے، اور حضور پاؤں کو گھسیٹ رہے تھے۔ ابن ابی ملیکہ حضرت عائشہ سے راوی ہیں کہ حضور اکرم میرے حجرے میں سوموار کے دن تشریف لائے۔ اور دوسرے سوموار کو فوت ہو گئے۔ بخاری میں ہے کہ جب حضور اکرم حضرت عائشہ کے حجرے میں تشریف لائے تو چونکہ انہیں دردِ سر کی شکایت تھی۔ کہنے لگیں۔ "ہائے میرے سر"، حضور نے فرمایا، "اگر میری زندگی میں تو فوت ہو گئی، تو میں تیری مغفرت کی دعا مانگوں گا۔" اس پر حضرت عائشہ کہنے لگیں: "ہائے میں مر گئی، آپ تو میری موت کے خواہش مند ہیں۔ اگر ایسا ہو گیا، تو آپ اپنی ازواج کے ساتھ عیش منائیں گے۔ حضور اکرم نے فرمایا: "بلاشبہ بات یہی ہے۔" حضرت عائشہ نے پھر کہا۔ "ہائے میرا سر! میری خواہش ہے، کہ مجھے میرے ابا اور بھائی کے پاس بھیج دیا جائے اور اس

طرح باتیں بنانے والوں اور خواہش کرنے والوں کی خواہشوں سے بچ جاؤں۔" اس کے بعد پھر میں نے کہا، اللہ اس سے بچائے، اور مومنوں کو اپنی حفاظت میں لے لے"

جیسا کہ اللطائف میں مذکور ہے۔ حضور اکرم کی بیماری درد سر سے شروع ہوئی بظاہر بخار بھی تھا۔ کیونکہ دوران مرض میں بخار تیز ہو گیا تھا۔ حضور اکرم ایک ٹب میں بیٹھتے اور آپ پر سات بھری مشکوں کا پانی انڈیلا جاتا جس سے آپ کو سکون نصیب ہوتا۔

بخاری میں حضرت عائشہ سے مذکور ہے، کہ جب حضور اکرم میرے حجرے میں تشریف لائے اور درد شدت اختیار کر گیا۔ تو آپ نے فرمایا، کہ مجھ پر سات بھری مشکوں کا پانی انڈیلو۔ شائد میں لوگوں سے عہد لے سکوں۔ پھر ہم نے آپ کو حضرت حفصہ کے ٹب میں بٹھایا۔ اور آپ کے سر پر پانی ڈالنا شروع کر دیا۔ تا آنکہ آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا، کہ بس کر دو۔ حضور اکرم نے اس اثنا میں ایک چادر اوڑھ رکھی تھی۔ جو شخص اپنا ہاتھ حضور کے جسم پر رکھتا، تو آپ کے بخار کا اندازہ ہو جاتا۔ اور جب عیادت کرنے والے حضور اکرم سے اس کا ذکر کرتے، تو فرماتے، اسی طرح ہمیں دکھوں میں مبتلا کیا جاتا ہے اور اجرِ آخرت میں اضافہ کیا جاتا ہے (ابن ماجہ وغیرہ)

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے، میں حضور اکرم کی عیادت کے لئے گیا۔ آپ کو سخت بخار تھا۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ۔ آپ کو نہایت سخت بخار ہے۔ فرمایا۔ ہاں درست ہے۔ مجھے دو آدمیوں کا بخار ہے، انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کو دو اجر ملیں گے۔ فرمایا ٹھیک کہتے ہو۔ اسی طرح جس مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے، خواہ کانٹا ہی کیوں نہ چبھے، خدا اس کے گناہ اس طرح معاف کر دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں (بخاری)

حضرت فاطمہ بنت یمان سے روایت ہے، کہ میں بعض عورتوں کے ساتھ حضور اکرم کی عیادت کے لئے آئی۔ شدت بخار کی وجہ سے آپ پر پانی ڈالا جا رہا تھا۔ حضور نے

فرمایا۔ لوگوں میں سے انبیا علیہم السلام کو سخت ابتلاؤں سے پالا پڑتا ہے۔ پھر ان لوگوں کو جو ان کے قریب تر ہوتے ہیں اور اسی طرح سلسلہ چلتا ہے۔

حضرت عائشہ کی حدیث میں مذکور ہے، کہ حضور اکرم کے پاس پانی کی ایک گڑوی رکھی ہوتی تھی۔ آپ اس میں ہاتھ ڈالتے اور پانی چہرے پر چھڑکتے اور فرماتے: لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٌ (بخاری)

اسی طرح حضرت عروہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم فرمایا کرتے، کہ میں ہمیشہ اس زہریلے کھانے کی تکلیف محسوس کرتا رہا، جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ اور اس وقت میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ اس زہر سے میرے دل کی رگ کٹ گئی ہے۔ اس رگ کے کٹنے سے آدمی مر جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے تھے، کہ حضور اکرم کی موت شہید کی موت ہے۔

بخاری میں حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ جب حضور اکرم کو تکلیف ہوتی۔ تو معوذات پڑھ پڑھ کر اپنے اوپر پھونکتے اور ہاتھوں سے جسم کو چھوتے۔ اور جب آپ کی تکلیف زیادہ ہو جاتی تو میں خود معوذات پڑھ کر آپ پر پھونکتی اور حضور اکرم کے ہاتھوں کو برکت کے لئے چھوتی۔

بخاری میں حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ عبدالرحمان ایک تازہ مسواک لئے وہاں آگئے۔ حضور نے مسواک دیکھی، تو میں سمجھ گئی، کہ آپ کو اس کی ضرورت ہے۔ میں نے ان کے ہاتھ سے لے لی۔ اسے دانتوں سے نرم کیا۔ اور پھر آپ کو دے دی۔ آپ نے اس سے اچھی طرح اپنے دانت صاف کئے۔ پھر مجھے دے دی، اور اس طرح خدا نے حضور اکرم اور میرے لعاب دہن کو آپ کی دنیوی زندگی کے آخری دن۔ اور اُخروی زندگی کے پہلے دن اکٹھا کر دیا۔ ایک اور روایت میں ہے، کہ جب عبدالرحمن میرے حجرے میں داخل ہوئے، تو حضور نے اپنا سر میری گود میں رکھا ہوا تھا۔ حضرت عائشہ سے یہ بھی مروی

ہے حضور اکرم نے فرمایا اس سے موت مجھ پہ آسان ہوگئی، کہ میں نے عائشہ کے ہاتھ کی سفیدی جنت میں دیکھی۔ اور ایک روایت میں ہے، کہ میں نے عائشہ کو جنت میں دیکھا۔

یہ بھی مروی ہے، کہ مرض موت کے دوران میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سات دینار تھے۔ جن کے بارے میں آپ کا حکم تھا۔ کہ فی سبیل اللہ دے دیئے جائیں۔ پھر آپ پر بیہوشی طاری ہوگئی اور لوگ آپ کی بیماری میں مصروف ہوگئے، جب ہوش میں آئے تو آپ نے دینار منگوائے اور ہاتھ میں لے کر فرمایا۔ کہ محمد (صلعم) کا اپنے خدا کے متعلق کیا خیال ہے۔ کہ وہ خدا سے ایسی حالت میں مل رہا ہے کہ اس کے پاس یہ دینار موجود ہیں۔ وہ سب اللہ کی راہ میں دے دیئے۔

بخاری میں مذکور ہے، کہ حضرت عروہ نے حضرت عائشہ سے روایت کی، کہ حضور اکرم نے حضرت فاطمہ کو مرض موت میں طلب فرمایا۔ ان کے کان میں کوئی بات کہی، جس سے وہ رو پڑیں۔ پھر بلا کر کان میں کوئی اور بات کہی اور وہ ہنس پڑیں۔ ہم نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا۔ تو کہنے لگیں، کہ حضور اکرم نے مجھے کہا، کہ میں اس بیماری میں فوت ہو جاؤں گا، تو میں رو پڑی۔ پھر بلا کر فرمایا، کہ میرے خاندان میں تو سب سے پہلے مجھ سے آملے گی، تو میں خوش ہوگئی۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ میں نے کسی شخص کو بھی فاطمہ سے بڑھ کر طور اطوار اور متانت اور رفتار میں، حضور اکرم سے مشابہ نہیں دیکھا۔ جب حضور اکرم سے ملنے آتیں آپ کھڑے ہو کر انہیں چومتے اور اپنے پاس بٹھاتے۔ جب آپ فاطمہ کے گھر جاتے تو ایسا ہی کرتے جب حضور اکرم بیمار ہوئے، تو فاطمہ آئیں اور حضور پر گر پڑیں اور میں نے انہیں بوسہ دیا۔ مسروق کی روایت میں ہے، کہ حضرت فاطمہ کی مسرت کی وجہ یہ تھی، کہ حضور نے انہیں خوش خبری دی تھی، کہ آپ جنتی عورتوں کی سردار ہیں اور میرے خاندان میں سے سب سے پہلے آپ مجھ سے آملیں گی۔ حضرت عائشہ کی ایک روایت میں ہے

کہ میں نے آج کے دن کی طرح۔ کوئی غم ایسا نہیں دیکھا، جو خوشی کے اتنا قریب ہو۔ میں نے فاطمہ سے وجہ دریافت کی تو وہ کہنے لگیں۔ کہ میں حضور اکرم کا راز ظاہر نہیں کر سکتی، حضور اکرم فوت ہو گئے، میں نے پھر دریافت کیا۔ تو کہنے لگیں، حضور نے فرمایا، جبرئیل ہر سال مجھ سے ایک دفعہ قران سنتا تھا۔ اس سال اس نے دو دفعہ سنا ہے جس سے میں سمجھ گیا، کہ میری موت قریب آگئی ہے۔ اور تم سب سے پہلے مجھے آملو گی طبرانی نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے۔ کہ حضور اکرم نے حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ مسلمان خواتین میں کوئی عورت بھی فضیلت میں تجھ سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے تجھے صبر میں بھی ان سے کم نہیں ہونا چاہیئے۔ اور حدیث میں حضور اکرم سے جن امور کے وقوع کا ذکر ہے۔ اور وقوع پذیر ہوئیں۔ ان میں حضرت فاطمہ کی وفات شامل ہے، جس پر سب کا اتفاق ہے۔ کہ جناب فاطمہ اہل بیت میں سے سب سے پہلے فوت ہوئیں۔

حضور اکرم شدتِ مرض کی وجہ سے بیہوش ہو جاتے۔ پھر ہوش میں آجاتے۔ ایک بار بیہوش ہوئے تو لوگوں نے سمجھا، کہ آپ کو نمونیہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ آپ کے منہ میں دوا ڈالی گئی حالانکہ آپ اشارے سے منع کرتے رہے، مگر لوگوں نے یہ سمجھا۔ کہ چونکہ مریض کو دوا سے نفرت ہوتی ہے۔ اس لئے آپ ایسا کر رہے ہیں۔ جب آپ ہوش میں آتے، تو فرمایا، کیا میں نے تمہیں دوا پلانے سے منع نہیں کیا تھا، فرمایا، گھر میں جتنے آدمی موجود ہیں، سب کو میرے سامنے دوا پلائی جائے۔ حضرت عباس بچ گئے۔ کیونکہ وہ اس وقت موجود نہ تھے (بخاری)

جب حضور اکرم کی تکلیف میں اضافہ ہو گیا۔ تو آپ نے فرمایا، ابو بکر کو کہو، کہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابا جان رقیق القلب آدمی ہیں جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے، تو رونے کی وجہ سے ان کی آواز نہیں سنی جا سکے گی۔ فرمایا۔ ابو بکر کو کہو۔ نماز پڑھائے۔ حضرت عائشہ نے پھر وہی بات دہرائی

آپ نے فرمایا، تم مصر کی وہ عورتیں ہو، جو یوسف علیہ السلام کو بھٹکانے آئی تھیں ابوبکر کو کہو، کہ وہ نماز پڑھائے (بخاری و مسلم)، دمیاطی سے منقول ہے، کہ صدیق اکبر نے سترہ نمازیں پڑھائیں۔

فاکہانی نے الفجر المنیر میں سیف الدین بن عمر کی کتاب الفتوح سے نقل کیا ہے، کہ جب انصار کو اندازہ ہو گیا کہ رسول اکرم کی تکلیف بڑھتی جا رہی ہے، تو اکثر مسجد نبوی کا طواف کرتے دیکھے جاتے۔ اس پر حضرت عباس حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور انصار کی پریشانی سے آپ کو آگاہ کیا۔ پھر فضل بن عباس آئے۔ پھر حضرت علی آئے اور یہی بات کہی۔ یہ سن کر حضور اکرم ان تینوں حضرات کا سہارا لے کر اٹھے اور پاؤں گھسیٹتے ہوئے مسجد کو چلے۔ آپ نے سر پہ پٹی باندھی ہوئی تھی۔ آئے اور منبر کے نچلے پایہ پر بیٹھ گئے۔ تمام لوگ حضور کے اردگرد جمع ہو گئے چنانچہ آپ نے خدا کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: اے لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے، کہ تم اپنے نبی کی موت کے بارے میں فکر مند ہو، لیکن کیا کبھی کوئی نبی جو گذشتہ اقوام کی طرف بھیجا گیا تھا۔ ہمیشہ زندہ رہا، تاکہ میں بھی تم میں ہمیشہ زندہ رہوں دیکھو، میں جلدی ہی اپنے رب سے ملنے والا ہوں، اور تمہیں بھی میرے بعد خدا سے آملنا ہوگا میں تمہیں سابقین مہاجرین کے بارے میں حسنِ سلوک کی وصیت کرتا ہوں، اور اسی طرح مہاجرین کو ان کے مابین معاملات کے بارے میں بھی وصیت کرتا ہوں۔ ارشادِ خداوندی ہے "وَالْعَصْرِ، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ دنیا کا کاروبار خدا کے حکم سے چلتا ہے۔ اگر کسی بات کے پورا ہونے میں دیر لگ جائے تو تم عجلت مت کرو، کیونکہ کسی کی عجلت سے۔ خدا جلد بازی نہیں کرتا۔ جو خدا پر غلبے کی کوشش کرے، وہ خود مغلوب ہوتا ہے۔ جو اللہ کو دھوکا دینا چاہے۔ وہ خود دھوکا کھاتا ہے۔ ارشاد ربانی[۱] ہے فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ۔

---

۱ محمد: ۲۲

اسی طرح تمہیں انصار سے بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ تم سے پہلے ایمان لائے اور مجھے جگہ دی۔ تم ان سے حسن سلوک سے پیش آنا۔ کیا انہوں نے تمہیں پیداوار میں حصہ دار نہیں بنایا۔ کیا انہوں نے تمہیں اپنے گھروں میں جگہ نہیں دی۔ اور کیا انہوں نے تمہیں اپنی ذات پر ترجیح نہیں دی۔ حالانکہ وہ خود تنگی ترشی سے گزارا کر رہے تھے دیکھو۔ تم سے جسے بھی حکومت عطا ہو۔ اسے چاہیئے۔ کہ ان کے اچھے لوگوں کا احترام کرے اور برے لوگوں سے درگزر کرے۔ نیز یاد رکھو تم اپنے آپ کو ان سے بہتر نہ گردانتا۔

اس بات کو یاد رکھنا۔ کہ میں تمہارے آگے آگے جا رہا ہوں، اور تم بھی مجھے آملو گے اور ہماری ملاقات حوض کوثر پر ہوگی اور جو شخص خواہش مند ہے، کہ مجھے کل (یوم قیامت کو) وہاں ملنا چاہے وہ بلا ضرورت ہاتھ کو روکے اور زبان کو بند رکھے۔ اے لوگو! گناہ خدائی نعمتوں کے زوال کا باعث ہیں اور قسمت کو بدل دیتے ہیں۔ جب لوگ اچھے ہوں۔ تو ان کے حاکم بھی اچھے ہوتے ہیں۔ اور جب وہ برے اعمال کے مرتکب ہوں، تو پھر وہ حاکم انہیں دکھ دیتے ہیں۔

واحدی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے یہ روایت بیان کی۔ کہ رسولِ اکرم نے موت سے ایک ماہ پیشتر ہی اپنی وفات کی اطلاع دے دی تھی۔ جب یوم فراق قریب آگیا، تو ہمیں حضرت عائشہ کے حجرے میں جمع کیا اور فرمایا: حَیَّاکُمُ اللّٰہُ بِالسَّلَامِ، رَحِمَکُمُ اللّٰہُ، جَبَرَکُمُ اللّٰہُ، رَزَقَکُمُ اللّٰہُ، نَصَرَکُمُ اللّٰہُ، رَفَعَکُمُ اللّٰہُ، آوَاکُمُ اللّٰہُ، اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَاَسْتَخْلِفُہٗ عَلَیْکُمْ وَ اُحَذِّرُکُمُ اللّٰہَ۔ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۔ اَنْ لَا تَعْلُوْا عَلَی اللّٰہِ فِیْ بِلَادِہٖ وَعِبَادِہٖ: خدا فرماتا ہے: تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُہَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ[1]۔ نیز فرمایا: اَلَیْسَ فِیْ جَہَنَّمَ مَثْوًی لِّلْکَافِرِیْنَ[2]۔

---

[1] القصص: ۸۳ [2] عنکبوت: ۶۸

صحابہ نے دریافت کیا، یارسول اللہ آپ کی وفات کب متوقع ہے۔ فرمایا جدائی کی گھڑی اور خداوند تعالیٰ کی طرف واپسی اور جنت الماوایں داخلے کا وقت قریب آگیا ہے۔ صحابہ نے دریافت کیا، یارسول اللہ۔ آپ کو کون غسل دیگا؟ فرمایا میرے کنبے کے مرد حسب قرب رشتہ، پھر پوچھا۔ یارسول اللہ، آپ کا کفن کیسا ہو؟ فرمایا، انہیں کپڑوں میں دفنا دینا اور اگر چاہو، تو مصر کے سفید کپڑے یا یمنی چادر کا کفن بنا لینا۔ پھر دریافت کیا یارسول اللہ! آپ کی نماز جنازہ کون پڑھائے گا؟ فرمایا۔ جب نہلا چکو اور کفنا چکو۔ تو میری یہ چارپائی قبر کے کنارے رکھ دو۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے وہاں سے نکل جاؤ کیونکہ سب سے پہلے میری نماز جنازہ حضرت جبرئیل پھر میکائیل، پھر اسرافیل اور پھر عزرائیل علیہم السلام معہ فرشتوں کے پڑھیں گے۔ پھر سب گروہ در گروہ اندر آکر نماز پڑھو اور درود اور سلام بھیجو سب سے پہلے کنبے کے مرد۔ پھر عورتیں، اور پھر تم سب مجھ پر درود اور سلام بھیجو۔ اور نیز میرے ان صحابہ پر جو فوت ہو گئے ہیں اور میری امت کے ان افراد پر بھی جو تا قیامت پیدا ہوتے رہیں گے۔ پھر دریافت کیا، یارسول اللہ! آپ کو قبر میں کون اتارے گا۔ فرمایا میرے خاندان کے مرد۔ (طبرانی)

حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ حضور اکرم ابھی تندرست تھے، کہ فرمانے لگے، کہ ہر نبی جب فوت ہونے لگتا ہے، تو اسے جنت میں اپنا مقام دکھا دیا جاتا ہے، اور اسے انتخاب کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ جب آپ بیمار ہوئے۔ اور موت کا وقت قریب آگیا اور آپ کا سر میری ران پر رکھا تھا، تو آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ جب ہوش میں آئے تو آپ نے ٹکٹکی باندھ کر چھت کو دیکھا اور فرمایا اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔ میں نے دل میں کہا۔ کہ حضور اکرم ہمیں منتخب نہیں کر رہے۔ اس وقت مجھے آپ کی وہ حدیث یاد آگئی، جو آپ بحالتِ تندرستی ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے، کہ حضرت عائشہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے جب آپ پیٹھ کے بل لیٹے ہوئے

تھے، کان لگا کر سنا، تو آپ فرما رہے تھے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی (بخاری)، امام احمد نے ابو مویہبہ سے روایت کی ہے، کہ حضور نے فرمایا، کہ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں اور زندگی دوام پیش کی گئی، اور پھر جنت پیش کی گئی، اور مجھے انتخاب کا موقعہ دیا گیا، چنانچہ میں نے اپنے رب سے ملاقات اور جنت کو ترجیح دی۔ عبدالرزاق نے طاؤس سے روایت کی ہے، حضور اکرم نے فرمایا، کہ مجھے اختیار دیا گیا تھا، کہ میں اس وقت تک دنیا میں ٹھہرا رہوں، کہ اپنی امت کی فتوحات کو دیکھ سکوں اور یا روانگی میں جلدی کروں، میں نے دوسری بات کو بہتر جانا۔

حافظ ابن رجب سے مذکور ہے، حضور اکرم نے فرمایا۔ اے خدا! تو پٹھوں، ہڈیوں اور انگلیوں سے روح کھینچ لیتا ہے۔ اس بارے میں میری امداد فرما اور مجھ پر یہ مرحلہ آسان کر۔ جب حضور اکرم پر تکلیف کی وجہ سے غشی طاری ہوگئی، تو حضرت فاطمہ حضور کے کرب کی وجہ سے سخت بے چین ہوئیں حضور نے فرمایا، جان پدر! آج کے بعد تیرے باپ کو کوئی تکلیف نہ ہو گی (بخاری)، علمائے امت کے خیال کے مطابق حضور کے اس کرب و تکلیف کی وجہ سے آپ کو بلندی مرتبہ عطا ہو گی۔

بخاری میں حضرت انس سے مروی ہے، کہ سوموار کے دن مسلمانوں کو حضرت ابوبکر نماز فجر پڑھا رہے تھے۔ کہ اچانک حضور اکرم حضرت عائشہ کے حجرے کا پردہ ہٹا کر نمودار ہوئے اور صحابہ کی صفوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، ابوبکر نمازیوں کی صف میں شامل ہونے کے لئے، اس خیال سے پیچھے ہٹے۔ کہ حضور نماز میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ صحابہ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی، کہ حضور اکرم کی صحت کی خوشی میں نماز توڑ دیں۔ لیکن حضور نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ کہ نماز کو مکمل کرو۔ آپ حجرے میں واپس چلے گئے اور پردہ لٹکا دیا۔ پھر اسی دن فوت ہو گئے۔

جعفر بن محمد نے اپنے والد سے روایت بیان کی۔ کہ جب رسول اکرم کی وفات کو

تین دن رہ گئے، تو جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے۔ اور کہنے لگے، اے محمد! خدا نے مجھے آپ کی طرف خاص از روئے اکرام واحترام بھیجا ہے، کہ آپ کا حال دریافت کروں، حالانکہ وہ خود ان معاملات سے بخوبی واقف ہے۔ فرمایا، اے جبرئیل امین مغموم ہوں اور تکلیف میں ہوں، دوسرے دن پھر آئے اور یہی سوال کیا اور آپ نے بھی وہی جواب دیا۔ تیسرے دن پھر یہی صورت حال پیش آئی۔ اتنے میں ملک الموت نے داخلے کی اجازت طلب کی۔ جبرئیل نے حضور کو بتایا کہ ملک الموت طلب گار اجازت ہے، نہ پہلے ایسا ہوا ہے، نہ آئندہ ایسا ہوگا۔ آپ نے داخلے کی اجازت دے دی اور ملک الموت اندر آکر آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ کہنے لگے یارسول اللہ مجھے خدا نے اس لئے بھیجا ہے، کہ اگر آپ چاہیں، تو آپ کی روح قبض کر دوں ورنہ چھوڑ دوں، حضرت جبرئیل نے کہا، یارسول اللہ! خداوند تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے حضور اکرم نے فرمایا اے ملک الموت، خدا نے تجھے جو حکم دیا ہے، اس کی تعمیل کر۔ اس پر جبرئیل کہنے لگے، یارسول اللہ دنیا میں یہ میرا آخری چکر ہے، کیونکہ میں صرف آپ کے لئے آیا کرتا تھا۔ اس کے بعد آپ فوت ہو گئے۔

جب رسولِ اکرم وفات پا گئے۔ تو گھر کی طرف سے رونے کی آواز آئی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ہر نفس نے موت کا مزا چکھنا ہے، قیامت کے دن تمہیں پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ خدا کے یہاں ہر مصیبت کا اجر ہے اور ہر مرنے والے کا جانشین مقرر ہے۔ اور ہر ضائع ہونے والی چیز کا بدلہ ہے۔ اس لئے اللہ پر اعتماد رکھو اور اسی سے بھلائی کی امید رکھو۔ کیونکہ فی الحقیقت مصیبت زدہ وہ شخص ہے، جو ثواب سے محروم ہو۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حضرت علی نے کہا، جانتے ہو، یہ خضر علیہ السلام تھے (بیہقی)

طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت بیان کی۔ کہ ملک الموت

حضور اکرم کی خدمت میں آئے۔ حضور کا سر مبارک حضرت علی کی گود میں تھا۔ اس نے اجازت طلب کی اور سلام کہا۔ حضرت علی نے کہا، تم واپس چلے جاؤ۔ کہ ہمیں فرصت نہیں۔ حضور اکرم نے فرمایا۔ یہ ملک الموت ہیں۔ خوشی سے آ سکتے ہیں۔ اندر آ کر کہنے لگے کہ خدا نے آپ کو سلام کا تحفہ بھیجا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے، کہ نہ اس سے پیشتر اور نہ بعد میں ملک الموت نے کبھی بھی اہل بیت کو سلام کہا۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ رسول اکرم نے میرے حجرے میں وفات پائی اور آپ کا سر میرے سینے اور گردن کے درمیان رکھا تھا (بخاری) امام سہیلی سے مروی ہے، کہ میں نے واقدی کی کسی کتاب میں پڑھا ہے، کہ حضور اکرم کی زبان سے جو پہلا لفظ نکلا، جب حلیمہ سعدیہ کے پاس دودھ پیتے تھے، اَللّٰہُ اَکْبَر تھا اور آخری کلمہ جو آپ کی زبان سے نکلا، وہ الرفیق الاعلیٰ تھا۔ اور حاکم نے حضرت انس سے روایت کی ہے۔ کہ حضور اکرم کی زبان سے جو آخری کلمہ نکلا وہ جَلَالُ رَبِّیَ الرَّفِیعُ تھا۔

سالم بن عبید اللہ سے مروی ہے، کہ حضور اکرم کی وفات پر سب سے جزع فزع کرنے والے حضرت عمر تھے۔ انہوں نے تلوار کا قبضہ ہاتھ میں لے لیا۔ اور کہنے لگے، خبردار اگر کسی نے کہا، کہ رسول اکرم فوت ہو گئے ہیں، تو میں اس کا سر اڑا دوں گا۔ لوگوں نے حضرت سالم سے کہا، کہ حضور اکرم کے ساتھی کو بلا لاؤ میں نے مسجد نبوی کے پاس ابو بکر کو آتے دیکھا، تو میں رونے لگ گیا۔ انہوں نے کہا۔ کیا رسول اکرم فوت ہو گئے ہیں میں نے کہا، عمر کہہ رہے، اگر کسی نے کہا، کہ رسول اکرم فوت ہو گئے ہیں۔ تو میں اسے قتل کر دوں گا۔ اس پر ابو بکر حضور اکرم کے پاس گئے۔ آپ آرام سے چارپائی پر دراز تھے۔ ابو بکر نے حضور کے چہرے سے چادر ہٹائی۔ اپنا منہ آپ کے منہ پر رکھا، آپ کی خوشبو سونگھی اور چادر پھر آپ کے چہرے پر ڈال دی اور ہماری طرف متوجہ ہو کر وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ[1] پڑھی اور کہا اے لوگو!

---

[1] آل عمران : ۱۴۴

جولوگ رسولِ کریم کی عبادت کرتے تھے، وہ تو فوت ہو گئے ہیں، لیکن جو شخص خدا کی عبادت کرتا تھا، وہ تو خدا ئے لایموت ہے، حضرت عمر کہتے ہیں۔ جب میں نے یہ بات سنی۔ تو مجھے ایسا معلوم ہوا، گویا میں نے یہ آیت کبھی تلاوت کی ہی نہ تھی (ترمذی)

ابن المنیر سے مروی ہے، کہ جب حضور اکرم فوت ہوئے، تو صحابہ کی عقلیں چکرا گئیں بعض ایسے تھے، جن پر دیوانگی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ بعض ایسے تھے، جو بیٹھ گئے اور اٹھ نہیں سکتے تھے۔ بعض گونگے ہو گئے، جو بول نہیں سکتے تھے، بعض بیمار ہو گئے، حضرت عمر ان لوگوں سے تھے، جو توازن کھو بیٹھے۔ حضرت عثمان خاموش ہو گئے۔ اِدھر اُدھر چکر لگا رہے تھے۔ مگر بول نہیں سکتے تھے۔ حضرت علی بیٹھ گئے۔ اور اٹھ نہیں سکتے تھے۔ عبداللہ بن انیس بیمار پڑ گئے اور غم سے فوت ہو گئے۔ سب سے مضبوط دل والے ابو بکر الصدیق تھے۔ جب آئے، تو آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے، ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اور رنج و الم و مبدم بڑھ رہا تھا۔ وہ حضور اکرم کے حجرے میں داخل ہوئے آپ پر جھکے۔ حضور کے چہرے سے پردہ ہٹایا، کہا۔ یا رسول اللہ آپ کی زندگی اور موت کتنی پاکیزہ رہی ہے۔ آپ کی وفات سے وہ سلسلہ منقطع ہو گیا، جو کسی نبی کی وفات سے منقطع نہیں ہوا تھا۔ اس سلسلے میں آپ ہر وصف سے بے نیاز ہیں۔ اور آپ کا مقام آہ و زاری سے بلند تر ہے، اگر آپ کی وفات پر ہمارا بس چلتا، تو ہم اپنی جانیں دے کر آپ کو موت سے بچا لیتے۔ اور ہم خدا کے حضور میں التجا کرتے۔ اور اس طرح ہم آپ کے قریب تر ہو جاتے۔

امام احمد کے یہاں حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ حضرت ابو بکر، حضور اکرم کی چارپائی کے سرہانے آ کر کھڑے ہوئے۔ نیچے جھکے اور آپ کے ماتھے کو چوم کر کہنے لگے وَانَبِیَّاہُ۔ پھر سر اٹھایا جھکے۔ آپ کی پیشانی کو چوما اور کہنے لگے وَاصَفِیَّاہُ۔ پھر آپ کے ماتھے پر بوسہ دیا اور کہنے لگے واخلیلاہ۔ جب حضور اکرم فوت ہو گئے۔ تو حضرت فاطمہ نے

روتے ہوئے کہا یَا اَبَتَاہ۔ ادھر عالم بالا سے جواب آیا۔ ہائے اس خاتون کے ابا جو بہشت میں قیام پذیر ہے۔ ہائے اس بیٹی کے باپ کہ جس کی موت کی خبر جبریل نے دی (بخاری)، طبرانی کی روایت میں یہ الفاظ بھی درج ہیں: یَا اَبَتَاہُ مِنْ رَبِّہٖ مَا اَدْنَاہُ (اے میرے ابا جو اپنے رب کے اتنے قریب ہیں)

حضرت فاطمہ حضور اکرم کی وفات کے بعد صرف چھ مہینے زندہ رہیں، چنانچہ اس عرصے میں وہ کبھی بھی نہ ہنسیں اور بلاشبہ انہیں یہی بات زیب دیتی تھی۔ ابونعیم حضرت علی سے راوی ہیں، کہ جب حضور اکرم وفات پا گئے، عزرائیل روتے ہوئے آسمان کو واپس ہوئے، اس خدا کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا تھا، کہ میں نے آسمان سے یہ آواز سنی وَا مُحَمَّدَاہُ کُلُّ الْمَصَائِبِ تَھُوْنُ عِنْدَ ھٰذِہِ الْمُصِیْبَۃِ: افسوس رسول کریم فوت ہو گئے ہیں۔ اس مصیبت کے بعد کسی اور مصیبت کی کوئی حیثیت نہیں۔

سنن ابن ماجہ میں مذکور ہے، حضور اکرم نے اپنے مرض موت کے اثنا میں فرمایا اے لوگو! اگر کوئی عام انسان یا کوئی مومن کسی بیماری میں مبتلا ہو جائے، تو اسے اس بیماری کو جو مجھے لاحق ہے، اس بیماری کو جو میری بیماری سے مختلف ہے، غنیمت جاننا چاہیئے، کیونکہ میرے بعد کوئی شخص بھی کسی ایسی بیماری میں مبتلا نہیں ہو گا، جو اسے میری بیماری سے سخت تر معلوم ہو گی۔ ابوالجوزاء سے مروی ہے۔ مدینے میں ایک شخص تھا جب بھی وہ کسی تکلیف میں ہوتا۔ تو اس کا بھائی آ کر اس سے مصافحہ کرتا۔ اور کہتا اے بندۂ خدا، تو خدا سے ڈر، کیونکہ رسول کریم کی ذات میں عمدہ نمونہ موجود ہے۔

مروی ہے کہ جب حضرت بلال آپ کی وفات کے بعد اور دفن سے پہلے کے درمیانی عرصے میں اثنائے اذان میں اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً ا رَّسُوْلُ اللّٰہ کہتے، تو مسجد میں آہ و زاری سے کہرام مچ جاتا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین ہو چکی،

توحضرت بلال نے اذان کہنا چھوڑ دی۔

حضور اکرم کی وفات بالاتفاق سوموار کو اس وقت ہوئی، جس وقت آپ بعد از ہجرت جب دوپہر تپ چکی تھی داخل مدینہ ہوئے تھے، آپ کی تدفین منگلوار اور بروایتے بدھ وار کی رات یا دن کو ہوئی۔ اور دیر کی وجہ وہ اختلاف تھا، جو حضور کی وفات کے بعد دربارۂ خلافت اور دربارۂ تدفین اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ابن عساکر، ابوذویب ہذلی سے راوی ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا، کہ حضور اکرم علیل ہیں۔ چنانچہ ہمارا قبیلہ فکر مند ہو گیا۔ میں ایک طویل رات کے دوران میں جاگتا رہا۔ جب سحر قریب آگئی، تو میں سو گیا اور ہاتف کو کہتے سنا۔

خَطْبٌ اَجَلُّ اَنَاخَ بِالْاِسْلَامِ - بَیْنَ النَّخِیْلِ وَمَقْعَدِ الْاٰطَامِ

قُبِضَ النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ وَعُیُوْنُنَا تُبْدِی الدُّمُوْعَ عَلَیْہِ بِالتَّسْجَامِ

(ترجمہ) النخیل اور آطام کے درمیانی خطۂ زمین میں اسلام پر ایک سخت مصیبت نازل ہوئی ہے ۔۲۔ رسول کریم فوت ہو گئے ہیں۔ اور اس صدمے کی وجہ سے ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میں اس خواب سے گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا، تو سعد ذابح (ستارے کا نام) پر نظر پڑی، میں سمجھ گیا، کہ حضور اکرم فوت ہو گئے ہیں۔ مدینے آیا۔ دیکھا، تو اہل مدینہ یوں رو رہے تھے۔ جس طرح حاجی لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہتے وقت روتے ہیں۔ پوچھا۔ کیا معاملہ ہے کہنے لگے حضور اکرم فوت ہو گئے ہیں حضرت حسان بن ثابت نے حضور اکرم کی وفات پر کیا خوب کہا ہے

کُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ، فَعَمِیَ عَلَیْکَ النَّاظِرُ

مَنْ شَاءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ

(ترجمہ) یا رسول اللہ! آپ میری آنکھوں کے نور تھے۔ میری آنکھیں آپ پر آنسو بہا رہی ہیں۔ آپ کے بعد جس کی مرضی ہے مرتا پھرے، مجھے تو صرف آپ کی موت

کا ڈر تھا۔

اور کتاب الشفا، قاضی عیاض کے علاوہ اور کئی کتابوں میں مذکور ہے، کہ جب حضرت عمر کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین ہو گیا، تو رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ کھجور کے تنے پر کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دیتے تھے۔ جب لوگ زیادہ ہو گئے، تو آپ نے لوگوں کی سہولت کی خاطر منبر بنوا لیا۔ تو کھجور کا تنہ آپ کے فراق میں رونے لگ گیا اور جب آپ نے اسے ہاتھ سے تھپکایا، تو وہ چپ ہوا۔ اب آپ اپنی امت سے علیحدہ ہو گئے ہیں، تو امت پر کہیں زیادہ فرض ہے، کہ وہ آپ کے فراق میں جزع فزع کرے۔ یا رسول اللہ! آپ کو خدا نے اتنی فضیلت عطا کی ہے، کہ آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ[1]: یا رسول اللہ (بابی انت وامی) خدا کے دربار میں آپ کو اتنی فضیلت حاصل ہے، کہ اگرچہ آپ سب سے آخر میں آئے ہیں۔ لیکن آپ کا نام سب سے پہلے لیا ہے: وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ[2]۔ نیز یا رسول اللہ! آپ کو دربارِ خداوندی میں اتنا بلند مقام ملا ہوا ہے، کہ دوزخی جو دوزخ کے مختلف درجوں میں زیرِ عذاب ہیں۔ وہ چاہتے ہیں، کہ کاش وہ آپ کی اطاعت کرتے (يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَ[3])

ایک عجیب بات جو اس وقت واقع ہوئی یہ تھی: حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ جب صحابہ نے حضور اکرم کو نہلانے کا ارادہ کیا، تو ہم فیصلہ نہ کر سکے، آیا ہم حضور اکرم کے کپڑے اتار دیں۔ جس طرح عام مردوں کے اتارتے ہیں، یا کپڑوں سمیت نہلائیں۔ جب فیصلہ نہ ہو سکا، تو سب پر نیند طاری ہو گئی اور سب کی ٹھوڑیاں سینے پر لٹک گئیں۔ اس اثنا میں انہیں گھر کی طرف سے کسی شخص کی جس کے

---

[1] نساء : ۸۰ [2] احزاب : ۷ [3] احزاب : ۶۶

بارے میں معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون تھا، آواز آئی، کہ رسول اللہ کو کپڑوں سمیت نہلاؤ۔ چنانچہ آپ کو آپ کے کرتے سمیت نہلایا گیا۔ قمیص پر پانی ڈالا جاتا اور قمیص سے جسم کو ملا گیا۔ (بیہقی)

ابن ماجہ میں حضرت علی سے مروی ہے، حضور اکرم نے فرمایا، کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے سات مشکوں سے نہلانا، جو غرس کے کنویں سے بھر کر لائی جائیں۔ حضور اکرم کو تین دفعہ غسل دیا گیا۔ پہلی دفعہ خالص ستھرے پانی سے۔ دوبارہ اس پانی سے جس میں بیر کے پتے ڈالے گئے تھے اور سہ بارہ اس پانی سے جس میں کافور ڈالا گیا تھا۔ حضور اکرم کو نہلانے والے، حضرت علی، عباس اور ان کے بیٹے فضل تھے، جو ان کی امداد کر رہے تھے، حضرت قثم اسامہ اور شقران آنکھوں پر پٹی باندھ کر پانی ڈال رہے تھے، تاکہ آپ کی شرمگاہ پر نظر نہ پڑے۔ کیونکہ حضور اکرم نے حضرت علی کو فرمایا تھا کہ مجھے غسل تم خود دینا، تاکہ کوئی شخص میری شرمگاہ کو نہ دیکھ سکے۔ ورنہ آنکھیں کھو بیٹھے گا (بزار و بیہقی)

بیہقی شعبی سے راوی ہیں، کہ حضرت علی حضور اکرم کو غسل دیتے جاتے اور کہتے۔ یا رسول اللہ آپ زندگی اور بعد از موت دونو حالتوں میں کتنے صاف ستھرے ہیں۔ ابوداؤد میں حضرت علی سے مروی ہے، کہ میں آپ کو غسل دے رہا تھا اور ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ مگر حضور اکرم کے جسم پر کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی، جو عام طور پر مرنے والوں کے جسموں پر ہوتی ہے، حضور اکرم ماشاء اللہ کتنے صاف ستھرے تھے۔ ابن سعد کی روایت میں ہے، کہ حضور کے جسم مبارک سے نہایت دل آویز خوشبو آرہی تھی، اور پہلے کبھی ایسا اتفاق نہ ہوا تھا۔ ایک روایت میں ہے، کہ حضرت علی نے ہاتھ پر ایک کپڑا لپیٹ رکھا تھا، جسے وہ حضور کی قمیص کے نیچے داخل کرتے۔ بعد میں اُسے نچوڑ دیا جاتا۔ اس کے بعد آپ کی پیشانی اور جوڑوں پر خوشبو لگائی گئی، اور اس سے آپ کے بازو، چہرہ ہاتھ اور پاؤں

دھوئے گئے اور پھر آپ کو عود اور گوگل کی دھونی دی گئی۔

ابن جوزی نے جعفر بن محمد سے روایت کی ہے۔ کہ جو پانی حضور اکرم کی پلکوں میں جمع ہو جاتا حضرت علی اسے پی لیتے۔ حضرت عروہ حضرت عائشہ سے راوی ہیں، کہ حضور اکرم کو یمن کے تین سفید سوتی کپڑوں کا کفن دیا گیا تھا، جن میں نہ پگڑی تھی اور نہ قمیص پھ اموں نے اس حدیث کو تھوڑی بہت کمی بیشی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ابن ماجہ میں عبداللہ بن عباس سے مروی ہے، کہ جب صحابہ کرام حضور اکرم کی تجہیز و تکفین سے منگوار کے دن فارغ ہوئے، تو آپ کو چارپائی پر لٹایا گیا۔ پھر لوگوں کو نماز جنازہ کے لئے اندر آنے کی اجازت دی گئی۔ جب وہ فارغ ہو لئے، تو عورتیں داخل ہوئیں جب وہ بھی فارغ ہو گئیں، تو لڑکوں کو اجازت ملی۔ اس نماز جنازہ میں کسی نے نماز جنازہ نہیں پڑھائی ایک روایت میں ہے، کہ سب سے پہلے فرشتوں نے پھر اہل بیت نے پھر باقی لوگوں نے گروہ در گروہ نماز ادا کی۔ آخر میں عورتوں کی باری تھی۔

اس مرحلے پر یہ سوال اٹھایا گیا، کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے۔ حضرت ابو بکر نے کہا، میں نے رسولِ کریم سے سنا۔ کہ نبی کو اسی مقام پر دفن کرنا چاہیئے۔ جہاں وہ فوت ہو۔ حضرت علی نے بھی اس کی تصدیق کی۔ حضرت ابو طلحہ نے جس مقام پر آپ کی وفات ہوئی تھی، قبر کھودی

اس بات میں اختلاف ہے، کہ حضور اکرم کو قبر میں کس نے اتارا۔ صحیح روایت یہ ہے، کہ حضرت علی اور حضرت عباس اور ان کے دو بیٹے قبر میں اترے۔ اور قثم ان لوگوں سے تھے، جو آپ پر سب سے بعد ایمان لائے تھے۔

مروی ہے، کہ آپ کی قبر میں نو اینٹیں رکھی گئیں اور نیچے نجرانی کپڑا بچھایا گیا تھا۔ یہ وہ کپڑا تھا، جسے حضور اپنے بستر پر بچھاتے تھے۔ اسے جناب شقران نے قبر میں بچھا دیا تھا تاکہ کوئی دوسرا آدمی اسے استعمال نہ کرنے پائے۔ علامہ ابن عبدالبر نے تحقیق النصرہ میں

لکھا ہے، کہ جب حضور کی قبر میں نو اینٹیں رکھی جا چکیں۔ تو کپڑا نکال لیا گیا تھا۔

جب حضور اکرم دفن کئے جا چکے، تو حضرت فاطمہ تشریف لائیں اور کہنے لگیں۔ اے لوگو! تمہارا دل کیسے گوارا کرتا ہے، کہ تم رسول کریم پر مٹی ڈال رہے ہو۔ پھر انہوں نے قبر مبارک سے مٹی اٹھائی۔ اور آنکھوں سے لگا کر ذیل کے دو شعر پڑھے۔

مَاذَا عَلَىٰ من شَمَّ تُرْبَةَ اَحْمَدٍ — اَنْ لَّا يَشُمَّ مَدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّهَا — صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

(ترجمہ) جو شخص رسولِ کریم کی قبر کی مٹی سونگھ لے، اسے پھر زندگی بھر خوشبوئیں سونگھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

مجھ پر اتنے مصائب ڈال دیئے گئے ہیں، کہ اگر وہ روشن دنوں پر ڈال دیئے جاتے تو وہ سیاہ راتیں بن جاتے۔

دارمی کی روایت میں حضرت انس سے مروی ہے، کہ جس دن حضور اکرم بعد از ہجرت مدینے میں داخل ہوئے۔ اس دن سے خوبصورت اور روشن دن میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا اور جس دن حضور اکرم فوت ہوئے۔ اس سے زیادہ مکروہ اور بدنما دن کبھی میں نے نہیں دیکھا تھا۔ ترمذی میں مروی ہے۔ کہ جس دن رسولِ اکرم مدینے میں تشریف لاتے تھے، تو حضور کی آمد سے ہر چیز جگمگا اٹھی تھی۔ اور جس دن حضور اکرم فوت ہوئے تھے، ہر چیز پر اندھیرا چھا گیا تھا۔ اور ابھی تک آپ کی تدفین کے دوران میں ہم نے ہاتھوں سے مٹی بھی نہیں جھاڑی تھی۔ کہ ہم اپنے ہوش حواس گم کر بیٹھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو عجیب واقعات ظہور پذیر ہوتے۔ ان میں ایک یہ تھا، کہ آپ کا گدھا اتنا غمناک ہوا، کہ کنوئیں میں گر کر مر گیا اور اسی طرح آپ کی ناقہ نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور مر گئی۔ اور رزین سے مروی ہے کہ حضور اکرم کی قبر پر حضرت بلال نے سرہانے کی طرف سے مشک سے پانی چھڑکا۔ ابن

عساکرہ)اور سُرخ اور سفید رنگ کے چھوٹے چھوٹے پتھر رکھ دیئے۔ اور قبر کو زمین سے بالشت بھر اونچا کر دیا۔

حضرت عائشہ سے بخاری میں مروی ہے، کہ حضور اکرم نے مرض موت کے دوران میں فرمایا، یہود اور انصاری پر خدا کی پھٹکار ہو۔ کہ انہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی، تو آپ کی قبر کو اور اونچا کر دیا جاتا۔ لیکن اس ڈر سے ایسا نہ کیا گیا۔ مبادا لوگ اسے مسجد (سجدہ گاہ) سمجھ لیں۔ اور بخاری میں ابو بکر بن عیاش نے سفیان التمار سے روایت بیان کی کہ اس نے رسول اکرم کی قبر کو زمین سے اٹھا ہوا دیکھا۔ ابو نعیم نے المستخرج میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ کہ ابو بکر اور عمر کی قبریں بھی زمین سے اونچی تھیں۔

ابو داؤد اور حاکم محمد بن ابی بکر سے راوی ہیں، کہ وہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی، کہ مجھے حضور اکرم کی قبر دکھایئے۔ انہوں نے تینوں قبروں سے کپڑا اٹھایا۔ وہ نہ اونچی تھیں نہ نیچی تھیں، بلکہ مٹیالے رنگ کی زمین سے ہموار تھیں۔ حاکم کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے، کہ رسول اکرم آگے تھے اور حضرت ابو بکر کا سر حضور اکرم کے کندھوں کے محاذیں تھا۔ اور حضرت عمر کا سر حضور کے پاؤں کے متوازی تھا۔ یہی حالت امیر معاویہ کے زمانۂ خلافت تک رہی گویا وہ پہلے پہل زمین کے ساتھ ہموار تھیں۔ بعد میں جب عمر بن عبدالعزیزؒ، ولید بن عبدالملک کی طرف سے مدینہ کے حاکم ہوئے۔ اور قبروں کے ارد گرد دیوار بنا دی گئی، تو قبروں کو زمین سے اونچا کر دیا گیا۔

ابو بکر آلاجری نے ہشیم بن نکاس مدنی سے دربارۂ قبر رسول کریم بیان کیا، کہ میں نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ امارت میں آپ کی قبر کو زمین سے بقدر چار انگشت بلند دیکھا۔ حضرت ابو بکر کی قبر حضور اکرم کی قبر سے اور حضرت عمر کی حضرت ابو بکر کی قبر

سے پست تھی۔

ہشام بن عروہ اپنے والد سے راوی ہیں، کہ جب ولید بن عبدالملک کے زمانے میں حضور اکرم کے حجرے کی دیوار گر پڑی۔ اور از سر نو تعمیر شروع کی، تو انہیں ایک پاؤں نظر آیا۔ وہ گھبرا گئے، کہ مبادا یہ حضور کا پاؤں ہو۔ مگر کوئی آدمی ایسا نہ ملا جو صورتحال سے واقف ہو۔ حضرت عروہ نے انہیں بتایا۔ کہ یہ رسول کریم کا پاؤں نہیں ہے، بلکہ حضرت عمر کا پاؤں ہے (بخاری)

ابوبکر آلاجری نے رجاء بن حَیوَہ سے روایت کی، کہ حضرت ابوبکر، حضور اکرم کی کمر کے محاذ میں اور حضرت عمر کا سر حضرت ابوبکر کی کمر کے محاذ میں ہے۔ یہ حدیث محمد بن ابوبکر کی حدیث سے مختلف ہے۔ اگر تطبیق ممکن نہ ہو، تو اول الذکر حدیث زیادہ درست ہے۔

سیرت نگار، حضرت سعید بن حبیب سے راوی ہیں، کہ حضور اکرم کے حجرے کے مشرقی حصے میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے، جہاں حضرت علیٰی بن مریم دفن کئے جائیں گے۔ علامہ ابن جوزی المنتظم میں لکھتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر نے حضور اکرم سے روایت کی ہے۔ کہ حضرت علیٰی زمین پر اتریں گے، شادی کریں گے، ان کی اولاد ہو گی اور پنتالیس سال کے بعد فوت ہو جائیں گے اور میرے ساتھ قبر میں دفن ہوں گے قیامت کے دن میں اور حضرت علیٰی اکٹھے اٹھیں گے اور ایک طرف ابوبکر ہوں گے اور دوسری طرف عمر۔

فصل دوم

اس فصل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک اور مسجد نبوی کی زیارت کا ذکر ہے، قاری کو معلوم ہونا چاہیئے، کہ رسولِ کریم کی قبر کی زیارت، قرب الٰہی کا بہترین ذریعہ، عمدہ ترین عبادت اور اعلیٰ درجات تک پہنچنے کا نہایت اچھا راستہ ہے۔ جس کا اعتقاد اس سے مختلف ہو۔ وہ دائرۂ اسلام سے نکل جاتا ہے۔ اور اللہ، رسول کریم اور جلیل القدر علماء کی صریح مخالفت کا مرتکب ہوتا ہے۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں، کہ یہ عمل زیارتِ روضۂ مبارک، مسلمانوں کی ایسی سنت ہے، جس پر سب کا اتفاق ہے اور یہ ایسی فضیلت ہے، جس کے حصول کی ہر شخص کو خواہش ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے، حضور اکرم نے فرمایا جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی، مجھ پر اس کی شفاعت لازمی ہوگی۔ علامہ طبرانی سے مروی ہے حضور نے فرمایا، کہ جو شخص بھی صرف میری قبر کی زیارت کے لئے آئے گا اور اس سفر سے اس کی کوئی اور حاجت وابستہ نہ ہوگی، تو مجھ پر فرض ہو جائے گا، کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں ابن سکن نے اس کی تصحیح کی ہے، کتاب الاحیاء میں مذکور ہے، حضور اکرم نے فرمایا جس شخص کو مالی وسعت حاصل ہے، اور وہ میرے لئے قربانی نہیں کر سکتا۔ بلاشبہ ایسا شخص ظالم ہے، ابن تجار، حضرت انس سے راوی ہیں حضور اکرم نے فرمایا، کہ ایسا آدمی کہ جسے مالی وسعت حاصل ہو اور بلا کسی معقول وجہ کے میری زیارت کو نہ آئے، وہ میری امت میں شامل نہیں ہے۔ دار قطنی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے حضور اکرم نے فرمایا جس شخص نے حج ادا کیا اور میری زیارت کو نہ آیا۔ وہ مجھ سے بے انصافی کا مرتکب ہوا۔ جناب حاطب سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا جو شخص میرے انتقال کے بعد میری زیارت

کو آیا۔ وہ یوں سمجھے، گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ اور جو مکے اور مدینے میں سے کسی ایک مقام پر وفات پا گیا۔ اس کی بعثت نجات یافتہ لوگوں میں ہوگی (بیہقی)،

حضرت عمر سے مروی ہے، حضور اکرم نے فرمایا، جس نے میری قبر کی زیارت کی، یا میری زیارت کو آیا، میں قیامت کے دن اس کا گواہ ہوں گا اور نیز اس کی شفاعت کروں گا۔ (بیہقی وغیرہ) حضرت انس بن مالک سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جو شخص میری زیارت کو مدینے آئے اور کافی دن بسر کرے، وہ قیامت کے دن میری ہمسائیگی میں ہوگا۔ (بیہقی)، علامہ زین الدین مراغی لکھتے ہیں، کہ ہر مسلمان کا یہ اعتقاد ہونا چاہیئے کہ احادیث کی روشنی میں وہ آپ کی زیارت کو قرب الٰہی کا وسیلہ سمجھے۔ اسی طرح قرآن مجید میں مذکور ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا اور رسول اکرم نے سب کے لئے دعائے مغفرت مانگی، ارشاد باری ہے وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جب ان کا آنا اور استغفار ثابت ہوگئی، تو قبول توبہ اور رحمتِ خداوندی کی تینوں شرطیں پوری ہوگئیں۔ اور جو شخص آپ کی زیارت کا ارادہ کرے اسے آپکی مسجد شریف کی زیارت اور اس میں ادائے نماز کا ارادہ بھی کرنا چاہیئے، کیونکہ حضور اکرم کی مسجد ان تین مساجد میں سے ایک ہے، جن کے بارے میں حضور اکرم نے سفر کی اجازت دی، اور امام مالک کی رائے میں یہ مسجد سب سے عظیم المرتبت ہے۔ اور روایت میں آیا ہے، کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضور اکرم تک سلام پہنچانے کے لئے تیز رفتار قاصد استعمال کرتے تھے۔

اسی طرح جو شخص، حضور اکرم کی زیارت کا ارادہ کرے، اسے چاہیئے، کہ راستے میں بہ کثرت درود و سلام پڑھے۔ اور جب اسے دور سے مدینے کی علامات اور نشانات نظر آئیں تو حضور اکرم پر بہ افراط صلوٰۃ و سلام پڑھے، اور خدا سے دعا کرے، کہ اللہ اسے اس زیارت سے نفع بخشے اور سعادت دارین سے سرافراز فرمائے۔ اس موقعہ پر زیارت کرنے والا غسل

سورۂ نساء: ۶۴ سورۂ محمد: ۱۹

کر کے عمدہ کپڑے زیب تن کرے، اور پیادہ پا روتے ہوئے زیارتِ روضۂ اقدس کو روانہ ہو۔ جب بنو عبد القیس کا وفد حضور اکرم سے ملنے آیا، تو انہوں نے اپنے آپ کو سواریوں سے نیچے گرالیا۔ اور اونٹنیوں کو زمین پہ بیٹھنے کا موقعہ ہی نہ دیا۔ اور بھاگتے حضور اکرم کے پاس پہنچ گئے۔ آپ نے بنو عبد القیس کو ایسا کرنے سے نہ روکا۔ زیارتِ روضہ سے پہلے دو رکعت نماز تحیتہ المسجد پڑھنا مستحب ہے۔ لیکن شرط یہ ہے، کہ زیارت کرنے والا روضہ مبارک کے سامنے سے نہ گزرے، لیکن اگر اسے سامنے سے گزرنا پڑے تو پہلے زیارت سے مشرف ہو۔ اور بعد میں نماز تحیتہ المسجد ادا کرے۔

اور زائر کو چاہیئے۔ کہ تا بحدِ امکان خضوع و خشوع کا اظہار کرے، اور سلام و صلوٰۃ پڑھتے وقت اعتدال سے کام لے یعنی نہ بہت اونچی آواز سے پڑھے اور نہ بہت آہستہ آواز سے۔ اور صحیح بخاری میں ہے، کہ حضرت عمر نے طائف کے دو آدمیوں کو زور زور سے پڑھتے سنا۔ فرمایا اگر تم لوگ مدینے کے باشندے ہوتے، تو میں تمہیں مسجد نبوی میں شور کرنے کی وجہ سے سزا دیتا۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے، کہ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ مجھے ان گھروں سے جو مسجد نبوی کے ارد گرد آباد تھے، کیلوں اور میخوں کے ٹھوکنے کی آوازیں آتیں۔ تو مجھے ان لوگوں کے گھروں میں پیغام بھیجنا پڑتا۔ کہ شور سے رسولِ اکرم کو زحمت نہ دو۔ روایت میں منقول ہے، کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے مکان کے کواڑ۔ شہر سے باہر مناصع کے مقام پہ تیار کرائے تھے، تاکہ شور سے حضور اکرم کو تکلیف نہ ہو، اس لئے آپ کا ادب اسی طرح ضروری ہے، جیسا کہ آپؐ کی زندگی میں ضروری تھا۔ زائر کو چاہیئے، کہ روضۂ مقدس کی زیارت کے لئے قبلے کی طرف سے آئے۔ اور اگر زائر زیارت کے لئے حضور اکرم کے دو صحابہ (ابو بکرؓ اور عمرؓ) کے پاؤں کی طرف سے آئے، تو یہ صورت زیادہ مناسب اور موزوں ہو گی، بجائے اس کے کہ سر کی طرف سے آئے۔ زائر کو چاہیئے قبلے کی طرف پیٹھ کر کے اور حضور کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو۔

مروی ہے، کہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے امام مالک سے دریافت کیا: اے ابو عبداللہ میں حضور اکرم کی طرف منہ کر کے (اور قبلے کی طرف پیٹھ کر کے) دعا کروں یا اس کے برعکس عمل کروں۔ امام مالک نے کہا اے امیر المومنین! آپ رسول اکرم کی طرف پشت نہ کریں۔ کیونکہ حضور قیامت کے دن آپ کے اور آپ کے آباو اجداد کے (آدم علیہ السلام تک) وسیلہ اور شفیع ہوں گے۔ نیز زائر کو لازم ہے۔ کہ پورے خضوع وخشوع سے نہایت مؤدب ہو کر کھڑا ہو۔ آنکھیں جھکائے اور یوں سمجھے۔ گویا حضور اکرم زندہ ہیں اور وہ آپ کے سامنے کھڑا ہے۔ اور نیز دل میں اس بات کو بٹھائے، کہ حضور کو اس کے قیام کا علم ہے، اور آپ اس کے سلام کو اسی طرح سن رہے ہیں جیسا زندگی میں سنتے تھے۔ کیونکہ جہاں تک امتِ محمدیہ کے احوال نیتوں اور ارادوں کا تعلق ہے۔ آپ ان سے اسی طرح واقف ہیں۔ جیسا کہ بحالتِ حیات واقف تھے، یہ سب امور آپ پر روشن ہیں اور ان میں سے کوئی چیز بھی آپ سے مخفی نہیں۔

ابن مبارکؒ، سعید بن مسیب سے راوی ہیں۔ کہ امتِ محمدیہ کے اعمال ہر روز صبح و شام حضور اکرم کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ اپنی امت کے لوگوں کو ان کے اعمال اور علامات کی وجہ سے پہچانتے ہیں اور اس وجہ سے ان کے شاہد ہیں۔ اسی طرح زائرؔ کو چاہیئے، کہ وہ حضور اکرم کا متبرک چہرہ اپنے ذہن میں ممثل کرے اور دل میں آپ کے رتبے، بلند درجے اور عظیم شان و شوکت کا تصور قائم کرے چنانچہ صحابہ کرام حضور اکرم کو احتراماً برادر محترم کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ ابن النجار سے مروی ہے، کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ کے پاس آکر گزارش کی، کہ از راہ کرم ذرا حضور اکرم کی قبر سے چادر اٹھایئے، میں نے چادر اٹھا دی، وہ خاتون اتنا روئی، کہ شدتِ کرب سے فوت ہو گئی۔ ابو الفضائل حموی، جو حضور اکرم کے روضۂ مبارک کے خادم تھے راوی ہیں، کہ عمر رسیدہ زائرین میں سے ایک شخص روضۂ مبارک پر حاضر ہوا اس نے سر

جھکا کر آستانے پر رکھا اور فوت ہو گیا۔ ابوالفضائل اس کے جنازے میں موجود تھے۔

اس کے بعد زائر حضورِ قلب سے آنکھیں جھکا کر، خموشی، سکون اور اطمینان سے کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خِیَرَۃَ خَلْقِ اللّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا صَفْوَۃَ اللّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْنَ وَ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا قَائِدَ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِیْنَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ وَعَلٰی اَھْلِ بَیْتِکَ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ وَعَلٰی سَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ وَسَائِرِ عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ، جَزَاکَ اللّٰہُ یَا رَسُوْلُ اللّٰہِ اَفْضَلَ مَا جَزٰی نَبِیًّا وَرَسُوْلًا عَنْ اُمَّتِہٖ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ کُلَّمَا ذَکَرَکَ الذَّاکِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِکْرِکَ الْغَافِلُوْنَ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّکَ عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَاَمِیْنُہٗ وَ خِیَرَتُہٗ مِنْ خَلْقِہٖ، وَاَشْھَدُ اَنَّکَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَۃَ وَاَدَّیْتَ الْاَمَانَۃَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّۃَ وَجَاھَدْتَ فِی اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ
جس شخص کے پاس اتنا وقت نہ ہو۔ یا وہ یہ ساری عبارت یاد نہ رکھ سکے، تو جو کچھ ممکن ہو، وہی کہہ دے، یا ایسے الفاظ کہے جس سے یہ مقصد پورا ہو جائے۔

ابن عساکر تحفۃ الزائر میں لکھتے ہیں، کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور بزرگانِ سلف اس باب میں کافی اختصار اور ایجاز سے کام لیتے تھے۔ اور امام ابن مالک سے روایت ہے، کہ جو شخص اس باب میں مبالغہ کرتا ہے، یہ اس امر کی دلیل ہے، کہ وہ حضور اکرم کی عظمت سے واقف ہے۔ ابن وہب کی روایت میں ہے۔ کہ زائر روضۂ مبارک پر السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے۔ جناب نافع حضرت عبداللہ بن عمر سے راوی ہیں، کہ جب وہ کسی سفر سے واپس آتے، تو مسجد میں داخل ہو کر روضۂ

مبارک پر حاضر ہوتے، تو السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا ابا بکر اور السلام علیک یا ابتاہ کہتے۔ زائر کو چاہیئے، کہ وہ خلوص دل سے دعا کرے۔ اور سجع کا خیال نہ رکھے کیونکہ اس سے خشوع میں نقص واقع ہوتا ہے۔

ایک گروہ نے علامہ عتبی سے۔ جن کا نام محمد بن عبید اللہ تھا اور جنہوں نے ۲۲۸ ہجری میں وفات پائی، ایک حکایت بیان کی ہے، کہ میں حضور اکرم کے روضے پر زیارت کے لئے حاضر ہوا اور وہاں بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک بدو آگیا۔ کہنے لگا۔ یا رسول اللہ، خدا نے آپ پر ایک سچی کتاب اتاری ہے۔ جس میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا[1]: یا رسول اللہ! میں آپ کے پاس اپنے گناہوں کی معافی مانگنے آیا ہوں اور آپ کو اللہ کے یہاں اپنا شفیع بناتا ہوں، اس کے بعد اس نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے۔

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهٗ ۔ فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ

۱۔ اے وہ مقدس ذات، جس کی ہڈیاں اس ہموار زمین میں دفن کر دی گئی ہیں، اور جن کی خوشبو سے میدان اور ٹیلے معطر ہو گئے ہیں۔

نَفْسِي الْفِدَاءُ بِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ ۔ فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

۲۔ میں اس قبر پر قربان جاؤں، جس میں یا رسول اللہ آپ مدفون ہیں، اور جس میں عفت سخاوت اور کرم کو جمع کر دیا گیا ہے۔

اس بدو نے استغفار کی اور چلا گیا۔ اتنے میں مجھے نیند آگئی۔ میں نے حضور اکرم کو خواب میں دیکھا فرمایا۔ اعرابی کی تلاش کرو، اور اسے بشارت دو۔ کہ خدا نے میری شفاعت سے اسے معاف کر دیا ہے۔ میں جاگ اٹھا، بدو کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھاگا لیکن نہ مل سکا۔

ایک بدو آپکی قبر مبارک پر آ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا۔ اے خدا تو نے غلام کی آزادی کا حکم دے

[1] نساء: ۶۴

رکھا ہے، میں تیرہ بندہ ہوں اور یہ تیرا حبیب ہے، تو مجھے اپنے حبیب کے صدقے میں آگ سے آزاد کر دے، اتنے میں ہاتف نے آواز دی، ارے بدو! تم صرف اپنے لئے ہی آگ سے آزادی چاہتے ہو، تجھے ساری دنیا کے لئے یہ آزادی طلب کرنا چاہیئے تھی۔ جاؤ۔ تم آزاد ہو۔

حضرت حسن بصری سے مروی ہے، کہ حاتم الاصم حضور اکرم کے روضے پر آیا۔ کہنے لگا۔ اے خدا ہم تیرے نبی کی قبر کی زیارت کو آئے ہیں، امید ہے تو ہمیں نامراد واپس نہیں کرے گا۔ اتنے میں ندا آئی۔ اے حاتم، ہم نے تمہیں اپنے محبوب کی قبر پر آنے کی اجازت ہی اس وقت دی، جب ہم نے تمہاری خواہش منظور کر لی تھی، تم اور تمہارے ساتھی واپس جا سکتے ہو، ہم نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔

ابن ابی فدیک سے مروی ہے، کہ میری ایک ایسے شخص سے ملاقات ہوئی، اس نے مجھے بتایا، کہ جو شخص حضور اکرم کے روضے پر کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھے: اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ، یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا[1]۔ پھر وہ اس کے بعد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا مُحَمَّد کہے اور ان الفاظ کو ستر دفعہ دہرائے۔ اتنے میں اسے فرشتہ کہے گا، اے فلاں تجھ پر خدا کی رحمت ہے، تیری ہر حاجت پوری ہو جائے گی۔ شیخ زین الدین مراغی سے مروی ہے کہ حضور اکرم کا نام لینے کی بجائے یا رسول اللہ کہنا بہتر ہے۔ اگر کوئی شخص کسی سے حضور اکرم تک سلام پہنچانے کی درخواست کرے، تو اسے چاہیئے، کہ روضۂ مبارک پر حاضر ہو کر کہے یا رسول اللہ فلاں شخص کی طرف سے میں سلام عرض کرتا ہوں۔

پھر زائر وہاں سے ایک ہاتھ کے فاصلے پر اپنے دائیں کو پھر جائے اور حضرت ابوبکر کو سلام کہے۔ کیونکہ ان کا سر حضور اکرم کے کندھے کے محاذ میں ہے، وہاں زائر کو کہنا چاہیئے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَلِیْفَۃَ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ۔ اَلسَّلَامُ

---

[1] احزاب: ۵۶

عَلَيْکَ يَا مَنْ اَيَّدَ اللّٰہُ بِہٖ يَوْمَ الرِّدَّةِ الدِّيْنَ۔ جَزَاکَ اللّٰہُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا اَللّٰهُمَّ ارْضَ عَنْہُ وَارْضَ عَنَّا بِہٖ۔
پھر اپنے دائیں طرف ایک ہاتھ کے برابر اور آگے بڑھے۔ اور حضرت عمر بن خطاب کو سلام کہہ کر یوں مخاطب ہو۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ مَنْ اَيَّدَہُ اللّٰہُ بِہِ الدِّيْنَ جَزَاکَ اللّٰہُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا، اَللّٰهُمَّ ارْضَ عَنْہُ وَارْضَ عَنَّا بِہٖ۔ پھر اپنے پہلے مقام پر آجائے اور رسول اکرم کے سامنے کھڑا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد حضور اکرم پر درود پڑھے اور بہ کثرت دعا اور التجا کرے، اور توبہ کی تجدید کرے اور حضور اکرم کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے توبۃ النصوح کی توفیق طلب کرے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کثرت سے صلوٰۃ اور سلام بھیجے اور ایسے طریقے سے درود پڑھے گویا کہ حضور اکرم سن رہے ہیں اور جواب دے رہے ہیں

سنن ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ حضور اکرم نے فرمایا جب کوئی مسلمان مجھ پر درود بھیجتا ہے۔ تو خداوند تعالیٰ میری روح میرے جسم میں واپس بھیج دیتا ہے، تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔ اور روح کی واپسی سے (تاکہ حضور اکرم مسلمان کے سلام کا جواب دے سکیں۔ حالانکہ آپ قبر میں زندہ ہیں) مراد خاص توجہ اور مخصوص نوازش ہے، جو ایسے آدمی کو حضور اکرم کی طرف سے مرحمت ہوتی ہے۔ اور اس توجۂ خاص کی ہمہ گیری کی یہ حالت ہے۔ کہ اگر ایک وقت میں لاکھوں کروڑوں انسان حضور اکرم پر درود پڑھ رہے ہوں، تو آپ کی یہ التفاتِ خاص اور روحانی توجہ سب کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی فرماتے ہیں، کہ میں نے اس باب میں جو کچھ مشاہدہ کیا ہے، وہ ایسی کیفیت ہے، جس کو الفاظ بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ جس شخص نے یہ سوال

کیا۔ کہ جب دنیا بھر میں لاکھوں انسان صبح و شام درود بھیجتے ہیں، آپ ان کا جواب کیسے دیتے ہیں؟ اس کا کیا اچھا جواب دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ابوالطیب نے کہا ہے۔

کَاشَّمْسِ فِیْ وَسْطِ السَّمَاءِ وَنُوْرُہَا - یَغْشِی الْبِلَادَ مَشَارِقًا وَمَغَارِبًا

(ترجمہ) آپ کی مثال اس سورج کی طرح ہے، جو آسمان کے وسط میں ہے، اور آپ کا نور مشرق و مغرب میں ہر طرف چھایا ہوا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں، کہ عالم برزخ میں حضور کی حالت فرشتوں کی حالت سے بدرجہا بہتر اور مکمل ہے۔ مثلاً عزرائیل علیہ السلام آنِ واحد میں لاکھوں آدمیوں کی روحیں قبض کرتے ہیں، اور انہیں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ اور بایں ہمہ وہ خدا کی تسبیح و تقدیس میں بھی مصروف رہتے ہیں۔ ابن ابی شیبہ۔ حضرت ابوہریرہ سے راوی ہیں۔ حضور اکرم نے فرمایا، جو شخص میری قبر پر آکر صلوۃ وسلام پڑھتا ہے، میں سن لیتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود پڑھتا ہے، وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے

سلیمان بن سُحَیْم سے روایت ہے، کہ میں نے حضور اکرم کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا، یا رسول اللہ! جو لوگ آپ کے روضے پر آکر درود و سلام پڑھتے ہیں، کیا آپ اسے سمجھتے ہیں؟ فرمایا، ہاں میں سمجھتا ہوں اور جواب بھی دیتا ہوں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم قبر میں زندہ ہیں اور باقی انبیا کی طرح عبادت میں مصروف رہتے ہیں، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں مذکور ہے۔

ابن نجار حضرت سعید بن مسیب سے راوی ہیں، کہ جب یزید کا لشکر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا اور مسجد نبوی میں اذان نہ دی گئی، تو میں نے ظہر کے وقت حضور کے روضہ مبارک سے اذان کی آواز سنی، اس پر میں نے دو رکعت نماز ادا کی! پھر اقامت کی آواز آئی، تو میں نے ظہر کی نماز ادا کی، پھر روضہ مبارک سے اذان اور اقامتہ کی آواز ہر نماز کے لئے سنی گئی تا آنکہ تین دن (جنہیں ایام الحرہ کہتے ہیں) گزر گئے (یعنی تین دن رات کے دوران میں، ہر نماز کے وقت، اذان اور اقامہ کی آواز آتی رہی (واللہ اعلم)

یہ بات ثابت شدہ ہے، کہ حضور اکرم کی وفات، بطور شہید کے وقوع پذیر ہوئی کیونکہ آپ نے فتح خیبر کے موقعہ پر ایک ایسی بکری کا گوشت کھایا تھا جس میں زہر قاتل ملایا گیا تھا جس سے حضرت بشر بن براء فوت ہو گئے تھے، حضور اکرم کا بچ جانا آپ کا معجزہ تھا چنانچہ زہر کی یہ تکلیف وقتاً فوقتاً آپ کو ستاتی رہی تا آنکہ آپ فوت ہو گئے۔ علمائے امت کا اس پر اجماع ہے کہ خدا نے آپ کی ذات میں نبوت اور شہادت کو جمع کر دیا اور شہید کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا، بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ حضور اکرم کی حیات بعد الموت کی دو وجہیں ہیں نبوت اور شہادت، بلکہ آپ تمام انبیاء اور شہدا سے افضل ہیں اور اس بنا پر آپ کی زندگی کامل ترین زندگی ہے۔

حدیث شریف میں مذکور ہے۔ کہ مومن اسی مٹی میں دفن ہوتا ہے جس سے اس کا خمیر اٹھایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے مدینے کی مٹی اسی طرح افضل شمار ہو گی جس طرح خود حضور اکرم افضل ہیں۔ اسی وجہ سے بقول ابن بطال مدینے کی ہواؤں۔ تمام شہروں کے مقابلے میں عمدہ خوشبو پائی جاتی ہے۔ اس لئے زائر کو چاہیئے، کہ وہ کمال عجز، تواضع اور انکسار سے حضور اکرم سے دعا، التجا اور التماس سے آپ کی توجہ، توسل اور شفاعت کی تمنا کرے۔ اور جو شخص اس طریقے سے آپ سے شفاعت طلب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ تحقیق النصرۃ اور مصباح الظلام میں مذکور ہے کہ جو شخص بھی آپ سے امداد، وسیلہ، شفاعت اور توجہ کا طلب گار ہوتا ہے، یہ برکات ہر حال میں، (آپ کی پیدائش سے پہلے، بعد از ولادت دنیا میں انتقال کے بعد عالم برزخ میں اور میدان حشر میں) وقوع پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ اوّل الذکر (قبل از پیدائش) کے وہ مثال کافی ہے، جو بابِ اوّل میں حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں جب وہ جنت سے نکالے گئے تھے، مذکور ہے، خدا نے آدم علیہ السلام سے کہا تھا۔ اے آدم! اگر تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلے

ملہ عمران ۱۶۹

سے تمام اہل زمین و آسمان کے لئے طالبِ معافی ہوتا، تو بھی ہم مان لیتے، تو نے اپنے لئے معافی مانگی ہے۔ پس ہم تمہیں معاف کرتے ہیں۔

بعد از ولادت، آپ کے توسل سے جو واقعہ پیش آیا۔ اسے نسائی اور ترمذی نے بایں الفاظ بیان کیا ہے، کہ ایک اندھا حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہنے لگا۔ دعا فرمایئے، کہ خدا مجھے اندھے پن سے شفا بخشے۔ فرمایا۔ اچھی طرح وضو کرو، اور مندرجہ ذیل الفاظ میں دعا کرو: اے خدا میں تجھ سے تیرے نبی رحمت کے توسل سے التجا کرتا ہوں، اور توجہ کا طالب ہوں اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کی وساطت سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، تاکہ میری خواہش پوری ہو جائے، آخر میں آپ نے فرمایا۔ اے خدا تو اسے شفا بخش، اور صحت عطا فرما۔ بیہقی نے اس واقعہ کی تصحیح کی ہے اور ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے، کہ وہ آدمی اٹھ کھڑا ہوا۔ اور بالکل تندرست ہو گیا۔

حضور اکرم کے انتقال کے بعد عالم برزخ میں توسل اور توجہ کی اتنی مثالیں ہیں، کہ انہیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ شیخ ابو عبداللہ بن نعمان نے اپنی کتاب مصباح الظلام میں کئی ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے، جو حضور اکرم کے وسیلے سے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے۔ علامہ قسطلانی لکھتے ہیں، کہ میں ایک ایسے مرض میں مبتلا ہو گیا، کہ اطبا اس کے علاج سے عاجز آ گئے۔ چنانچہ کئی برس تک میں اس میں مبتلا رہا۔ آخر کار جمادی الاولی کی اٹھائیس تاریخ کو ۸۹۳ ہجری میں بہ مقام مکہ، حضور اکرم کے توسل سے صحت کی دعا کی، اس اثنا میں مجھے نیند آ گئی، میں نے ایک شخص کے ہاتھ میں ایک کاغذ دیکھا، جس میں مرقوم تھا۔ کہ یہ احمد بن قسطلانی کی بیماری کی دوا ہے، جو میں دربار رسالت سے حضور اکرم کی اجازت سے لایا ہوں۔ اس کے بعد میں جاگ اٹھا تو مرض کا نام نشان بھی باقی نہ تھا اور میں آپ کے توسط سے کلی طور پر شفایاب ہو گیا۔

رہا میدانِ حشر میں آپؐ کے توسل کا سوال، سو اس باب میں امت کا اجماع ہے اور دربارۂ شفاعت حضور اکرم بہ تواتر ایسی احادیث کا ذکر آیا ہے۔ پس وہ شخص جو سعادت کا طلب گار ہے۔ اور بحالت غیب و شہادت حُسنِ حال کا خواہش مند ہے اسے چاہیئے، کہ حضور اکرم کے دامنِ لطف و کرم کو مضبوطی سے پکڑ رکھے۔ آپ کے دسترخوانِ نعمت کا امیدوار ہو۔ آپ کے منصب جلیل کو وسیلہ اور آپ کی شانِ عظیم کو اپنا شفیع بنائے، کیونکہ حضور اکرم ہی حصولِ عزت اور تکمیل مقاصد میں کامیابی کا ذریعہ ہیں۔ اور حشر کے جزع و فزع کے موقعہ پر تمام انبیاء علیہم السلام کی پناہ گاہ ہوں گے تجھے چاہیئے کہ جب تجھ پر مصائب کا نزول ہو۔ تو حضور اکرم کی ذات کو اپنی سپر بنا اور خدا کا قرب اور مقام حاصل کرنے کے لئے آپ کی اقتدا کر۔ کیونکہ اس طرح سے تو اپنی مراد کے پا لینے میں کامیاب ہو جائے گا اور اس ذاتِ مقدس کی رضا اور خوشی کو پالیگا۔ جسے ہر چیز کا علم اور اندازہ ہے۔ اور جب تک تجھے مدینہ منورہ میں سکونت کی سعادت نصیب ہو، تو اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کے قرب کے حصول کی کوشش کر، اور سعادت کے دروازوں پر اپنی جستجو سے متواتر دستک دیتا رہ۔ عبادت کے مختلف مدارج طے کر، اپنی خواہشوں اور مرادوں کے سراپردوں میں داخل ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں فرض اور نفل ادا کر اور بالخصوص اس مقام پر جسے حضور اکرم نے رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ کہا ہے (بخاری)، اس میں حکمت یہ ہے، کہ خدا نے حضور اکرم کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے۔ اور تمام وہ اشیا جو کسی لحاظ سے بھی حضور کی طرف منسوب ہیں انہیں اس قسم کی تمام اشیا پر فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ تمام ان امور سے، جو آپ کی پیدائش سے آپ کی وفات تک جاہلیت اور اسلام میں ظہور پذیر ہوتے رہے۔ واضح ہوتا ہے۔ ان واقعات کی پہلی مثال، حضور اکرم کی والدہ ماجدہ جنابِ آمنہ کی ہے، جن پر آپ کی وجہ سے برکات کا نزول ہوا۔ دوسری مثال آپ کی دودھ پلائی جنابِ حلیمہ اور

ان کی گدھی اور اس جگہ کی ہے، جس پر وہ پاؤں رکھتی تھی۔ کیونکہ وہ گدھی جس جگہ پر پاؤں رکھتی، وہاں سبزہ اگ آتا۔ اور جیسا کہ مشہور ہے حضور اکرم کی برکتیں حساً و معنًا، جہاں بھی آپ اپنا مبارک ہاتھ رکھتے، مشاہدہ کی جا سکتی تھیں، ظاہر ہے کہ جب منبر اور گھر کے درمیان حضور اکرم کی آمد و رفت بہ کثرت رہتی تھی۔ اور وفات تک آپ نے روزانہ بارہا آمد و رفت رکھی ہوگی، تو ضرور ہے، کہ اس قطعۂ زمین کا احترام مقابلۃً کئی ہزار گنا زیادہ ہوگا، اور زمین کے اس ٹکڑے کا اس سے بڑھ کر اور کیا مقام ہو سکتا ہے، کہ وہ جنت کا باغ ہے، اور اسے لوٹ کر وہیں جانا ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ سارے مدینے کو یہ شرف حاصل ہے، تو یہ بھی غلط نہ ہوگا، کیونکہ آپ برسوں اس کی گلیوں میں گھومتے پھرتے رہے۔ نیز یہ بھی کہہ سکتے ہیں، کہ مدینہ کو وہ فضیلت حاصل ہے، جو دنیا بھر میں اور کسی مقام کو حاصل نہیں۔ کیونکہ اس کی مٹی میں شفا ہے، جیسا کہ رسولِ کریم نے فرمایا ہے، نیز حضور کا ارشاد ہے کہ اس مقدس شہر میں دجال کو داخلے کی اجازت نہیں ہوگی اور حضور اکرم پہلے وہ انسان ہیں، جو قیامت کے دن اہل مدینہ کی شفاعت کریں گے، اور آپ کے آنے سے پہلے مدینے میں وبا اور بخار کا عارضہ تھا، وہ اٹھا لیا گیا ہے، اور مدینے کی کھانے پینے کی اشیاء میں حضور کی وجہ سے برکت پیدا ہو گئی ہے اور اشیائے خورد و نوش کی کثرت ہے، اس بنا پر اس مقام کو حضور اکرم کی آمد و رفت کی وجہ سے برکت حاصل ہے اور چونکہ مسجد میں آپ کی آمد و رفت، شہر کی آمد و رفت کے مقابلے میں زیادہ رہی ہے، نیز منبر اور گھر کے درمیان آمد و رفت بمقابلۂ مسجد زیادہ ہے، اس لحاظ سے مدینہ تمام شہروں سے اور مسجد نبوی تمام مساجد سے اور وہ مقام باقی تمام مقامات سے بہتر ہے، یہ بات اس لئے واضح ہے اور جو دلیل ہم نے پیش کی ہے، وہ بالکل واضح ہے۔

ابن حبیب سے مروی ہے، حضور اکرم نے فرمایا۔ میری مسجد میں ایک نماز کا

ثواب باقی مساجد کی ہزار نمازوں کے ثواب سے زیادہ ہے۔ اسی طرح آپ نے فرمایا میری مسجد میں ایک جمعہ باقی مساجد میں ایک ہزار جمعہ کی نمازوں کے برابر ہیں۔ اسی طرح مسجد نبوی میں ایک رمضان باقی مساجد میں ہزار رمضانوں کے برابر ہے۔

علمائے امت میں اس بات کے بارے میں اختلاف ہے، آیا مکہ افضل ہے یا مدینہ۔ صحابہ اور علمائے امت کی ایک ایک جماعت مکے اور مدینے کی فضیلت کی قائل ہے، مگر اس بات پر سب کا اتفاق ہے، کہ جس مقام میں، حضور کے تمام اعضاء دفن ہیں وہ دنیا کے تمام ان مقامات سے جس میں کعبہ بھی شامل ہے، بہتر اور افضل ہے۔ لیکن تاج الدین السبکی نے علی بن عقیل الحنبلی سے یہ روایت بیان کی ہے، کہ وہ مقام جہاں حضور دفن ہیں عرش سے بھی بہتر ہے اور فاکہانی نے بالتصریح لکھا ہے، کہ وہ مقام آسمانوں سے بھی افضل ہے۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں، کہ اس مقام کو جہاں حضور اکرم دفن ہیں دو وجوہ سے فضیلت حاصل ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے، کہ ہر آدمی وہیں دفن ہوگا جہاں سے اس کا خمیر اٹھایا گیا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے، کہ وہاں فرشتے اترتے ہیں اور خدائی برکات نازل ہوتی ہیں۔

ابو یعلی حضرت ابو بکر سے راوی ہیں۔ حضور اکرم نے فرمایا، ہر پیغمبر کی روح اسی مقام پر قبض ہوتی ہے، جو اسے پسند ہوتا ہے، اور بلا شبہ حضور اکرم کو وہی مقام پسند آتے گا، جو اللہ کو پسند ہے۔ کیونکہ حضور کی پسند، اللہ کی پسند کے تابع ہے، اور جو مقام اللہ اور رسول کو پسند ہے، وہ کیوں افضل نہ ہو۔ حضور اکرم نے فرمایا۔ اے اللہ! ابراہیم علیہ السلام نے مکے کے لئے دعا مانگی تھی۔ میں مدینے کے لئے اسی طرح کی دعا مانگتا ہوں۔ جس طرح ابراہیم نے مکے کے لئے دعا مانگی تھی۔ اور بلا شبہ حضور اکرم کی دعا، ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے بہتر ہے کیونکہ دعا کی فضیلت کا دار و مدار داعی کی فضیلت پر ہے، اور یہ بات بالکل درست

ہے، حضور اکرم نے فرمایا، اے خدا تو مدینے کی محبت اس طرح ہمارے دل میں ڈال، جیسی محبت مکے کی ہمارے دلوں میں تھی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور بلاشبہ مدینے کی محبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ڈال دی گئی تھی، چنانچہ جب بھی سفر سے واپسی پر حضور کی نظر مدینے پر پڑتی۔ تو سواری کو تیز چلانا شروع کر دیتے۔

حاکم سے مروی ہے، حضور اکرم نے فرمایا، اے اللہ تو نے مجھے اس مقام سے نکالا جسے میں پسند کرتا تھا، اب مجھے وہاں سکونت بخش، جسے تو پسند کرتا ہے حضرت عمر سے مروی ہے۔ انہوں نے عبداللہ بن عباس المخزومی سے کہا، تم کہتے ہو، کہ مکہ مدینے سے بہتر ہے۔ انہوں نے جواب دیا، کہ مکے کو خدا کا حرم ہونے، نیز جائے امن ہونے کا شرف حاصل ہے اور علاوہ ازیں وہاں خدا کا گھر ہے۔ حضرت عمر نے کہا، مجھے ان باتوں کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس سوال کو تین دفعہ دہرایا۔ اور عبداللہ بن عباس مخزومی نے وہی جواب تین دفعہ دیا۔ آخر کار انہوں نے حضرت عبداللہ کو اشارہ کیا۔ اور وہ چلے گئے۔ طبرانی نے ایک حدیث بیان کی ہے، جس میں مذکور ہے۔ کہ مدینہ مکے سے بہتر ہے۔ لیکن اس حدیث کا راوی کمزور ہے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے، حضور اکرم نے فرمایا۔ مجھے ایسے شہر میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے، جو باقی شہروں کو کھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں وہ شہر یثرب یعنی مدینہ ہے جو خبیث لوگوں کو یوں نکال باہر کرتا ہے، جس طرح لوہاروں کی بھٹی خبث الحدید کو نکال باہر کرتی ہے۔ عارف بن حمزہ نے حضور اکرم کا وہ قول نقل کیا ہے جو بخاری میں بایں الفاظ مذکور ہے۔ کہ مکے اور مدینے کے بغیر، دجال دنیا بھر کے شہروں میں جائے گا۔ بظاہر اس حدیث سے یہی بات واضح ہوتی ہے، کہ از روئے فضیلت دونوں شہر برابر ہیں۔ اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جس طرح مدینے کو آپ کا مدفن مسجد نبوی اور آپ کی

قیام گاہ ہونے کی خصوصیت حاصل ہے، مکہ آپ کا مولدَ ہے، وہیں آپ کی بعثت ہوئی۔ وہیں آپ کا قبلہ ہے۔ اس لحاظ سے مکہ آپ کی ذات مقدس کا مشرق اور مدینہ مغرب ہے۔

مسلم میں حضرت سعد سے مروی ہے، حضور اکرم نے فرمایا، ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ لوگ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو وسعت اور آسودگی کی طرف بلائیں گے، حالانکہ اگر انہیں علم ہو تو مدینہ ان کے لئے بدرجہا بہتر ہے۔ بخدا مدینے سے جو کوئی شخص بھی بہ رغبت نکلنا پسند کرے گا۔ خدا اس کی جگہ اس سے بہتر آدمی بھیج دیگا۔ اسی طرح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔ حضور اکرم نے فرمایا۔ میری امت سے جو شخص بھی مدینے کی تکالیف اور گرسنگی پر صبر کرے گا، میں قیامت کے دن اس کا شفیع یا نگراں ہوں گا بخاری میں حضرت ابوہریرہ کی ایک حدیث میں مذکور ہے، کہ ایمان، مدینے کی طرف اس طرح کھچا آئے گا، جس طرح سانپ، سکڑ کر اور سمٹ کر بل کی طرف لوٹ آتا ہے۔ بلاشبہ مدینہ ہی وہ مقام ہے۔ جہاں سے ایمان کی شعاعیں تمام دنیا میں پھیلی تھیں۔ نیز ہر مومن ہر حالت میں دلی طور پر دارالسلام مدینے کا شیدائی ہوتا ہے۔ کیونکہ اسے حضور اکرم سے بے پناہ محبت ہوتی ہے۔

ترمذی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت بیان کی ہے، حضور اکرم نے فرمایا تم سے جو شخص مدینے میں مر سکے، اسے کوشش کرنا چاہیئے، کہ اس کی وفات یہیں ہو۔ کیونکہ جو شخص یہاں فوت ہو گا، میں اس کی شفاعت کروں گا اور بخاری میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔ حضور اکرم نے فرمایا، کہ مدینے میں نہ تو دجال داخل ہو سکے گا اور نہ طاعون۔ اسی طرح بخاری میں ابوبکرہ سے روایت ہے۔ حضور اکرم نے فرمایا، کہ دجال مدینے میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس موقعہ پر شہر کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازے پر حفاظت کے لئے دو فرشتے متعین ہوں گے۔ امام نووی وغیرہ سے مروی

ہے، کہ طاعون کبھی بھی مدینے میں داخل نہیں ہو سکا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے، کہ یہ رسول اکرم کا معجزہ ہے۔ کیونکہ سب طبیب طاعون کو شہروں اور قصبوں سے نکالنے میں ناکام ہو گئے تھے۔ حالانکہ مدینہ زمانہ دراز سے اس وبا سے محفوظ چلا آ رہا ہے۔ اور مدینے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی مٹی جذام، برص بلکہ ہر بیماری کا شافی علاج ہے۔ جیسا کہ رُزَین نے حضرت سعد کی حدیث میں بیان کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں ہے، کہ مدینے کی کھجور زہر کا علاج ہے، اور علامہ بغوی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ قران کی اس آیت میں لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً[1] سے مراد مدینہ ہے۔ اور ابن بخار حضرت عائشہ سے راوی ہیں، حضور اکرم نے فرمایا کہ تمام شہر تلوار سے فتح ہوئے ہیں، مگر مدینہ قران سے فتح ہوا ہے۔ طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔ حضور اکرم نے فرمایا، کہ مدینہ اسلام کا قبہ، ایمان کا گھر اور مہاجرین کی پناہ گاہ اور حلال و حرام کا سرچشمہ ہے، فی الجملہ مدینے کی مٹی، راستے، کشادہ اور کھلی جگہیں، مکانات اور سارا ماحول حضور اکرم کی برکت سے مالا مال ہے۔ کیونکہ اہلِ مدینہ حصولِ برکت کے لئے حضور اکرم کو اپنے گھروں میں مدعو کرتے تھے اور گھروں میں نماز کے لئے بلاتے تھے۔ اسی وجہ سے حضرت امام مالک نے مدینے کی گلیوں میں سواری پر چڑھنے سے منع کر دیا تھا، کہتے تھے۔ جن گلیوں میں حضور اکرم پیادہ پا چلتے رہے ہیں۔ وہاں کسی جانور کو اپنے سم نہیں رکھنا چاہئیں۔ اور زائر کو چاہیئے کہ مسجد قبا کی زیارت اور ادائے نماز کے لئے بھی جاتے، کیونکہ حضور اکرم وہاں زیارت کے لئے چل کر بھی جاتے تھے۔ اور سوار ہو کر بھی۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے، کہ حضور پیادہ پا زیارت کو قبا جاتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے۔ ایک روایت یہ بھی ہے، کہ حضرت عبداللہ بن عمر ہر ہفتے کو جاتے اور کہتے تھے کہ میں نے حضور اکرم کو وہاں ہفتے کے دن جاتے دیکھا تھا اسید بن ظہیر الانصاری سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا، مسجد قبا میں نماز کا ثواب عمرے کے ثواب کے برابر ہے۔ اور

---

[1] النحل : ۴۱

حضور کے مزار کی زیارت کے بعد زائر کو چاہیئے۔ کہ حصول برکت کے لئے تمام مزار وں اور مبارک مقامات اور ان مساجد کی زیارت کرے، جہاں حضور اکرم نے نمازیں ادا کی ہیں۔

اسی طرح جنت البقیع کی زیارت کے لئے بھی جائے، کیونکہ اکثر وہ صحابہ جو حضور اکرم کی زندگی کے دوران میں اور آپ کی وفات کے بعد فوت ہوئے، وہاں مدفون ہیں۔ اسی طرح سادات اور تابعین بھی۔ امام مالک سے روایت ہے، کہ مدینے میں دس ہزار صحابہ فوت ہوئے، اسی طرح ازواج مطہرات بھی وہیں دفن ہیں دسوائے حضرت خدیجہ کے جو مکے میں مدفون ہیں اور حضرت میمونہ کے جو بمقام سرف دفن ہیں) حضور اکرم رات کے آخری حصے میں بقیع کو جایا کرتے تھے، اور فرماتے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِیْنَ۔ (مسلم)

ابن نجار سے مروی ہے، حضور اکرم نے فرمایا جس طرح آسمانوں میں رہنے والوں کے لئے سورج اور چاند و روشن نشانیاں ہیں، اہل دنیا کے لئے بقیع اور عقلان کے مقبروں کی حیثیت ویسی ہی ہے۔ حضرت کعب الاحبار سے مروی ہے، کہ ہم نے توریت میں مدینے کے بارے میں یہ لکھا دیکھا ہے، کہ اس کی مثال اس قبے کی طرح ہے، جو کھجوروں کے درمیان گھرا ہوا ہو، جس پر فرشتے مقرر ہیں۔ جب وہ بھر جاتا ہے، اسے اٹھا کر جنت میں رکھ دیتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں مذکور ہے حضور اکرم نے فرمایا، سب سے پہلے میری قبر شق ہو گی۔ پھر ابو بکر کی پھر عمر کی۔ پھر میں بقیع میں جاؤں گا، اور سب قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے، پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا اور ہم سب لوگ مکے اور مدینے کے درمیان اکٹھے ہو جائیں گے۔

فصل سوم

اس فصل میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فضیلت کا ذکر ہے جو بہتر اوصاف کی وجہ سے آپ کو آخرت میں حاصل ہو گی ۔ نیز بہ حیثیتِ شافع روزِ جزا آپ کو منفرد مقام حاصل ہو گا۔ علاوہ ازیں تمام مخلوقات میں سے "مقام محمود" سے صرف حضورِ اکرم ہی مختص ہوں گے۔ مزید براں غیر محدود تکریمات اور تشریفات کے علاوہ آپ کو جنت میں اعلیٰ اور افضل درجات عطا ہوں گے۔

قاری کو معلوم ہونا چاہیئے، کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ابتدائے تخلیق رازل میں حضورِ اکرم کو تمام کائنات پر فضیلت عطا کی، اور تمام مخلوق میں انہیں سب سے پہلے نبوت عطا کی۔ اور یوم الست کو سب سے پہلے آپ نے بلیٰ کہا، اور جب آخرت کی طرف واپسی ہو گی، تو سب سے پہلے آپ کی قبر شق ہو گی۔ نیز اولین شافع اور اولین مشفع بھی آپ ہوں گے، سب سے پہلے آپ کو سجدہ کرنے کی اجازت ملے گی۔ اور جب تمام مخلوق سے خدا کی ذات حجاب میں ہو گی، تو آپ پہلے انسان ہوں گے جنہیں خدائی دیدار حاصل ہو گا، اور آپ پہلے نبی ہوں گے۔ جن کی امت کا حساب کتاب پیشتر از ہمہ چکا دیا جائے گا۔ نیز آپ اپنی امت کی معیت میں اول از ہمہ پل صراط عبور کریں گے سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور اسی طرح آپ کی امت کو سب سے پیشتر بہشت میں داخلہ ملے گا۔ اس کے علاوہ حضورِ اکرم کو مختلف طرح کے ایسے ایسے انعام و اکرام سے نوازا جائے گا جن کی کوئی حد ہے نہ شمار۔

اسی طرح حضورِ اکرم کا حشر ایسی حالت میں ہو گا کہ آپ سوار ہوں گے نیز مقام محمود

اور اس علم سے آپ کی تخصیص ،جس کے نیچے حضرت آدم سے لے کر حضور اکرم تک آنے والے سب انبیا ،کھڑے ہونگے۔ اسی طرح عرش کے سامنے آپ کا سجدہ اور اس دوران میں آپ پر ان رموز و اسرار کا انکشاف ،جو نہ تو اس سے پہلے کسی پر منکشف ہوئے ہیں اور نہ آئندہ ہوں گے۔ یہ آپ کے قرب خداوندی اور احترام پر دال ہے۔ اسی طرح جب خدا آپ سے بہ حالت سجدہ کہے گا ،اے محمدؐ! سر اوپر اٹھاؤ، جو کہو گے، اس پر غور کیا جائے گا، جو مانگو گے، وہ دیا جائے گا۔ آپ جس کی شفاعت کریں گے۔ اسے معاف کر دیا جائے گا۔ دیدار خداوندی سے بڑھ کر۔ اور کوئی ایسا اعزاز نہیں ،جو ان نوازشات سے بلند تر ہو ،حضور اکرم اس موقعہ پر بار بار شفاعت کریں گے اور بار بار خدا کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے اور ہر دفعہ خداوند تعالیٰ فرمائے گا ،یَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَاسَکَ وَ قُلْ یُسْمَعْ لَکَ وَ سَلْ تُعْطَ. وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ. اور اسی وجہ سے آپ ،عرش کے دائیں طرف کھڑے ہوں گے ،اور یہ ایسا مقام جلیل ہے ،کہ سب اگلے پچھلے لوگ۔ حضور اکرم سے ،اس سلسلے میں رشک کریں گے۔ باقی انبیا علیہم السلام اور ان کی امتوں کے بارے میں حضور اکرم شہادت دیں گے ،کہ انبیا نے اپنی اپنی امتوں کو خدائی پیغام پہنچایا۔ نیز وہ لوگ آپ سے شفاعت کی درخواست کریں گے ،تاکہ انہیں غم و الم ،میدان حشر کے پسینے اور طویل قیام سے نجات مل سکے۔ نیز وہ لوگ بھی آپ سے شفاعت کی التجا کریں گے ،جنہیں جہنم کا حکم مل چکا ہوگا۔

اسی طرح حوض کوثر ہے۔ جہاں لوگوں کو لمبے عرصے تک وقوف کرنا پڑے گا۔ اور مومنوں میں سے کوئی شخص بھی حضور اکرم کی شفاعت کے بغیر بہشت میں داخل نہ ہو سکیگا اسی طرح حضور اکرم ان لوگوں کے رفعِ درجات کے لئے شفاعت فرمائیں گے ،جو اپنے اعمال کی کیفیت و کمیت کی وجہ سے وہاں تک نہ پہنچ سکتے ہوں۔ حضور اکرم جنت میں اس مقامِ عظیم پر فائز ہوں گے ،جسے وسیلہ کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کی تعظیم و تکریم ہی ،اولین

وآخرین اور ملائکہ مقربین کے اجتماع میں سب کے سامنے بے پناہ اضافہ کیا جائیگا
ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ۔[1]
رہی حضور اکرم کی یہ فضیلت، کہ سب سے پہلے آپ کی قبر شق ہو گی، اس کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ حضور اکرم نے فرمایا۔ میں قیامت کے دن تمام انسانوں کا سردار ہوں گا۔ سب سے پہلے میری قبر شق ہو گی۔ اور میں ہی پہلا شافع اور پہلا مشفع ہوں گا۔ حضرت ابوسعید کی حدیث میں مذکور ہے آپ نے فرمایا۔ میں قیامت کے دن تمام انسانوں کا سردار ہوں گا، اور یہ نرا فخر نہیں، بلکہ حقیقت ہے۔ میرے ہاتھ میں لوائے حمد ہو گا، اس میں بھی کوئی فخر کی بات نہیں۔ اور قیامت کے دن حضرت آدم اور باقی انبیاء میرے عَلَم کے نیچے ہونگے اور سب سے پہلے میری قبر شق ہو گی (ولا فخر) (ترمذی) حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے۔ حضور اکرم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی پھر ابوبکر کی اور پھر عمر کی۔ پھر میں جنت البقیع کو جاؤں گا اور وہ لوگ اٹھ کھڑے ہونگے۔ پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا اور پھر ہم حرمین کے درمیان اکٹھے ہوں گے حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک موقعہ ایسا بھی آئے گا کہ تمام لوگ بیہوش ہو جائیں گے، سب سے پہلے میں اٹھوں گا، اچانک دیکھونگا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش سے لگے کھڑے ہیں، میں کہہ نہیں سکتا، کہ وہ بھی بیہوش تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے۔ یا خدا نے انہیں مستثنیٰ قرار دیا تھا۔ (بخاری)
حضرت انس سے مروی ہے، حضور اکرم نے فرمایا۔ کہ جب حشر ہو گا۔ تو پہلے میں اٹھوں گا۔ اور جب وہ جمع ہوں گے۔ تو میں ان کا قائد ہوں گا اور جب وہ خاموش کھڑے ہوں گے۔ تو میں ان کا خطیب ہوں گا، اور جب ان کا محاسبہ ہو گا، تو میں شفیع ہوں گا، اور جب مایوس ہوں گے، تو میں مبشر ہوں گا۔ اعزاز اور تکریم کی کنجی اور علم حمد

[1] الحدید : ۲۱

میرے ہاتھ میں ہوگا، اور خدا کے نزدیک میں تمام انسانوں سے زیادہ معزز ہوں گا اور ہزار صاف ستھرے غلام جو انڈوں کی طرح سفید اور موتیوں کی طرح تابدار ہوں گے میری خدمت پر مامور ہوں گے۔ (دارمی) اور حادی الارواح کے معنف نے ایک حدیث میں بیان کیا ہے، کہ جب قیامت کے دن حضور اکرم قبر سے اٹھیں گے، تو حضرت بلال آپ کے ساتھ ہوں گے اور اذان کہتے جائیں گے۔ حاکم اور طبرانی حضرت ابوہریرہ سے راوی ہیں، کہ تمام انبیاء حشر کے دن گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہوں گے، مگر میں براق پر سوار ہوں گا اور بلال جنت کی ایک اونٹنی پر سوار ہوگا۔ اور اس کا کام صرف اذان کہنا ہوگا۔ اور جب وہ اشہدان محمداً رسول اللہ کہے گا، تو اگلے پچھلے سب مومن اس کی تصدیق کریں گے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب باقی انبیاء اور ان کی امتیں یہ آواز سنیں گی، تو وہ بھی اس کی تصدیق کریں گے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ صالح علیہ السلام اپنی اونٹنی پر سوار ہوں گے اور حضرت فاطمہ کے دو بیٹے قصواء اور عضباء پر سوار ہوں گے۔

حضرت کعب الاحبار سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور اکرم کا ذکر چھڑ گیا۔ اس موقعہ پر حضرت کعب کہنے لگے، کہ جب بھی صبح طلوع ہوتی ہے، ستر ہزار فرشتے آسمان سے اترتے ہیں، حضور کے مقبرہ کا احاطہ کر لیتے ہیں، اور اپنے پروں سے اسے صاف کرتے ہیں۔ اور آپ پر درود پڑھتے ہیں۔ جب شام ہوتی ہے، تو وہ اوپر چڑھ جاتے ہیں اور ستر ہزار مزید فرشتے رات کے لئے اتر آتے ہیں اور مقبرے کو گھیر کر پروں سے اسے صاف کرتے ہیں اور حضور اکرم پر درود بھیجتے ہیں۔ اور یوں ستر ہزار فرشتے دن کو اور ستر ہزار رات کو حضور کے روضے پر موجود رہتے ہیں۔ چنانچہ جب آپ کی قبر شق ہوگی، تو ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں آپ میدان حشر میں آئیں گے۔

اور نوادر الاصول میں حکیم ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک دفعہ حضور باہر نکلے اور حضرت ابوبکر ان کے دائیں طرف اور عمر بائیں طرف تھے حضور نے فرمایا۔ قیامت کے دن ہمارا حشر اسی طرح ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے حضور اکرم نے فرمایا، کہ سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی۔ اور مجھے بہشتی کپڑوں کا ایک سبز سوٹ پہنایا جائیگا۔ پھر میں عرش کے دائیں طرف کھڑا ہوں گا۔ جہاں میرے بغیر اور کوئی نہ ہوگا (ترمذی) بیہقی سے مروی ہے، کہ سب سے پہلے جنت کے کپڑے ابراہیم علیہ السلام کو پہنائے جائیں گے۔ اور انہیں ایک کرسی پیش کی جائے گی جو عرش کے دائیں طرف بچھائی جائیگی پھر حضور اکرم کو بلایا جائے گا اور آپ کو بھی جنتی کپڑے پہنائے جائیں گے اور آپ کی کرسی بھی عرش کے دائیں طرف بچھائی جائیگی۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص سے بخاری اور مسلم میں مروی ہے، حضور اکرم نے فرمایا میرے حوض کا طول ایک مہینے کا سفر ہے۔ اس کا پانی دودھ کی طرح سفید اور اس کی خوشبو کستوری کی طرح ہے اور اس کے آبخورے ستاروں کی طرح ہیں۔ جو شخص ایک دفعہ اس سے پانی پیئے گا، وہ کبھی بھی پیاسا نہیں ہوگا۔ اور مسلم کی روایت میں ہے، کہ اس حوض کے تمام زاویے ایک سے ہیں اور طول و عرض برابر ہے اور ابو امامہ کی حدیث میں ہے۔ کہ جو شخص حوض کوثر سے پانی پی لے گا اس کا منہ کبھی سیاہ نہیں ہوگا۔ اور جسے اس حوض کا پانی نصیب نہ ہوا، وہ ہمیشہ پیاسا رہے گا۔ اور ترمذی میں جناب ثوبان کی حدیث میں، جس کی حاکم نے تصحیح کی ہے مذکور ہے۔ کہ حوض کوثر پر زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہوگی۔ جو مہاجرین میں سے نادار تھے۔

علامہ قرطبی نے تذکرہ میں لکھا ہے، کہ صاحب القوت وغیرہ کی رائے ہے، کہ حوض پل صراط کے بعد آئے گا۔ اور بعض لوگوں کی رائے اس کے برعکس ہے۔ اور مسلم میں حضرت ابوذر سے مذکور ہے، کہ حوض کوثر میں جنت کے دو پرنالے گرتے رہیں گے حضرت انس سے روایت ہے، کہ میں نے حضور اکرم سے درخواست کی، کہ آپ قیامت کے دن خدا کے سامنے

میری شفاعت کریں۔ حضور اکرم نے فرمایا، میں انشاء اللہ تمہاری شفاعت کروں گا۔ میں نے دریافت کیا۔ یارسول اللہ میں آپ کو کہاں تلاش کروں۔ فرمایا، اولاً مجھے پل صراط پر ڈھونڈھنا میں نے عرض کیا، اگر وہاں ملاقات نہ ہو سکے۔ فرمایا، تو میزان پر تلاش کرنا۔ میں نے پھر پوچھا اگر وہاں بھی ملاقات نہ ہو، فرمایا۔ تو حوض کوثر پر تلاش کرنا۔ کیونکہ میں ان تین مقامات پر ضرور موجود ہوں گا۔ (ترمذی) قرطبی نے المفہم میں لکھا ہے۔ کہ ہر مکلف مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اس حوض کے بارے میں جانتا ہو۔ اور اس امر کی تصدیق کرے، کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول کو اس نام کا حوض عطا کر کے آپ کو مخصوص فرمایا۔ اور احادیث صحیحہ میں اس کا نام نیز خوبی اور وصف مذکور ہے۔ ان احادیث سے حوض کے بارے میں قطعی علم حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ تقریباً تیس سے زیادہ صحابہ نے حضور اکرم سے اس سلسلے میں روایات بیان کی ہیں۔ جن میں سے بیس روایات کا ذکر بخاری اور مسلم میں ہے اور باقی روایات دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔ پھر ان صحابہ سے تابعین کی اتنی ہی تعداد نے اور ان کے بعد کئی گنا لوگوں نے ان روایات کو بیان کیا۔ اور یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا، چنانچہ تمام سلف اور اہل سنت اس پر متفق ہیں، کہ حوض کوثر ایک حقیقت ہے۔

مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے، حضور اکرم نے فرمایا، کہ حوض کوثر پر میری امت میرے پاس آئے گی اور میں انہیں حوض کوثر سے اس طرح پلاؤں گا جس طرح کہ کوئی آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ پلاتا ہے۔ ہم نے عرض کیا، یارسول اللہ کیا آپ ہمیں پہچان لیں گے۔ فرمایا۔ ہاں۔ کیونکہ تمام ان لوگوں میں سے، جو وہاں میرے پاس حوض پر آئیں گے۔ سوائے تمہارے اور کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا۔ جن کے چہرے اور ہاتھ پاؤں وضو کی وجہ سے سفید ہوں، حضرت انس کی حدیث میں ہے، کہ میرے حوض کے چار ممبر ہیں، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ۔ اگر کوئی شخص ابوبکرؓ کو اچھا جانتا ہے اور عمرؓ سے بغض رکھتا ہے، اسے ابوبکرؓ پینے نہیں دیگا۔ اور جو علیؓ کا محب ہے اور عثمانؓ کا مخالف

نہ ہے۔ اسے علیؓ نہیں پینے دے گا۔ (ابو سعد)

شفاعت اور مقام محمود:۔ ارشاد باری ہے عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ تمام مفسرین اس امر پر متفق ہیں، کہ عسیٰ بمعنی واجب ہے۔ مقام محمود کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ اس بارے میں کئی اقوال ہیں قولِ اول، جسے امام فخر رازی نے قابلِ ترجیح قرار دیا ہے اور جس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے، یہ ہے۔ کہ اس سے مراد جیسا کہ واحدی کی رائے ہے منصب شفاعت ہے، اور اس سلسلے میں کئی صحیح احادیث وارد ہیں۔ مثلاً بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مقامِ محمود کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو آپ نے فرمایا، کہ اس سے مراد منصب شفاعت ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، حضور اکرم نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ اور ہر امت اپنے اپنے نبی کے پیچھے چل رہی ہو گی، اور شفاعت کی درخواست کرتے پھریں گے۔ تا آنکہ آخر کار لوگ میرے پاس آئیں گے۔ اسی کا نام مقام محمود ہے اور وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کی مشہور دعا سے اس کی تائید ہوتی ہے اور یہ وہ چیز ہے جس پر اگلے پچھلے سب رشک کریں گے۔

دوسرا قول حضرت حذیفہ سے مروی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو ایک کھلے میدان میں اکٹھا کرے گا۔ کوئی آدمی بولنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ سب سے اول حضور اکرم کو بلایا جائے گا۔ چنانچہ آپ دربار خداوندی میں حاضر ہو کر فرمائیں گے۔

لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ، وَالْخَیْرُ فِیْ یَدَیْکَ ، الشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْکَ، وَالْمُھْتَدِیْ مَنْ ھَدَیْتَ، وَعَبْدُکَ بَیْنَ یَدَیْکَ ، وَبِکَ وَاِلَیْکَ وَلَا مَلْجَاَ مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ، تَبَارَکْتَ وَتَعَالَیْتَ ، سُبْحَانَکَ رَبَّ الْبَیْتِ

اس کے بعد آپ نے فرمایا، کہ مقامِ محمود سے یہی مراد ہے۔ (طبرانی)۔ ابن مندہ کی

لہ بنی اسرائیل : ۷۹

رائے ہے، کہ اس حدیث کے اسناد اور راویوں کے ثقہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

تیسرا قول یہ ہے، کہ مقامِ محمود سے مراد عاقبت بالخیر ہے۔

چوتھا قول یہ ہے، کہ آپ کو عرش پر اور بروایتے کرسی پر بیٹھنے کا موقعہ ملے گا حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے، کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کرسی پر بیٹھنے کا شرف عطا کرے گا۔ اس بات میں اختلاف ہے، کہ محمودؔ ا کا فاعل کون ہے، اکثر لوگوں کی رائے یہ ہے، کہ اس سے مراد وہ سب لوگ ہیں جو اس مقام پر کھڑے ہوں گے۔ جیساکہ حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں مذکور ہے، کہ تمام وہ لوگ جو وہاں موجود ہونگے حضور اکرم کی تعریف بیان کریں گے۔

اگر کوئی شخص دریافت کرے، کہ احادیث میں جس شفاعت کا ذکر ہے، وہ کون سی شفاعت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے، کہ احادیث میں مقامِ محمود کے سلسلے میں جس شفاعت کا ذکر ہے، اس کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی وہ عام شفاعت ہے، جس کا تعلق مقدمات کے فیصلے سے ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو گناہ گاروں کو جہنم سے نجات دلانے کے لئے کی جائے گی۔ لیکن شفاعتِ عامہ ایسے تمام اقوال کی تردید کرتی ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے علم حمد کا ملنا اور خدا کے سامنے آپ کا اس کی حمد و ثنا کرنا اور خدا کے حضور میں کرسی پر بیٹھنا ایسا اعزاز ہے جس کا تعلق اس مقامِ محمود سے ہے۔ جہاں بندوں کا حساب کتاب چکایا جائے گا۔ رہی وہ شفاعت، جو گناہ گاروں کو جہنم سے چھڑانے کے لئے کی جائیگی۔ وہ شفاعتِ عامہ کا ایک شعبہ ہے۔ اور ایسی احادیث کی تعداد تواتر تک پہنچ جاتی ہے۔ جن میں مومن گناہ گاروں کی شفاعت کا ذکر ہے۔

حضرت اِمِ حبیبہ سے روایت ہے، حضور اکرم نے فرمایا، کہ میرے بعد میری امت کو جن حالات سے سابقہ پڑے گا، اور جس طرح وہ ایک دوسرے کا خون بہائیں گے

وہ سب کچھ مجھے دکھا دیا گیا، جس پر مجھے بہت افسوس ہوا، چنانچہ انہیں وہی کچھ پیش آئیگا، جو گذشتہ امتوں کو پیش آچکا ہے۔ اس پر میں نے اللہ سے درخواست کی، کہ وہ مجھے قیامت کے دن ان کی شفاعت کی اجازت دے۔ چنانچہ خدا نے میری یہ التجا منظور کر لی حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے حضور نے فرمایا کہ ہر نبی جو دعا بھی مانگے وہ قبول کر لی جاتی ہے۔ اگر مجھے بھی انتخاب کا موقعہ دیا گیا، تو میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ حضرت انس کی روایت میں ہے، کہ میں نے خدا سے اپنی امت کی شفاعت کی دعا کی اور قبول ہوئی۔ چنانچہ یہ عمل ہم پر حضور اکرم کی مزید شفقت اور کرم فرمائی کی دلیل ہے کہ آپؐ نے نہایت اہم موقعوں پر بھی ہماری ضرورت کا خیال رکھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے، میں نے رسول اکرم سے دریافت کیا، یا رسول اللہ! دربارۂ شفاعت آپ کو خدا نے کیا وحی کی ہے۔ فرمایا، میں ہر اس شخص کی شفاعت کروں گا۔ جس نے صدقِ دل سے لاالہ الا اللہ کہا۔ نیز حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے، حضور اکرم نے فرمایا، میں قیامت کے دن تمام انسانوں کا سردار ہوں گا۔ کیا تم سوچ سکتے ہو، کہ اس کی کیا صورت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ سب اگلے پچھلے لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کرے گا۔ پھر دیکھنے والا انہیں دکھاتے گا اور بلانے والا بلائیگا۔ اور سورج لوگوں کے سروں کے قریب آجائے گا اور انسان غم والم کی وجہ سے اس حالت میں ہوں گے، کہ یہ صورت حال ناقابلِ برداشت ہو جاتے گی، پھر وہ ایک دوسرے سے کہیں گے۔ دیکھو! ہم کس حال میں ہیں، اور ہماری کیا گت بن رہی، کیا کوئی ایسا آدمی ہے۔ جو خدا کے دربار میں ہماری شفاعت کرے۔ کوئی بول اٹھے گا، آدم ہم سب کے باپ ہیں۔ لوگ ان کے پاس جائیں گے اور کہیں گے۔ اے آدم! آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں،

خدا نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اپنی روح پھونکی، فرشتوں کو آپ کے سجدے کا حکم دیا اور رہنے کے لئے جنت عطا کی۔ ہماری حالت آپ دیکھ ہی رہے ہیں، کیا آپ ہماری شفاعت نہیں کریں گے۔ وہ جواب میں کہیں گے۔ کہ آج اللہ میاں اتنے ناراض ہیں کہ نہ اس سے پہلے کبھی تھے اور نہ آئندہ کبھی ہوں گے۔ اس نے مجھے درخت کا ثمر کھانے سے منع کیا تھا، مجھے اپنی جان کے لالے پڑے ہیں، بہتر ہے، کہ نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، چنانچہ لوگ ان کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے، یا حضرت! آپ دنیا میں خدا کے پہلے رسول ہیں اور خدا نے آپ کو عبد شکور کے لقب سے یاد کیا ہے، کیا آپ ہماری شفاعت نہیں کر سکتے۔ ہمارا حال تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں حضرت نوح بھی وہی جواب دیں گے، جو حضرت آدم نے دیا تھا۔ نیز کہیں گے، کہ مجھے اپنی قوم کو دعوت کا فرض سونپا گیا تھا، لیکن میں نے قوم کے خلاف بد دعا کی اور وہ غرق ہو گئے اس لئے مجھے تو اپنی پڑی ہوئی ہے۔ اس لئے بہتر ہے، کہ تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ لوگ حضرت ابراہیم کے پاس آکر درخواست کریں گے، کہ آپ اللہ کے نبی اور اس کے خلیل ہیں، ہماری حالت کے پیش نظر، آپ اللہ سے ہماری شفاعت کریں، وہ بھی انہیں ویسا ہی جواب دیں گے اور کہیں گے کہ میں نے تین غلط بیانیاں کی تھیں۔ اس لئے مجھے اپنے مواخذے کا ڈر ہے۔ مناسب ہو گا۔ کہ تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، چنانچہ وہ ان کے پاس جا کر وہی التجا دہرائیں گے۔ اور وہ انہیں وہی جواب دیں گے، جو پہلے پیغمبر دے چکے ہیں۔ اور کہیں گے کہ میں نے ایک آدمی کو قتل کیا تھا۔ مجھے تو خدا کے سامنے جانے سے ڈر لگتا ہے۔ بہتر ہے، کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ ان کے پاس آکر کہیں گے۔ یا حضرت! آپ اللہ کے رسول، اس کا کلمہ اور روح ہیں۔ اور آپ نے بچپن میں لوگوں سے گفتگو کی تھی، ہماری حالت کو دیکھئے اور خدا سے شفاعت کیجئے۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی وہی جواب دیں گے، جو پہلے انبیاء علیہم السلام نے دیا تھا اور وہ بھی نفسی نفسی پکار اٹھیں گے

اور لوگوں کو مشورہ دیں گے، کہ تم محمد رسول اللہ کے پاس جاؤ۔ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے، یا حضرت! آپ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور خدا نے آپ کے اگلے پچھلے قصور معاف کر دیئے ہیں۔ ہماری حالت آپ پر عیاں ہے اس لئے از راہ کرم ہماری شفاعت فرمایئے حضور چل کر خدائی عرش کے نیچے آ کھڑے ہوں گے اور سجدے میں گر پڑیں گے اس دوران میں آپ پر ایسے ایسے رموز و اسرار کا انکشاف ہو گا، جو اس سے پہلے کسی پر بھی نہیں ہوا تھا۔ پھر خدا کی طرف سے آواز آئے گی: یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاسَکَ، سَلْ تُعْطَہٗ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ۔ حضور سر اٹھائیں گے اور عرض کریں گے: یَا رَبِّ اُمَّتِیْ، یَا رَبِّ اُمَّتِیْ اس پر حکم ہو گا، اے محمدؐ! آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو، جن کے خلاف کوئی الزام نہیں ہے، باب الایمن کے راستے بہشت میں لے جایئے۔ ان کے سوا باقی لوگ، دوسری امتوں کے لوگوں کے ساتھ، دوسرے دروازوں سے بہشت میں داخل ہوں گے (بخاری و مسلم)، یہ شفاعت اس شفاعت عامہ کے بعد وقوع پذیر ہو گی جس میں عام لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کیا جاتے گا۔

مسند بزاز میں ہے، حضور اکرم دربار خداوندی میں عرض کریں گے۔ اے خدا، تو زود تر لوگوں کا حساب لے، اور حضرت حذیفہ کی حدیث میں ہے، کہ جب لوگ ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جائیں گے، تو وہ کہیں گے، کہ میں اس میدان کا مرد نہیں ہوں، میں خلیل ضرور ہوں، لیکن میرا مقام حبیب کے مقابلے میں پست تر ہے۔ اس سے ان کی مراد رسول کریم ہیں جنہیں براہِ راست خدا کو دیکھنے اور اس سے گفت و شنید کا موقعہ ملا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف جن تین غلط بیانیوں کا انتساب کیا جاتا ہے ان کی حیثیت معارضے کی سی ہے، لیکن چونکہ بقول بیضاوی بظاہر وہ غلط بیانی معلوم ہوتی ہیں۔ اس لئے حضرت ابراہیم خدائی مواخذے سے ڈر گئے۔ کیونکہ جو شخص خدا سے جتنا قریب

ہوگا۔ اتناہی زیادہ اسے ڈر ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث میں آیا ہے، کہ حضرت عیسٰی اس لئے شفاعت کی ذمہ داری قبول نہ کریں گے، کہ انہیں لوگوں نے خدا تسلیم کر لیا تھا۔ اس لئے وہ بھی مواخذے سے ڈرتے تھے)

نضر بن انس اپنے والد سے راوی ہیں، حضور اکرم نے فرمایا، میں پل صراط کے پاس کھڑا اپنی امت کا انتظار کر رہا ہوں گا، کہ حضرت عیسٰی آکر کہیں گے، اے محمد! انبیا کی یہ جماعت اس لئے آپ کے پاس آئی ہے، کہ ان امتوں کے بارے میں جو یہاں جمع ہیں اور گرفتار بلا ہیں، آپ خدا سے فیصلے کی درخواست کریں۔ اس روایت سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے، کہ اس موقعہ پر حضور اکرم کہاں تشریف فرما ہوں گے، اور نیز اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے، کہ یہ صورت حال پل صراط عبور کرنے کے بعد اس وقت پیش آئے گی۔ جب کفار پل صراط سے گر کر جہنم رسید ہو چکے ہوں گے۔ اسی مقام پر عیسٰی علیہ السلام حضور اکرم سے مخاطب ہوں گے اور انبیاء علیہم السلام آپ سے درخواست کریں گے۔

ابن ابی شیبہ سے حضرت سلمان کی حدیث میں مذکور ہے۔ کہ لوگ حضور اکرم سے درخواست کریں گے، یا رسول اللہ! خدا نے آپ سے دنیا کی ابتدا کی اور آپ پر ہی اسے ختم کیا۔ نیز آپ کی تمام اگلی پچھلی فروگذاشتیں معاف فرما دی ہیں۔ آپ ہماری حالت تو دیکھ ہی رہے ہیں، خدا کے یہاں ہماری شفاعت فرمایئے، آپ فرمائیں گے، ہاں میں یہ کام کر سکتا ہوں، چنانچہ حضورؐ لوگوں کی صفوں کو چیرتے جنت کے دروازے تک پہنچ جائیں گے۔

ابو یعلی نے حضرت کعب کی حدیث میں بیان کیا ہے، حضور نے فرمایا، میں خدا کے سامنے سجدے میں گر پڑوں گا اور جب تک اس کی مرضی ہوئی۔ سجدے میں پڑا رہوں گا اور جس طرح وہ پسند کرے گا، اس کی حمد بیان کروں گا۔ اور جناب

قتادہ کی حدیث میں، جو انہوں نے حضرت انس سے بخاری میں روایت کی ہے، مذکور ہے، حضور نے فرمایا، میں خدا سے شفاعت کروں گا۔ اور وہ ایک حد مقرر کر دیگا میں انہیں جہنم سے نکال کر جنت میں لے آؤنگا۔ اور امام احمد نے حضرت ثابت سے روایت کی ہے۔ حضور فرمائیں گے، یا رب امتی۔ امتی، جواب ملے گا جس کے دل میں رائی جتنا ایمان بھی ہے، اسے جہنم سے نکال لے جاؤ۔

امام نودی کہتے ہیں، کہ شفاعت کی پانچ قسمیں ہیں، اول میدانِ حشر میں قیامت کی ہیبت سے سکون۔ دوم، ایک خاص گروہ کا بغیر از حساب داخلہ جنت۔ سوم سزا یافتہ لوگوں کو عذاب جہنم سے چھڑانا۔ چہارم، جو گناہگار جہنم میں سزا بھگت رہے ہیں، انہیں نجات دلانا۔ پنجم، رفعِ درجات۔

حضرت بریدہ سے روایت ہے۔ حضور اکرم نے فرمایا، میرا اندازہ ہے، کہ قیامت کے دن جن لوگوں کی شفاعت مجھے کرنا پڑے گی، ان کی تعداد زمین کے درختوں اور کنکروں سے زیادہ ہو گی، حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے، حضور اکرم نے فرمایا۔ ہم اگرچہ آخری امت ہیں، لیکن ہمارا حساب سب سے پہلے ہو گا۔ قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔ امت اُمیہ اور اس کا نبی کہاں ہے۔ اس لحاظ سے گو ہم آخر میں آتے ہیں لیکن مرتبتہً سب سے آگے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی ایک حدیث میں جسے ابو داؤد نے بیان کیا ہے، مذکور ہے، حضور اکرم نے فرمایا جب خدا لوگوں کا حساب لینے لگے گا، تو ایک منادی پوچھے گا، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کہاں ہیں؟ میں اٹھ کھڑا ہونگا اور میری امت کے لوگ، جن کے چہرے اور ہاتھ پاؤں وضو کی برکت سے سفید ہوں گے میرے پیچھے چل پڑیں گے۔ حضور نے فرمایا، ہم ہی آخرون الاولون ہیں اور سب سے پہلے ہمارا حساب ہو گا۔ دوسری امتیں احتراماً ہمارے راستے سے ہٹ جائیں گی اور وہ آپس میں کہیں گی، عجب نہیں کہ اس امت کے سارے آدمی نبی بنا دیئے جائیں۔

حافظ ابونعیم، حضرت عبداللہ بن عمر سے راوی ہیں۔ حضور اکرم نے فرمایا جس نے اپنے کسی بھائی کی حاجت روائی کی، میں قیامت کے دن میزان کے پاس کھڑا ہوں گا۔ اگر اس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوا تو فبہا، ورنہ میں اس کی شفاعت کروں گا۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے، حضور اکرم نے فرمایا، کہ قیامت کے دن جہنم کے اوپر پل صراط کو معلق کر دیا جائے گا اور اولاً مجھے اور میری امت کو اسے عبور کرنے کی اجازت ملے گی۔ اور سوائے انبیاء کے اور کسی کو بولنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اور ان کی زبان سے بھی صرف سَلِّمْ سَلِّمْ کا لفظ نکلے گا اور جہنم میں بھی ببول کی طرح خاردار درخت ہیں، جن کے کانٹوں کا خدا کے بغیر اور کسی کو کوئی اندازہ نہیں بعض لوگ ان کے چبھنے سے ہلاک ہو جائیں گے، کچھ لوگ گر پڑیں گے اور پھر انہیں نجات مل جائیگی (بخاری) حضرت حذیفہ کی حدیث میں مذکور ہے حضور اکرم نے فرمایا۔ کہ میں پلِ صراط پہ کھڑا سَلِّمْ سَلِّمْ کہہ رہا ہوں گا۔ ابن جوزی کی حدیث میں ہے، کہ جب پلِ صراط پر امتِ محمدیہ کا ہجوم ہوگا، تو وہ زور زور سے پکاریں گے، وا محمداہ، واہ محمداہ، رسول اکرم فوراً ان کی امداد کو پہنچیں گے، اور جبرئیل علیہ السلام آپکی ازار کا پلو اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس پر حضورؐ بہ آواز بلند فرمائیں گے، اے خدا! میری امت کو معاف فرما۔ میں تجھ سے نہ تو اپنے لئے کچھ مانگتا ہوں اور نہ اپنی بیٹی فاطمہ کے لئے۔ فرشتے پل صراط کے دائیں بائیں کھڑے ہوں گے اور سب رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ کہہ رہے ہوں گے۔ قیامت کی ہیبت اور خطرات کی کوئی حد نہیں ہوگی چنانچہ گنہگار دائیں بائیں سے جہنم میں گر رہے ہوں گے اور جہنم کے نگراں فرشتے انہیں زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑ رہے ہوں گے۔ اور پکار پکار کر کہیں گے، کیا تمہیں ارتکاب گناہ سے منع نہیں کیا گیا تھا، کیا اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرایا گیا تھا۔ اور کیا تمہارے پاس اللہ کا کوئی برگزیدہ نبی نہیں آیا تھا۔

علامہ قرطبی نے حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت کی ہے، کہ قیامت کے دن

تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کے ساتھ حاضر ہوں گے، اور جہنم کے اوپر پل کو معلق کیا جائیگا اور منادی کی جائے گی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی امت کہاں ہیں۔ اس پر حضور اکرم اٹھ کھڑے ہونگے اور آپ کی امت (اچھے اور برے) ساتھ ساتھ چل پڑیگی جب یہ لوگ پل پر پہنچیں گے۔ تو اللہ تعالےٰ اس امت کے دشمنوں کی بصارت سلب کریگا۔ اور وہ دائیں بائیں سے جہنم میں گرنا شروع کردیں گے اور رسول کریم اور امت کے صلحا آپ کے ساتھ پل عبور کر جائیں گے، راستے میں فرشتے دائیں بائیں سے انہیں رہبری کر کے خدا تک لے جائیں گے۔ آپ کے لئے عرش کے دائیں طرف ایک کرسی رکھ دی جائے گی۔ پھر اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام وہاں آئیں گے اور پھر باقی انبیا بھی۔ صلوات اللہ علیہم۔

حضور اکرم سب سے پہلے جنت پر دستک دینگے اور اندر داخل ہوں گے!

مسلم میں حضرت انس سے روایت ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔ اور سب سے پہلے میں ہی جنت کے دروازے پر دستک دونگا۔ یہ حدیث بھی حضرت انس سے مروی ہے، کہ جب میں جنت کے دروازے پر آکر دستک دونگا۔ تو خازن دریافت کرے گا۔ آپ کون ہیں۔ میں جواب میں کہوں گا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اس پر خازن کہے گا مجھے آپ ہی کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا ہے، کہ آپ کے بغیر کسی اور کے لئے دروازہ نہ کھولوں۔ طبرانی نے اس حدیث میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے، کہ خازن حضورؐ کا نام سن کر تعظیماً اٹھ کھڑا ہو گا۔ اور کہے گا۔ کہ اس کے بعد میں کسی اور آدمی کے لئے تعظیماً نہیں کھڑا ہوں گا۔

حضرت انس سے روایت ہے، حضور اکرم نے فرمایا۔ میں پہلا آدمی ہوں گا۔

جو جنت کے دروازے پر دستک دیگا (ولا فخر) حضرت ابو سعید کی روایت میں ہے، حضور اکرم نے فرمایا، میں قیامت کے دن تمام انسانوں کا سردار ہوں گا، لوائے حمد میرے ہاتھ میں ہو گا۔ تمام انبیاء آدمؑ سمیت میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے میری قبر شق ہو گی (ولا فخر) اس دن لوگوں پر تین خطرے مسلط ہوں گے۔ چنانچہ وہ آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ انہوں نے اس حدیث کو بالتفصیل بیان کیا ہے، تا آنکہ وہ سب سے آخر حضور کی خدمت میں حاضر ہونگے اور حضور اکرم ان کے ساتھ چل پڑیں گے۔ (حضرت انس کہتے ہیں۔ میں اب بھی یوں محسوس کر رہا ہوں، گویا حضور میرے سامنے کھڑے ہیں) اور جنت کے دروازے پر دستک دونگا۔ "پوچھیں گے کون ہیں آپ"؟ جواب میں کہا جائے گا۔ "محمد رسول اللہ ہیں" دروازہ کھول دیں گے اور مجھے خوش آمدید کہیں گے۔ اس پر میں سجدے میں گر پڑوں گا اور خدا مجھ پر اپنی حمد و ثنا کے رموز و اسرار واضح کر دے گا۔ اور مجھے سر اوپر اٹھانے کی اجازت ملے گی۔ (ترمذی)

اور حدیث صور میں مذکور ہے۔ کہ جب مومن جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو باہم مشورہ کریں گے، کہ بہشت میں داخلے کی اجازت کون لے کر دے گا۔ چنانچہ لوگ حضرت آدمؑ، نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ اور پھر رسول کریم کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ جیسا کہ وہ پہلے میدانِ حشر میں دربارۂ شفاعت حاضر چکے تھے۔ جس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم کو تمام انسانوں پر ہر منزل میں فضیلت حاصل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث میں مذکور ہے، کہ ایک دن صحابہ کرام اکٹھے بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور حضور کے انتظار میں تھے۔ آپ گھر سے نکلے۔ قریب پہنچے تو ان کی باتیں سن لیں۔ کیونکہ صحابہ تا حال مصروف گفتگو تھے۔ کوئی کہہ رہا تھا، یہ کتنی عجیب بات ہے، کہ خدا نے اپنی مخلوق سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا۔ موسٰے

علیہ السلام سے کلام کر کے انہیں کلیم بنایا۔ اسی طرح عیسٰی علیہ السلام کو روح اللہ اور آدم علیہ السلام کو صفی اللہ کا لقب عطا فرمایا۔ اتنے میں حضور اکرم پہنچ گئے اور بعد از سلام فرمایا میں نے تمہاری گفتگو سنی ہے۔ بلا شبہ خدا نے حضرت ابراہیم کو خلیل، حضرت موسیٰؑ کو کلیم، حضرت عیسٰیؑ کو روح اور حضرت آدمؑ کو صفی کہا۔ لیکن میں اللہ کا حبیب ہوں۔ قیامت کے دن علم حمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں پہلا شافع اور پہلا مشفع ہوں۔ میں ہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا اور پھر کھول دیا جائیگا (ولا فخر) میں بہشت میں داخل ہوں گا۔ اور میرے ساتھ غریب مسلمان داخل جنت ہوں گے۔ نیز میں اولین اور آخرین میں سب سے بلند مرتبہ ہوں (ولا فخر)

حضرت انس سے روایت ہے، حضور اکرم نے فرمایا۔ میں سب سے پہلے قبر سے اٹھونگا اور جب وہ خاموش کھڑے ہوں گے، تو میں ان کا خطیب ہوں گا اور جب وہ اکٹھے ہونگے تو ان کا لیڈر ہوں گا۔ اور جب وہ گرفتار بلا ہوں گے تو میں شفیع ہوں گا اور جب مایوس ہوں گے۔ تو میں انہیں بشارت دونگا۔ جنت کی کنجی اور علم حمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور تمام انسانوں میں بلند مرتبہ ہوں (ولا فخر) اور اس دن ہزار خوبصورت غلام میری خدمت میں حاضر ہونگے (ترمذی، بیہقی) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، حضور اکرم نے فرمایا۔ ہم قیامت کے دن الآخرون الاولون ہونگے اور ہم ہی جنت میں پہلے داخل ہوں گے (مسلم) یہ امت سب سے پہلے قبروں سے نکلے گی، اور میدان حشر میں بہترین مقام پر جا کھڑی ہوگی، عرش کے سائے کے نیچے سب سے پہلے اسے جگہ ملے گی۔ اور اس کا حساب کتاب پہلے چکایا جائیگا اور پل صراط سے پہلے گزرے گی اور جنت میں پہلے داخل ہوگی اور زیادہ تر یہی لوگ جنت میں ہوں گے۔

عبداللہ بن امام احمد سے حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں مروی ہے۔ کہ جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ [۱] بسہ حضور اکرم

---

[۱] الواقعہ : ۴۰

نے فرمایا، تم اہل جنت کا تیسرا حصہ ہو، تم نصف ہو، بلکہ تم دو تہائی ہو۔ بہز بن حکیم کی حدیث میں مذکور ہے، آپ نے فرمایا، کہ اہلِ جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ ان میں اسی صفیں تمہاری ہوں گی۔ اور حضرت عمر بن الخطاب سے مروی ہے، حضور اکرم نے فرمایا، کہ جنت کا داخلہ، میرے داخلے سے پہلے تمام انبیاء پر حرام ہے اور اسی طرح امت محمدیہ کے داخلے سے پہلے باقی امم کو داخلے کی اجازت نہیں ہوگی۔ ابن ابو شیبہ نے حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں بیان کیا ہے۔ حضور اکرم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے۔ میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت بہشت میں داخل ہوگی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا، یا رسولؐ اللہ! میرا دل چاہتا ہے، کاش میں آپ کے ساتھ ہوتا۔ تاکہ میں بھی دیکھتا۔ آپ نے فرمایا، ہاں ابوبکرؓ، تم میری امت میں سے سب سے پہلے داخل جنت ہو گے۔ ترمذی حکیم نے جنت کے دروازوں کا ذکر کیا ہے ان میں اس نے باب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی کیا ہے، جسے باب الرحمۃ اور باب التوبہ کہنا چاہیئے۔ دارقطنی نے ابو امامہ سے روایت کی ہے، حضور اکرم نے فرمایا، میں اپنی امت کے برے لوگوں کے لئے کیا عمدہ شفیع ہوں۔ انہوں نے دریافت کیا، یا رسول اللہ اچھے لوگوں کا کفیل کون ہوگا۔ فرمایا وہ تو اپنے اعمال کے طفیل داخل بہشت ہونگے لیکن گناہ گار میری شفاعت کے بل بوتے پر داخل ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ کریم کو اپنی امت سے کتنی شفقت تھی۔

جنت میں حضورؐ اکرم کو حوض کوثر عطا ہوگا:۔ امام مسلم وغیرہ نے حضرت انس سے یہ روایت بیان کی ہے، کہ ایک دفعہ حضور اکرم مسجد میں ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے، کہ آپ پر غنودگی سی طاری ہوگئی، جب آپ نے سر اٹھایا، تو مسکرا رہے تھے، ہم نے مسکراہٹ کی وجہ پوچھی، فرمایا۔ مجھ پر ابھی یہ سورت نازل ہوئی ہے: اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرْ فَصَلِّ

لِرَبِّکَ وَانْحَرْ، اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ۔ پوچھا کیا تم جانتے ہو، کہ کوثر کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں فرمایا، وہ ایک نہر ہے، جس کا خدا نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ بخاری میں حضرت انس سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا جب معراج ہوگی۔ تو میں ایک ایسی نہر پر آکھڑا ہوا، جس کے دونو کناروں پر مجوف موتیوں کے گنبد نما قبے تھے۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا، یہ کیا ہے کہا یہ کوثر ہے ابن جریر نے حضرت انس سے یہ روایت بیان کی ہے، کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے، تو جبریل علیہ السلام آپ کو ایک نہر پر لے آئے۔ جس کے کناروں پہ موتیوں اور زبرجد کے محلات تھے۔ آپ نے اس کی مٹی کو سونگھا، تو اس سے کستوری کی خوشبو آرہی تھی۔ حضور اکرم نے جبریل سے پوچھا۔ اس نہر کا کیا نام ہے۔ فرمایا یہی وہ نہر کوثر ہے جو خدا نے آپ کو عطا کی ہے۔

امام احمد حضرت انس سے راوی ہیں، ایک آدمی نے حضورؐ اکرم سے دریافت کیا، یارسولؐ اللہ! کوثر کیا ہے؟ فرمایا، جنت کی ایک نہر کا نام ہے، جو خدا نے مجھے عطا کی ہے جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔ ابو عبیدہ، حضرت عائشہ سے راوی ہیں۔ میں نے دریافت کیا، اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ سے کیا مراد ہے؟ کہا، یہ وہ نہر ہے جو خدا نے نبیؐ اکرم کو دی ہے، جس کے کنارے مجوف موتیوں کے اور آبخورے ستاروں کی طرح تابدار ہیں (بخاری، اور نسائی میں یہ روایت اسی طرح مذکور ہے، حضرت عائشہ نے جواب دیا، یہ ایک نہر کا نام ہے جو جنت کے وسط میں ہے اور اس کے کناروں پر موتیوں اور یاقوت کے محل ہیں، جس کی زمین کستوری کی اور جس کے کنکر موتی اور یاقوت ہیں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے، رسولؐ اکرم نے فرمایا کوثر جنت کی ایک نہر ہے، اس کے کنارے سونے کے ہیں۔ اور اس میں جو پانی بہتا ہے۔ اس کی تہ میں موتی ہیں اور پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

(احمد، ابن ماجہ، ترمذی، حضرت انس راوی ہیں، حضور اکرم سے کوثر کے بارے میں دریافت کیا گیا، فرمایا، یہ جنت کی اس نہر کا نام ہے، جو خدا نے مجھے بہشت میں عطا کی ہے، جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔ اس میں ایسے پرندے ہیں۔ جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی طرح ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا، کہ یہ پرندے انسانوں کی خوراک ہیں اور رسول اکرمؐ نے فرمایا، کہ میں نے ان میں سے بہتر قسم کے پرندے کھائے ہیں

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں، کہ اس نہر اور حوض کا ذکر، احادیث میں اس تواتر سے آیا ہے، کہ آدمی کو ان کی حقیقت کا یقین ہو جاتا ہے۔

الوسیلہ، درجہ رفیعہ اور فضیلت کا مفہوم:- صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب موذن کی اذان سنو، تو تم بھی اس کے کلمات کو دہراؤ۔ اور پھر مجھ پر درود بھیجو، کیونکہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا، اللہ اس پر دس دفعہ درود بھیجے گا۔ پھر خدا سے میرے لئے الوسیلہ کی التجا کرو، وسیلہ جنت میں ایک مقام کا نام ہے، جو اللہ کے کسی خاص بندے کو عطا ہو گا۔ میں چاہتا ہوں، کہ وہ مقام مجھے عطا ہو۔ جو شخص بھی میرے لئے یہ دعا مانگے گا، اس کی شفاعت مجھ پر لازم ہو جائے گی۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں، کہ الوسیلہ، جنت کی بلند ترین منزل پر ایک محل ہے، جو حضورؐ اکرم کا مقامِ رہائش ہے اور جنت کا یہ مقام عرش الٰہی سے قریب ترین جگہ پر ہے جب حضورؐ اکرم اللہ کے عابد ترین بندے ہیں، اور آپ اسرار و رموز خداوندی سے سب سے زیادہ واقف ہیں، اللہ سے زیادہ ڈرتے اور اس سے زیادہ محبت کرتے ہیں، تو ضروری ہے، کہ آپ کی قیام گاہ خدا کے بہت قریب ہو اسی لئے حضورؐ اکرم نے اپنی امت کو حکم دیا ہے، کہ آپ کے لئے دتا قیامت، اس مقامِ قرب (الوسیلہ) کی

دعا مانگی جاتی رہے، تاکہ حضورؐ اس مقام کو حاصل کر لیں۔ خدا نے اس مقام تک حضور اکرم کی رسائی کو، آپ کی امت کی دعاؤں اور التجاؤں سے منسلک کر دیا ہے۔ کیونکہ امت کو حضورؐ اکرم کے ذریعے ہی سے ہدایت اور ایمان نصیب ہوا ہے۔

لفظِ فضیلت سے مراد وہ خاص رتبہ ہے، جو آپ کو باقی مخلوق کے مقابلے میں زائد عطا ہوا ہے، یہ احتمال بھی ہے، کہ اس سے مراد کوئی اور مقامِ خاص ہو، جس کا ہمیں علم نہیں، ابن مَردُوَیہ، حضرت علی سے راوی ہیں، حضورؐ اکرم نے فرمایا، جب تم اللہ سے کچھ مانگو، تو میرے لئے "الوسیلہ" کی دعا کرو۔ حضرت علیؓ نے دریافت کیا، یا رسولؐ اللہ وہاں آپ کے ساتھ اور کون ہو گا۔ فرمایا، علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ۔

ابن ابی حاتم، حضرت علیؓ سے راوی ہیں، انہوں نے کوفہ کے منبر پر فرمایا: "اے لوگو! جنت میں دو موتی ہیں، ایک سفید اور دوسرا زرد۔ سفید عرش کے درمیان واقع ہے اور مقامِ محمود سفید موتی سے بنایا گیا ہے۔ جس میں ستر ہزار محل ہیں اور ہر محل تین میل طویل ہے اس کی کھڑکیاں دروازے، دیواریں اور چھتیں ایک ہی اصل سے بنی ہونگی اور اس میں رسولؐ کریم اور اہل بیت قیام پذیر ہوں گے۔ اسی کا نام الوسیلہ ہے۔ زرد رنگ کا موتی بھی ایسا ہی ہو گا جس میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد سکونت اختیار کرے گی۔

عبداللہ بن عباس نے وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ[۱] کی تفسیر کی ذیل میں لکھا ہے، کہ خدا نے حضورؐ اکرم کو جنت میں ہزار محل عطا کئے ہیں، اور ہر محل، ازواج اور غلاموں سے بہترین طریقے سے آراستہ ہے (ابن جریر و ابن ابی حاتم)، ایسی بات وہی آدمی کہہ سکتا ہے، جسے علم ہو۔

---

[۱] الضحیٰ : ۵

خاتمہ

بخاری اور مسلم میں حضرت انس سے مروی ہے، ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، یارسول اللہ! قیامت کب آئیگی، حضورؐ نے پوچھا، تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے جواب دیا، یارسولؐ اللہ! تیاری ویاری تو کچھ نہیں، ہاں البتہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا۔ تم دنیا میں جن سے محبت کرتے ہو۔ آخرت میں ان کی رفاقت ہی میں ہو گے حضرت انس نے اس پر کہا، میں اللہ کے رسولؐ سے اور آپ کے بعد ابو بکرؓ اور عمرؓ سے محبت کرتا ہوں مجھے امید واثق ہے، کہ میں قیامت کے دن ان کی معیت میں ہوں گا۔

ایک عورت کو جو اپنی ذات پر بے الضافی کی مرتکب رہی تھی، مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا، کہ تجھ سے خدا نے کیا برتاؤ کیا، کہنے لگی، کہ مجھے معاف کر دیا گیا، پوچھا، کیوں کہنے لگی، کیونکہ مجھے حضورؐ اکرم کی ذاتِ مقدس سے محبت تھی [1] طُوْبٰی لَھُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ کی آیت پر غور کرو۔ طوبیٰ ایک درخت کا اب ہے۔ جسے خدا نے اپنے ہاتھ (قدرت) سے لگایا ہے۔ جس کے ساتھ زیور اور ریشمی سوٹ لگتے ہیں۔ اور جس کی ٹہنیاں فصیل جنت کے باہر بھی دکھائی دیتی ہیں اس درخت کی جڑ تو حضور اکرم کی قیام گاہ میں ہے اور ایک ایک ٹہنی ہر مومن کے گھر میں ہے۔ جنت کے تمام درجات میں اسی طرح کا درخت طوبیٰ اگا ہوا ہے تاکہ یہ بہشت کی ہر نعمت کی روح (بہترین حصہ) ہو اور ہر متوسل کو رسول کریم کے برگزیدہ حصے (ثمر) سے حصہ ملے۔ اور رسولِؐ اکرم کی ذاتِ مقدس ہی سے جنت معمور ہے اور کوئی متوسل بھی جنت میں کسی ایسی نعمت سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ رسولِؐ

---

[1] رعد : ۲۹

کریم اس سے متمتع نہ ہوں۔ کیونکہ کوئی متوسل جنت کی جس نعمت سے حظ اندوز ہوتا ہے وہ حضور اکرم کے اتباع کی وجہ ہی سے ہوتا ہے اور اس طرح سرِ نبوت، اس کی حظ اندوزی میں پایا جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جس طرح کہ شیطان نے جہنم کو اپنی شیطنت سے آباد کر رکھا ہے۔ چنانچہ ساکنانِ جہنم میں سے جس کو بھی عذاب دیا جاتا ہے۔ شیطان ہی اس کی تعذیب کا ذمہ دار اور حصہ دار بنتا ہے۔

ابن حیان نے قرآن کی اس آیت (عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا) کی تفسیر میں لکھا ہے، کہ یہ چشمہ بہشت میں رسولِ کریم کی قیامگاہ میں ہوگا جس کی نہریں تمام مومنین اور انبیاء کے گھروں میں پہنچائی جائیں گی۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے، کہ جنت کی سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار اور رسولِ کریم کی زیارت ہے۔ اسی طرح مومنوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور رسولؐ کے قرب کے علاوہ "رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ" بھی ہے۔ جسے بہشت سے بھی بڑی نعمت کہا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَکْبَرُ" اور بلاشبہ رضائے خداوندی اتنی بڑی نعمت ہے، کہ نہ تو کسی کے دل میں آسکتی ہے۔ اور نہ خیال میں سما سکتی ہے بالخصوص جب کہ چاہنے والوں کو روضۂ اُنس اور بارگاہِ قدس میں اپنے محبوب کی معیت (جو اس کی سب سے بڑی تمنا ہے) نصیب ہو جائے۔ چنانچہ کوئی لذت، کوئی مسرت اور کوئی کامیابی بھی اس معیت کی خوشی اور سرور کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بلکہ اس مسرت کے مقابلے میں، کسی اور مسرت کو مسرت کہہ بھی نہیں سکتے، بخدا دنیا کی کوئی چیز اتنی عظیم، جلیل، کامل، جمیل و عمدہ، شیریں، اعلیٰ اور قیمتی نہیں ہو سکتی جتنی کہ محبوب کی معیت، کہ جہاں انعام و اکرام کی بارش ہو رہی ہو۔ اور جہاں ان کا سچا معبود (جل جلالہ) صرف ایک لطیف پردے کی اوٹ میں ہو۔ اور اپنے چاہنے والوں پر ایسے انوار کی برکھا برسا رہا ہو جس کے اثرات ان کے دل و دماغ پر چھا گئے ہوں۔ اور جمالِ الٰہی کی تجلیوں نے انہیں

---

[1] الدھر: ۶ [2] توبہ: ۷۲

مبہوت کر دیا ہو۔ اور حضور اکرم کے حضور میں ان کے دل انوار الٰہی سے جگمگا اٹھے ہوں
بعد میں اللہ تعالیٰ اپنے جمال مقدس سے حجاب اٹھا دے۔ اور اس کی تجلی کو دیکھ کر سب لوگ
سجدے میں گر پڑیں۔ اس پر خدائے تعالیٰ حکم دے۔ اے میرے بندو! سجدے سے
سر اٹھاؤ، کہ اب سجدے کا موقعہ نہیں ہے۔ میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے، تاکہ تم
میرے دیدار سے حظ اندوز ہو سکو۔ میں تم سے اتنا خوش ہوں، کہ بعد میں بھی کبھی تم سے
ناخوش نہیں ہونگا۔ ان الفاظ سے بڑھ کر اور انہیں کیا چاہیئے اور اس سے بڑھ کر اور
کوئی بشارت نہیں ہو سکتی۔ اسی مبارک موقعہ پر یہ لوگ ان آیات کو تلاوت کریں گے:

۱۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ وَ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَۃِ مِنْ فَضْلِہٖ، لَا یَمَسُّنَا فِیْھَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْھَا لُغُوْبٌ، اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَکُوْرٌ۔[1]

۲:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَہٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ، نَتَبَوَّءُ مِنَ الْجَنَّۃِ حَیْثُ نَشَاءُ، فَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِیْنَ۔[2]

۳:۔ دَعْوٰھُمْ فِیْھَا، سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَتَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلَامٌ۔[3] وَاٰخِرُ دَعْوٰھُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

---

[1] فاطر: ۳۵ [2] زمر: ۷۴ [3] یونس ۱۰

ختم شد